چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز
کرن
MEMBER
APNS
CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
بانی ——— محمود بابر فیصل
نگران ——— محمود ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
مدیرِ اعلیٰ ——— عامر محمود
نائب مدیرہ ——— شعاع عمیر
مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور
اشتہارات ——— خالدہ جیلانی
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بیادِ محمود بابر فیصل

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے
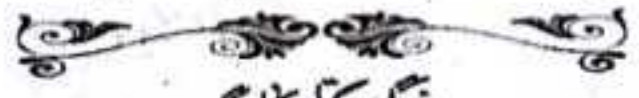
خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

مستقل سلسلے

اکتوبر 2015

جلد 38 شمارہ 7

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آذر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

۲۰۱۵ء اکتوبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
عید قربان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وطن عزیز میں بخیریت گزری۔ سنت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے رب کریم کی رضا و خوشنودی کی خاطر اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کی گئی اور تمام عالم اسلام میں وحدت و یگانگت کا عظیم الشان مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔
حج اجتماعی عبادت ہے۔ تمام عالم اسلام سے لوگ مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اس بار اس بابرکت موقع پر سانحہ صفا و مروہ اور سانحہ منیٰ پیش آیا جس میں سینکڑوں حجاج کرام ـــ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران شہید ہوگئے۔ ہم ان تمام شہداء کے لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور ان تمام شہدا کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔ (آمین)

محمود بابر فیصل (ذوالقرنین)

محمود بابر فیصل کو دنیا سے رخصت ہوئے دو عشروں سے زیادہ گزر گئے لیکن ان کی یادوں کے نقوش آج بھی اسی طرح تازہ ہیں۔
محمود بابر فیصل نے ناول بھی لکھا اور افسانے بھی لیکن ذوالقرنین کے روپ میں ان کی شخصیت کا ایک علیحدہ ہی رنگ تھا۔ ان کے شوخ، برجستہ جملے پڑھنے والوں کے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیر دیتے تھے۔ وہ جو سب کو ہنساتے تھے ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو دنیا سے رخصت ہو کر سب کی آنکھوں کو اشک بار کر گئے۔
ان کی برسی کے موقع پر بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں،

- یاد محمود بابر فیصل،
- عید الاضحیٰ پر پردیس میں رہنے والوں کے احساسات کے حوالے سے شاہین رشید کا خصوصی سروے،
- اداکارہ زینب جمیل سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار بلال قریشی کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- "اس ماہ میں" سیدہ نسبت زہرا کے مقابل ہے آئینہ،
- "داپنزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "وردائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول،
- "یہ گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ ابر راجہ کا مکمل ناول اختتام کی طرف،
- "تمہارا اسیر" شہنازہ صدیق کا مکمل ناول،
- "شاید" فائزہ افتخار کا دلکش ناولٹ،
- "محبت ہم سفر میری" شبانہ شوکت کا ناولٹ،
- "جیت" صدف آصف کا ناولٹ،
- صدف ریحان گیلانی، سیما بنت عاصم، نظیر فاطمہ، امت العزیز شہزاد، دیا شیرازی، عائزہ احمد اور آسیہ مظہر چوہدری کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،
کرن کتاب "کار آمد گھریلو ٹوٹکے" ہر شمارے کے ساتھ مفت حاصل کریں۔

تری حمد خالقِ دوجہاں، میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں
ہیں ہزاروں جلوے ترے عیاں، میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں

کہیں برگِ گل میں عیاں ہے تُو، کہیں بوئے گل میں نہاں ہے تُو
تُو کبھی عیاں تو کبھی نہاں، میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں

یہ زمیں پہ لالہ و نسترن، یہ فلک پہ نور کی انجمن
ترے حُسن کی یہ نشانیاں، میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں

یہ جہاں جن و بشر ترا، یہ نظامِ شمس و قمر ترا
ترا حکم چاروں طرف رواں، میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں

کہیں بلبلوں کے ہیں چہچہے، کہیں قمریوں کے ہیں زمزمے
سبھی ذاتِ پاک کے ہیں مدح خواں، میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں

تُو ہی بے کسوں کی امید ہے، تُو ہی بے نواؤں کی عید ہے
ترا لطف وجود ہے بیکراں، میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں

اثر فاضلی جے پوری

رسول مجتبیٰ کہیے، محمد مصطفیٰؐ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیے

جبین و رُخ محمدؐ کے تجلّی ہی تجلّی ہیں
کسے شمس الضحیٰ کہیے، کسے بدر الدجیٰ کہیے

جب ان کا ذکر ہو دُنیا سراپا گوش بن جائے
جب ان کا نام آئے مرحبا صلِّ علیٰ کہیے

مرے سرکارؐ کے نقشِ قدم شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستہ کہیے

محمدؐ کی نبوّت دائرہ ہے جلوۂ حق کا
اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رُکتے
مری آنکھوں کو ماہر چشمۂ آبِ بقا کہیے

ماہر القادری

کون دیس سدھار گئے

راحیلہ بلوچ

25 اکتوبر کا دن' ایک چاند کے بدلیوں میں چھپ جانے کا دن' ایک پھول کے مرجھا جانے کا دن... کیا کیا سانحہ نہیں توڑا اس دن نے۔ بیٹا روٹھا' بھائی بچھڑا' باپ چھوٹا' دوستوں کا دوست گیا۔

مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے' جس سے بابر بھائی کی ہمہ گیر شخصیت کا احاطہ کرسکوں۔ یہ تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم بابر بھائی کو خود سے جدا دیکھیں۔

یہ دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں' جب ایک بار انسان کے اندر گھر بنالیں۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں نکال نہیں سکتی۔ لاکھ اس دکھ کا ازالہ کریں' آنسو بہاکر' قلم کا سہارا لے کر لیکن ان کا وجود' ان کا نشان اندر کہیں نہ کہیں رہ ضرور جاتا ہے۔

اب بھی لگتا ہے جیسے وہ کہیں سے آجائیں گے' ہنستے مسکراتے' سگریٹ کے کش لگاتے' اپنی کرسی سنبھال لیں گے' اپنا پرچا سنبھال لیں گے' نئی لکھنے والیوں کو خط کا جواب لکھیں گے۔

"بی بی! "کرن" آپ بہنوں کا ہی پرچا ہے' اسے سنواریے' نکھاریے۔"

آپ کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے بابر بھائی کہ "نہلے پہ دہلا" کے پرانے سلسلے نہیں پڑھے جاتے' آپ نے ہمیشہ آگے اور آگے بڑھنے کا درس دیا ہے۔ اب ہم یہ ماضی کے سلسلے کیسے پڑھیں۔

بابر بھائی سے پہچان اس وقت ہوئی تھی جب ہم نے "کرن" پڑھنا شروع کیا۔ ان ہی دنوں لکھنے کا شوق چرایا اور پھر ہم نے بابر بھائی کو ایک طویل خط لکھا۔ پورے ایک مہینے بعد تک خط کا جواب نہ پاکر افسوس سا ہوا لیکن جب خط کا جواب ملا تو خوشی سے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ بابر بھائی نے لکھا تھا۔

"راحیلہ بی بی! "کرن" آپ بہنوں کا پرچا ہے' اسے سنواریے' نکھاریے' کھلی اجازت ہے۔ تمہارے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم اچھا لکھتی ہو' تو لکھو' خوب لکھو' اب جلدی سے ایک افسانہ بھیج دو۔ انتظار رہے گا۔"

یہ خط مجھے ان کی وفات سے ڈیڑھ ماہ پہلے ملا' کیا معلوم تھا' میرے لیے یہ ان کی پہلی اور آخری تحریر ثابت ہوگی۔

بہت چاہتے ہوئے بھی میں افسانہ جلد نہیں لکھ سکی۔ یہی سوچا کہ بہترین افسانہ لکھ کر بابر بھائی کو بھیجوں گی تاکہ جو اندازہ انہوں نے میری تحریر سے لگایا ہے' وہ مجروح نہ ہو۔ لیکن میں اچھا لکھنے کے بارے میں سوچتی رہی اور بابر بھائی ہم سب کو چھوڑ کر چل دیے یوں اچانک خاموشی سے۔

سب انتظار میں رہے اور وہ ایک شخص محفل سے خاموشی سے اٹھ کر چل دیا۔ ساری محفل اب بھی اداس ہے' منتظر ہے کہ ابھی کہیں سے ہنستا مسکراتا چہرہ نظر آئے گا اور سب کو اسی طرح شادمان کردے گا۔

پھر میں افسانہ "کرن" کو روانہ نہ کرسکی۔ جس شخص نے محبت' شفقت اور اپنائیت سے لکھنے کو کہا' جب وہ نہیں رہا تو پھر میں اپنے دل کو افسانہ لکھنے کے لیے کس کے لیے تیار کرتی۔

پھر دل چاہا بابر بھائی کی برسی پر ان کی محبت' شفقت پر کچھ الفاظ صفحہ قرطاس پر بکھیروں مگر ہمت ہی نہیں ہوئی جب بھی لکھنے کو قلم تھاما بس آنکھوں میں آنسو' اور گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹک جاتا جو مسلسل اذیت دیتا' دکھ دیتا اور میں قلم رکھ دیتی۔

اب بہت ہمت سے قلم تھاما ہے۔ ان کی ہر برسی پر یوں ہی لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو' وہ ایک شخص جسے

بیادِ محمود بابر فیصل

میں نے روبرو دیکھا بھی نہیں، صرف ایک قاری کی حیثیت سے ان کی تحریروں کی مداح رہی، ان کے بارے میں پڑھتی رہی اور صرف ایک خط وہ مجھے لکھ سکے اور اتنی سی پر خلوص رفاقت میں بھول نہیں پا رہی، تو وہ لوگ بابر بھائی کو کیسے بھول پائیں گے، جن کے درمیان بابر بھائی رہے، ہنسے کھیلے، لمحہ لمحہ ساتھ رہے، جس گود میں انہوں نے بچپن گزارا، جس آنگن میں وہ کھیلے، بہنوں اور بھائیوں کا پیارا بھائی، باپ کا سہارا بالآخر اس دنیا میں نہ رہا۔

اچھے اور مخلص لوگوں کو کون بھول پاتا ہے اور پھر بابر بھائی جیسی شخصیت، جن کی شخصیت کی تابناکی اور تنوع ان کی تحریروں میں بھی نمایاں ہے۔ خدا ایسے پیارے شخص کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے عزیزو اقارب کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین)

بابر بھائی یاد آئیں گے، ہر پل، ہر لمحے، جب جب کرن ہاتھ میں آئے گا ان جیسا کسی کا نام سننے کو ملے گا تو چونکیں گے۔ ان جیسی شکل نظر آئے گی تو ٹھٹکیں گے۔ ان کے لفظوں جیسا کوئی لفظ پڑھنے کو ملا تو دل دھڑکے گا، چاہے وقت کی لہروں پر زندگی کے کتنے دن بیت جائیں، کتنی ہی تپتی ہوئی ویران اور سنسان دوپہریں آکر ڈھل جائیں اور کتنی ہی شامیں اپنی فنا گاہوں میں ڈوب جائیں، جو یوں چپ چاپ چلے جاتے ہیں، وہ کبھی بھلائے نہیں بھولتے۔ امن، وفا اور دوستی کا پیغام دینے والا شخص کبھی بھول نہیں پائے گا۔

بابر بھائی! آپ تو ہمارے افسانوں کے منتظر رہتے تھے اور کہتے تھے۔

"دیکھو! افسانے کا اینڈ خوشگوار ہونا چاہیے۔"

اب آپ خود افسانہ بن گئے ہیں اور ہمیں روتا چھوڑ گئے۔ آپ تو بڑے انصاف پسند تھے، پھر یہ بے انصافی کیوں؟ اس قدر جلد رخت سفر تو نہ باندھا ہوتا۔ ایسا اچانک اور بے ارادہ سفر تو کوئی بھی نہیں کرتا۔

انشاء جی نے جو نوحہ اپنے دوست کی جدائی میں لکھا تھا، جب پہلی بار پڑھا تھا تو میں بہت روئی تھی۔ کیا خبر تھی کہ یہ جدائی کے الفاظ پیارے اور راج دلارے بھائی کے لیے بھی لکھنے پڑیں گے کہ آج پڑھتے ہوئے بھی رو رہے ہیں اور لکھتے ہوئے بھی۔

کل آپ کے نام خط لکھتے ہوئے خوشی ہوئی تھی۔ آج آپ کی جدائی پر یہ تحریر رلا رہی ہے۔ آنکھوں میں برسات ہے اور ہاتھ بھی لرزاں ہیں۔ آپ کی جدائی نے سب کو نڈھال کر دیا ہے بابر بھائی۔

خدا ہمیں اور آپ کے تمام عزیزو اقارب کو صبر دے اور آپ کو میرے پیارے بھائی کو خدا جنت کے بلند درجات پر پہنچا دے۔ (آمین ثمہ آمین)

☆ ☆
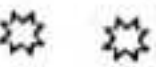
سرورق کی شخصیت

ماڈل	صائمہ
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی	موسیٰ رضا

ہم چاہے ساری دنیا گھوم لیں۔ باہر کی خوب صورتی اور لاء اینڈ آرڈر سے کتنا ہی متاثر کیوں نہ ہو جائیں۔ باہر کی فضا کتنی ہی پرسکون کیوں نہ ہو کوئی ٹینشن بھی نہ ہو اور نہ ہی کسی قسم کی چوری چکاری ڈاکہ زنی اور اسٹریٹ کرائم ہوں۔ مگر پھر بھی "ماں کی گود" کی طرح اپنے وطن کے لیے دل مچلتا رہتا ہے اور جس طرح "ماں کی گود" میں سر رکھ کر سکون اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے اس طرح اپنے ملک میں آکر بھی سکون اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔

ہمارے بہت سے بہن بھائی اور بچے ملک سے باہر زندگی گزار رہے ہیں کوئی جاب کے لیے گیا۔ کسی نے بزنس سیٹ کر لیا اور کسی کی شادی ہو گئی اور اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔۔۔ لیکن جب پاکستان میں کوئی تہوار ہو یا اپنوں میں کوئی دکھ سکھ ہو تو پاکستان کے لیے اور اپنوں کے لیے دل بے چین ہو جاتا ہے۔۔۔ عیدالاضحیٰ کا موقع ہے وطن سے دور رہنے والے کس طرح عید مناتے ہیں۔ آئیے ذرا معلوم تو کریں۔

سوال کچھ یوں ہیں کہ۔

(1) کتنے سال سے ملک سے باہر ہیں' آخری بار کب پاکستان میں عید منائی تھی۔

2 پاکستان میں قربانی گھر کے باہر اور دوسرے ملک میں Slaughter House سلاٹر ہاؤس میں ہوتی ہے۔ آپ کے خیال میں کیا بہتر ہے اور کیوں؟

دیارِ غیر کی عیدالاضحیٰ

شاہین رشید

رضوانہ پرنس : ۔ فری لانس رائٹر' قیام لندن (برطانیہ)

1 بے شک میرا قیام لندن میں ہے اور کافی سالوں سے میں لندن میں ہوں' لیکن میری کوشش ہوتی ہے کہ بقرا عید میں پاکستان میں ہی کروں' کیونکہ اپنے ملک میں بقرا عید کرنے کا جو مزا ہے وہ اور کہیں نہیں ہے۔

2 سوائے پاکستان کے پوری دنیا میں حتیٰ کہ مسلم ممالک میں بھی گھر قربانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ لندن میں ایک صاحب نے اپنے گھر کے باہر قربانی کا جانور ذبح کیا تو اسے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ تو میں حیران ہوتی ہوں کہ پاکستان میں اس کی اجازت کیوں ہے۔ خیر جب ملک سے باہر عید کرتی ہوں تو پھر یہی ہوتا ہے کہ اپنے اردگرد جو فیملیز ہوتی ہیں ان کے ساتھ مل کر گھر میں ہی پکوان پکا کر عید کا مزا لے لیتے ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو عید کا مزا اپنے ملک میں اور اپنوں کے ساتھ ہی ہے۔

ڈاکٹر ثاقب صادق :- (لو ٹیکنکل ایڈوائزر مکینکل- قیام ہوسٹن ٹیکساس امریکہ)

1 ماشاء اللہ سے تقریباً" 14' 15 سال سے ملک سے باہر ہیں اور آخری بار ہم لوگوں نے 2001ء میں عید الفطر منائی تھی۔ اس عید کا مزا ہی کچھ اور تھا سب لوگوں کے ساتھ صبح کی نماز سے پہلے سویاں کھانا' محلے کے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا' نماز کے بعد مسجد کے باہر سب کا آپس میں عید ملنا' سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جہاں "رزق" ہوتا ہے وہیں جانا ہوتا ہے 'اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں بہت سے لوگوں سے اچھا رکھا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی اپنوں کے ساتھ عید کرنے کا بہت دل چاہتا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر بار چھٹی مل جائے۔ ہم ارادہ تو کرتے ہیں مگر ہر دفعہ کچھ نہ کچھ مسئلہ ضرور ہو جاتا ہے۔

2 عید الفطر یا بقرا عید اگر ویک اینڈ پہ آئے تو پورا دن عید کی مصروفیات میں گزرتا ہے لیکن اگر عید ویک ڈیز میں آئے تو نماز کے بعد آفس چلے جاتے ہیں' پاکستان میں بقرا عید کی تیاری بکروں کی خریداری سے ہی ہوتی ہے اور تب تک چلتی ہے جب تک جانور حلال نہ ہو جائیں سب سے بڑا مسئلہ قصائی ڈھونڈنے کا ہوتا ہے جو کہ یہاں نہیں ہوتا' یہاں اگر قربانی کرنی ہو تو گوشت کی دوکان والے بکنگ کر لیتے ہیں اور ہم بعد میں جا کر گوشت گھر لے آتے ہیں۔ یہاں قربانی کے موقع پر یہ بات اچھی لگتی ہے کہ چاہے کتنے بھی جانور ذبح کیے گئے ہوں' باہر کوئی گندگی نظر نہیں آتی۔ یہی کچھ پاکستان میں بھی ہونا چاہیے۔ قربانی کے بعد گندگی کے جو ڈھیر سڑکوں پہ نظر آتے ہیں اور جو تعفن اٹھتا ہے اسے دیکھ کر بھلا کون ہمیں مہذب کہے گا جہاں اگر ہم گورنمنٹ کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں وہاں شہری بھی اتنے ہی ذمہ دار ہیں۔ ہم بھی تو صفائی ستھرائی اپنے طور پر کر سکتے ہیں جہاں ہم جانور کی خریداری اور عید کی تیاریوں میں اتنا پیسہ لگا دیتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ ہم صفائی کے لیے بھی پہلے سے ہی انتظام کر لیں۔ دنیا بدل گئی ہے ہمیں بھی بدل جانا چاہیے۔

فاخرہ گل :- (رائٹر+شاعرہ- قیام اٹلی)

1 میں تقریباً" 12 سال سے اٹلی میں ہوں اور یہ یاد نہیں کہ آخری بار کب پاکستان میں عید الاضحیٰ منائی تھی البتہ 2015ء کی عید الفطر پاکستان میں ہی کی تھی۔

2 مجھے تو عید الاضحیٰ کے لیے پاکستان کا سسٹم اس لیے پسند ہے کہ کم سے کم مہینہ نہیں تو ہفتہ پہلے تو قربانی کے جانور گھر لا کر ان کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ ناز نخرے اٹھائے جاتے ہیں۔ اور مجھے یاد ہے کہ ہم قربانی کے جانور سے اس حد تک مانوس ہو جاتے تھے کہ جانور کو قربانی کے لیے بھیجتے ہوئے دل بوجھل ہو رہا ہوتا تھا۔ تب امی ابو سمجھاتے تھے کہ قربانی کا تو اصل مقصد ہی یہی ہے کہ اپنی پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کیا جائے .... بیرون ملک تو نہ جانور کو گھر لا کر رکھا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی بچوں کو قربانی کی اصل روح سمجھائی جا سکتی ہے۔ سلاٹر ہاؤس میں صفائی ستھرائی کے لحاظ سے تو بہتر ہوتا ہے۔ مگر میرے لحاظ سے تو بہترین طریقہ پاکستان والا ہی ہے۔ جب بچوں کے سامنے گوشت کے تین حصے کر کے انہیں بتایا جاتا ہے کہ ہمارے مال

میں رشتے داروں اور غریبوں کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے۔ اور بچپن میں سیکھی گئی باتیں ہمیشہ ذہن میں محفوظ رہتی ہیں۔

راحیلہ فردوس :- (بانی بزم مصطفیٰ امریکہ۔ قیام نیوجرسی امریکہ)

1 میں گزشتہ 15 سال سے یو ایس اے میں ہوں اور عیدالفطر تو ہر سال پاکستان میں مناتی ہوں۔ البتہ عیدالاضحیٰ منائے ہوئے کافی سال ہو گئے ہیں۔ اس لیے اپنے حصے کی قربانی پاکستان میں کرواتی ہوں۔ کیونکہ وہاں اپنے رشتے دار بھی ہیں اور غریب غربا بھی تو جو حصے خدا نے مقرر کیے ہیں رشتے داروں، غریبوں اور اپنے لیے۔ اس کی تقسیم منصفانہ انداز میں ہو جاتی ہے۔

2 یہاں بھی لوگ قربانی کرتے ہیں، لیکن پاکستان میں تو آپ جانور گھر لاتے ہیں اس کی خدمت خاطر کرتے ہیں۔ تو قربانی کا جو تصور ہے وہ پورا ہو جاتا ہے یہاں تو "میٹ شاپ" پہ رقم دے دی جاتی ہے اور عید کے دن گوشت لے آتے ہیں مگر بانٹیں کیسے؟.... پاکستان میں قربانی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ اب کچھ سالوں میں جب بقرا عید گرمیوں میں آئے گی تو چھٹیاں ہوں گی تب میں پاکستان آکر بقرا عید کروں گی ان شاء اللہ اور آخر میں میری طرف سے سب پڑھنے والوں کو دلی عید مبارک کہہ دیں۔

نبیلہ ابر راجہ :- (رائٹر)

1 میں اس سال جدہ شفٹ ہوئی ہوں۔ تو یہاں میری پہلی بقرا عید ہو گی پاکستان میں گزاری گئی عیدیں اب میرے لیے یادگار عیدیں بن جائیں گی۔

2 گھر کے باہر قربانی کرنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ ایسا کرنے سے گندگی بہت ہو جاتی ہے اور ہفتوں جانوروں کی الائشیں سڑکوں پہ پڑی رہ جاتی ہیں جبکہ سلاٹر ہاؤس میں قربانی کرنے سے گندگی سڑکوں پہ نہیں پھیلتی۔ اگر ایسا پاکستان میں بھی ہو جائے تو کیا بات ہے۔

ڈاکٹر شہناز ثاقب :- (ورک ان امریکن ریڈ کراس انٹرنیشنل سوشل سروس اینڈ ریسٹورنگ فیملی۔ قیام ہوسٹن ٹیکساس)

1 اگر دل سے پوچھیں تو جو مزا پاکستان میں عید کرنے کا ہے وہ مزا کہیں بھی نہیں آیا ہمیں پاکستان سے نکلے ہوئے تقریباً" 14 سال ہو گئے ہیں اور پاکستان میں عید بھی نکلنے سے پہلے ہی منائی تھی۔ پاکستان سے آنے کے بعد پہلی عید تو جتنی پھیکی ہو سکتی تھی اتنی ہی تھی۔ جاب سے چھٹی افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی یہاں پرانے دوستوں کے سرکل میں جو پہلے سے رہ رہے ہوں زیادہ ویلکم نہیں کیا جاتا۔ اپنا

سرکل بنانے میں ٹائم لگتا ہے۔ اب تو پھر بھی عید ٗعید لگتی ہے۔ کینیڈا میں سات سال رہ کر اب امریکہ میں عید کا کوئی خاص فرق نہیں لگتا۔

2 بقراعید بھی ہماری عید الفطر جیسی ہی ہوتی ہے۔ نہ تو بکروں کی مے مے اور نہ ہی بچوں کی رونقیں جو جانوروں کو گھمانے پھرانے کے چکر میں گھر سے گھنٹوں غائب رہتے ہیں نہ ہی وہ صبح صبح انتظار کہ کب قربانی ہو اور کب کلیجی پکائیں یہاں گوشت والے کے یہاں پہلے جانور کی بکنگ کراؤ پھر کنفرم کرکے تیسرے دن گوشت لاؤ اور پھر بانٹو 'تو کیا عید کا مزا...... یہاں دور دور گھر ہوتے ہیں تو گوشت بانٹنے کے لیے بھی سستی آتی ہے۔ تو قربانی کا اصل مقصد تو پورا ہوتا نہیں ہے۔ یہاں تو صحیح معنوں میں کوئی حق دار ہی نظر نہیں آتا۔ اس لیے ہم تو پاکستان میں قربانی کے پیسے اپنے عزیزوں کو بھیج دیتے ہیں۔ تاکہ وہ ہمارے نام کی قربانی کردیں۔ اور غرباء اور مساکین میں گوشت تقسیم کردیں۔ ہم یہاں گوشت اور خاص طور پر کلیجی پکا کر عید اسٹائل میں عید منا لیتے ہیں۔ بس عید کے دن اپنے دوستوں' رشتے داروں اور پاکستان کی رونقیں بہت یاد آتی ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز رحمٰن :۔ (Consultant at NHS Trust۔ قیام مانچسٹر)

1 تقریباً 25 سال سے میں ملک سے باہر قیام پذیر ہوں اور آخری بار بقراعید میں نے گزشتہ سال ہی کی ہے۔

2 گھر کے باہر قربانی کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم اپنا مذہبی تہوار منا رہے ہیں۔ پھر ہمارے قریبی رشتے دار ہمارے قریب ہوتے ہیں۔ ہم اپنے ہاتھوں سے قربانی کا گوشت مستحق لوگوں میں تقسیم کرسکتے ہیں یا کرتے ہیں۔ لیکن بچوں کے سامنے قربانی کا یہ عمل بچوں کے لیے بہت ہی Drammatic ہوتا ہے اور پریشان کن ہوتا ہے اور یہ ایک پریشان کن بات ہے کہ بچے اسے دیکھیں اور اگر حفظان صحت کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جائے تو گھر میں قربانی کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔

سحرش فاطمہ :۔ (فری لانس رائٹر۔ قیام مدینہ سعودی عرب)

1 تمام پڑھنے والوں اور تمام مسلمانوں کو میری طرف سے عید مبارک۔ میں گزشتہ ایک سال سے ملک سے باہر ہوں۔ اس لیے آخری بار کب عید کی کا سوال کا جواب شاید چند سال بعد دے سکوں گی۔ اور ویسے بھی عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ اپنے ملک پاکستان میں ہی کرتی ہوں۔

2 پاکستان کی عید کی تو بات ہی کچھ اور ہے سب ایک ساتھ ہو کر ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد دیتے ہیں۔ پاکستان میں عید قرباں کرنے کا یہ فائدہ کہ جانور گھر لا کر اس کی خاطر مدارات کر کے اسے قربان کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے مذہب میں حکم ہے اور پھر اپنے ہاتھوں سے غریب' غرباء مساکین اور وہ رشتے دار جو قربانی افورڈ نہیں کر سکتے گوشت تقسیم کرتے ہیں۔ ویسے بھی عید اپنوں میں ہی اچھی لگتی ہے۔ باہر کے ملکوں میں گھر سے باہر قربانی کی اجازت نہیں ہوتی۔ لہٰذا مسلم کمیونٹی مل جل کر عید مناتے ہیں۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ کون کس ذات کا اور رنگ و نسل کا ہے۔ باہر سلاٹر ہاؤس ہوتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ اپنے گھر میں اپنی آنکھوں کے سامنے قربانی کی جائے۔ اپنے ہاتھ سے ادا کیے گئے فرض کی خوشی ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

شیخ تنزل :۔ (آئی ٹی فنکشنل انالسٹ ۔ قیام دبئی)

1 پاکستان سے باہر دبئی میں رہتے ہوئے 3 سال ہو گئے ہیں اور آخری بار عید الاضحیٰ 2011ء میں لاہور میں کی تھی۔

2 دوسرے ملکوں میں سلاٹر ہاؤس میں قربانی ہوتی ہے اور میرے خیال میں یہ ایک بہترین طریقہ ہے کیونکہ یہاں حفظان صحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ بندہ گندگی سے محفوظ رہتا ہے پاکستان میں گھر کے باہر ہوتا ہے جس سے بہت زیادہ گندگی ہو جاتی ہے روڈ پر خون پھیل جاتا ہے۔ آلائشیں اٹھانے والے دیر سے آتے ہیں اور بہت بدبو پھیل جاتی ہے۔ سلاٹر ہاؤس میں اگرچہ قربانی مہنگی پڑتی ہے مگر انسان بکرے کی خریداری' قصائی کی منت سماجت سے بچ جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان گھر میں اور گھر سے باہر پھیلنے والی گندگی سے بچ جاتا ہے۔

عینی زیدی :۔ (آرٹسٹ۔ قیام امریکہ)

1 مجھے ملک سے دور رہتے ہوئے 17 سال ہو گئے ہیں اور سترہ سال پہلے ہی میں نے پاکستان میں عید منائی ہوگی۔ درمیان میں عید منانے کبھی پاکستان نہیں گئی۔

2 قربانی کا طریقہ جو پاکستان میں ہے وہ سب سے الگ ہے باقی سب جگہ ایک سا ہی ہے۔ لیکن جو مزا پاکستان میں عید کرنے کا ہے وہ کہیں نہیں' کوئی تہوار ہو یا عید یا بقرا عید ہو اس کا مزا پاکستان میں ہی ہے۔ یہاں تو عجیب سی بے رونقی ہوتی ہے۔ تو میں تو پیسے بھجوا دیتی ہوں پاکستان میں اور قربانی میرے نام کی ہو جاتی ہے۔ اور زیادہ تر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ کچھ ہی لوگ ہیں جو یہاں قربانی کرتے ہیں اور کس طرح کرتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ سلاٹر ہاؤس میں کرتے ہیں یا کہیں اور۔

سمیرا عزیز : ۔ (فلم میکر + آر جے اینڈ صحافی + Activist۔ قیام جدہ سعودی عرب)

1 میں سعودی نیشنل ہوں اور پہلی سعودیہ کی فلم میکر ہوں بالی ووڈ کی ۔ بچپن کا کچھ عرصہ کراچی میں گزارہ ۔ آخری بار عید 18 سال پہلے پاکستان میں گزاری تھی یا منائی تھی۔

2 پاکستان میں گھر کے باہر قربانی ہوتی ہے۔ مذہبی لحاظ سے یہ ہی طریقہ ہے مگر اس سے گندگی بہت ہو جاتی ہے۔ بدبو، مکھیاں، ہر طرف خون اور پھر ان کے حصے بنانا۔ بے چاری خواتین بھی بہت تھک جاتی ہیں۔ اگر صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جائے تو یہ بہترین طریقہ ہے قربانی کا، بچے اور نئی نسل قربانی کے Concept سے آگاہ ہوتے ہیں۔ سلاٹر ہاؤس میں قربانی سے ٹائم کی بہت بچت ہو جاتی ہے اور اس ٹائم کو ہم اپنے رشتے داروں کے ساتھ گزار سکتے ہیں کیونکہ لائف آج کل بہت مصروف ہو گئی ہے۔ جدہ میں ہم سلاٹر ہاؤس میں قربانی کرتے ہیں اور کھالیں حکومت کی منظور شدہ چیریٹی آرگنائزیشن لے جاتی ہیں۔

زینب جمیل سے ملاقات

شاہین رشید

"خبرناک" سے اپنی پہچان بنانے والی زینب جمیل کو آپ آج کل "سسرال میری بہن کا" اور "پارس" میں دیکھ رہے ہیں۔ زینب کے ابھی چند ہی سیریلز آن ایر ہوئے ہیں اور سب میں ان کا رول مختلف ہی رہا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زینب کردار لیتے وقت خاص طور پر اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ کردار کا ٹکراؤ نہ ہو۔

٭ "کیسی ہیں زینب اور کیا مصروفیات ہیں؟ "سسرال میری بہن" کے علاوہ؟ کیا آن ایر ہے کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

☆ "آن ایر تو آپ کو پتا ہی ہے "سسرال میری بہن کا" اور "پارس" ہے اور جہاں تک انڈر پروڈکشن کی بات ہے تو کچھ ڈرامے تکمیل کے مراحل میں ہیں اور کچھ شروع ہونے والے ہیں۔"

٭ "مطلب کافی کام کر رہی ہیں تو سیریل "آپ کی کنیز" میں آپ کا کام دیکھا تھا تو کیا وہ پہلا پروجیکٹ تھا آپ کا؟"

☆ "نہیں نہیں وہ میرا تیسرا پروجیکٹ تھا' پہلا سیریل "مل کے بھی ہم نہ ملے" تھا وہ فیصل بخاری کا تھا۔"

٭ "مزا آرہا ہے اس فیلڈ میں؟ "آپ کی کنیز" میں بہت بولڈ دکھائی گئیں۔ عام زندگی میں کیسی ہیں؟"

☆ "ہاں بہت مزا آرہا ہے اور عام زندگی کی بات کی تو عام زندگی میں بولڈ اور شائے (shy) کا مکسچر ہوں ... اور ایک اور ڈرامے میں' میں "آپ کی کنیز" سے مختلف رول میں آؤں گی جو پوزیٹو ہوگا۔"

* "خبرناک میں تو بہت shy نظر آتی تھیں؟"

☆ "اصل میں تو شائے ہوں مگر کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں بولڈ ہونا پڑتا ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو پھر لوگ آپ کو انڈر اسٹیمیٹ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔"

* "نام آپ کا زینب جمیل ہے۔ لڑکی آپ آج کے دور کی ہیں تو نام پرانا کیوں؟"

☆ ہنستے ہوئے..... "بالکل اگر پرانا ہے تو کیا ہوا.... لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے اپنا نام بہت پسند ہے اور مجھے لگتا ہے کہ میں اپنے نام کی وجہ سے ہی بہت اسٹرونگ ہوں۔ کیونکہ نام کا اثر آپ کی شخصیت پہ بہت ہوتا ہے... اور میرا نام میرے والدین نے ہی رکھا تھا... اور پیار سے مجھے گھر والے "زینی" بلاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کسی نے میرا نام بگاڑا نہیں۔"

* "کب کہاں پیدا ہوئیں؟"

☆ "30 مارچ 1990ء میں ہمیں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئی 'کیونکہ میرا ننھیال وہاں تھا۔ جبکہ میری تعلیم و تربیت تو لاہور میں ہی ہوئی ہے۔ میرا ستارہ Pices ہے جبکہ میرا ایک بھائی اور میرے علاوہ دو بہنیں ہیں۔ میرا نمبر پہلا ہے اور میں گریجویٹ ہوں۔"

* "اس فیلڈ میں آپ ہی ہیں یا گھر میں کوئی اور بھی ہے؟"

☆ "کوئی نہیں ہے۔ صرف میں ہی ہوں۔"

* "اچھا.... گھر والے سپورٹ کرتے ہیں آپ کی؟"

☆ "گھر والے بہت سپورٹ کرتے ہیں۔ بہت خوش ہیں اور بہت حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ تب ہی تو میں کام کرتی ہوں 'ورنہ کہاں کر سکتی تھی۔"

* "گریجویٹ ہیں.... کیا سوچا تھا کہ کیا بننا ہے؟"

☆ "سچ بتاؤں.... ہاؤس وائف ہی بننے کا سوچا تھا اور ہاؤس وائف ہی بنوں گی 'مگر ابھی ٹائم نہیں ہے۔"

* "اپنی پسند سے ہاؤس وائف بننا ہے یا والدین کی پسند سے؟"

☆ "جی ہم تو کچھ نہیں کہہ سکتے' یہ فیصلے تو کہیں اور ہوئے ہوتے ہیں ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

* "اس فیلڈ میں آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے.... تو پھر آپ کیسے آگئیں اس فیلڈ میں؟"

☆ "میں نے انٹرنشپ کی تھی "جیو" میں تو پھر مجھے "خبرناک" کے لیے آفر آگئی تو میں نے جوائن کر لیا یہ پروگرام۔"

* "تو ٹیلنٹ کام آیا یا آپ کی خوب صورتی کام آئی۔"

☆ "میری اپیرنس Appearance کام آئی۔ انہوں نے کہا کہ کام کریں گی تو میں نے کہا کروں گی... اور "خبرناک" دیکھنے کے بعد "فیصل بخاری" نے مجھ سے رابطہ کیا اور یوں میرا پہلا سیریل "مل کے بھی ہم نہ ملے" تھا۔"

* "خبرناک میں شوپیس کی طرح تھیں۔ بہت کم بولنے کا موقع ملتا تھا۔ اور معاوضہ بھی کچھ ملتا تھا یا نہیں؟"

☆ "شوپیس تو نہ کہیں۔ اچھی خاصی پرفارمنس دینی پڑتی تھی 'تب ہی تو معاوضہ ٹھیک ٹھاک ملتا۔ مجھے ایک

پروگرام کے 22 ہزار ملتے تھے اور مجھے تو شوبز کی لائف بہت اچھی لگ رہی ہے اور برائیاں کہاں نہیں ہوتیں ہر جگہ ہوتی ہیں اور اب تو اس فیلڈ میں بہت پڑھے لکھے لوگ آگئے ہیں۔"

* "لاہور میں آپ کی فیملی ہوتی ہے اور آپ یہاں کراچی میں۔ تو مسئلہ تو نہیں ہوتا؟ اور اپنے گھر جاتی ہیں تو کیسا لگتا ہے؟"

☆ "نہیں جانے آنے کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا اور میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں جاؤں تو اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی وقت گزاروں اور میرا دل چاہتا ہے کہ میرے جانے سے پہلے گھر والے اپنے کام ختم کرلیں تاکہ وہ مجھے پراپر ٹائم دے سکیں۔ تو کبھی کبھی اس بات پر مجھے تھوڑی پریشانی ہوتی ہے۔"

* "سوشل ہیں' دل چاہتا ہے ہلہ گلہ کرنے کو لاہور جاکر؟"

☆ "نہیں ایسا ہلہ گلہ کرنے کو دل نہیں چاہتا' میں سوشل تھی اور ہوں بھی لیکن' جو مزا کالج کے زمانے کا تھا وہ اب نہیں ہے کالج میں تھی تو دوستوں کے ساتھ ویلنٹائن ڈے بھی مناتی تھی۔ لال کپڑے بھی پہنتے تھے مگر اب تو سارا وقت شوٹ میں ہی گزرتا ہے۔ ہاں 14 اگست کے دن بہت جذبہ ہوتا ہے تو گرین سوٹ پہن کر باہر گھومنے پھرنے بھی نکلی تھی نیو ایئر بھی مناتی ہوں اور عید تو بہت ہی بھرپور طریقے سے مناتی ہوں۔ ہاں' روزوں کے لیے میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ پورے رکھوں۔"

* "دن رات شوٹ' گھبراتی ہیں... بھوک ستاتی ہے؟ برداشت کرتی ہیں یا چڑچڑی ہو جاتی ہیں؟"

☆ "شوٹ سے نہیں گھبراتی مزا آتا ہے... اور بھوک نہیں ستاتی' کیونکہ مجھے زیادہ بھوک لگتی ہی نہیں ہے تو چڑچڑی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ویسے بھی میرے پاس ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں کھا کر میں اپنی بھوک کو قابو میں رکھتی ہوں۔"

* "اپنے ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

☆ "بالکل جی... بہت شوق سے دیکھتی ہوں۔ مجھے اپنے ہر ڈرامے کے آن ایئر ہونے کا انتظار رہتا ہے۔ بہت غور سے اپنے ڈرامے دیکھتی ہوں کہ کہاں غلطی کی ہے تاکہ اپنے آپ کو سدھار سکوں اور لوگوں کی تنقید کو بھی بہت غور سے سنتی ہوں تاکہ خامیوں کو دور کرسکوں۔"

* "کبھی سوچا تھا کہ اس فیلڈ میں آئیں گی' نام کمائیں گی؟ سین کے لیے ڈائریکٹر کو تنگ کرتی ہیں یا جلدی او کے ہو جاتا ہے؟"

☆ "نہیں کبھی نہیں سوچا تھا۔ بالکل سب کچھ اچانک ہی ہو گیا کہ ایک دم سے خبرناک کے لیے آفر آگئی اور پھر ڈرامے کے لیے آفر آگئی... اور ڈائریکٹر کو تنگ نہیں کرتی' اچھی بچی ہوں۔ ہاں ایک سین جو کہ سیریل "آپ کی کنیز" کا تھا اس میں مشکل ہوئی تھی جب دکھایا جاتا ہے کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے تو... کیونکہ اللہ کا شکر ہے کہ میں ایک اچھی لائف گزار رہی ہوں۔ تو بس رونے دھونے والے سین کرنے ذرا مشکل لگتے ہیں۔"

* "اور رومانٹک؟"

☆ "نہیں... وہ بھی بس ٹھیک ہو ہی جاتے ہیں۔"

* ''فلمیں کس قسم کی پسند ہیں؟.... آفر آئی؟''

☆ ''مجھے ہر طرح کی فلمیں پسند ہیں اور فلم میں کام کرنے کا شوق بھی ہے اور ہمایوں سعید کی ایک فلم ''یہ جوانی پھر نہیں آئے گی'' میں کام بھی کر رہی ہوں۔''

* ''رول کس طرح کے کرنا چاہیں گی؟''

☆ ''ہر طرح کے کروں گی، لیکن زیادہ تر پوزیٹو رول ہی کروں گی، ایک دو میں نگیٹو کیے ہیں۔ مگر کوئی خاص مزا نہیں آیا۔ ویسے ابھی تک کوئی کردار ایسا نہیں کیا کہ کر کے پچھتاوا ہوا ہو۔''

* ''بچپن کی کوئی برائی جواب تک برقرار ہے؟''

☆ ہنستے ہوئے.... ''ہاں ہے مجھے بچپن سے ہی عادت نہیں ہے وقت کی پابندی کرنے کی اور یہ عادت آج تک برقرار ہے.... اور چونکہ پاکستان میں کسی کو بھی یہ عادت نہیں ہے۔ اس لیے مجھے مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔''

* ''ڈرامے کے کردار حقیقی ہوتے ہیں؟''

☆ ''نہیں بالکل نہیں.... اور ہم حقیقت کے برعکس پرفارم کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کو تو اداکاری کہتے ہیں۔ اور زندگی میں کون سچ مچ تھپڑ کھاتا ہے مگر میں نے ڈرامے میں تھپڑ کھایا۔''

* ''ہاؤس وائف بننے کے علاوہ کیا بننے کی خواہش ہے؟''

☆ ہنستے ہوئے ''ہاؤس وائف کے لیے بھی ابھی ٹائم چاہیے۔ ویسے میرا ارادہ بزنس کرنے کا اور فیوچر میں پروڈکشن ہاؤس کھولنے کا ہے۔''

* ''کوکنگ سے لگاؤ ہے؟''

☆ ''نہیں کوئی خاص نہیں، لیکن اگر کبھی پکانا پڑ بھی جائے تو آلو گوشت اور قیمہ آلو اچھا پکا لیتی ہوں۔''

* ''ویسے کھانا اور ناشتا کس کے ہاتھ کا پسند ہے اور غصہ کس پہ اترتا ہے۔ کھانے پر یا کسی اور پہ؟''

☆ ''اپنی ماں کے ہاتھ کا.... وہ بہت اچھا پکاتی ہیں۔ اور میں تو پہلے ہی بہت کم کھاتی ہوں، اگر غصے میں بھی کھانا پینا چھوڑ دوں گی تو نقصان میرا ہی ہوگا۔''

* ''لوگ عام جگہوں پہ ملتے ہیں تو کیا فرمائش کرتے ہیں؟''

☆ ''بھئی آج کل تو ایک ہی فرمائش ہوتی ہے کہ پلیز ایک سیلفی ہو جائے تو میں سب کے ساتھ تو سیلفی نہیں بنواتی جو لڑکیاں یا خواتین مجھے بہتر لگتی ہیں ان

کے ساتھ بنواتی ہوں۔"

* "لوگوں کو انڈین فنکاروں سے شکلیں ملانے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ آپ کو لوگوں نے کس سے ملایا؟"

☆ ہنستے ہوئے "جی میرے لیے کہتے ہیں کہ تمہاری شکل انوشے شرما سے ملتی ہے۔ تو میں خوش نہیں ہوتی بلکہ بس سن لیتی ہوں اور مسکرا دیتی ہوں۔"

* "اگر انڈین فلم سے آفر ہو تو کس کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دیں گی؟"

☆ "مجھے سلمان خان بہت پسند ہیں اور میری خواہش ہوگی کہ میں جب بھی انڈین فلم میں کام کروں تو سلمان خان کے ساتھ کروں۔"

* "نیند پیاری ہے یا کام؟"

☆ "کام تو سب کو ہی پیارا ہوتا ہے... لیکن مجھے نیند بھی پیاری ہے۔ لیکن کام کے معاملے میں، بہت ایکٹو Active ہوں اور ذرا لیٹ ہو جاؤں اور بیڈ پر ہوں تو چھلانگیں مارتی ہوئی اٹھتی ہوں اور فوراً" تیار ہو کر چلی جاتی ہوں۔"

* "تیار ہونے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوتا؟"

☆ "نہیں بالکل نہیں... لوگ کہتے ہیں کہ تم سادگی میں زیادہ اچھی لگتی ہو اس لیے مجھے اتنی پروا نہیں ہوتی۔"

* "شادی کی رسومات میں شوق سے جاتی ہیں؟"

☆ "اگر مہندی مایوں کا فنکشن ہو تو... اگر یہ رسومات نہ ہوں تو پھر نہیں جاتی بشرطیکہ کوئی مجبوری نہ ہو۔"

* "اپنے عادت و اطوار میں کیا کمی محسوس کرتی ہیں؟"

☆ "مجھے لگتا ہے کہ مجھ میں مستقل مزاجی کی کمی ہے... تھوڑی ضدی بھی ہوں فیصلے کرنے میں سوچتی بہت ہوں۔"

* "غلطی تسلیم کر لیتی ہیں؟"

☆ "ہاں... جی بالکل۔"

* "اپنی شخصیت کے لیے کیا کہنا چاہیں گی؟"

☆ "میں خوابوں میں رہنے والی لڑکی ہوں۔ مجھے خواب دیکھنا اور پھر ان کو اصلی کر دکھانا پسند ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے زینب جمیل سے اجازت چاہی۔

☆ ☆

میری بھی سُنیے

محمد بلال قریشی

شاہین رشید

1 "نام؟"

"محمد بلال قریشی۔"

2 "پیار کا نام؟"

"صرف بلال... یا پھر کبھی کبھی مُنی بھی کہہ دیتے ہیں۔"

3 "جنم دن؟/ شہر؟"

"9 فروری/ سعودی عرب (جدہ)۔"

4 "بہنیں اور بھائی؟"

"چار بہنیں، ہم دو بھائی۔"

5 "تعلیم؟/ شادی؟"

"گریجویشن/ الحمدللہ ہو گئی ہے۔"

6 "شوبز کا سفر؟"

"بہت مشکل سے طے کیا ہے تب کہیں جا کر جگہ بنی ہے۔"

7 "آج کل آن ایئر سیریل؟"

"کانچ کی گڑیا۔"

8 "پہچان بنا؟"

"ننھا سا دل... مطلب ٹیلی فلم تھی۔"

9 "میری نیند کا ٹائم؟"

"پہلے صبح سوتا تھا۔ شادی کے بعد روٹین بدل گئی ہے۔"

10 "صبح اٹھ کر پہلا کام؟"

"پانی پینا۔"

11 "کونسا وقت زندگی میں ضرور آتا ہے؟"

"اچھا اور برا... برا پہلے آجائے تو اچھے وقت کی بہت قدر ہوتی ہے اور بندہ بار بار شکر کرتا ہے۔ میں نے بھی برے کے بعد اچھا ٹائم دیکھا تو بہت قدر کرتا ہوں۔"

12 "کیا برا لگتا ہے؟"

"لوگوں کی نصیحتیں... نصیحت، بچوں کے لیے کار آمد ہوتی ہیں، بڑوں کے لیے نہیں اور میں اب بڑا ہو چکا ہوں۔"

13 "برے وقت میں کوئی کام آتا ہے؟"

"سب اچھے وقت کے ساتھی ہوتے ہیں۔ برے وقت میں تو سب نصیحتیں ہی کرتے ہیں۔"

14 "میں ڈرتا ہوں؟"

"اپنے ہی غصے سے... بہت تیز ہے میرا غصہ۔"

15 "کس کا غصہ مجھ میں ٹرانسفر ہوا؟"

"شاید میری امی کا۔"

16 "مجھے کوئی شوق نہیں؟"

"اپنا فون نمبر بار بار بدلنے کا۔ دس سال سے ایک ہی نمبر ہے میرے پاس۔"

17 "کس کو نمبر دے کر نہیں پچھتاتا؟"

قہقہہ... "لڑکیوں کو۔ مگر اب سنبھل گیا ہوں۔ شادی جو ہو گئی ہے۔"

18 "کس کے ساتھ اداکاری کرنے کی خواہش ہے؟"
"شاہ رخ خان کے ساتھ۔"
19 "دیرینہ خواہش؟"
"فلم میں کام کرنا۔۔۔ جنون کی حد تک خواہش ہے۔"
20 "میں نے سوچا تھا کہ؟"
"کہ ویلن ٹائن ڈے پر شادی کروں گا اور میں نے ایسا ہی کیا 14 فروری کو ہی شادی کی میں نے۔"
21 "ایک خواہش جو پوری ہوئی؟"
"کہ جب میں رات کو تھکا ہوا گھر آؤں تو میری بیوی میرا انتظار کر رہی ہو۔ سو ایسا ہی ہوتا ہے۔"
22 "میری ایک اچھی عادت ہے؟"
"مجھے تو یہی لگتی ہے کہ میں اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا ہوں۔"
23 "کون بزدل ہوتا ہے؟"
"جو خودکشی کرتا ہے۔۔۔ حالات سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ لڑنا چاہیے۔"
24 "معاف کرنے کی خوبی کس میں ہوتی ہے؟"
"میرے خیال میں مرد کی۔ عورت میں ذرا کم ہوتی ہے۔"
25 "بہت خوش ہوتا ہوں؟"
"جب چھٹی کے دو چار دن ملنے پر لاہور جاتا ہوں اپنے والدین کے پاس۔۔۔ میری مستقل رہائش لاہور میں ہے۔"
26 "کیا برداشت نہیں کر سکتا؟"
"بھوک اور نیند۔۔۔ نیند تو کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے اور بھوک شدید ہو تو بس۔۔۔ فوراً" کھانا چاہیے ہوتا ہے۔"
27 "ایک بری عادت جس پر قابو پانا سیکھ لیا ہے؟"
"پہلے غصے میں بے قابو ہو کر اپنے آپ کو زخمی کر لیتا تھا۔ اب ایسا نہیں ہے۔ شکر الحمدللہ۔"
28 "کن کی بہت عزت کرتا ہوں؟"
"خواتین کی، عورت کا بڑا رتبہ ہے خواہ وہ ماں کے بہن کے یا بیوی کے روپ میں ہوں۔ یا پھر بیٹی کے روپ میں۔"
29 "مہمانوں کی آمد؟"
"بہت اچھی لگتی ہے۔ میں بہت مہمان نواز ہوں۔"
30 "خرچ کرتا ہوں؟"
"دوسروں پر۔۔۔ اپنے اوپر خرچ کرنے کا شوق نہیں ہے۔"
31 "کھانے کا اصل مزا؟"
"فیملی کے ساتھ چٹائی پہ بیٹھ کر کھانے کا جو مزا ہے وہ کہیں بھی نہیں ہے۔"
32 "مجھے نشہ ہے؟"
"انٹرنیٹ اور فیس بک کا، رہ نہیں سکتا ان کے بغیر۔"
33 "مستقبل میں میرے ارادے؟"
"میاں بیوی اور بچے۔۔۔ خوشحال گھرانہ۔۔۔ اور ٹوٹ کر لیکن جان لگا کر محنت کرنا۔"
34 "چھٹی کا دن گزارتا ہوں؟"
"اپنے بیڈ پر۔۔۔ اور کہیں نہیں۔"
35 "Sms الرٹ کس کے لیے رہتا ہوں؟"
"ظاہر ہے بیوی کے لیے۔۔۔ اور کس کے لیے رہنا ہے۔"
36 "لوگ سمجھتے ہیں کہ؟"
"ہم کوئی بہت خاص لوگ ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم بھی عام لوگوں کی طرح ہی ہیں۔ جیسے عام لوگ کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے ہیں ہم بھی ویسے ہی کرتے ہیں۔ بس ٹی وی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور تو کوئی خاص بات نہیں۔"
37 "گھر سے نکلتے وقت نہیں بھولتا؟"
"موبائل فون اٹھانا۔۔۔ آخر بیگم کے Sms کے جواب بھی تو دینے ہوتے ہیں۔"
38 "مذہب سے میری قربت؟"
"بہت زیادہ ہے۔۔۔ اور مزید قریب ہونا چاہتا ہوں مذہب کے۔"
39 "چوٹ لگ جائے تو؟"

"سوائے امی کو پکارنے کے اور کوئی زبان پر نام نہیں آتا۔"

40 "تروتازہ محسوس کرتا ہوں؟"

"جب کام کر کے گھر آتا ہوں۔ عموماً "شام کو اور رات کو اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کرتا ہوں۔"

41 "فقیر کو دیتا ہوں؟"

"ایک فقیر دوسرے فقیر کو کیا دے سکتا ہے۔ پھر بھی حسب توفیق کچھ دے ہی دیتا ہوں۔"

42 "کب بہت خوش ہوتا ہوں؟"

"جب کوئی دل کھول کر میری تعریف کرتا ہے۔"

43 "گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"

"پورے گھر میں۔۔۔ کیونکہ گھر ہے ہی سکون کی جگہ۔"

44 "لڑکیاں گھوریں تو؟"

"گھورتی رہیں۔ ہر اچھے اور خوب صورت انسان کو لوگ گھورتے ہی ہیں (قہقہہ)۔"

45 "خوشی میں پہلا جملہ؟"

"شکر الحمدللہ۔"

46 "ملک سے باہر جا کر کیا سیکھا؟"

"سیکھا تو بہت کچھ تھا۔ پر پھر جیسا دیس ویسا بھیس۔"

47 "شاہ دل یا کنجوس؟"

"اپنے لیے کنجوس' دوسروں کے لیے شاہ دل۔"

48 "تحفہ میں میری ترجیح؟"

"پرفیوم۔۔۔ میرے خیال میں اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں۔"

49 "میری کوشش ہوتی ہے کہ؟"

"میری وجہ سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور سب مجھ سے خوش رہیں۔"

50 "جھوٹ بولتا ہوں؟"

"ہاں 'ہاں' بولتا ہوں۔ مگر دوسروں کو مشکل سے نکالنے کے لیے ورنہ ذرا کم ہی جھوٹ بولتا ہوں۔"

51 "پہلی ملازمت؟"

"جب یو ایس پڑھنے گیا تھا تو چھوٹی سی ملازمت کی تھی' جس کے 100 ڈالر ملے تھے۔"

52 "شاپنگ یہ پہلی ترجیح؟"

"گھر سے باہر نکلتا ہوں تو پہلے کچھ نہ کچھ کھانے کو ترجیح دیتا ہوں پھر شاپنگ کرتا ہوں۔"

53 "شاپنگ کے لیے پسندیدہ جگہ؟"

"جہاں سے کچھ پسند آ جائے خرید لیتا ہوں۔ کوئی خاص جگہ نہیں ہے شاپنگ کے لیے۔"

54 "غصے میں پہلا لفظ؟"

"اب یہ تو نہ پوچھیں۔۔۔ سنسر ہو جائے گا۔"

55 "کیا وقت سے پہلے ملا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہمیشہ جو ملا دیر سے ہی ملا۔ پھر بھی رب کا شکر ادا کرتا ہوں۔"

56 "باہر جا کر کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

"ان کی ایمانداری' چیزوں کا خالص ہونا' جھوٹ نہ بولنا' مسکرا کر بات کرنا اور قوانین کو فالو کرنا۔"

57 "کیا چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے؟"

"کچھ خاص نہیں۔ پرفیومز مجھے پسند ہیں۔ سو اسی کی ایکسٹرا خریداری ہو جاتی ہے۔"

58 "کیا چیزیں اس دنیا میں نایاب ہیں؟"

"محبت' خلوص اور دوسروں کے لیے اچھی سوچ۔"

59 "زندگی کی ساری جدوجہد کس کے لیے؟"

"اپنے لیے ہرگز نہیں۔ انسان بہ ذات خود تو دو وقت کی روٹی اور سادہ لباس میں بھی گزارہ کر لیتا ہے۔ یہ ساری جدوجہد تو دوسروں کو سکھ دینے کے لیے ہی ہوتی ہے۔"

60 "زندگی نے کب کروٹ لی؟"

"زندگی تو ہر وقت کروٹیں بدلتی رہتی ہے' کبھی اچھا وقت آ جاتا ہے تو کبھی برا۔۔۔ زندگی تو اتار چڑھاؤ کا نام ہے۔ دن اور رات کا نام ہے۔ عروج و زوال کا نام ہے۔"

☆ ☆

مقابل ہے آئینہ

سیدہ نسبت زہرا

ادارہ

س "آپ کا پورا نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

ج "سیدہ نسبت زہرا... گڑیا اتنا مشہور اور فارملی ہو چکا ہے کہ اکثر لوگوں کو نہیں پتا کہ میرا نام کیا ہے۔ فرینڈز البتہ نسبت ہی کہتی ہیں۔"

س "کبھی آئینے نے آپ سے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟"

ج "ہاہاہا... کچھ پوچھ کہا ہم تو اکثر آئینے کو ستاتے رہتے ہیں ڈنکے کی چوٹ پر با آواز بلند۔

حسن والوں کو سنورنے کی ضرورت کیا ہے
سادگی میں بھی قیامت کی ادا ہوتے ہیں
اور یہ بھی اکثر
معصوم نظر بھولا مکھڑا، چہرے پر تبسم
تصویر کا جب یہ عالم ہے تو حسن مجسم کیا ہو گا
اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے سب کچھ دیا کبھی کسی بات کی کمی نہیں لگی اللہ نے بہت جینئس بنایا ہے (آہم)۔"

س "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج "میرے مام، ڈیڈ، برادرز، سسٹرز، ذریت حسن (بھانجا)۔"

س "آپ اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

ج "2002ء میں جب میرے ماموں سید سجاد بخاری کی ڈیتھ ہوئی، وقت جلدی بیت جاتا ہے اور بچھڑ جانے والے دوست ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتے۔ اے کاش! کہ میرے دوست مجھ سے پھر ایک بار آملیں، دوست کبھی نہیں بچھڑتے وہ "آج" بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے (آہ)۔"

س "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج "میرے لیے محبت، محبت خواہش کے موسم میں کیف آگہی بارش ہے۔ جس لمحے برس جائے، زندگی اسی لمحے میں قید ہو جاتی ہے۔ پھر اس ٹھہرے ہوئے لمحے میں اپنا آپ مڑ مڑ کر دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ محبت تو وہ ہے جو انسان کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک لے جاتی ہے جو "من" اور "تو" فرق مٹا کے عشق مجازی سے عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر طے کراتی ہے۔ زمین کے سفر میں اگر کوئی شے آسمانی ہے تو وہ "محبت" ہے جو دلوں پر چپکے سے "وحی" کی مانند اترتی ہے اور وجود کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہے۔"

س "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"

ج حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے۔" میں نے خدا کو پہچانا، ارادوں کے ٹوٹ جانے، نیتوں کے بدل جانے اور ہمتوں کے پست ہو جانے سے۔" تو میں کوئی بھی منصوبہ نہیں بناتی جب کرتا اس ذات نے ہے تو راضی بہ رضا۔"

س "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور کیا ہو؟"

ج "میرے بھائی کا ایم بی بی ایس کمپلیٹ ہوا، سید آصف رضا (U.K) اور ڈائجسٹ میں پھر سے لکھنا

اسٹارٹ کیا۔"

س "آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

ج "اللہ پر ہمیشہ بھروسہ وہ بہتری کرنے والا ہے۔ خوش امیدی کی ترنگ۔"

س "آپ اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج "حساس، برداشت کرنے والی اور ہر کسی کا ادب واحترام چاہے وہ اپنا ہو یا غیر چھوٹا ہو یا بڑا۔"

س "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوں؟"

ج "2010ء میں، میں بہت بیمار ہوئی، سوچوں تو آج بھی کانپ جاتی ہوں۔"

س "آپ کی کمزوری۔۔۔ آپ کی طاقت کیا ہے؟"

ج "چیزوں میں پوچھا تو ٹوٹری، ذریت حسن (بھانجا) طاقت، میرے بھائی عاقم رضا اکاؤنٹنٹس منیجر اور ڈاکٹر آصف۔"

س "آپ خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"

ج "بہت ہنستی ہوں، اچھا کھانا بناتی ہوں۔ شعر سناتی ہوں (کوئی سنتا ہی نہیں ہاہاہا۔۔۔) اور فیملی اکٹھی ہو کر انجوائے کرتے ہیں۔"

س "آپ کے نزدیک دولت؟"

ج "اچھی لائف گزارنے کے لیے ضروری ہے۔ ففٹی ففٹی۔"

س "گھر" آپ کی نظر میں؟"

ج "تحفظ" ملتا ہے گھر میں پرسکون ہونے کی جگہ۔"

س "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"

ج "میری میموری بہت تیز ہے مجھے کچھ بھی کبھی نہیں بھولتا، ویسے معذرت قبول کرنے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔"

س "اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں؟"

ج "میری نانو، میری ماما شاہدہ بخاری۔"

س "سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے؟"

ج "کام جلدی ہو جاتا ہے، زندگی آسان اور سہل ہے لیکن انسان سست ہو گیا ہے۔"

س "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"

ج

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان مگر پھر بھی کم نکلے

"ایک خواہش، کاش کہ بہت پیاری سی اپنی شاعری کی کتاب کمپلیٹ کروں۔"

س "برکھا رت کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

ج

پھر ساون رت کی پون چلی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے

بارشوں کے اداس موسم میں خود کو دیکھو تو یاد آئے کوئی
کاش ایک بار یوں بھی ہو جائے میں پکاروں تو لوٹ آئے کوئی

اب بس یادیں بن گئیں یہ سب تو۔

س "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"

ج "اس بات سے خوش ہوں کہ اللہ نے جیسا بنایا۔ کوئی خواہش نہیں کہ ایسی ہوتی 'ویسی ہوتی.... پرسکون ہوں اپنی پرسنالٹی سے 'اتنا منفرد بنایا سب سے۔ہاں منفرد لوگوں کو ہمیشہ مار سہنی پڑتی ہے۔ طعنوں کی یا تنہائی کی (ہاہاہاہا)۔"

س "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"

ج "جب تلاوت کرتی ہوں تو لگتا ہے کہ کوئی سن اور دیکھ رہا ہے۔ جب اکثر راتوں کو رو کر اس ذات سے دعا مانگتی ہوں تو دل سے آواز آتی ہے۔

آج دی رات میں کلاں وان
آج دی رات نے میرے سونہڑے ربا
نیڑے ہو کے بول

س "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

ج "خلوص اور محبت بھی کبھی اچھی 'سنی ہوئی پوئٹری۔"

س "اپنی خوبی یا خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"

ج "میری سب سے بڑی خوبی یا خامی ہر کسی کی عزت 'پیار 'محبت کرنا لوگ نہ جانے پھر کیا سمجھتے ہیں کہ شاید مجھے کچھ سمجھ نہیں۔ ضرورت سے زیادہ حساس۔"

س "آپ کیا مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں؟ یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟"

ج "اگر کوئی مجھے چیلنج کرے تو پھر اس کو دکھاتی ہوں کہ دیکھو میں نے ایسا کر لیا۔ بہت پاور فل ہوں میں ۔۔۔ اسٹرانگ۔"

س "متاثر کن کتاب 'مصنف 'مووی؟"

ج "نہج البلاغہ 'لکنی جدون 'تیری راہ میں رل گئی' مووی کی جگہ کہانی دی۔ مویز نہیں دیکھتی۔"

س "آپ کا غرور؟"

ج "فیملی 'میرا قلم 'ویسے آپس کی بات ہے غرور کرنا اچھی بات نہیں۔"

س "کوئی ایسی شکست جو آج بھی اداس کر دیتی ہے؟"

ج "میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے لگتی ہوں۔ اکثر ساری ساری رات میں روتی ہوں پتا نہیں کیوں مجھے دکھ ہوتا ہے۔ کاش میں بھی بے حس ہو جاؤں۔"

س "کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جو آپ کو حسد میں مبتلا کر دیتی ہو؟"

ج "نہیں 'نہیں 'کبھی بھی نہیں۔ مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے کامیاب لوگوں کو دیکھ کر۔ ہاں! البتہ محسن نقوی کی شاعری پڑھ کر دل چاہتا ہے ایسے اشعار میں بھی کہہ سکتی کبھی ۔۔۔ یہ رشک ہے۔"

س "مطالعہ آپ کی نظر میں؟"

ج "تنہائی سے بچاتا ہے۔ زندگی کا شعور سکھاتی ہے اور اچھے برے راستے کے تعین میں اچھی کتاب بہترین ساتھی ہے۔"

س "آپ کی پسندیدہ شخصیت؟"

ج "زوجہ حیدر کرار بی بی فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔"

س "ہمارا پورا پاکستان خوب صورت ہے آپ کا خاص پسندیدہ مقام؟"

ج "پاکستان کو بہت خوب صورت کہنا بے جا نہیں' پاکستان بہت خوب صورت ملک ہے۔ بس امن وامان بھی قائم ہو جائے تو کیا کہنا۔ مجھے پر سکون جگہ اچھی لگتی ہے چاہے وہ گاؤں ہو 'شہر ہو یا کوئی وادی کا خوب صورت دلکش حسین منظر۔

یہ اشک تیرے میرے رائیگاں نہ جائیں گے
ان ہی چراغوں سے روشن محبتیں ہوں گی

✲ ✲

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پا کر کے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوا دی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کرکے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہو جاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور
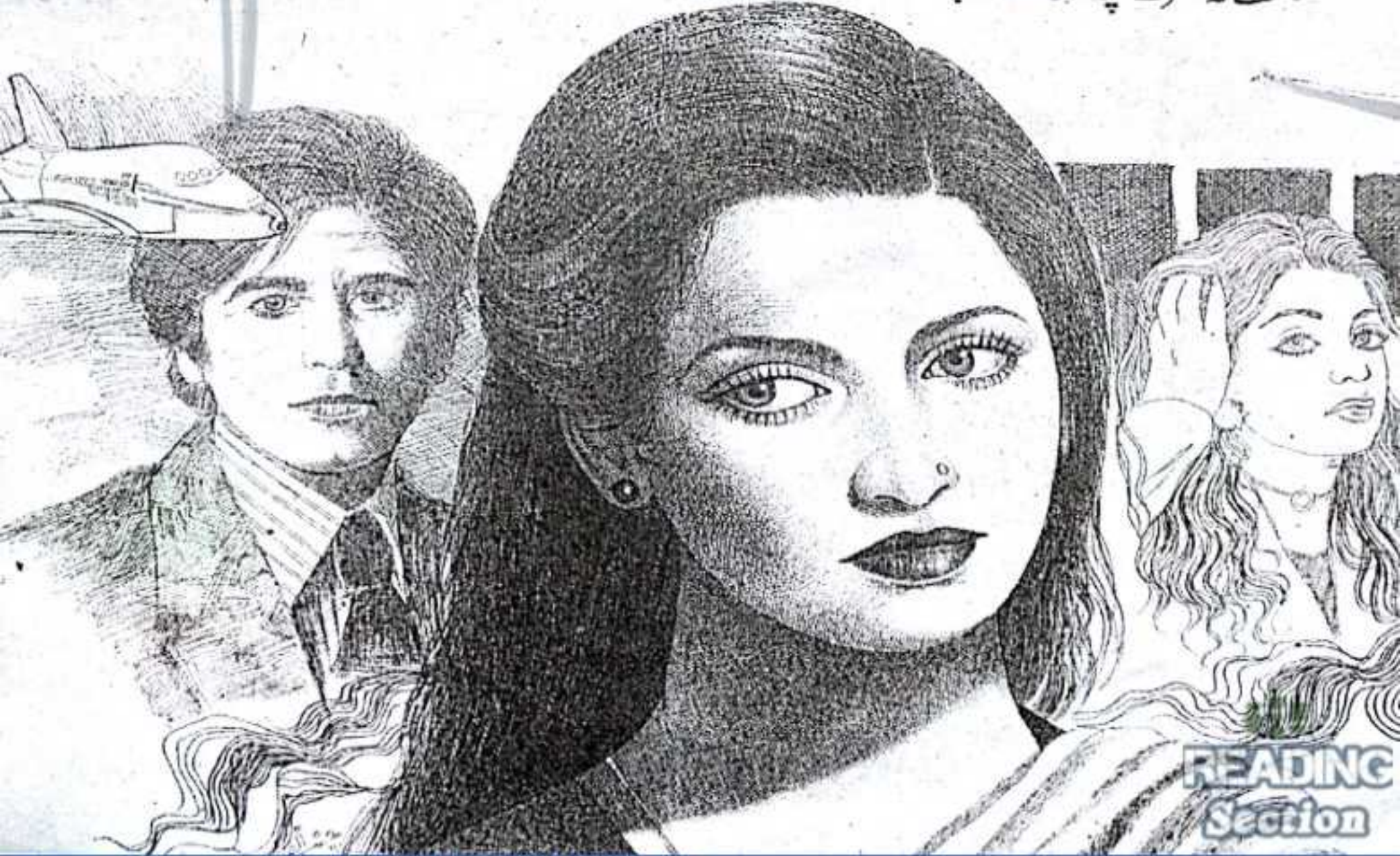
دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ کی ساس کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپرواہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتے ہیں۔

اب آگے پڑھیے

چوتھی قسط

"زری یہ تولیا تمہارا ہے یا نمنا کا؟" امی نے کمرے میں آتے ہوئے سوال کیا تھا۔ زری نے فوراً" ہاتھ میں پکڑا موبائل تکیے کے نیچے اڑسا۔

"مجھے تو ہمیشہ بھول جاتا ہے کہ سفید تولیا نمنا کا ہے یا گلابی والا۔ تم ہی بتاؤ۔" امی نے اس کے آگے سفید تولیا رکھا تھا۔ ان دونوں بہنوں نے چند دن پہلے ہی نئے تولیے خریدے تھے اور امی کو پہچان نہیں ہو رہی تھی۔ آج کپڑے دھلے تھے اور وہ ان کے کپڑے وغیرہ الگ الگ کر کے تہ لگا کر الماریوں میں رکھ رہی تھیں۔

"امی سفید والا اس کا ہے۔ گلابی والا میرا ہے۔ گلابی بڑا ہے۔ سفید چھوٹا ہے۔ میرے بال لمبے ہیں اس لیے میرا تاول بڑا ہے۔ آپ یہ نشانی یاد کرلیں نا" زری نے مشورہ دیا تھا۔

"یہ بھی اچھی کہی کہ میں یاد کرلوں۔ تم لوگ خود ہی اپنی چیزیں سنبھال کر رکھ لو تو مجھے یاد کرنے کی ضرورت ہی نا پڑے۔ دوپہر سے کپڑے تار سے اتار کر وہاں صوفے پر رکھے ہوئے ہیں۔ رات ہو گئی۔ مجال ہے دونوں میں سے کسی نے ہاتھ بھی لگایا ہو۔ اتنا سا کام نہیں ہوتا تم دونوں سے کہ اپنے کپڑے ہی تہ لگا کر الماریوں میں رکھ لو۔ دھونا تو دور کی بات ہے۔ لوگوں کی بیٹیاں تو نا صرف ماؤں کے ساتھ کپڑے دھلواتی ہیں بلکہ استری کر کے الماریوں میں سجاتی بھی ہیں اور یہاں میری شہزادیاں خود الماریوں میں رکھنے تک کی روادار نہیں۔" امی کا یہ روز کا سبق تھا جو وہ انہیں پڑھاتی رہتی تھیں۔

"امی میں تو کتنے ہی کام کرتی ہوں۔ مجھے کیوں ڈانٹ رہی ہیں۔ نمنا کو ڈانٹا کریں نا۔ وہ تو ہل کر پانی بھی نہیں پیتی۔" زری ناراضی سے بولی۔ اس کا خیال تھا کہ نمنا کی لاپروائی کی وجہ سے اسے بھی بلاوجہ امی سے ڈانٹ پڑ جاتی ہے۔

"ارے ان محترمہ کی بھی خوب کہی۔ وہ خود اٹھ کر یونیورسٹی چلی جاتی ہیں۔ سمجھو قلعے فتح کرلیتی ہیں۔ ایم اے نہیں کررہیں۔ ہمارے سر احسان کررہی ہیں۔" امی انتہائی چڑ کر بولی تھیں پھر انہیں یک دم احساس ہوا کہ نمنا موجود نہیں تھی۔

"نہیں کدھر تمہاری بہن صاحبہ۔ سو گئی کیا؟" انہوں نے اس کے بستر کی طرف دیکھا جس پر لحاف کھلا پڑا تھا جو یقیناً "شام کو سوتے وقت کھولا گیا تھا اور ابھی بھی تہ لگا کر رکھا نہیں گیا تھا۔ اس کی کتابیں کپڑے اور دوسری اشیا ایسے ہی بکھری رہتی تھیں۔

"نمنا کہاں ہے؟" انہوں نے زری سے سوال کیا تھا۔ چہرے پر کچھ تفکر سا نظر آیا۔ زری نے سوال سے زیادہ چہرے کے تاثرات پر غور کیا تھا۔

"وہ خالہ کی طرف گئی ہے۔ کہہ رہی تھی سلیم سے کتابیں لینی ہیں دس منٹ پہلے ہی سیڑھیاں اتری ہے۔" اس نے وضاحت کی۔

"یہ ہر وقت منہ اٹھا کر خالہ کی طرف کس خوشی میں چلی جاتی ہے وہ۔ ہر دو گھنٹے بعد اسے سلیم سے کوئی نیا کام یاد آجاتا ہے۔" امی کے چہرے پر بڑھتی ہوئی پریشانی کی لکیریں زری کو حیران کررہی تھیں۔ خالہ کا گھر نمنا کے لیے اس کا اپنا ہی گھر تھا۔ وہاں جانے کے لیے وہ وقت اور اجازت دونوں کی کبھی محتاج نہیں رہی تھی۔ امی نے بھی کبھی ٹوکا نہیں تھا لیکن اب نجانے کیوں اس طرح پریشان ہوئی چلی جارہی تھیں۔ پہلے بھی اسی بات پر ناراض ہورہی تھیں اور اب بھی برا مان رہی تھیں۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ ابھی چند منٹ پہلے ہی۔" زری نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن امی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم کس لیے صفائیاں پیش کررہی ہو' وضاحتیں دے رہی ہو۔ چپ کرو۔ عیسی کا گواہ موسی۔ جاؤ جاکر اسے بلا کرلاؤ۔" امی اسے ڈپٹ کر بولیں۔

"امی آجائے گی۔ کون سا پہلی بار گئی ہے۔ آپ تو بلاوجہ ہی ناراض ہوئی جارہی ہیں۔ کوئی بات ہوئی ہے کیا۔ پہلے تو آپ نے کبھی نہیں ٹوکا نمنا کو۔" وہ حیران تھی۔ امی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"جتنا کہا ہے نا اتنا کرو۔ وکیل بن کر ماں سے سوال جواب نا شروع کردیا کرو۔ اٹھو جاؤ۔" وہ پہلے سے زیادہ ناراضی لہجے میں سمو کر بولی تھیں۔

زری کا موڈ بھی خراب ہوا۔ خالہ کا گھر ایک گھر چھوڑ کر ہی تھا لیکن اس وقت وہ سیڑھیاں اتر کر جانے کا سوچ کر ہی اکتا گئی تھی لیکن چونکہ امی غصے میں تھیں اس لیے وہ مزید بحث کیے بنا ان کے رویے میں آنے والی تبدیلی کے متعلق قیاس لگاتی اٹھی تھی اور سرہانے پر پڑا دوپٹا کندھے پر رکھ کر دروازے کی سمت بڑھی۔ چند لمحوں بعد وہ خالہ کے دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا ہی تھا۔ ان کے گھر کا دروازہ کھلا ہی رہتا تھا۔

خالہ کی ایک ہی بیٹی اور چار بیٹے تھے۔ بیٹی کی انہوں نے شادی کردی ہوئی تھی اور اب گھر میں صرف لڑکے ہی تھے جن کا ہر وقت اندر باہر آنا جانا لگا رہتا تھا اس لیے دروازہ بند ہوتا ہی نہیں تھا۔ وہ اطمینان سے اندر آگئی۔ ٹی وی کی آوازیں باہر تک آرہی تھیں۔ خالہ پاکستانی چینلز پر آنے والے سیریلز بڑے شوق سے دیکھنے کی عادی تھیں اور پھر ان سیریلز پر سیر حاصل بحث بھی کرتی تھیں۔ زری اس وقت کسی سیریل کی پوری روئیداد سننے میں انٹرسٹڈ نہیں تھی۔ سلیم کا کمرہ بیرونی دروازے کے بالکل ساتھ تھا۔ وہ خاموشی سے سلیم کے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔

"یہ ممکن نہیں ہے سلیم" اس نے نمنا کو کہتے سنا۔ اس کے قدم وہیں جم سے گئے۔ یہ نمنا کے الفاظ نہیں تھے

بلکہ یہ اس کا اندازہ تھا جس نے اسے باہر رک جانے پر مجبور کیا۔ وہ اتنی بے چارگی سے سلیم کو کس "ناممکن امر" کے متعلق بتا رہی تھی۔ زری نے دروازے کی اوٹ میں ہوتے ہوئے کان اندر جاری گفتگو کی جانب لگاتے ہوئے مزید کچھ سننے کی کوشش کی۔

✡ ✡ ✡
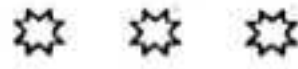
"انسان ختم ہو جاتے ہیں۔ زندگی باقی رہتی ہے۔" حبیبہ نے افسردگی سے بھرپور لمبی گہری سانس بھری تھی۔ صوفیہ کے دل کو عجیب سے دھڑکے نے آگھیرا۔ ہلکے گلابی رنگ کے کرتا شلوار میں بنا کسی آرائش کے سادہ چہرے کے ساتھ بھی اس کا رنگ روپ کسی کا بھی دل موہ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کی دمکتی ہوئی گندمی رنگت اس کی چمک دار گہری آنکھیں، عنابی ہونٹ اس کا گلابی لباس اور کلائی میں موجود واحد سنہرا کنگن۔ سفید کفن میں لپٹی مجید بھائی کی میت سامنے پڑی تھی۔ صوفیہ دیکھتی رہ گئی۔ بے رنگ بیوگی نے تو حبیبہ کو مزید رنگ دار بنا دیا تھا۔

اس نے سر پر ڈوپٹا اوڑھ رکھا تھا لیکن اس نزاکت کے ساتھ کہ اس کا چہرہ اس ڈوپٹے کے ہالے میں مزید دمکتا ہوا لگتا تھا۔ لباس ریشم کا تھا اور ریشم کا لباس ہلکے رنگ کا ہو تو بھی دیکھنے والوں پر بڑا گہرا تاثر چھوڑ دیتا ہے۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر چہرہ افسردہ تھا اور ان سب کے ساتھ بیٹھی صوفیہ، حبیبہ کو ہی دیکھتی جاتی تھی۔

حادثے کی اطلاع ملتے ہی اس کے حواس جیسے گم ہو گئے تھے۔ اس کا دل لرز کر رہ گیا تھا۔ اسے حبیبہ سے نفرت تھی لیکن اس کو کبھی بد دعا تو نہ دی تھی اس نے۔ وہ اس کا برا تو نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کبھی اس کا سہاگ چھن جانے کی دعا نہیں کی تھی لیکن مجید بھائی کی حادثاتی موت نے اسے ڈرا دیا تھا۔ اس کے ضمیر نے بہت ملامت کی تھی اسے۔ جنازے میں شرکت سے پہلے تک وہ اپنے بیڈ روم میں بیٹھی کاشف کی لمبی زندگی کی دعائیں مانگتے ہوئے بے آواز روتی رہی تھی اور حبیبہ کے شوہر کی مغفرت کے لیے دعا بھی کرتی رہی تھی۔ جنازے میں شرکت سے پہلے تک اس نے حبیبہ کے اجڑے ہوئے سراپے کو کئی بار خیالوں ہی خیالوں میں اپنے ارد گرد منڈلاتے دیکھا تھا اور اسے دل ہی دل میں اس پر ترس آیا تھا۔

اس کا سہاگ چھن گیا تھا۔ اب کیا بچ گیا تھا اس کے پاس۔ صوفیہ کے خیال میں حبیبہ نام کا قصہ ختم ہو گیا تھا۔ اس کے خاندان میں، عزیز و اقارب میں حتیٰ کہ فلموں ڈراموں میں بھی "بیوگی" مضمون کا وہ جملہ تھی جس کے بعد فل اسٹاپ لگا دیا جاتا ہے اور فل اسٹاپ کے آگے تو کچھ نہیں ہوتا۔ صوفیہ کے خیال میں بھی حبیبہ اب "کچھ" نہیں رہی تھی۔ اس لیے اس کی ہمدردی میں صوفیہ کا دل کافی افسردہ تھا۔ وہ اس کے دل کے صبر و قرار کے لیے بھی دعائیں کرتی رہی تھی لیکن جب جنازے میں شرکت کے لیے پہنچی تو سارا منظر جیسے اس کی توقعات کے برعکس تھا۔

حبیبہ افسردہ تو تھی لیکن اس کا حلیہ ویران نہیں تھا۔ اس کے بال بکھرے نہیں تھے۔ اس کی کلائیاں خالی نہیں تھی اور اس کا حسن ماند نہیں ہوا تھا۔ صوفیہ کو نجانے کس نے کہہ ڈالا تھا کہ بیوگی حسن کے چھن جانے کا نام ہے اور وہ حبیبہ کے حسن سے ہی تو خائف تھی جو مزید نکھر کر سامنے آگیا تھا۔ صوفیہ کو اس کی جانب دیکھتے ہوئے یہ تک بھول گیا کہ وہ موجود کہاں ہے۔ وہ کسی ملکہ کی طرح سنگھاسن پر بیٹھی نظر آتی تھی اور اس کا ہر انداز ثابت کر رہا تھا کہ ملکہ بیوہ ہو کر بھی ملکہ رہتی تھی۔

وقفے وقفے سے کاشف کو اس کے پاس آنا پڑ رہا تھا۔ اسپتال کے معاملات تھے۔ پولیس کی کارروائی تھی۔ قبرستان اور گورکن کے انتظامات تھے۔ کاشف مرنے والے کا بزنس پارٹنر تھا۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ یہ سب معاملات سنبھالتا لیکن نجانے کیوں صوفیہ کو لگا کہ وہ سب سے زیادہ حبیبہ کو سنبھالنے کے لیے ہلکان ہوا جا رہا ہے۔

وہ عورتوں والے حصے کی طرف آتا تھا تو حبیبہ کی سسکیاں بڑھ جاتی تھیں۔ کاشف اسے دلاسہ دیتے ہوئے اپنے بازوؤں میں بھر لیتا تھا اور وہ بھی اس کے کندھے پر سر رکھ کر مرے ہوئے شوہر کا دکھ جی بھر کر روتی جاتی تھی۔ صوفیہ کا دل مزید ڈرنے لگا۔ یہ کیا ہو رہا تھا یہ کیا ہونے جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ ناممکن ہے سلیم" نمنا نے پست لہجے میں گردن ہلاتے ہوئے اسے کہا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ اور اس بات کے لیے میں تم سے شکایت کروں گا نا کوئی جرح۔ میں اپنی اوقات سے واقف ہوں۔" سلیم نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز بھی پست تھی اور شاید حوصلہ بھی۔ نمنا اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ امید ہے اب یہ محبت وحبت والی شاعری کرنے سے توبہ کرلوگے تم۔" نمنا نے کوئی تاثر ظاہر کیے بنا عام سے لہجے میں کہا تھا۔

"توبہ کا وقت گزر چکا ہے نمنا۔ میں اب اس دلدل میں مکمل طور پر دھنس چکا ہوں۔ اب تو سزا کاٹنے کے دن ہیں۔" وہ یہ اعتراف بھی آرام سے کر گیا تھا۔ نمنا کے سامنے اعتراف نا کرتا تو کس کے سامنے کرتا۔ نمنا چپ رہی۔ بالکل چپ۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا کہے۔ اپنے اس معصوم سے کزن کو کس طرح سمجھائے کہ وہ دکھی ہوئے بغیر اس راہ سے ہٹ جائے۔

"یہ ٹھیک نہیں ہوا۔ میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن....." وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی۔

"نمنا۔ تم اب میرے ساتھ یہ سب کروگی۔ وضاحتیں دوگی۔ دلائل جمع کروگی میرے لیے۔ مجھے یہ بتاؤگی کہ تم مجھے ہرٹ نہیں کرنا چاہتی۔ کیا میں یہ بات جانتا نہیں ہوں؟" وہ چڑ سا گیا تھا۔ نمنا چپ ہوگئی۔ اس کے پاس الفاظ ختم ہوگئے تھے اور بعض اوقات جہاں الفاظ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اختتام کی جانب گامزن ہوتے ہیں وہیں سے آنسو اپنے سفر کی ابتدا کردیتے ہیں۔ نمنا کی آنکھوں میں نمی سے مرچیں سی بھرنے لگیں۔ وہ کسی کے سامنے نہیں روتی تھی۔ اسے کسی کے سامنے رونے سے چڑ تھی۔ وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

"یہ کتابیں رکھی ہیں تمہارے لیے۔ لے جاؤ۔" سلیم نے اشارے سے تپائی پر پڑی کتابوں کی جانب اس کی توجہ مبذول کروائی۔ نمنا پھر مڑی اور تپائی پر پڑی وہ گائیڈ بکس اٹھالیں۔

"شکریہ سلیم۔" نجانے کس چیز کی تلافی کے لیے اس نے اظہار تشکر کا مظاہرہ کیا تھا جو کہ سلیم کے سامنے پہلے کبھی نہیں کیا تھا اس نے۔

"دفع ہوجاؤ نمنا۔ تم پر مرتے ہیں تو کیا مار ہی ڈالوگی ہمیں۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تھا۔ نمنا دروازے سے نکل رہی تھی۔

"دل تو یہی چاہتا ہے کہ تمہیں مار ہی ڈالوں۔" وہ مڑتے ہوئے کہنا نا بھولی تھی۔ پھر نجانے کیا سوچ کر دوبارہ اندر آگئی۔

"مرے ہوئے کو کون مارتا ہے۔" سلیم نے اسے واپس آتا دیکھ کر کہا۔

"سلیم ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ تم ابھی بھی واپس پلٹ سکتے ہو۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ سلیم مسکرا دیا۔

"نمنا! محبت ناسور ہے۔ یہ اپنی ابتدا میں سمجھ ہی نہیں آتی اور جب سمجھ میں آتی ہے تو واپسی کے سب امکانات ختم ہوچکے ہوتے ہیں۔" وہ اتنی لاچاری سے بولا کہ نمنا کا دل پھر رونے کے لیے مچلنے لگا۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کا بھرم رکھ رہے ہیں۔

"میں کچھ نہیں جانتی سوائے اس کے کہ محبت نقصان کا سودا ہے۔ مجھے افسوس ہے تمہارے نقصان پر اور مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنا نقصان خود کیا ہے۔" وہ اب کی بار رکی نہیں تھی بلکہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ بیرونی دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے کسی سمت نہیں دیکھا تھا بلکہ سر جھکائے باہر آگئی۔ ایک آنسو لڑھکتا ہوا اس کے گال سے پھسل کر نیچے جا گرا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا اور کچھ دیر دیکھتی رہی۔ اس کی نگاہوں میں آنسو ہی نہیں تھے شکوہ بھی در آیا تھا۔ وہ واقعی سلیم کو دکھی نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن یہ سب اس کے اپنے اختیار کی بات بھی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

"ڈاکٹر بشریٰ بہت اچھی ہیں۔" شہرین نے طمانیت بھری گہری سانس لیتے ہوئے سمیع سے کہا تھا۔ وہ اسپتال سے گھر واپس جا رہے تھے۔ شام کو کافی ہوا چلتی رہی تھی جس کی بنا پر موسم کافی خوش گوار تھا' لیکن ہوا کے ساتھ کافی گرد بھی فضا میں اکٹھی ہو گئی تھی جس سے سمیع کو الجھن ہوتی تھی اس لیے اس نے گاڑی کا اے سی آن کر رکھا تھا۔ شہرین کو اے سی کی وجہ سے اکثر متلی کی کیفیت محسوس ہونے لگتی تھی' لیکن آج وہ ایسا کچھ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس کا کریڈٹ بھی وہ ڈاکٹر بشریٰ کو ہی دے رہی تھی۔ انہوں نے اسے ایک چوس کر کھانے والی ٹیبلٹ اپنے کلینک میں ہی کھانے کو دی تھی۔ ان سے مل لینے کے بعد وہ ذہنی طور پر کافی پرسکون ہو گئی تھی۔ ایک طرف اسے یہ اطمینان تھا کہ وہ دوبارہ پریگنینٹ نہیں ہوئی تھی اور دوسری جانب اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اسے کوئی بیماری نہیں تھی۔ ایک ذرا سا ڈپریشن تو تھا اور ڈاکٹر بشریٰ نے کافی سمجھایا تھا۔

"ڈپریشن کوئی بیماری نہیں ہے۔ یہ زندگی کی طرف ہمارا عمومی رویہ ہے۔ ہم اگر شکر گزاری کا جذبہ اپنا لیں اور یہ سوچتے رہیں کہ اللہ سب سے بہتر مسبب الاسباب ہے تو ہم کبھی ڈپریسڈ نہ ہوں' لیکن ہم بلا ضرورت ان مسائل کو بھی سر پر سوار رکھتے ہیں جنہیں ہم خود حل ہی نہیں کر سکتے تو مایوسی ہمیں گھیرے رکھتی ہے اور یہی مایوسی ڈپریشن کا باعث بنتی ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کسی منفی سوچ کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیں۔" وہ بہت اچھے طریقے سے اسے سمجھاتی رہی تھیں۔

ان کے کلینک سے نکلتے ہوئے شہرین نے دل میں تہیہ کیا تھا کہ وہ اب کسی الٹی سیدھی سوچ میں گھر کر پریشان نہیں ہو گی اور نہ ہی ان باتوں پر کڑھے گی جو اس کے اختیار سے باہر تھیں۔ وہ جب بھی کسی نئی ڈاکٹر سے ملتی تھی ابتدا میں اسی طرح پرجوش ہوتی پھر آہستہ آہستہ سب بھولتی جاتی تھی۔ اسی لیے واپس گھر جاتے ہوئے وہ خود کو بہت فریش محسوس کر رہی تھی۔ کیوں کہ ڈاکٹر بشریٰ کی باتیں اسے اچھی لگی تھیں۔

"تمہیں میرے علاوہ سب اچھے لگتے ہیں نا۔" سمیع نے چڑایا۔

"یہ میں نے کب کہا؟" وہ ہنسی تھی۔

"اچھا ذرا یاد کر کے بتاؤ کہ لاسٹ ٹائم کب تم نے میرے لیے ایسے کہا تھا کہ سمیع تم بہت اچھے ہو۔" وہ موڑ کاٹنے کے بعد اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ تو میں دن میں کئی بار کہتی ہوں کہ سمیع تم بہت اچھے ہو۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"سوتے ہوئے کہتی ہو گی شاید۔۔۔ کیوں کہ میں نے جاگتے ہوئے تو کبھی تمہیں اپنی تعریف میں ایک جملہ بولتے نہیں سنا۔ ہاں یہ ضرور سنتا رہتا ہوں کہ اماں رضیہ بہت اچھی ہیں۔۔۔ فہمیدہ (ملازمہ) بہت اچھی ہے۔ ڈاکٹر بشریٰ بہت اچھی ہیں۔ بائی دا وے کیا کبھی تم نے ان لوگوں کے سامنے یہ کہا ہے کہ سمیع بہت اچھا ہے۔" وہ جتا کر بولا۔

شہرین ہنسی۔

"تمہارے بارے میں اب میں ہر ایک سے بات تو نہیں کر سکتی نا۔۔۔ تم تو میرا انتہائی پرسنل میٹر ہو۔۔۔ میری ڈائری پر لکھی ہوئی وہ محبت بھری نظم جسے میں ہر ایک کے سامنے نہیں پڑھ سکتی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔ سمیع نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہا۔

"ڈاکٹر بشریٰ واقعی بہت اچھی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ شہرین نے آنکھیں سکیڑ کر مسکراتے چہرے کے ساتھ دیکھا پھر زور سے ہنسی۔

"کیوں اب کیا ہوا۔۔۔؟"

"انہوں نے ایک ہی وزٹ میں میری بیوی کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس لوٹا دی۔۔۔ اللہ کا شکر ہے کہ تمہیں یاد آگیا کہ میں تمہاری محبت بھری نظم ہوں۔۔۔ میں تو اسے معجزہ ہی کہوں گا۔" وہ اسی انداز میں بولا تھا۔

شہرین ہنستی رہی۔

"جتنے مرضی طنز کرنے ہیں کرلو' لیکن اب تم دیکھنا میں خود کو بالکل پہلے جیسا کرلوں گی۔ خوش باش رہنے والی شہرین۔۔۔ ہمہ وقت ہنسنے کھیلنے والی شہرین۔۔۔ میں ان لوگوں کے بارے میں سوچوں گی بھی نہیں۔" اس نے اپنی امی یا گھر والوں کا نام نہیں لیا تھا' لیکن سمیع سمجھ گیا تھا کہ وہ "کن" لوگوں کی بات کر رہی ہے۔ اس نے جواباً" کچھ نہیں کہا۔ شہرین کے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے دل ہی دل میں سخت خار کھانے لگا تھا وہ۔ اس کے دل میں ان کے لیے اب کوئی عزت باقی نہیں رہی تھی۔

"پہلے ہی میں الٹی سیدھی سوچوں میں گھر کر بہت وقت ضائع کر چکی ہوں۔۔۔ ایمن کو اور تمہیں وہ توجہ دے سکی ہوں نہ محبت' جو تم دونوں ڈیزرو کرتے ہو۔۔۔ بس بہت ہوگئی۔۔۔ اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا مجھے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی تھی۔ سمیع نے سگنل آجانے پر گاڑی روک دی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں بولا تھا۔

"اب تم کیا سوچ رہے ہو؟" شہرین نے اس کی خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔ سمیع نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"یہی کہ ڈاکٹر بشریٰ' واقعی' بہت اچھی ہیں۔" اس نے سارا زور "واقعی" پر لگا کر کہا تھا۔ شہرین ایک بار پھر زور سے ہنس دی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت بوجھل دل کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تھی۔ امی لاؤنج میں بیٹھیں دھلے ہوئے کپڑے تہ لگا رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ انہیں مخاطب کیے بنا اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔

"کدھر جا رہی ہو۔۔۔ ادھر آؤ نہ ذرا۔۔۔" امی نے اسے پکارا تھا۔ نینا نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ اس نے ایک دو آنسو ہی بہائے تھے اور چہرہ اور آنکھیں اچھی طرح پونچھ کر اوپر آئی تھی' لیکن پھر بھی اسے لگا کہ اگر اس نے امی کی جانب دیکھا تو وہ جان جائیں گی کہ وہ کسی بات پر افسردہ ہے۔

"جی۔۔۔" اس نے ان کی جانب دیکھے بنا کہا تھا۔

"یہ تم ہر وقت منہ اٹھا کر سلیم سے کیا لینے چلی جاتی ہو؟" وہ سخت ناراضی بھرے لہجے میں سوال کر رہی تھیں۔ نینا کا دل مزید ٹوٹ گیا۔ اسے شکوہ تھا کہ امی کو کبھی اس کے چہرے سے اس کی دلی کیفیت سمجھ نہیں آتی تھی جبکہ زری ذرا سا اداس ہو جاتی تھی تو امی کو فوراً" پتا چل جاتا تھا۔

"آئندہ جاتے وقت منہ اٹھا کر نہیں جاؤں گی بلکہ یہیں میز پر رکھ جایا کروں گی۔۔۔ ٹھیک ہے۔" اس نے بدتمیزی سے کہا تھا۔ امی کو اس کے انداز پر اتنا غصہ آیا کہ چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں پائی تھیں۔

"پڑھ لکھ کر یہی سیکھا ہے کہ ماں سے بدتمیزی کیسے کرتے ہیں۔۔۔ کتابوں میں سر کھپا کھپا کر اتنا ہی علم حاصل ہوا کہ بڑوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔۔۔ ماں ہوں تمہاری۔۔۔ اتنا ہی یاد رہ جایا کرے تمہیں تو ہم سب کی زندگی میں سکون ہو جائے۔۔۔ بدتمیز، نانہجار۔۔۔ ڈھیٹ لڑکی۔۔۔ اتنی تمیز بھی نہیں ہے کہ ماں سے بات کیسے کرتے ہیں۔" امی انتہائی برا مان کر بولی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر اس کے منہ پر دو تھپڑ مار دیں۔

"آپ بھی اس طرح مت پوچھیں نا۔۔۔ میں زری کو بتا کر گئی تھی۔" وہ ابھی بھی ان کی جانب دیکھے بنا بول رہی تھی۔

"زری تمہاری ماں نہیں ہے۔۔۔ میں تمہاری ماں ہوں۔۔۔ تم مجھ سے اجازت لینے کی پابند ہو۔۔۔ مجھ سے پوچھ کر نہیں جا سکتی تھی۔" وہ سابقہ انداز میں بولی تھیں۔ ان کے ہاتھ اب بہت تیزی سے کپڑے کی تہ لگا رہے تھے جو ان کی سخت خفگی کو ظاہر کر رہا تھا۔

"امی میں حج پر نہیں گئی تھی۔۔۔ سلیم کے پاس گئی تھی۔۔۔ جس کے پاس دن میں سات مرتبہ جاتی ہوں میں۔۔۔ سات مرتبہ اجازت لوں آپ سے؟" وہ چڑ گئی اور یہ تو اس کا مشغلہ تھا۔ وہ ہر بات پر چڑ جایا کرتی تھی۔

"سات مرتبہ جانے کی ضرورت کیا ہے۔ ایسا کون سا راجا مہاراجا ہے وہ کہ جو اتنی مرتبہ حاضری دینی پڑتی ہے اس کے دربار میں۔" امی بہت غصے میں تھیں۔ نمنا نے کچھ حیرانی سے انہیں دیکھا۔ امی نے پہلے تو اس طرح اسے کبھی کہیں آنے جانے پر نہیں ٹوکا تھا۔ وہ پہلے ہی بوجھل دل لیے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ امی کی خفگی نے مزید دل توڑ ڈالا۔ وہ کچھ کہے بنا اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اس کا کسی سے بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم نے حبیبہ کو فون کیا تھا بیٹی۔" بی بی جان نے زمین کے پنگوڑے کی ڈوری کو ہلاتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا۔ صوفیہ اپنی ناگواری چھپا نہیں پائی تھی۔ اس کا کون سا دوستانہ رہا تھا حبیبہ سے کہ وہ فون کرتی۔

"بی بی جان! میں کیا کروں گی فون کر کے؟" اس نے ان سے بھی وہی کہہ دیا تھا جو اس کے منہ میں آیا تھا۔

"صوفیہ۔۔۔" انہوں نے سرزنش بھرے انداز میں نا صرف پکارا بلکہ اس کی جانب دیکھا بھی تھا۔

"وہ عدت میں ہے۔۔۔ تمہارا فرض ہے کہ گاہے بگاہے اسے فون کر کے اس کی خیریت دریافت کرتی رہو۔۔۔ بہت سے کام ہوتے ہیں جو عدت میں بیٹھی عورت نہیں کر سکتی۔۔۔ تمہیں پوچھنا تو چاہیے اس سے۔۔۔" انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ صوفیہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"بی بی جان کاشف ہیں نا پوچھنے کے لیے۔۔۔ حبیبہ اور اس کے تمام امور کا خیال رکھنے کے لیے۔۔۔ وہ مجھ سے زیادہ اچھی طرح اس کی ذمہ داریاں بانٹ رہے ہیں۔" وہ اپنی دلگرفتگی اور بے زاری کو حتی الامکان چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔ کئی دن ہو چلے تھے مجید بھائی کی وفات کو اور کئی دنوں سے اس کی نیند اڑی ہوئی تھی۔

"اب کیا ہو گا؟" یہ وہ سوال تھا جو ہمہ وقت اس کے اعصاب پر سوار رہنے لگا تھا۔ بی بی جان اور کاشف کو حبیبہ سے ہمدردی کا اتنا تیز بخار چڑھا تھا کہ حرارت اسے اپنے وجود تک محسوس ہونے لگی۔ حبیبہ کا بھرا پڑا میکا تھا سسرالی رشتے دار بھی کم نہیں تھے، لیکن کاشف اور بی بی جان ہمہ وقت اسے "اکیلا" اور "عدت میں بیٹھی مجبور عورت" قرار دیتے ہوئے اس کی ساری ذمہ داریاں بانٹنے کے لیے ہمہ وقت بے تاب رہتے تھے اور یہ بات صوفیہ کو کانٹے کی طرح چبھتی تھی۔

"صوفیہ وہ بیوہ ہے۔۔۔ اس کا خیال رکھنا ہم سب کی ذمہ داری ہے بیٹی۔۔۔" بی بی جان کو کافی دکھ ہوا تھا اس کی بات

سن کر۔ وہ اپنی ناپسندیدگی چھپا نہیں پائی تھیں۔

"یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہی ہوں بی بی جان۔ وہ بیوہ ہے۔ اس کے شوہر کو دنیا سے رخصت ہوئے دس دن بھی نہیں ہوئے۔ وہ عدت میں ہے۔ اُسے غیر مردوں سے نہیں ملنا چاہیے۔ اس لیے اسے کچھ دیر اکیلا چھوڑ دیں۔ اپنے شوہر کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگنے دیں۔ احسان کریں اس پر بھی اور مجھ پر بھی۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم صوفیہ۔ مجھ سے اشاروں میں باتیں مت کرو۔ اس عمر میں ایسی ذہنی مشقت کے قابل نہیں ہوں میں۔" بی بی جان نے چہیتی بہو کے انداز گفتگو کو بغور دیکھا تھا۔ وہ نرم و نازک سی ٹھہر ٹھہر کر سمجھداری سے گفتگو کرنے والی صوفیہ، جو انہیں پہلی نظر میں اپنے بیٹے کے لیے بھا گئی تھی جیسے کہیں گم ہو کر رہ گئی تھی۔

"بی بی جان کاشف ہر روز حبیبہ کے گھر کیوں جاتے ہیں۔؟" اس کا ارادہ نہیں تھا کہ وہ یہ سوال ان سے کرے گی، لیکن اس سے صبر نہیں ہوا تھا اور پھر ساس کے علاوہ تھا ہی کون جن سے وہ بات کر سکتی۔

"روز صرف یہ پوچھنے جانا کہ اسے کوئی کام یا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور پھر دو گھنٹے وہاں قیام کرنا۔ یہ کون سی نئی مذہبی رواداری ہے جس کا کسی کتاب میں ذکر آج تک میں نے تو نہیں پڑھا۔ یہ کوئی مناسب بات ہے کیا۔ لاکھ وہ دوست کی بیوہ کی حیثیت سے اس کی بھلائی کے لیے اس سے ملتے ہوں گے، لیکن کیا یہ بات جائز ہے۔ آپ خود بتائیں۔" اب کی بار وہ چڑ کر نہیں بولی تھی بلکہ عجیب طرح کا خدشہ تھا جو اس کے چہرے سے چھلکنے لگا تھا۔

"صوفیہ! آج پہلی مرتبہ مجھے بھی یہ احساس ہو رہا ہے کہ کاشف صحیح کہتا ہے۔ تم بلاوجہ ہر بات کو سر پر سوار کر کے شوہر کے ساتھ لڑائی جھگڑے کا سامان پیدا کر لیتی ہو۔" بی بی جان بہت لاچار سے انداز میں بولی تھیں۔ حقیقت یہ بھی تھی کہ وہ اس روز روز کی بحث سے اُکتانے لگی تھیں۔ انہوں نے خود جوانی میں بیوگی کاٹی تھی اس لیے ان کے دل میں یک دم حبیبہ کے لیے بہت ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ یہ بات سن کر ہی کافی ناراض ہو رہی تھیں کہ صوفیہ ایک عدت میں بیٹھی عورت پر بھی شک کر سکتی ہے۔

"میری بات سنو بیٹی۔ حبیبہ کا بہت نقصان ہوا ہے۔ شوہر کی اچانک حادثاتی موت نے اسے اعصابی طور پر بہت دھچکا پہنچایا ہے۔ اسے دوست احباب کے سہارے کی ضرورت ہے۔ زمانہ جو بھی کہے، لیکن میں جانتی ہوں کہ شوہر کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہو جاتا ہے وہ عورت کو بہت کمزور کر دیتا ہے۔ اسے جذباتی سہارے کی بھی ضرورت ہے اور پھر ظاہر ہے وہ اب مالی طور پر کاشف کی محتاج ہے کیوں کہ اس کے شوہر کا خطیر سرمایہ کاشف کے کاروبار میں لگا ہے۔ لین دین اور بینک کے معاملات کے لیے کاشف کو طوعاً "کرہاً" وہاں جانا ہی پڑتا ہے۔ تم یہ بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی۔ اپنے دل اور ذہن کو کشادہ رکھو۔ اب تو تم ماں بن چکی ہو۔ تمہارا قلعہ بہت مضبوط ہے میری بیٹی۔" وہ ہمیشہ کی طرح بہت شفقت بھرے انداز میں اسے نصیحت کر رہی تھیں۔ صوفیہ کچھ نہیں بولی۔ اسے اب بی بی جان کے پند و نصائح والے سب ابواب ازبر ہو چکے تھے۔ اسے ان میں دلچسپی محسوس نہیں ہوتی بلکہ اس کا دل دکھتا تھا کہ وہ بھی اس کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے بیٹے کی حمایت کرتی ہیں۔

"ہم چلیں گے کسی دن اس کی طرف۔ میں تمہارا انکار نہ سنوں۔" ان کی بات حتمی اور آخری تھی۔ صوفیہ کا دل چاہا کہ صاف انکار کر دے، مگر احتراماً" خاموش رہی، لیکن چہرے پر جو بے زاری چھائی تھی وہ ان سے چھپی نہیں رہی تھی۔

"اللہ کے یہاں صلہ رحمی کا بہت درجہ ہے میری بچی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

نمنا کو سلیم کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر زری مزید دروازے کے پیچھے ہوگئی کہ کہیں نمنا کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ اس نے ان دونوں کی ساری گفتگو سن اور سمجھ بھی لی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت حیران کن بات تھی۔ سلیم کو اس نے کبھی اپنے بہنوئی کے طور پر نہیں سوچا تھا۔ اسے سلیم کبھی پسند رہا ہی نہیں تھا۔

وہ نمنا کے جانے کے پانچ منٹ بعد نکلی تھی اور پھر گھر کی سیڑھیوں میں بھی پانچ منٹ رک کر انتظار کرتی رہی تھی۔ وہ یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ نمنا کو بلانے گئی تو تھی، لیکن خالہ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا تھا۔ نمنا کو اگر بھنک پڑجاتی کہ وہ ان کی باتیں سن چکی ہے تو ایک معرکتہ الآرا جھگڑا ہو سکتا تھا اور جھگڑوں سے وہ بڑا بچتی تھی۔ اس کی اور نمنا کی زیادہ بنتی نہیں تھی، لیکن اس میں اس سے زیادہ نمنا کا ہی قصور ہوتا تھا۔ اس کی کسی سے بھی نہیں بنتی تھی۔ اس نے کزنز اور کلاس فیلوز کو بھی کبھی گھاس نہیں ڈالی تھی اور انہوں نے بھی اس کی غیر موجودگی میں ایک نام رکھ چھوڑا تھا۔ سب اسے "نمنا پھڈے باز" کہہ کر بلاتے تھے۔

جبکہ زری کزنز، کلاس فیلوز حتیٰ کہ ماں باپ کی بھی ہردلعزیز رہی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی بے مثال خوب صورتی تھی پھر اس کی عادتیں اور شوق بھی سب کی توجہ جلدی اپنی جانب مبذول کروالیتے تھے۔ اسے کپڑے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا۔ اس نے بہت چھوٹی عمر میں سلائی سیکھ لی تھی۔ کسی بھی شادی بیاہ یا دعوت پر جاتے ہوئے وہ اپنے کپڑے خود ڈیزائن کرتی تھی اور ایسے کرتی تھی کہ سب تعریف کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ میک اپ اتنا اچھا کرتی تھی کہ اس کی سہیلیاں اسے اپنا بیوٹی پارلر بنانے کا مشورہ دیتی تھیں۔ خاندان کی ہر شادی پر دلہن کی مہندی اس کے ذمے رہتی تھی۔

ان ہی وجوہات کی بنا پر وہ لڑکیوں اور ان کی ماؤں میں مقبول ہوجاتی تھی جبکہ نمنا کو ایسے شوق نہیں تھے۔ وہ بچپن سے آدم بے زار ٹائپ تھی۔ وہ تو زری کی عادتوں سے بھی چڑتی تھی جبکہ زری کو اس کی عادتوں پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ تو دل سے دعا کرتی تھی کہ نمنا نارمل لڑکیوں کی طرح میک اپ مہندی چوڑیوں میں دلچسپی لیا کرے، اسی لیے یہ ساری باتیں سن کر اسے یہ کم از کم ضرور اچھا لگ رہا تھا کہ نمنا کی زندگی میں کوئی بات نارمل لڑکیوں والی بھی تھی، لیکن سلیم پھر بھی اسے پسند نہیں تھا۔ اسی لیے اسے نمنا کا دوٹوک انکار بھی تسلی بخش لگا تھا۔ یہی سب سوچتی وہ سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نمنا... زری... اٹھو نماز کا وقت نکل رہا ہے۔" امی نے قرآن پاک شیلف پر رکھتے ہوئے بیٹیوں کے کمرے کی جانب منہ کرکے آواز دی تھی پھر باسی روٹیاں، سوکھی ڈبل روٹی اور رات کے بچے ہوئے تھوڑے سے چاول ایک پرات میں لے کر باہر صحن میں آگئیں۔ یہ گھر کافی بڑا، لیکن پرانی طرز کا بنا تھا۔ نیچے کا سارا پورشن گودام کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور وہ انہوں نے کرائے پر چڑھا رکھا تھا جبکہ پہلی منزل پر ان لوگوں نے رہائش اختیار کی ہوئی تھی۔ چار کشادہ کمروں، ٹی وی لاؤنج، ڈرائنگ روم اور ایک بڑے سے کچن پر مشتمل وہ پورشن ان کی ضرورت کے لیے کافی سے زیادہ تھا۔ مسئلہ صرف ایک تھا کہ سیڑھیاں چڑھ اتر کر باہر اندر آنا جانا پڑتا تھا جس سے وہ خار کھاتی تھیں، لیکن اچھی بات یہ تھی کہ صحن کافی بڑا تھا۔

امی نماز فجر کے بعد اطمینان سے وہاں چہل قدمی کرسکتی تھیں۔ یہ ان کی بہت بڑی روٹین تھی۔ نماز کے بعد باسی روٹیوں کے ٹکڑے قینچی سے کاٹ کاٹ کر چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر چڑیوں کو ڈالتی جاتی تھیں اور ساتھ

ساتھ اسم الٰہی کا ورد بھی کرتی رہتی تھیں۔
ان کاموں سے فراغت کے بعد وہ چائے چولہے پر رکھ دیتیں۔ نینا سب سے پہلے گھر سے نکلتی تھی اور اکثر اوقات صرف چائے پی کر ہی جاتی تھی۔ اس کے بعد ان کے ابا روانہ ہو جاتے تھے۔ سب سے آخر میں امی اور زری اطمینان سے ڈٹ کر ناشتا کرنے کی عادی تھیں۔
انہوں نے معمول کے مطابق سب کام انجام دیے۔ چڑیوں کو روٹیاں ڈال کر انہوں نے چائے بنائی پھر دوبارہ بیٹیوں کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ زری کا بیڈ لحاف سے ڈھکا ہوا تھا جس کا مطلب تھا وہ سو رہی تھی جبکہ نینا نظر نہیں آئی تھی۔ وہ یقیناً "باتھ روم میں تھی۔ امی دوبارہ لاؤنج میں آکر بیٹھ گئیں۔
"امی میں جا رہی ہوں۔۔۔ اللہ حافظ۔" نینا کمرے سے نکلتے ہوئے بولی تھی۔ امی نے اسے دیکھا۔ وہ اسے اطمینان سے اپنے پاس بٹھا کر اپنا موقف سمجھانا چاہتی تھیں کہ وہ سلیم کے ساتھ اتنا بے تکلف مت ہوا کرے۔ اس کے ابا کو یہ سب پسند نہیں ہے۔ وہ مناسب الفاظ ہی منتخب کر رہی تھیں۔ جوان اولاد سے بات کرتے ہوئے بھی سو قسم کی احتیاطیں درکار ہوتی ہیں' سو قسم کے ہیر پھیر کرکے انہیں باتیں سمجھانی پڑتی ہیں' لیکن نینا کا بجھا ہوا چہرہ اور متورم سرخ آنکھیں دیکھ کر امی کے دل کو کچھ ہوا۔ نینا بدمزاج چڑچڑی تھی۔ منہ پھٹ بھی تھی' لیکن ایک بات وہ حلفیہ کہہ سکتی تھیں ان کی بیٹی کردار کی بہت اچھی تھی۔ اسکول کالج تک لڑکوں کے ساتھ پڑھی تھی' اور مجال ہے اس نے کبھی انہیں شکایت کا موقع دیا ہو۔ ایک سلیم ہی تو تھا جس سے وہ ذرا ہنس کر بات کر لیتی تھی ورنہ باقی سارے زمانے کو تو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی اور انہیں یقین تھا کہ سلیم کے ساتھ اس کی صرف کزن کی حیثیت سے بے تکلفی تھی۔ ان کے شوہر کا ذہن جس نہج پر سرچ رہے تھے اس سے وہ اتفاق نہیں کرتی تھیں۔
انہیں اس کے اپنی خالہ کے گھر جانے یا سلیم کے ساتھ بے تکلفی پر بھی اعتراض نہیں تھا' لیکن ان کے دل میں شوہر کا بھی اس قدر احترام اور عزت تھی کہ وہ ان کی بات سے انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ کام تو زندگی میں کبھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اور اپنی طرف سے انہیں شکایت کا موقع بھی کبھی نہیں دیا تھا انہوں نے۔ اگر انہیں اس بات پر اعتراض تھا کہ نینا اور سلیم کے درمیان ضرورت سے زیادہ بے تکلفی ہے تو پھر امی کو بھی اعتراض تھا۔ حالانکہ انہوں نے اشاروں میں صرف ابھی اس بات کی نشاندہی کی تھی' لیکن امی چاہتی تھیں کہ ان کے شوہر کو مزید کسی شکایت کا موقع نہ ملے اسی لیے انہوں نے رات کو نینا کو ٹوکا تھا' لیکن اب اس کی حالت دیکھ کر انہیں بہت افسوس ہوا۔ اولاد کتنی ہی بدمزاج یا منہ پھٹ کیوں نہ ہو ماں کی محبت کو نہیں دبا سکتی۔ اولاد کی ذرا سی بے چینی ماں کو بھی بے چین کر دیتی ہے۔ نینا کا بے چین انداز دیکھ کر امی کو دل ہی دل میں افسوس ہو رہا تھا کہ وہ شاید ان کے ڈانٹنے کی وجہ سے اتنی اپ سیٹ نظر آتی ہے۔
"نینا! چائے بنی ہوئی ہے۔۔۔ پی کر جاؤ۔" انہوں نے رات والی ساری ناراضی بھلا کر اسے پکارا۔ نینا جاگرز کے تسمے باندھ رہی تھی۔
"امی دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے انکار کیا تھا۔ اس کی آواز میں کسلمندی تھی۔ امی کو مزید دکھ ہوا۔ اتنا تو کبھی ان کی بات کا برا نہیں منایا تھا اس نے۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر لگتا تھا جیسے رات بھر روتی رہی ہے۔
"آدھا کپ ہی پی لو۔۔۔ خالی پیٹ مت رہا کرو۔ اتنے لمبے دن ہیں آج کل کے۔ کچھ کھا کر نہیں جاتی۔ پتا نہیں یونیورسٹی میں بھی کچھ کھاتی ہو کہ نہیں۔ واپس بھی چار بجے ہوتی ہے۔ کچھ تو کھا لیا کرو۔" امی نے محبت سے چور لہجے میں کہا۔ وہ خاموشی سے سیڑھیوں سے ملحقہ دیوار پر لگے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر دوپٹا سیٹ کر رہی تھی۔ امی کو ایک بار پھر افسوس ہوا۔ اتنی سادہ اور لاپروا سی بیٹی تھی ان کی۔ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی مگر انہوں نے اسے

کبھی دوسری لڑکیوں کی طرح سجتے سنورتے نہیں دیکھا تھا۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے وقت سفید ٹراوزرز کے ساتھ درجن بھر مختلف پرنٹس کی کالروالی جو شرٹس سلوائی تھیں وہی بدل بدل کر پہنتی رہتی۔ ڈوپٹے بھی سفید ہی لے لیتی تھی اور وہ بھی مرضی تھی کبھی سر پر ڈال لیتی کبھی کندھے پر ٹکا کر نکل جاتی۔ کبھی رسی بنا کر گردن میں لٹکا لیتی اور کبھی کبھی اسکارف بھی لے لیتی تھی۔

امی کو بس اس کا رویا رویا چہرہ دیکھ کر افسوس ہوئے چلا جارہا تھا۔ اس کی ساری پژمردگی اور کسلمندی انہیں اپنی ڈانٹ کا شاخسانہ لگ رہی تھی۔ وہ پہلے بھی اسے اس کی بدمزاجی اور بدزبانی پر ٹوکتی ڈانٹتی رہتی تھیں اور ان کی ڈانٹ کے جواب میں وہ پہلے کبھی روئی تو نہیں تھی۔ وہ اگر روئی ہوئی نا لگ رہی ہوتی تو انہیں بھی اس قدر افسوس نا ہو رہا ہوتا۔ امی اپنی جگہ سے اٹھیں اور دم پر رکھی چائے میں سے اس کے لیے ایک پیالی نکال کر ساتھ بسکٹس بھی رکھ لائیں کہ شاید سامنے رکھ دیں تو وہ کھالے۔

''امی واقعی دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے انہیں چائے لاتا دیکھ کر کہا۔

''میری خاطر تھوڑا سا کھالو خالی پیٹ گھر سے نکلتی ہو تو میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔'' انہوں نے محبت بھرے لہجے میں تاکید کی۔

''اللہ خیر۔ آج تو بہت مہربان ہو رہی ہیں آپ۔ دیکھوں ذرا سورج کس طرف سے نکلا ہے۔'' اس نے بلاوجہ کھڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ چہرے کے تاثرات ابھی بھی پہلے جیسے افسردہ تھے ان میں خوشگواریت کی کوئی جھلک ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آئی تھی۔

''ماں اولاد کے لیے ہمیشہ ہی مہربان ہوتی ہے۔ تم یہ بات وقت آنے پر سمجھوگی۔'' وہ دوبارہ سے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ نمنا نے کچھ نہیں کہا۔ امی کن انکھیوں سے بار بار اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''یہ وہی بادام کے بسکٹ ہیں جو تمہیں بہت پسند آئے تھے اسی لیے تمہارے ابا سے دوبارہ منگوائے ہیں میں نے۔'' امی نے اسے للچانے کی کوشش کی۔ گزشتہ بار جب یہ بسکٹ آئے تھے تو سب سے زیادہ اس نے ہی کھائے تھے۔ نمنا نے انکار میں سر ہلایا۔

''امی بھوک نہیں ہے۔'' وہ لاچاری سے بولی۔ چہرے کی طرح لہجہ بھی الجھا ہوا تھا لیکن امی کے اصرار پر صوفے پر میز کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''بھوک ہوگی بھی کیسے۔ تمہارے معدے کی عادت ہی نہیں رہی وقت پر کھانے کی۔ ناشتا نا کرنے کی عادت اور خالی پیٹ چائے پی پی کر معدہ جلا لیا ہے تم نے اپنا۔ اور پھر یہ جو سارا دن چپس اور الم غلم کھاتی رہتی ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے نمنا۔ جوان بچی ہو۔ بھوک نا لگنے کا تو کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس عمر میں دو پراٹھے اور اتنا بڑا سا آملیٹ کھایا کرتی تھی میں ناشتے میں۔'' اس کے آگے بسکٹس والی پلیٹ کرتے ہوئے وہ ٹوکتے ہوئے مسکرائیں تھیں۔

''اس کا مطلب زری بالکل آپ جیسی ہے۔'' نمنا سادہ سے لہجے میں بولی تھی۔ زری کو ڈٹ کر ناشتا کرنے کی عادی تھی۔ امی نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ مسکراہٹ ان کے چہرے سے یکدم غائب ہوئی۔

''ہاں۔۔۔ شاید۔۔۔'' انہوں نے تصدیق کی تھی لیکن تردید کے انداز میں۔ نمنا نے بادام والا ایک بسکٹ اٹھا ہی لیا تھا۔

✿ ✿ ✿

''رانی یہ والا بیڈ کور اتار کر یہ گرین اور زرد پھولوں والا بچھادو۔'' اس نے بیڈ کور نکال کر رانی کو پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔ رانی نے سر ہلا کر بیڈ کور پکڑ لیا تھا۔ شیرین کی طبیعت کیا ٹھیک ہوئی تھی سارے گھر میں تھرتھلی سی مچ گئی تھی۔

اس نے آج سارے گھر کی صفائی اپنی نگرانی میں کروائی تھی پھر اماں رضیہ کے ساتھ مل کر کھانا بھی بنایا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے سمیع کے لیے رس ملائی بنائی تھی اور اب وہ یہ سوچ سوچ کر خوش تھی کہ یہ سب دیکھ کر سمیع کتنا خوش ہوگا۔ آج اس نے کسی قسم کی منفی سوچ کو قریب پھٹکنے بھی نہیں دیا تھا۔ ڈاکٹر بشریٰ کی ہدایت کے مطابق وہ اپنے معمولات تبدیل کرنے کی حتی الامکان کوشش کررہی تھی۔ رانی آرام سے سرہانے کا کور اتارتی ہوئی اس کے انداز واطوار ملاحظہ کررہی تھی۔

"ارے تم نے ابھی تک کور ہی تبدیل نہیں کیا۔ لاؤ مجھے دو۔ میں کرتی ہوں۔ تم ذرا بھاگ کرلان میں جاؤ اور جتنے بھی سرخ گلاب ہیں نا سب توڑ لاؤ۔" اس نے اگلا حکم صادر کیا۔ شہرین کے ہاتھ کافی پھرتی سے چل رہے تھے۔

"نہیں یہ بدل کر چلی جاتی ہوں باجی۔ ابھی ایک منٹ میں۔" رانی نے جلدی جلدی ہاتھ چلانے شروع کیے تھے۔ شہرین نے اس دوران میں دوسرے سرہانے کا کور اتار کر نیا چڑھانا شروع کردیا تھا۔ رانی کے کور چڑھانے تک وہ بیڈ پر چادر ڈال کر بچھانے لگی تھی۔

"باجی! آپ رہنے دیں میں کرلیتی ہوں۔ سمیع بھائی کو پتا چلے گا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔ غصہ کریں گے۔" رانی نے اس کے ہاتھ سے چادر پکڑنی چاہی تھی۔ اماں رضیہ کے حکم کے مطابق اب وہ مالکوں کے لیے باجی اور بھائی کے القابات استعمال کرنے لگی تھی۔ وہ شہرین کے سامنے کافی مستعد نظر آنے کی کوشش کررہی تھی۔ اسے حیرانی بھی ہورہی تھی کہ باجی شہرین حاملہ ہونے کے بعد اتنی پھرتیلی کیسے ہوگئی تھیں۔ کہاں وہ سارا دن اپنے کمرے میں سر پکڑ کر بیٹھی رہتی تھیں اور کہاں صبح سے سارے گھر میں تتلی بنی اڑتی پھررہی تھیں۔ اس نے حکم کے مطابق تیزی سے ہاتھ چلانے شروع کیے تھے۔

اس نے اگر اس دن ماں رضیہ اور شہرین کی باتیں نا سنی ہوتیں تو اسے کوئی پروا نا ہوتی لیکن اب وہ جانتی تھی کہ گھر کی مالکن جلد ہی گھر میں ننھے مہمان کا اضافہ کرنے والی ہے تو وہ اس کا خیال رکھنے کی بھی زیادہ کوشش کررہی تھی۔ اسے پتا کچھ بھی نہیں تھا۔ نو عمری لڑکی تھی لیکن فلمیں ڈرامے دیکھ دیکھ کر کافی کچھ سیکھ چکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ان دنوں مالکن کا خیال رکھے گی تو وہ خوش ہو کر اس کی تنخواہ میں اضافہ کردے گی اور ہوسکتا ہے ریشمی ستاروں والا سوٹ بھی دلوادے۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ جو خبر اس نے دروازے کی اوٹ سے سن لی تھی اس میں ذرا سی بھی صداقت نہیں تھی۔

"سمیع تم لوگوں پر غصہ کرتا ہے؟" شوہر کے ذکر پر شہرین کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی تھی۔

"نہیں جی زیادہ تو نہیں۔ بس وہ ایسے ہی۔" رانی کو سمجھ نہیں آیا کہ مزید کیا کہے۔ مالکن باجی اپنے میاں کو شکایت بھی کرسکتی تھی۔

"ڈرو مت۔ میں تمہاری شکایت نہیں کروں گی سمیع سے۔" شہرین نے اسے تسلی دی تھی پھر اسے بیڈ پر چادر ٹھیک سے بچھاتا دیکھ کر وہ مطمئن ہو کر وارڈ روب کی سمت بڑھ گئی تھی۔ اب اسے اچھا سا لباس نکال کر تیار ہونا تھا۔

"نہیں باجی جی۔ شکایت والی بات تو نہیں ہے جی۔" رانی نے ہتھیلیوں کی مدد سے چادر کی شکنیں دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں تمہید باندھ رہی تھی کہ کس طرح مالکن کو رضامند کرلے کہ وہ بیٹے کی ماں بن کر اسے ستاروں والا ریشمی سوٹ ضرور دے گی۔ چھوٹی عمر تھی اور چھوٹی چھوٹی ہی خوشیاں تھیں۔

"اچھی بات ہے۔ چلو اب جاؤ جلدی سے پھول لے کر آؤ پھر میں نے کپڑے بھی آئرن کروانے ہیں۔" وہ وارڈ

روب میں منہ دیے ڈریس منتخب کرنے میں لگی ہوئی تھی۔
"جی باجی جاتی ہوں۔" اس نے میلے بیڈ کور کا گولہ سا بنا کر ہاتھ میں پکڑا پھر مڑی تو نظر وارڈروب پر پڑی۔ ایک سے ایک بڑھیا سلا ہوا' ریڈی میڈ سوٹ ہینگ کیا ہوا نظر آرہا تھا۔ اسے بڑا اچھا لگا۔ یہ کسی بھی بڑے گھر میں کام کرنے کا اس کا پہلا تجربہ تھا۔ اسے بہت سی چیزیں نئی نئی سی لگتی تھیں۔ کچن کیبنٹس میں پڑی کروسری' فریج میں موجود تازہ پھل' ڈائننگ ہال میں سجے چمکتے نئی نئی طرز کے برتن۔ باتھ روم کے ٹائلز' شیلف پر پڑے وہ سب شیمپو لوشن جو اس نے صرف ٹی وی میں دیکھ رکھے تھے۔ اب وہ نا صرف انہیں ہاتھ میں پکڑ سکتی تھی بلکہ نظر بچا کر استعمال بھی کر سکتی تھی۔ دل لبھانے کی کیا کیا چیزیں تھیں جو اسے ہمہ وقت اس کے حواسوں پر سوار رہتی تھیں۔
وہ چند لمحے اسی طرح ان کپڑوں کی جانب دیکھتی رہی۔
"باجی۔ جب آپ موٹی ہو جائیں گی تو یہ کپڑے کس کو دیں گی۔" اس نے بے ساختہ ہی پوچھ لیا۔ شہرین نے مڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔
"نہیں بھئی۔ میرا موٹے ووٹے ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔
"پر باجی جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب عورتیں موٹی ہو جاتی ہے۔ پھر تو کپڑے تنگ ہو جاتے ہیں نا۔" رانی معصومیت بھرے لہجے میں بولی تھی۔ شہرین کے چہرے پر اب کی بار نا صرف حیرانی بلکہ ناپسندیدگی بھی تھی۔
"کہاں ہے بچہ۔ کیا الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہو۔" شہرین چڑ کر بولی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ رانی نے اس کی اور اماں رضیہ کی باتیں سنی ہوں گی۔ رانی سہم سی گئی۔
"جاؤ جا کر پھول لے کر آؤ۔" وہ اسے ڈپٹ کر بولی۔ اسے رانی کا یہ سوال اچھا نہیں لگا تھا اور رانی ہاتھ میں بیڈ کور پکڑے کمرے سے باہر جاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔
"فلموں میں تو ایسی باتیں سن کر ہیروئنیں تو خوش ہوتی ہیں۔ یہ ہماری مالکن اس بات پر بھی غصے میں آگئی ہے۔"

☆ ☆ ☆

اس روز سرِ شام ہی آسمان کو بادلوں نے گھیر لیا تھا۔ برسات کے دن تھے اس لیے بادلوں کا آنا جانا اور آنے جانے کے اس سفر کے درمیان میں دل کھول کر یا ترس کر برسنا آج کل معمول کی بات لگتی تھی۔ کاشف نے کچھ عرصہ پہلے ہی اپنی دکان کو ایک بڑے شوروم میں تبدیل کر لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اب اپنا ایک کشادہ الگ آفس بھی بنا لیا ہوا تھا مجید بھائی کے مرنے سے اس کی مستقبل کی منصوبہ بندی کو بڑی ٹھیس پہنچی تھی کیونکہ وہ ان پر کافی انحصار کرنے لگا تھا۔ دبئی تو وہ صرف مارکیٹ کی جانچ پڑتال کے لیے جانا چاہ رہے تھے۔ ان کا اصل مقصد بعد میں چین جانا تھا جہاں سے ہوم اپلائنسز امپورٹ کر کے خطیر منافع کمانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن فی الوقت یہ سب معاملات التوا کا شکار تھے لیکن پھر بھی اس کا کاروبار کافی سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا اسی وجہ سے اس کے معمولات زندگی بھی تبدیل ہوتے جاتے تھے۔
اس روز وہ شوروم سے ذرا جلدی اٹھ گیا تھا۔ آج کل اس کی روٹین یہی تھی۔ اپنے گھر جانے سے پہلے وہ حبیبہ کی طرف جاتا تھا۔ بادل دیکھ کر اس نے سوچا کہ ارادہ ملتوی کر دے لیکن پھر حبیبہ کی ناراضی کے متعلق سوچ کر اس نے گاڑی اس کے گھر کی سمت موڑ دی تھی۔ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہلکی بارش شروع ہو گئی تھی۔ حبیبہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر اور اس کو دیکھ کر حبیبہ کے چہرے پر مسکراہٹ خود بخود چمکنے لگتی تھی۔
"کیا ہو رہا تھا سیٹھ صاحب۔" ایک دوسرے کے قریب صوفے پر بیٹھ چکنے کے بعد اس نے سوال کیا تھا۔

"جناب کا انتظار ہو رہا تھا کہ آپ آئیں تو بہار آئے۔" وہ اٹھلا کر بولی تھی۔ کاشف کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ صوفیہ کو ایسی دل لبھانے والی باتیں کرنی نہیں آتی تھیں اور حبیبہ ایسی باتیں کرنے سے چوکتی نہیں تھی۔ وہ صوفے کی پشت کا سہارا لے کر ذرا ریلیکس ہوا تھا۔

"میں آج جلدی چلا جاؤں گا۔ بادل کافی گہرے ہیں۔ ہلکی بارش ہو رہی ہے لیکن مجھے لگتا ہے آج بادل جی بھر کر برسنے والے ہیں پھر ڈرائیو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے آج "بہار" اپنے گھر جا رہی ہے۔" وہ بات مکمل کر کے خود ہی ہنسا تھا۔

"یہ غلط ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ کاشف کے چہرے پر ذومعنی سے مسکراہٹ بکھری۔

"کیوں سیٹھ صاحب۔ میرا اپنے گھر جانا غلط کیسے ہو گیا؟۔ کیا میں اپنے گھر نا جاؤں؟" وہ اسی انداز میں سوال کر رہا تھا۔

"میں گھر جانے کی بات کو غلط نہیں کہہ رہی ہوں بلکہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ٹیکنیکلی تمہارا جملہ غلط ہے کہ بہار اپنے گھر جا رہی ہے۔ یوں کہو کہ "بہار" اپنے گھر جا رہا ہے۔" وہ تصحیح کر رہی تھی۔ کاشف نے سر ہلایا۔

"او کے۔ بہار آج اپنے گھر جا رہا ہے۔ اب خوش ہو؟"

"کاشف نثار جس کے احباب میں شامل ہو گا۔ وہ خوش کیوں نا ہو گا جناب۔"

"اس عزت افزائی پر میں شکر گزار ہوں سیٹھ صاحب۔"

"عزت افزائی کا شکریہ ہی ادا کرنا ہے تو کھانا کھا کر جاؤ نا۔ یہ تو کوئی طریقہ نا ہوا۔" وہ پھر اسی ناز و ادا کو لہجے میں سمو کر بولی جو اس کا خاصہ تھا۔ کاشف نے کچھ دیر سوچا۔ حبیبہ کو انکار کرنا آسان نہیں تھا۔

"آج نہیں۔ صوفیہ انتظار کر رہی ہو گی۔" اس نے پھر بہانہ بنانا چاہا۔ اس کے انکار کرنے پر جب حبیبہ اصرار کرتی تھی تو اس کو بڑا اچھا لگتا تھا۔

"میں صرف انتظار ہی نہیں کر رہی۔ صبر بھی کر رہی ہوں۔" اس کے جملے میں ایک اسرار تھا اور یہ اسرار صرف کاشف ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں اسی لیے تو آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں سیٹھ صاحب کہ آپ بہت صبر والی خاتون ہیں۔" وہ اس کے ملائم ہاتھ کو نرمی سے سہلا رہا تھا۔ حبیبہ کے گھر میں ملازم تو تھے لیکن کاشف کی موجودگی میں کسی کو ڈسٹرب کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ سب کو پچھلی جانب بنے کوارٹرز میں بھیج دیا کرتی تھی حتی کہ چوکیدار کو بھی گیٹ سے ہٹ کر اپنے کیبن میں بیٹھے رہنے کا حکم صادر کر دیا کرتی تھی۔

"تم صوفیہ کو میرے بارے میں کب بتاؤ گے؟" اس نے کاشف کے لہجے کو نظرانداز کر کے سوال کیا تھا۔ اس کی عدت ختم ہوئی تھی یا ابھی کچھ ایام باقی تھے اسے کچھ خبر نا تھی لیکن یہ بات حتمی تھی کہ اس کی شرم کب کی ختم ہو چکی تھی۔ اس کے اور کاشف کے درمیان تعلقات بہت پہلے سے استوار ہو چکے تھے۔

"وہ پہلے سے ہی تمہارے بارے میں جانتی ہے۔" کاشف جو آج جلدی اٹھنے کے ارادے سے آیا تھا اب حبیبہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔

"کیا۔۔۔؟ کیا جانتی ہے وہ میرے بارے میں؟" حبیبہ اس کی پیش قدمی کو خاطر میں نالاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"یہی کہ کاشف، حبیبہ پر مرتا ہے۔" ہاتھ اب چہرے کی جانب آ چکے تھے۔

"تو پھر آج اسے یہ بھی بتاؤ نا کہ صرف کاشف ہی نہیں مرتا حبیبہ پر۔ حبیبہ بھی مرتی ہے کاشف پر۔ اور کاشف کی خاطر کسی کو بھی مار سکتی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں بولی تھی۔ کاشف نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ بارش تیز ہونے لگی تھی اور خون کی روانی بھی۔

☆ ☆ ☆

"تم نے حبیبہ کو ٹیلی فون تو کر دیا تھا نا؟" بی بی جان نے سفید دوپٹے کا آنچل سر پر درست کرتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا۔ وہ زرمین کو گود میں لیے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ کاشف نے گھر کے لیے ڈرائیور رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں ساس، بہو اب کہیں آنے جانے کے لیے اس کی محتاج نہیں رہی تھیں۔ وہ دونوں ساس، بہو حبیبہ سے ملنے اور اسے گھر کھانے کی دعوت پر مدعو کرنے جا رہی تھیں۔ صوفیہ نے ان کی بات کا جواب دینے کی بجائے آسمان کی جانب دیکھا۔ بادل کافی گھرے ہو رہے تھے۔ بارش کے کافی امکانات نظر آ رہے تھے۔ اس نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد زرمین کو کیری کاٹ میں لٹا دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں پڑھ کر اب اس پر پھونک رہی تھی۔ عام ماؤں کی طرح اسے بھی بہت خدشہ رہتا تھا کہ زرمین کو نظر نہ لگ جائے سو وہ کسی سے بھی ملتے وقت یا کہیں آتے جاتے وقت زرمین پر دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھی۔ بی بی جان بھی اس کو اس ایکٹوٹی میں مصروف دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

"ٹیلی فون کرتی رہی لیکن اس نے اٹھایا ہی نہیں۔ ہمارا نمبر دیکھ کر وہ فون اٹھاتی کب ہے۔" صوفیہ نے اپنا کام مکمل کر کے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ بی بی جان نے گہری سانس بھری لیکن بدمزگی کے خیال سے ملائمت بھرے لہجے میں بولیں۔

"ارے نہیں بیٹی۔ اس کی عدت ختم ہوئی ہے نا۔ شاید کہیں ملنے ملانے چلی گئی ہوں گی۔ اتنے دنوں سے گھر میں محصور تھیں۔ ہوا خوری کے لیے نکل گئی ہوں گی۔ ہمارے خاندان میں تو عدت کے بعد بھائی بھاوج اپنے یہاں لے جاتے ہیں اور پھر کچھ دن، بہت اہتمام سے مہمان بنا کر رکھتے ہیں۔ کیا پتا ان کے یہاں بھی ایسا ہی رواج ہو۔"

صوفیہ چپ رہی ڈرائیور اور دوسرے ملازمین کے سامنے وہ عموماً" بی بی جان سے بحث سے احتراز برتتی تھی۔ گاڑی فراٹے بھرتی ڈیفنس کی جانب رواں دواں تھیں۔ اس دوران بارش بھی برسنے لگی تھی۔ زرمین کاٹ میں لیٹی سو گئی تھی۔ صوفیہ بھی خاموشی سے گاڑی کے شیشے سے برستی بارش کو دیکھنے لگی۔ بارش کی رفتار زیادہ نہیں تھی اس لیے شیشے ابھی دھندلائے نہیں تھے۔ صوفیہ کو باہر دیکھتے ہوئے یکدم احساس ہوا جیسے کاشف کی سیاہ سوک پاس سے گزری ہے۔ وہ دو رویہ سڑک تھی۔ ایک سیاہ رنگ کی گاڑی فراٹے بھرتی ان کے قریب سے گزر کر متضاد سمت میں چلی گئی تھی۔

بی بی جان دل کی مریضہ تھیں اس لیے ڈرائیور کو سست رفتاری کی خاص تاکید کی جاتی تھی۔ صوفیہ نے ذرا سا آگے ہو کر گردن موڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے اس سیاہ گاڑی کو کھوجنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ اس گاڑی کی رفتار کافی زیادہ تھی' وہ منٹوں میں غائب ہو گئی تھی۔ صوفیہ کو یقین سا ہوا کہ وہ گاڑی کاشف ہی کی تھی۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے ہی نئی گاڑی نکلوائی تھی۔ اسے ایسے بہت شوق تھے۔ اچھی گاڑی اچھا لباس' اچھی گھڑی۔ وہ دنیا کے سامنے اپنا اسٹیٹس بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے کا شوقین تھا۔

"ارے بی بی جان! یہ کاشف تھے نا؟" اس نے ان سے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ اس وقت اس سڑک پر کہاں ہوں گے بیٹی۔" بی بی جان نے آنکھوں پر لگا چشمہ درست کرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے مڑ کر عقب میں دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ صوفیہ کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ صوفیہ بھی خاموش ہو گئی۔ گاڑی حبیبہ کے گھر کی جانب بڑھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا ہے؟" وہ وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے آگے ہوا تھا جب کسی نے پوچھا۔ باجی عذرا کاؤنٹر پر کھڑی اسے دیکھتے ہوئے سوال کررہی تھیں۔

"یہ ساتھ والی گلی میں جو حسین صاحب رہتے ہیں ان کے بیٹے کا عقیقہ ہوا ہے۔" اس نے بنا مسکرائے لیکن اپنے مخصوص بذلہ سنج انداز میں کہا تھا۔ وہ آج بہت اداس تھا۔ کسی بھی گاہک کے ساتھ کام کے علاوہ اس نے کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔ عذرا باجی مسکرائیں۔

"ساتھ والی گلی کی باتیں مت کرو۔ وہاں تو پرسوں پولیس بھی آئی ہوئی تھی۔ سنا ہے کسی کے گھر سے ہیروئن پکڑی گئی ہے۔" وہ اپنی طرف سے بہت بڑی خبردے رہی تھیں۔

"ہیروئن پکڑی گئی ہے۔؟" سلیم نے مصنوعی تحیر سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے دوہرایا پھر رازداری سے استفہامیہ انداز میں بولا۔

"کون سی ہیروئن۔؟ ریما یا میرا۔ ریشم یا صائمہ۔؟" صائمہ باجی نے قہقہہ لگایا۔

"میں ان کی نہیں۔ اس ہیروئن کی بات کررہی ہوں جو سفید سفید ہوتی ہے۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"ارے تو یہ سب کون سا کالی ہیں۔ سب کی سب سفید سفید ہی ہیں۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"بکومت۔ میں تمہارا پوچھ رہی تھی کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ سنجیدہ ہوئی تھیں۔

"مجھے۔؟" اس نے استفہامیہ انداز میں پھر دوہرایا پھر آنکھیں مٹکا کر انہیں گھور کر بولا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔؟" عذرا باجی کے ساتھ اس کی کافی بے تکلفی تھی۔ ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا بھی تھا۔

"میں بس ایسے ہی۔" انہوں نے کندھے اچکائے پھر مزید بولیں۔

"دراصل سارے محلے کو صبح سے بے چینی ہے کہ آج سلیم بھائی پریشان ہیں۔ واصف انڈے ڈبل روٹی لے کر گیا تو وہ کہہ رہا تھا کہ سلیم بھائی اداس لگتے ہیں آج۔ ابھی دکان پر آتے ہوئے نسیمہ باجی مل گئیں۔ وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ سلیم کسی بات پر پریشان لگتا ہے۔" ان کی بات پر سلیم دل میں حیران ہوا۔ کیا سارا محلہ اس کے چہرے سے اس کے دل کا حال جان سکتا تھا۔ وہ پریشان تو نہیں تھا لیکن دل کو بے چینی سے لاحق تھی اور اداسی بھی تھی جو مایوسی کے دھندلے پردے میں لپٹی تھی۔ دس بج چکے تھے اور نمنا ابھی تک اپنی ببل گم لینے نہیں آئی تھی۔ وہ یونیورسٹی سے چھٹی نہیں کرتی تھی اور پھر اب تو وہ ٹیوشن کے لیے بھی جاتی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ گھر سے نکلی نہ ہو۔ وہ اگر گھر سے نکلی تھی تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس نے سلیم سے بغیر ملے جانا گوارا کرلیا تھا۔

"کیا وہ ناراض ہوگئی تھی؟" یہ وہ سوال تھا جو سلیم کے حواسوں پر پوری طرح سوار تھا۔ ساری رات وہ ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا۔ اپنی کم مائیگی کا احساس پہلے بھی اس پر حاوی رہتا تھا لیکن نمنا کے دوٹوک جواب نے اسے اندر سے توڑ ہی ڈالا تھا۔ امید آس کی کوئی ہلکی سی کرن بھی اس نے اس کی زندگی میں رہنے نہیں دی تھی۔ وہ واقعی صبح سے بجھا بجھا سا تھا۔ اس کی دکان پر آنے والے گاہکوں نے یقیناً" اس کی پژمردگی کو واضح طور پر محسوس کیا تھا جس کا اظہار باجی عذرا بھی کررہی تھیں۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں صحیح ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔ یہ احساس اچھا بھی لگا تھا کہ اس محلے میں اتنی محبت کرنے والے لوگ موجود تھے۔

"میں نے بھی یہ نہیں کہا جناب کہ آپ غلط ہیں۔ لیکن یہ چہرے پر جو بارہ بجا رکھے ہیں نا یہ یقیناً" غلط ہیں۔ ہمیں نہیں پسند ایسا سلیم۔ اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ کیا ہوا ہے۔" وہ لہجے میں شفقت سمو کر بولیں۔ وہ ان کے بڑے بیٹے سے چند سال ہی چھوٹا تھا اور شروع سے ہی ان کا رویہ اس کے ساتھ محبت بھرا ہی رہا تھا۔ وہ مسکرایا۔

"آج طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بخار سا ہے۔ سر میں درد محسوس ہو رہا ہے۔" وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

"ارے تو آج بیگم یا علیم کو کہہ دیتے وہ بیٹھ جاتے دکان پر۔ تم آرام کر لیتے۔" انہوں نے پریشانی بھرے لہجے میں کہا تھا۔ سیم نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ دونوں کالج گئے ہوئے ہیں نا۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ باجی عذرا بولیں۔

"میں تمہارے بھائی سے کہوں۔ ان کی شام کی شفٹ ہے۔ وہ مدد کر دیتے ہیں تمہاری۔"

"ارے نہیں عذرا باجی میں ٹھیک ہوں۔ ٹیبلٹ لی ہے۔ آپ فکر نا کریں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ جلدی جلدی ٹھیک ہو جاؤ۔ بالکل اچھے نہیں لگ رہے ایسے سنجیدہ سے۔ مجھے بالکل نہیں قبول ہے وہ اللہ سیم۔ سارا محلہ مرجھایا ہوا لگ رہا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولیں۔

"آج تو بڑی رومانٹک باتیں کر رہی ہیں آپ۔ مجھے تو سارا محلہ کھلا کھلا سا لگنے لگا ہے۔" وہ آنکھیں مٹکاتے ہوئے کاؤنٹر پر ذرا آگے کی جانب ہو کر چڑانے والے انداز میں بولا تھا۔

"شرم کرو۔ بس سے فلرٹ کرتے ہو۔" وہ ہنس رہی تھیں۔

"ہم جو آپ کریں تو حلال۔ ہم کریں تو حرام۔ ظالم لوگو۔" وہ بساط بھر کوشش کر رہا تھا کہ وہ اپنی افسردہ کیفیت سے نکل سکے۔

"چلو مجھے دال مونگ دو۔ دھلی ہوئی۔" انہوں نے ہنستے ہوئے اپنی مطلوبہ شے بتائی تھی۔

"میں میلی کچیلی چیزیں بیچتا بھی نہیں ہوں۔ یہاں ہر چیز دھلی دھلائی۔ صاف ستھری۔ چکا چک ملتی ہے۔" وہ اپنی جون میں پلٹ آیا تھا۔

"ایسے ہی رہا کرو ہنستے کھیلتے۔ اللہ تمہیں بہت سی خوشیاں دے۔" وہ ہنستے ہوئے دعا دے کر اور ادائیگی کر کے واپس لے کر چلی گئی تھیں۔

"خوشیاں۔۔۔؟" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے سامنے کی سمت دیکھا جہاں اس کی خالہ کا گھر تھا۔

"تمہارا ناراض ہو گئی ہو کیا؟" وہی سوال پھر ذہن میں چکرانے لگا تھا۔ وہ افسردگی پھر وجود پر چھانے لگی تھی۔ اس نے کاؤنٹر پر صبح سے رکھی بیل کم پر انگلی رکھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"رانی! ایمن کو میرے پاس لے آؤ۔" شیرین نے ہاتھوں پر لوشن ملتے ہوئے با آواز بلند ملازمہ کو پکارتے ہوئے حکم صادر کیا تھا۔ اس کی طبیعت سارا دن ٹھیک رہی تھی۔ سر درد کی شکایت ہوئی تھی نا ابکائی آئی تھی۔ اماں رضیہ نے تازہ انار کا جوس نکلوا کر اسے پلایا تھا۔ وہ کافی فریش محسوس کر رہی تھی۔ ہلکے سبز رنگ کے لباس میں نک سک سے تیار مناسب جیولری کے ساتھ اب وہ ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھی تھی تاکہ سمیع آئے تو دروازے پر اس کا استقبال کر سکے اور اپنی ساری کارکردگی اس کے گوش گزار کر سکے۔ وہ کافی خوش اور پرجوش نظر آتی تھی۔ ایمن رانی کے پاس تھی اور کب سے شیرین کو رانی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ ایمن کے ساتھ مسلسل باتیں کرنے میں مصروف تھی۔

شیرین کو اپنے بیڈ روم سے باہر دیکھ کر ملازم کافی مستعد ہو رہے تھے۔ شیرین اماں رضیہ سے بہت خوش تھی اور رانی سے بھی بظاہر اسے شکایت نہیں تھی لیکن ایمن کے ساتھ اس کی باتیں سن کر اسے احساس ہو رہا تھا کہ جس

طرح کا انداز گفتگو رانی کا ہے اس سے ایمن کی زبان بھی خراب ہوگی اور پھر اس کے دوپہر والے سوال نے بھی شہرین کو ذرا الرٹ کر دیا تھا۔ ایمن کو سنبھالنے کے لیے کوئی سمجھدار لڑکی ہونی چاہیے تھی جبکہ رانی کے ساتھ کافی اٹیچڈ ہو چکی تھی۔ شہرین کو تو یہ خدشہ بھی تھا کہ ایمن الٹے سیدھے الفاظ بولنا سیکھ لے گی۔ بولنے لگی تھی اور اس کا کریڈٹ بھی رانی کو جاتا تھا۔ وہی چھوٹے چھوٹے جملے بولتی رہتی تھی جس کی وجہ سے ایمن باتیں کرنا سیکھ رہی تھی۔

شہرین کو آج ایمن کے متعلق نا صرف اپنی ذمہ داریوں کا بلکہ اپنی لاپروائی کا بھی بہت احساس ہو رہا تھا۔ اس کی بیٹی اس کی طبیعت کی بنا پر بہت اگنور ہوتی رہی تھی۔ اس نے ڈاکٹر بشریٰ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اپنے معمولات کو تبدیل کرنے کا سوچا تھا۔ اماں رضیہ بھی تاکید کرتی تھیں اور اسے بھی احساس ہو رہا تھا کہ اس کی طبیعت کی خرابی کا سب سے زیادہ نقصان ایمن کو ہو رہا تھا۔ وہ اس کے کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ اس کے کھانے پینے سے لے کر صفائی ستھرائی اور کھانے پینے تک کے لیے وہ اماں رضیہ کی محتاج تھی۔

"آؤ ایمن گڑیا آپ کی پاپا جانی بلا رہی ہیں۔" رانی نے فوراً "ہی بے بی واکر لا کر اس کے پاس رکھ دی تھی جس میں ایمن مزے سے بیٹھی تھی۔ اس کے کپڑے اور ہاتھ پاؤں صاف ستھرے تھے۔ اماں رضیہ بلاشبہ بچی کا خیال ٹھیک سے رکھ رہی تھیں۔

"ایمن۔ بے بی۔ کیسی ہو میری جان۔" اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے گود میں لے لیا تھا۔ ایمن لمحہ بھر کے لیے کسمسائی پھر اطمینان سے اس کی گود میں کھیلنے لگی۔ رانی بغور مالکن کے اطوار دیکھ رہی تھی۔ شہرین نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور خود ایمن کو گود میں ہی لیے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں ایمن کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ بہت دن کے بعد اسے اس طرح گود میں لے کر بیٹھی تھی۔ وہ اپنی ہی بیٹی سے بہت کتراتی تھی اور اس کی وجہ کیا تھی یہ اس نے کبھی سمیع کو بھی نہیں بتایا تھا۔

ایمن بنی بنائی شہرین تھی۔ بالخصوص اس کی آنکھیں بالکل شہرین جیسی تھیں۔ بہت روشن اور غلافی آنکھیں۔ جو پہلی نظر میں دل موہ لیتی تھیں اور ان پر بہت گھنی پلکوں کی باڑھ تھی۔ ذرا سا نم ہونے پر ہی اس کی آنکھیں پلکوں کی وجہ سے بہت زیادہ بھیگ جاتی تھیں اور یہی شہرین کے ساتھ بھی ہوتا تھا۔ وہ چہرہ دھو کر خشک بھی کر لیتی تھی تو آنکھیں پھر بھی نم ہی رہتی تھیں۔ پانی کی ننھی ننھی بوندیں اس کی پلکوں میں پھنس سی جاتی تھیں جس سے وہ بھیگنے کے بعد مزید خوب صورت لگنے لگتی تھیں۔ اس کی کزنز اور سہیلیاں اکثر اس کی آنکھوں کے لیے بہت خوب صورت اشعار پڑھا کرتی تھیں اور سمیع بھی اس کی آنکھوں کے لیے بہت اچھے کمپلیمنٹ پاس کرنے کا عادی تھا۔

شہرین نے ایمن کے بھورے بالوں میں انگلیاں نرمی سے چلاتے ہوئے اس کی آنکھوں کے بعد تیکھی مغرور ناک اور پھر ہونٹوں کو بغور دیکھا۔ وہ بالکل شہرین کا عکس تھی۔ اس کا رنگ روپ نقش ہر چیز شہرین سے مشابہ تھی۔ حتیٰ کہ دونوں کے بالوں کا رنگ بھی ایک جیسا بھورا تھا۔ ایمن کے جو دانت نکل آئے تھے اس سے اس کے چہرے کی شبیہ مزید شہرین جیسی ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی لمبی گردن میں شہرین کی گردن کی مشابہت محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ مسکراتی تھی تو دونوں گالوں میں ڈمپل پڑتا تھا۔ اس کی مخروطی ننھی منی انگلیاں اور ہتھیلیاں بالکل اپنی ماں کے جیسی لگتی تھیں۔

شہرین نے غیر ارادی طور پر اس کے بال کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے اس کے کانوں کو چھوا تھا۔ اس کے اپنے کان بہت چھوٹے اور نرم سے تھے اور کان کی لو بالکل پتلی سی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ایمن کے کان بھی اس جیسے ہیں یا نہیں۔ ایمن کے کان بھی اس کے جیسے ہی تھے۔ وہی نرمی وہی ملائمت۔ وہ کچھ دیر بلاوجہ اس کے کان کی

لو پر انگلی پھیرتی رہی۔

"اللہ تمہیں بیٹی دے گا اور وہ بالکل تمہارے جیسی ہوگی۔ دیکھنا بالکل تمہارے جیسی۔ ہو بہو تمہارا عکس۔ یاد رکھنا میری بات۔" کسی کا کہا ہوا جملہ اس کی یادداشت میں جیسے چنگاری بن کر پھوٹا تھا اور پھر جیسے دھیرے سے ہوا میں دھواں بن کر زائل ہو گیا تھا۔ اذیت اس کے اندر راکھ بن کر اڑی تھی۔ اس کے سر میں درد کا احساس جاگا اور پھر ایسے ہی غائب ہو گیا جیسے پانی کا بلبلہ ہوا میں پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔

"رانی! ایمن کو لے جاؤ۔" اس نے بوجھل دل کے ساتھ رانی کو آواز دی تھی۔ ایمن ماں کے تاثرات سے بے خبر اس کی گود میں کسی شہزادی کی طرح بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نہنا کتنے بجے آئے گی۔" زری نے چائے کا پانی چولھے پر رکھنے سے پہلے احتیاطاً" امی سے پوچھا تھا۔ امی نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ چار بج چکے تھے۔

"آتی ہو گی دس منٹ میں۔" انہوں نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔ وہ اون کے لچھے لے بیٹھی تھیں جو انہوں نے دروازے پر آنے والی پٹھانی سے خریدے تھے۔ ان لچھوں کو اب وہ گولے کی شکل میں لپیٹ رہی تھیں۔ انہوں نے آلتی پالتی کی پوزیشن میں بیٹھ کر اس موٹے لچھے کو گھٹنوں میں پھنسا رکھا تھا اور گولہ ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا جس پر وہ تار تار کر کے ساری اون لپیٹتی جاتی تھیں۔

"اس کا موڈ کیسا تھا۔ ناراض تھی؟" وہ سوچ سوچ کر سوال کر رہی تھی۔ امی نے عینک کے شیشوں سے سوالیہ انداز میں اس کے سوال کو سنا تھا پھر افسوس کرنے والے انداز میں بولیں۔

"وہ کس وقت ناراض نہیں ہوتی وہ اور تم بار بار ایک ہی بات کیوں پوچھتی جا رہی ہو۔ ناشتے کے وقت بھی یہی سوال کیا تھا اب بھی یہی پوچھ رہی ہو۔ تمہارا کیا جھگڑا ہوا ہے اس سے۔" امی کو ایک بار پھر نہنا کا رویا رویا انداز یاد آیا۔

"میں کب جھگڑے وگڑے کرتی ہوں اس سے۔ اسے ہی عادت ہے یہ سب کرنے کی۔ میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ آپ نے ڈانٹا تھا نا اسے۔" وہ چائے کا پانی چولھے پر رکھ کر دوبارہ ان کے پاس آبیٹھی تھی۔ نہنا اور سلیم کی باتیں سن لینے کے بعد اس نے نہنا کے فیصلے کو ہی درست قرار دیا تھا۔ سلیم نہنا کے لیے قطعاً" مناسب جوڑ نہیں تھا لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ امی کی ٹوہ بھی تو لے۔ آخر امی یکدم نہنا اور سلیم کی دوستی سے کیوں چڑنے لگی تھیں۔ کیا وہ اس سارے معاملے سے باخبر تھیں۔

"اسے ڈانٹ کہتے ہیں؟ میں تو اسے صرف سمجھانا چاہ رہی تھی کہ یہ روش ترک کر دے۔ اب وہ بچی تھوڑی ہے کہ جب دل چاہے جہاں دل چاہے چلی جائے۔ لڑکیوں کو بہت محتاط ہونا چاہیے۔" امی گولہ باندھتے ہوئے چڑ کر بولی تھیں۔ بلاوجہ کے سوالات انہیں جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیتے تھے۔ زری نے سر ہلایا اور پھر امی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"لیکن امی وہ بچپن سے خالہ اور ان کے بیٹوں سے اٹیچڈ رہی ہے۔ وہ ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہی ہے۔ سلیم علیم کے ساتھ کھیلتی رہی ہے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی رہی ہے۔" وہ رک رک کر بولی تھی۔ امی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"میں اس بات سے انکار کر رہی ہوں کیا۔ آپا اور ان کے خاندان نے بہت پیار دیا ہے نہنا کو۔ سلیم ہی نہیں باقی تینوں بھی بہن سمجھتے ہیں نہنا کو۔ بہت پیار کرتے ہیں اس سے لیکن یہ بات لوگوں کو نہیں سمجھائی جا سکتی۔ وہ اپنے

حساب سے 'اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔" وہ ہاتھ روک کر ساری توجہ زری کی طرف مبذول کر کے اس کی بات کا جواب دے رہی تھیں کہ جب زری کی بات ہو نینا سے تو وہ ان کے موقف کو اس تک پہنچا سکے۔ زری نے لفظ "بہن" پر بمشکل اپنے تاثرات کو قابو میں رکھا۔

"لوگوں کی باتیں رہنے دیں۔ لوگ ہمیں کھانے کو نہیں دیتے۔" زری منہ بنا کر بولی۔ امی کو اس کے انداز پر بڑا غصہ آیا۔ ان کی دونوں بیٹیاں بحث مباحثے کی بڑی شوقین تھیں۔

"تمہارا باپ تو دیتا ہے نا۔ ان کی باتیں کر لوں۔" وہ چڑ کر بولی تھیں۔

"کیا مطلب؟" زری نے حیران ہونے کی بھرپور اداکاری کی کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ شاید ابا نے ہی امی کو کہا ہو گا کہ وہ نینا کو ٹوکیں۔

"تمہارے ابا کو نہیں پسند نینا کا سلیم سے زیادہ ملنا جلنا۔ اور اب سوال پر سوال کرتی جاؤ گی یا اس چائے کی خبر بھی لو گی جو چولہے پر انتظار میں سکھانے کو چڑھائی تھی۔" انہوں نے اپنی جانب سے بات ختم کر دی تھی۔ زری کو بھی یاد آیا کہ چائے چولہے پر رکھی تھی۔ وہ کچن تک گئی پھر آنچ دھیمی کر کے وہیں سے بولی۔

"امی یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ سلیم اور نینا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوں۔ میرا مطلب ہے۔۔۔" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ اسے ڈر تھا اب امی اس پر برس پڑیں گی لیکن وہ چند لمحے کچھ نہیں بولی تھیں۔ زری نے کچن سے جھانک کر دیکھا کہ وہ کس گہری سوچ میں گم ہو گئیں لیکن وہ اطمینان سے اون کا گولا بنانے میں مگن تھیں۔ اس کے دیکھنے پر جیسے ہی انہیں احساس ہوا کہ وہ جواب کی منتظر ہے تو بولیں۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔" زری چپ کی چپ رہ گئی۔ یہی تو نینا نے بھی سلیم سے کہا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ امی اور نینا کا موقف ایک تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ پانی پینے کے لیے اٹھا تھا۔ رات کو اکثر اسے پیاس لگ جایا کرتی تھی اس لیے وہ گلاس سائیڈ پر رکھ کر سونے کا عادی تھا۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے گلاس کا کور اٹھایا تھا اور پھر گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگا۔ پانی پی کر اس نے کروٹ لی تھی اور تب ہی اسے احساس ہوا تھا کہ شہرین اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ اس نے فوراً "واش روم کی سمت دیکھا جس کے دروازے کے جھری سے کوئی روشنی آ رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"شہرین۔۔۔ شہرین۔" اس نے بہت آہستگی سے آواز دی تھی لیکن کوئی رد عمل سنائی نہیں دیا تھا۔ وہ بستر سے اترا اور تب ہی اسے احساس ہوا تھا کہ بالکونی کا دروازہ کھلا تھا اور ساتھ ہی کچھ غیر معمولی ٹپ ٹپ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بارش ہو رہی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا بالکنی میں آگیا۔ بارش کے ہوتے ہی گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ سمیع کا استقبال لہلہاتی بل کھاتی ہوا نے کیا تھا۔ اسے ہوا کی ملاحت بڑی بھلی لگی۔ نیند سے بھری آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔ وہ شہرین کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ اس کے بھورے بال جن میں ہلکا سا کرل تھا' کھلے ہوئے تھے اور اس کی پشت پر بکھرے تھے۔ اس نے بہت نرمی سے شہادت کی انگلی سے اس کے بالوں کو چھوا جیسے کوئی موسیقار اپنے طنبورے کو چھوتا ہے۔ شہرین نے چونکے بنا مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"سمیع۔۔۔ دیکھو۔۔۔ کتنی خوب صورت بارش ہو رہی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"میرے پاس دیکھنے کے لیے اور خوب صورت چیزیں نہیں ہیں کیا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ شہرین اس کا اشارہ سمجھ کر مسکرائی۔

"میری تعریف کر رہے ہو۔ اشاروں اشاروں میں۔۔۔ گھما پھرا کر۔" وہ دیکھ سامنے ہی رہی تھی جہاں بارش کا پانی

سڑک کو پوری طرح بھگو چکا تھا اور اب بارش کی مخصوص مہک چاروں طرف پھیلی تھی۔
"کوئی اعتراض ہے...؟" سمیع نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ وہ ابھی بھی اس کی لٹوں پر انگلی پھیر رہا تھا۔
"نہیں... لیکن اتنی تعریف بھی مت کیا کرو... کچھ معاملات میں فراخ دلی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ چڑانے والے انداز میں بولی۔ سمیع نے مصنوعی تحیر چہرے پھیلاتے ہوئے استفہالیہ انداز میں اسے دیکھا۔
"شادی کے پہلے سال تم کھل کر میری تعریف کیا کرتے تھے۔ شادی کے چوتھے سال تم اشاروں میں تعریف کرنے لگے ہو۔ شادی کے دس سال بعد تم تعریف کرنا چھوڑ دو گے۔ اس لیے اپنے الفاظ بچا بچا کر رکھو۔ مختصر تعریف کیا کرو اور کبھی کبھی... تاکہ دس سال بعد بھی کام آسکیں... میں نہیں چاہتی کہ تم مجھ سے اکتا جاؤ۔" وہ اپنی جانب سے دلیل دے رہی تھی۔ سمیع نے اس کا رخ اپنی جانب موڑا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے کمرے کی جانب لے جاتے ہوئے بولا۔
"ایک بات یاد رکھیں شیریں بی بی... بلکہ کہیں لکھ کر محفوظ کرلیں۔ سمیع دنیا کے ہر کام سے اکتا سکتا ہے لیکن آپ سے نہیں۔"
"کیوں...؟" وہ اٹھلا کر بولی۔
"کیوں کہ سمیع کو آپ سے محبت ہے۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا۔
"کیوں؟" اس نے ایک اور سوال کیا۔
"کیوں کہ آپ بہت خوب صورت ہیں۔" سمیع نے ترنت جواب دیا جیسے کوئی مقابلہ ہو رہا ہو اور وہ اس میں ہارنا چاہتا ہو۔
"سمیع! کیا محبت کے لیے خوب صورتی سب سے اہم شرط ہے۔ کیا خوب صورتی ہی محبت کے لیے ضروری ہے۔" شیریں کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیں تھیں۔ سمیع نے گہری سانس بھرتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔
"یعنی تم نے حتمی فیصلہ کرلیا ہے کہ رات کے اس پہر جب اتنی رومانٹک بارش ہو رہی ہے۔ ہوا میں میٹھی سی خوشبو بکھری ہے اور تم اتنی خوب صورت لگ رہی ہو۔ لیکن تم اپنے شوہر کو جی بھر کر بور کرو گی... تو کرو گی...۔" وہ مصنوعی ناراضی لہجے میں سمو کر بولا تھا۔
شیریں مسکرائی تک نہیں۔ سمیع نے اس کے کندھوں پر ہاتھ پر رکھا تھا۔
"محبت میں حساب کتاب جانچ پڑتال کی باتیں بے معنی ہوتی ہیں۔ یہ فلسفہ تھوڑی ہے کہ اس کے وجود اور عدم وجود پر مناظرے کیے جائیں۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے پنڈال سجائے جائیں۔ محبت طبیعات نہیں ہے۔ یہ مابعد الطبیعات ہے۔ انسانی ذہن سے اوپر کی چیز... عقل و دانش سے ماورا۔ علم محبت کے اپنے مکتب اپنی کتابیں ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی منطق کوئی دلیل کام نہیں آتی۔ یہ اگر ہے تو ہے اور اگر یہ ہے تو اسے ثابت کرنے کے لیے دنیا کے کسی قانون، کسی فارمولے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیوں، کیسے، کس لیے، کس طرح والی باتیں اس میں نہیں ہوتیں۔
اس میں نا کوئی شق ہوتی ہے نا شرط۔ یہ ایک خود کار اضطراری جذبہ ہے۔ اس لیے اس کے ہونے اور نہ ہونے کی بنیادی شرائط پر بحث کرنا صرف وقت کا ضیاع ہے۔" وہ ایک ایک جملے کو بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بھی دیکھ رہا تھا۔ آخری جملے پر اس نے اپنا سر نرمی سے اس کے سر کے ساتھ ٹکرایا تھا۔ شیریں کچھ نہیں بولی۔ سمیع بعض اوقات اتنی اچھی باتیں کرتا تھا کہ اسے اپنے الفاظ اس کے سامنے کمتر لگنے لگتے تھے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

✡ ✡

صدف ریحان گیلانی

میں ہوں صمصام عبید موسوی۔

"ارے کیا ہوا؟ چونک گئے۔ ارے نہیں بھئی اب اتنا بھی مشکل نام نہیں کیا نام ہے ان کا وہ اپنے چاچا جی۔ مس۔۔۔ تن۔۔۔ اوہو یاد نہیں آرہا۔ ہاں ان سے تو کم ہی مشکل ہے میرا نام۔"

دراصل بات کچھ یوں ہے کہ بقول راوی ہماری عزیز از جان والدہ محترمہ اپنے دور جوانی میں خاصی "ناولز لورز" میں سے رہی ہیں جس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے باقاعدہ پورے خاندان کے ساتھ پنگے لے لے کے اپنے بچوں کے نام چن چن کر ایسے افسانوی رکھے صرف اس خیال سے کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ اب دنیا دنگ رہی یا نہ رہی یہ الگ ایشو ہے' ہاں تنگ ضرور رہے وہ بھی بے چارے ہم۔۔۔ کیوں کہ جو بھی پہلی بار ہمارا نام سنتا وہ ضرور منہ کھول آنکھیں پھیلا کر ہماری طرف دیکھتا۔

"یہ کیا نام ہے بھلا؟ کس نے رکھا تھا؟ مطلب کیا ہوا؟" اس سے زیادہ اوکھا نام نہیں تھا ملا؟ حد ہو گئی بھی۔"

اتنے سوال ہوئے کہ کیا امتحانی پرچے میں ہوتے ہوں گے اور ہم جواب دے دے کہ عاجز' پھر یوں ہوا کہ زبان کو ممکنہ بل پڑنے سے بچانے کے لیے دنیا نے ہمارے لمبے تڑنگے ناموں کو ہی اچھا خاصا کانٹ چھانٹ دیا۔ جیسے میں صمصام عبید سے "صمی" ہو گیا۔ ضیغم رضا صاحب صرف "غمی" رہ گئے شاندانہ "شنی" اور شازمہ "شمی" رہ گئیں وحشت تیرے کی یہ دنیا والے بھی نا۔

ہاں بس ایک جواد ماموں اور دوسرے ہماری والدہ ہی تھیں جنہوں نے کبھی ہمیں ان فضول نک نیم سے نہ پکارا بلکہ ہمیشہ ہمارے پورے نام ہی لیے گئے کیوں کہ بقول ان کے بچوں کے بے معنی اور آدھے ادھورے ناموں سے ان کی شخصیت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

خیر جانے دیجیے۔ میں بھی کیا قصہ لے کر بیٹھ گیا۔ ایکچوئیلی میں کوئی باقاعدہ قصہ گو تو ہوں نہیں کہ مجھے علم ہوتا کہانی کیسے شروع کرتے ہیں اور کیسے لفظوں کے طومار باندھ کر پڑھنے والوں کو ان کا اسیر کرتے ہیں۔ مجھ پر تو بس اس گود کا اثر ہے۔ جس میں نے پرورش پائی اس لیے تو چند حرف جوڑنے آگئے اور اسی بنا پر آج جی چاہا کہ اپنی داستان حیات دنیا کے سامنے لے کر آؤں۔ جی ہاں۔ اپنا قصہ غم' جو میری شادی کے ساتویں روز سے شروع ہوا۔

کیا کہا؟ پہلے چھ دن کی باتیں؟ ارے واہ آپ کو کیا میں اتنا ہی چغد نظر آتا ہوں کہ آپ سے ہر بات شیئر کرلوں جتنا بتا رہا ہوں نا اتنا ہی چپ کر کے جانیے اور خبردار کسی نے مجھے ٹوکنے کی کوشش کی۔ اور ڈیئر ایڈیٹر یہ جو میں نے چند ایک جملے سیدھے کرنے کی سعی ناکام کی ہے نا اس کی تو آپ نے بالکل تراش خراش نہیں کرنی کیوں کہ مجھے پتا ہے کہ آپ کسی ماہر ٹیلر سے بھی زیادہ مہارت رکھتی ہیں۔ قینچی پھیرنے میں۔ ہاں نہیں تو۔

☼ ☼ ☼

اف۔ میرا پیارا کمرہ جو میری شریک حیات کے

آنے کے بعد اور زیادہ حسین ہو گیا تھا، مگر آج میں پورے دو دن بعد یہاں آیا تھا ایک تو شادی کے دنوں کی تھکان اس کے علاوہ چوتھی، پانچویں کی فضول رسمیں جو ہم لوگوں نے جانے کیوں خود پر لاگو کر رکھی ہیں۔ مجھے ان رسموں کی کوئی ضروری وجہ سمجھ نہیں آئی، مگر میں حیران ہوں کہ ہم لوگ انہیں اتنی عقیدت و محبت کے ساتھ ادا کرتے ہیں جیسے یہ کوئی قومی فریضہ ہو (اگر ہم اسی طرح پر خلوص ہو کر نہایت ضروری فرائض بھی ادا کرنے لگیں تو ہماری زندگیاں کتنی سہل اور پرسکون ہو جائیں، مگر ہائے کاش)

مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ شادی کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اف۔ ایسی ایسی بے ہودہ رسمیں ہیں ہمارے ہاں کہ بعض اوقات تو مجھے لگا کہ میں کوئی تماشہ کرنے والا بندر ہوں مجھ پر ٹکٹ لگی ہوئی ہے اور سارا مجمع مجھے دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوا ہے (کیا آپ کو بھی اپنی

شادی کے وقت ایسا ہی لگا تھا کچ بتائے گا۔ لگا تھا نا۔۔۔)

زرنش کی سہیلیوں اور کزنز نے تو مجھے اچھا خاصا زچ کیا ایسی چلبلی اور شوخ لڑکیاں، کئی ایک کی فضول باتوں پر تو مجھے اتنا غصہ آیا کہ حد نہیں، کئی بار تو بے اختیار جی میں آئی کہ ایک ایک لگا ہی دوں، مگر آہ! یہ مروت یہ رواداری۔۔۔ یہ تو اگر میں کوئی شائے، بیبا سا بچہ ہوتا تو ان کے ہاتھوں مزید پٹ جاتا، مگر میں بھی صمصام عبید موسوی ہوں، میں نے بھی ایسے ایسے کرارے جواب دیے کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کردیے پھر کئی ایک کو میں نے زرنش سے کہتے سنا۔

"ہائے ہائے، تمہارا میاں تو بہت ہی گھنا ہے، بے حد چالاک۔ بچ کر رہنا۔ زرنش تمہاری زندگی تو لگتا ہے تختی میں گزرے گی۔ اب مرد اگر حاضر دماغ اور حاضر جواب ہوتا تو عورت بے چاری کو سوال کرنا بھی بھول جاتے ہیں۔ چچ چچ۔۔۔ زری اچھا نہیں ہوا تمہارے ساتھ۔" اور میں دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ یہ سب باتیں میرے حق میں جارہی تھیں اور یقیناً" زرنش پر اثر انداز بھی ہو رہی ہوں گی اور جو میرے لیے ہی فائدہ مند رہیں گی۔ اچھا ہے نا شروع کے دنوں میں اگر شوہر بیوی پر رعب شوب ڈال کر اسے اپنے قابو میں کرلے تو پھر سکون میں رہتا ہے، لیکن اگر وہ اوائل دنوں میں ہی بیوی کے نخروں کے جال میں پھنس جائے تو پھر بے چارا تمام عمر ماہی بے آب کی طرح پھڑپھڑاتا ہے رہ جاتا ہے۔ (کیوں بھائیوں اتفاق کرتے ہو نا میرے ساتھ) ویسے بھائی لوگ تو کم ہی پڑھیں گے میری بپتا۔ ہاں بہنوں سے معذرت کے ساتھ۔

"کیا بات ہے؟ کیا سوچ رہے ہیں؟" تولیے سے چہرہ تھپتھپاتی زرنش بیڈ کے دوسرے کنارے پر آبیٹھی، میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے بے شمار میک اپ کر رکھا تھا۔ جھلملاتے کپڑے خوب ساری جیولری اور تب وہ اچھی لگ رہی تھی اور اب دھلا دھلایا بے داغ خوب صورت چہرہ، صاف شفاف رنگت زیور کے نام پر صرف ایک لونگ جو اس کی ناک پر دمک رہی تھی اور اس لمحے وہ مجھے کہیں زیادہ خوب صورت لگی۔

ویسے آپس کی بات ہے یہ صنف نازک میں اتنا کمپلیکس کیوں پایا جاتا ہے اپنی خوب صورتی کے متعلق۔ اللہ تعالیٰ نے مکمل حسن دے رکھا ہوتا ہے، مگر پھر بھی انہیں کمی سی کیوں لگتی ہے۔ اتنے پیارے چہرے پر مختلف ہونق سے رنگ پھیر کر وہ سمجھتی ہیں کہ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں؟ شکر ہے اللہ کا اس معاملے میں ہم مرد بہت بے فکر ہیں۔ نہ کلو دو کلو میک اپ، نہ چار پانچ کلو کی جیولری، نہ آٹھ دس کلو کے کپڑے، صرف منہ دھویا، شیو کی یا نہ کی، ہلکے پھلکے صاف ستھرے کپڑے پہنے اور لو جی تیار اور تیار بھی ایسے کہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین و خوبرو لگنے لگتے ہیں۔ (ماشاء اللہ)

ہمیں اپنی خوبروئی کو اجاگر کرنے کے لیے کسی بھی مصنوعی سہارے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کیوں کہ بھئی ہمیں کوئی احساس کمتری نہیں ہے۔ ہمیں پتا ہے ہم خوب صورت ہیں اور ہم بغیر کسی محنت و کوشش کے دلفریب نظر آتے ہیں (اہم۔۔۔ اہم۔۔۔)

اوہو! اگر یہ خواتین کو کون سمجھائے؟ اور چلو چھوڑو بھئی ساری خواتین سے مجھے کیا لینا دینا۔ میرا واسطہ صرف اپنی پیاری بیگم سے ہے اور میں اسے تو سمجھا سکتا ہوں اور میں نے یہی تو کیا، میں نے زرنش سے کہا۔

"تمہیں میک اپ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تم ایسے ہی بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" اور وہ میرے لفظوں پر یک لخت یوں شرمائی کہ اس کا کچی اسٹرابیری سا چہرہ سرخ انار میں بدل گیا۔

"اور دیکھو پلیز آئندہ یہ الٹے پلٹے رنگ اپنے چہرے پر ابلائی مت کرنا، سچ میں خواتین، بہت عجیب لگتی ہیں مجھے اس حلیے میں۔" اور میرے اگلے لفظوں کا الٹا اثر ہوا اس کا چمکتا چہرہ ایسے ہوگیا جیسے دن میں دسیوں بار ہمارے کمروں کے انرجی سیور ہو جاتے ہیں۔ یک لخت اس کے نقوش تن سے گئے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا! کیا میں سارا میک اپ اٹھا کر باہر پھینک دوں۔ آپ کو پتا ہے کتنا اعلا معیاری برانڈڈ' امپورٹڈ میک اپ پرچیز کیا تھا میں نے' میری تو صرف آئی شیڈو اور بلش آن کٹ ہی سات ہزار کی آئی تھی۔"

"کیا؟ سات ہزار۔۔۔" میں لیٹے سے اٹھ بیٹھا اک بجلی کا جھٹکا تھا جو مجھے لگا۔

"جی ہاں پورے سات ہزار اور باقی کی چیزوں کا تو پوچھیے ہی مت' چیدہ چیدہ چیزیں لیتے بھی پچیس 'تیس ہزار لگ گئے تھے میرا تو بیوٹی بکس ہی لگ بھگ چالیس ہزار کا بن گیا تھا۔ آپ کی طرف کا بیوٹی بکس تو اس لیول کا ہی نہیں وہ تو میں نے دیکھتے ہی سوچ لیا تھا کہ یوز نہیں کرنا وہ ادھر ادھر کسی نہ کسی موقعے پر آپ کی بہنوں کو ہی گفٹس دینے کے کام آجائے گا' لیکن دیکھ لیں میں نے آپ سے اس بارے میں کوئی بات کی' کوئی گلہ کیا۔ لڑکی کے بھی سو ارمان ہوتے ہیں میری بھی خواہش تھی کہ مجھے سسرال کی طرف سے اچھا میک اپ ملے گا۔ اتنا شوق ہے مجھے تو اس کا۔۔۔" وہ تڑتڑ بولے جا رہی تھی اور میں نے اس کا خوب صورت منہ دیکھتے اپنا خشک ہوتا حلق تر کیا اس کی ساری باتوں میں سے صرف ایک بات ہی تسلی بخش لگی تھی۔

"آ۔۔۔ آچھا۔ اب یہ جو تمہارا چالیس ہزار کا برانڈڈ' امپورٹڈ میک اپ ہے یہ کم از کم دس سال کے لیے تو کافی ہو گا تمہیں۔"

"کیا۔۔۔" اس نے گویا چیخ ماری۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیسی عجیب بات کر رہے ہیں' آپ کو تو واقعی کچھ نہیں پتا میک اپ صرف ایک سال تک یوز ایبل ہو سکتا ہے اس کے بعد استعمال کرنے کا مطلب اپنی جلد خراب کرنا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں میں گندہ میک اپ یوز کر کے بیمار پڑ جاؤں ایک طرف کہہ رہے ہیں میک اپ یوز نہ کرنا اور اب چاہ رہے ہیں دس سال تک وہی استعمال کروں۔ اُفوہ! آپ مرد لوگ بھی ناں۔"

اسے یقیناً" میری بات نے صدمہ پہنچایا تھا اور جو صدمہ مجھے ملا تھا اس کا کیا۔

"چالیس ہزار کا میک اپ اور صرف ایک سال کے لیے۔ اوہ گاڈ! چلو ایک سال تک تو خیریت رہے گی گزارہ ہو جائے گا' مگر باقی کے سالوں میں کیا بننے والا تھا میرا۔ میں ایک پرائیویٹ ادارے میں محنت کرنے والا ایک عام مزدور نما کیشیو۔ جس کی قلیل تنخواہ کا ایک کثیر حصہ یہ بدنما میک اپ ٹیکس کی صورت ہڑپ جایا کرے گا۔ ہر سال چالیس ہزار۔۔۔ ارے نہیں بھئی قیمتیں اور مہنگائی تو روز بھوسے کے ڈھیر کو لگی آگ کی طرح بڑھتے جا رہے ہیں ہمارے بڑھاپے تک تو یہ فالتو خرچہ لاکھوں تک پہنچ جائے گا۔ کس پاگل کے پتر نے بنایا تھا یہ میک اپ۔ وہ ضرور دنیا کا بدصورت ترین انسان ہو گا کم بخت خود تو مر گیا مصیبت ہمارے لیے کر گیا۔ ضرور کیڑے پڑے ہوں گے اس کی قبر میں۔" اوہ۔۔۔ میری تو آنکھوں کے آگے ترمرے سے ناچ رہے تھے۔ بنتے بگڑتے خاکوں سے خاک سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کیا سوچ رہا ہوں میں نے سر پکڑ لیا اور سن ہوتی سماعتوں سے میں نے سنا زوجہ محترمہ فرما رہی تھیں۔

"اچھا بات سنیں۔ میری سب سہیلیاں مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ ہنی مون پہ کب اور کہاں جا رہے ہو؟"

"کیا۔۔۔" اب چیخنے کی باری میری تھی۔ میں نے جھٹکے سے سر اٹھایا وہ اک پل کو سہم سی گئی پھر منہ پھلائے بولی۔

"توبہ ہے آہستہ تو بات کریں' میں نے ایسا بھی کیا پوچھ لیا۔ شادی کے بعد ساری دنیا ہنی مون پر جاتی ہے اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے آپ نے تو ایسے ری ایکٹ کیا جیسے کوئی انوکھی بات کر دی ہو میں نے' سچ ہی تو پوچھ رہی تھیں میری فرینڈز کتنے دن ہو گئے ہماری شادی کو اور ہم نے اس موضوع پر کوئی ڈسکشن ہی نہیں کی۔ ہمیں تو یہ معاملہ بہت پہلے طے کر لینا چاہیے تھا' میں تو اتنی امپریس ہوئی تھی فرینڈز

کے سامنے کہ کیا بتاؤں‘ اچھا بتائیں نا کہاں جائیں گے ہم لوگ؟ آپ نے کچھ تو سوچا ہوگا۔" وہ بے حد پر اشتیاق لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہک ہاں‘ اگر سوچنے کا پوچھا جائے تو انسان کیا کیا نہیں سوچتا کیا کیا ارادے نہیں باندھتا‘ مگر کبھی اپنا سوچا اور ارادہ بھی پورا ہوا ہے بیچارے بے بسی کے میری آنکھوں میں غضب بھرنے لگا۔ ارے بھئی زرنش کے لیے نہیں اس کی ان بدتمیز سہیلیوں کے لیے جنھوں نے میرے لیے اک نئی مصیبت جگادی تھی۔ کاش وہ چھچھوری لڑکیاں میرے سامنے ہوتیں تو میں ان کے گھونسلہ نما بالوں کو ایک ایک جھٹکا ضرور دیتا۔ آہ مگر کاش۔

"بات سنو۔ ہنی کچن میں رکھا ہوگا لے آؤ۔ اور کھڑکی کھول لو مون یہیں سے نظر آجائے گا جب ہم ایک ہی چمچے سے ہنی کھائیں گے اور مل کر مون دیکھیں گے تو ہمارا ہنی مون یہیں ہوجائے گا۔" باوجود غصے کے میں نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں اس سے کہا اس کا منہ کچھ اور کپا ہوا۔

"بہت پرانا لطیفہ ہے۔ آپ مجھے باتوں سے نہیں بہلا سکتے۔ آخر میری بھی اپنی چار دوستوں میں کوئی عزت ہے‘ میں نے بھی انہیں ملنا ہے۔ صبح مجھے ضرور بتادیجیے گا‘ ہم کہاں جائیں گے۔" اس نے چادر کھول کر سر تک تان لی تھی۔

"اوہ! دراصل بات یہ ہے تمہیں دوستوں کو منہ دکھانے کی فکر ہے۔ کچھ تو خوف خدا کرو بیوی.... منہ دکھانے کی فکر صرف اللہ کے لیے کرو۔ بھاڑ میں جھونکو دنیا کو‘ حد ہوگئی آخر یہ آج کل کے لوگوں کی عزت کا معیار ظاہری بھونڈی شوشاہی کیوں بن کر رہ گیا ہے۔ دنیا والوں کو دکھانے جلانے کی تک ودو میں لیے رہتے ہیں دن رات۔ ارے یہ جو دو کاندھوں پر دائیں کاندھے والا اس کے لیے بھی کوئی کام کرلیا کرو ظالمو۔ اور ابھی شادی پر اتنا خرچہ ہوچکا ہے میرا کہ کسی فالتو خرچے کے لیے تو میری جیب بالکل اجازت نہیں دے گی۔ اور اتنی چھٹیاں کرچکا ہوں آفس سے اب بھی میرا کھڑوس باس کبھی نہ دے گا مجھے چھٹی۔ اور ویسے بھی یہ ہنی مون۔ تنی مون سب پیٹ بھروں کے مشغلے ہیں ہم جیسے لوگوں کا ان شغل بازیوں سے کیا واسطہ۔ اس لیے یہ ٹاپک یہیں کہ یہیں کلوز کردو۔ اور آئندہ کے لیے اپنی سہیلیوں کو خبردار کردینا ہماری ذاتیات میں دخل اندازی مت کریں ورنہ میں تمہارا ان سے میل ملاپ بالکل برداشت نہیں کروں گا۔ بند کردوں گا تمہارا ان سے ملنا ہم اب میری بیوی ہو صرف۔ باقی سب فالتو کے رشتے بھول جاؤ۔ سمجھیں تم۔"

اور آپ کیا سمجھ رہے ہیں یہ ساری باتیں کیا میں زرنش کے ساتھ کررہا ہوں ارے نہیں بھئی اب اپنی اتنی پیاری من موہنی سی دلہن کا نازک سا دل میں یوں بے دردی سے نہیں توڑ سکتا۔ یہ سب باتیں تو میں آپ سے کررہا ہوں۔ ویسے ایسے لیکچر بھی ضرور پلانے چاہئیں بیوی کو اس سے گرانی نہیں ہوتی۔ مجھے بھی میرے دوستوں نے بتایا تھا مگر کم بخت یہ بتانا بھول گئے کہ جاگتی بیوی کے سامنے یہ سب کیسے کہتے ہیں۔ اب میری بیوی تو سو رہی ہے ناں اور مجھے اس کی پیاری نیند میں خلل ڈالنا گوارہ نہیں۔ آخر اتنی اتنی فضول رسموں نے اسے بھی تھکایا ہے ناں۔ اور ہاں یارو تھک تو میں بھی گیا ہوں۔ اچھا اب میں بھی سونے لگا "گڈ نائٹ"

☼ ☼ ☼

اور یہ تذکرہ ہے۔ شادی کی آٹھویں صبح کا۔ آفس کا پہلا دن زرنش نے تیاری میں میری بھرپور مدد کی تھی۔ پریس کیے کپڑے‘ پالش شدہ جوتے‘ ضرورت کی ہر چیز سامنے موجود‘ بغیر کسی پریشانی کے یعنی وہ جو ہر صبح ایک ہڑبونگ میرے کمرے میں مچتی تھی اب یکسر غائب "میں تو ہر شے بکھیر کر رکھ دیتا تھا اب ہاتھ کے ہاتھ سب کچھ سمٹتا بھی گیا۔ جو کہ مجھے بے حد اچھا بھی لگا۔ انتہائی پرسکون طریقے سے ڈریس اپ ہو کر میں ناشتے کی ٹیبل پر آیا۔

"صبح بخیر امی‘ بابا جان۔" میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"جیتے رہو جگ جگ جیو۔ ماشاء اللہ بڑا پیارا لگ رہا ہے آج تو میرا بیٹا۔" امی نے پیار بھری نظر میرے چہرے پر ڈالی۔ ان کے پیار کا انداز اب بھی وہی تھا جیسے میں کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں۔ میں مسکرا دیا۔ بابا جان نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا۔

"ہاں۔ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آج تو ٹائی کی میچنگ بھی بالکل پرفیکٹ ہے ورنہ اس گھونچو نے تو کبھی درست ٹائی تک نہیں لگائی تھی۔ اس سے لگ رہا ہے کہ ہماری بہو سلیقہ مند ہے۔" وہ سراہتے تعریف بھی کر رہے تھے تو میرے بجائے اپنی بہو کی۔ مگر مجھے ان کے الفاظ نے عجیب سی خوشی دی۔ اب میں اور زرنش الگ الگ تو نہیں تھے ناں بھئی۔ اب میرے سارے کریڈٹس اس کے تھے اور اس کی ساری خوبیاں میری۔

"لو جی۔ آپ نے ایک ٹائی کی میچنگ سے ہی فیصلہ کرلیا بہو کی سلیقہ مندی کا۔ بہو کے اصل ہنر تو تب کھلیں گے جب وہ گھر سنبھالے گی۔ ٹائی کا کیا ہے تو یہ تو کوئی عقل کا اندھا پکڑ کر باندھ لے۔" بابا جان کے برعکس امی جس لہجے میں بولی تھیں۔ اس بدلاؤ نے میرے مسکراتے چہرے پر یکدم پریشان کن سنجیدگی کا پوچا پھیر دیا۔ اس قدر ادبی ذوق رکھنے والی میری پیاری ماں بھی کیا بہو گھر لاتے ہی بدل گئی ہیں۔ کیا وہ بھی وہی روایتی ساس ثابت ہوں گی جن کی وجہ سے گھروں کے گھر بے سکونی کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ یا اللہ! کیا اب مجھے بھی ایسے دن دیکھنا پڑیں گے جو آئے دن آس پاس، دوستوں اور کولیگز سے سنتا رہتا ہوں۔

اف! کیا اب میں بھی وہی گیند بن جاؤں گا جسے کبھی ماں اپنے کورٹ میں ڈالنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی ہے اور کبھی بیوی۔ اوہ۔ میرے تو بس سر پکڑنے کی کسر رہ گئی تھی کہ تب ہی تر و تازہ چہرہ لیے زرنش کمرے سے نکلی۔ ہلکے پھلکے میک اپ میں انتہائی خوب صورت ڈریس پہنے۔ اور اس ڈریس کو کیا کہتے ہیں۔ ٹیل فراک؟ لانگ فراک، آڑی فراک اوہو۔ اللہ جانے کیا اور اس کے کپڑوں کا رنگ۔ ارے بھئی اس وقت تو میرے اپنے چھوٹے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ میں اس کے کپڑوں کا رنگ کیا پہچانتا۔ ویسے بھی میں کون سا عمیرہ احمد، راحت جبیں، سمیرا حمید یا صدف ریحان گیلانی ہوں جو سامنے والے کا سر سے پاؤں تک خاکہ کھینچ دیں۔ سارے لوازمات اور سارے رنگوں سمیت۔

ہائیں۔ کیا کہا۔ صدف ریحان گیلانی کو نہیں جانتے۔ چلیں چھوڑیں ان کو۔ باقیوں کو تو جانتی ہیں ناں۔ ہاں تو میں شکر منا رہا تھا کہ زرنش نے امی کی بات نہیں سنی ورنہ ضرور اسے دکھ ہوتا۔ اور اب یقینی سی بات ہے اسے کوئی وجہ دکھ دے گی تو کیا میں دکھی نہ ہوں گا۔ اب ہمارے سکھ دکھ سانجھے ہیں بھئی۔ وہ سیدھی کچن میں گئی تھی شازمہ ناشتا بنا رہی تھی جو وہ لا کر ہمیں سرو کرنے لگی۔

"ماشاء اللہ! بہت پیاری ہے ہماری بیٹی۔ میرے تو گھر کی رونق دوبالا ہو گئی ہے سچ میں۔ مجھے تو بیٹھے بیٹھائے تیسری بیٹی مل گئی اور وہ بھی اتنی اچھی۔" بابا ہنستے مسکراتے اسے سراہ رہے تھے اس کے چہرے پر بھی مسکان تھی میرے اندر طمانیت سی اتری۔ کنکھیوں سے امی کو جانچا۔ جن کے چہرے پر ایک لاتعلق سا رنگ غالب تھا۔ زرنش پلٹ کر پھر کچن کی جانب چلی گئی تو بابا امی سے کہنے لگے۔

"تم بھی اگر یونہی مسکرا کر، دو بول تعریف کے بچی سے کہہ دو گی تو کوئی خرچہ نہیں آئے گا تمہارا۔ وہ اب ہماری ہے ہمارے گھر کا حصہ ہے اور اس نے یہاں کیسے رہنا ہے یہ ہم نے اسے اپنے طریقے سے سکھانا ہے۔ تم مسکراؤ گی وہ بھی مسکرائے گی۔ اور اگر ہم ہی اسے گھورنے لگے تو کوئی شک نہیں کہ وہ ہماری جانب دیکھے بھی ناں۔ دیکھو بیوی مجھے گھر میں صرف سکون چاہیے، بے سکونی برداشت نہیں کروں گا میں۔ ہم ایک بیٹی لے کر آئے ہیں تو گھر سے ایک بیٹی وداع بھی کی ہے۔ اور یہ سوچ لینا جو عمل آج بہو سے کرو گی کل کو وہی تمہاری بیٹی کے ساتھ بھی دوہرایا جا سکتا ہے اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ تم اچھا عمل کرو یا برا۔" اوہو۔ یہ بابا جان کے الفاظ تھے یا کوئی امرت

دھارا جو میرے دل پر برسا تھا یعنی صرف میں نے ہی نہیں انہوں نے بھی امی کے بدلے رویے کو محسوس کیا تھا۔ بے اختیار میرا جی چاہا اٹھ کر ان کے ماتھے پر بوسہ دوں جبکہ امی نے انہیں اک سرد نگاہ سے دیکھ کر میری جانب رخ پھیرا۔

"اچھا صمصام بیٹا شادی کی ساری رسمیں تو مکمل ہو چکی ہیں خیر سے۔ اس کے علاوہ شاندانہ اور اس کے سسرالیوں کی دعوت بھی بہت اچھی رہی۔ ماشاء اللہ! وہ سب ہی بے حد خوش تھے اس روز اور اس کی ساس تو بہت متاثر ہوئیں ہمارے گھر کے طور طریقوں سے۔ اور آج انہوں نے ہم سب کو اپنے ہاں ڈنر پر مدعو کیا ہے۔ تم ذرا جلدی آجانا آفس سے۔"

"جی کوشش کروں گا۔" میں نے سر ہلایا۔

"لیکن یہ دعوت ضروری تھی کیا؟ آپ انہیں منع کر دیتیں۔"

"ارے کیسے منع کر دیتی، بیٹی کی سسرال کا معاملہ ہے۔ پھر اب کس کس کو منع کروں گی۔ تمہارے چاچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، جس کو منع کروں گی وہی ناراض ہوگا اور پھر جب تمہارے تایا نے تین بچے بیاہے پھوپھی نے دو تو ہم نے بھی تو سب کی دعوت کی تھی اب ریت رواج کے مطابق وہ بھی ہماری کر رہے ہیں اس میں نیا کیا ہے۔ اور بھئی میں نے تو سب کو حامی بھر دی ہے۔ ہاں، تمہاری وجہ سے سب کو رات کے کھانے کا ہی کہا ہے۔ اس بارے میں فکر نہیں کرو تم۔" یہ۔ یہ امی کیا کہہ رہی تھیں میں نے بوکھلا کر انہیں دیکھا۔

"یعنی۔ ہر روز کہیں نہ کہیں جانا ہوگا؟"

"ہاں بالکل۔ اور ہاں یاد رکھنا خالی ہاتھ تو کسی کے گھر نہیں جاتے دو کلو مٹھائی تو لازمی ہوگی۔"

"کک کیا۔" میرے حلق میں نوالا اٹک گیا میں نے بے چارگی سے ابو کو دیکھا جو ہماری گفتگو سے بے نیاز نرم خستہ پراٹھے اور مزے دار پھولے پھولے آملیٹ میں الجھے ہوئے تھے۔ اور میری تو بھوک ہی اڑ گئی بالکل اس طرح کہ جیسے ناگہانی آفات کے دنوں میں امداد کے ٹرک اڑ جاتے ہیں۔ یا خدا! یہ میں نے شادی کی تھی یا کوئی پھندا گلے میں ڈال لیا تھا۔ یعنی کہ ایک اور اضافی خرچہ۔ اففف۔ میں تو اپنے ہی بال نوچنے کے درپے ہو چلا تھا۔ اب میرے اس ری ایکشن سے آپ مجھے کنجوس بالکل مت سمجھ لیجیے گا۔ میرا پریشان ہونا قطعاً" فطری تھا۔ میں کیا کرتا۔ میری شادی کے ساتھ ہی شاندانہ کی شادی بھی ہوئی تھی۔ اب آپ خود اندازہ کرلیں دو دو شادیوں کے کتنے خرچے ہوئے ہوں گے۔ آپ کی شادی ہوگئی ہے تو آپ کو ضرور علم ہوگا اگر نہیں ہوئی تو کسی سے پوچھ لو ناں بھئی۔

میرے ساتھ تو وہ ہوا جو کسی دشمن کے ساتھ بھی نہ ہو۔ ابھی فقط ڈیڑھ برس ہی تو ہوا تھا کمائیاں کرتے کہ امی جان کو میرے سہرے کے پھول دیکھنے کا شوق چرا گیا۔ اب آپ ہی بتائیں ایسے ہوشربا مہنگائی کے دور میں۔ معمولی سی تنخواہ رکھنے والے آدمی نے کتنی سیونگ کرلی ہوگی۔ مگر کس کو کیا لگے، امی جان اور بہنوں کے ہزاروں ارمان تھے۔ جو انہوں نے رج رج کر نکالے پھر شاندانہ کو بھی ٹھیک ٹھاک جہیز دیا گیا۔ بھئی امی کا وہی مشہور زمانہ شوق کہ بس دنیا دیکھے اور دنگ رہ جائے۔ پھر چاہے خود جتنا چاہے تنگ ہو جاؤ وہ پروا نہیں بابا جان کی تو جمع پونجی لگی ہی۔ میری شامت الگ بلائی گئی۔ ہم تو بہتیرا چیخے کہ فالتو فضول قسم کی رسموں سے اجتناب برتا جائے اور جو بھی ضروری کام کیا جائے اس میں ہاتھ ہولا رکھا جائے مگر نہ جی۔ سنتا کون۔ اور میری تو رہی سہی کسر شادی کے بعد ڈھیر ساری خرانٹ قسم کی سالیوں نے مختلف موقعوں پر نیگ لے لے کر پوری کردی۔

اب میرا تو یہ حال تھا کہ دن گن رہا تھا کہ کب سیلری ملے جبکہ امی جان میری جان نکالنے کے درپے ہو چلی تھیں۔ روز کتنا خرچہ ہوگا۔ دو کلو مٹھائی۔ آنے جانے کا پیٹرول۔ پھر اس کے علاوہ ..... میں حساب کتاب میں جت گیا۔

"ارے ہاں بھئی یہ دعوتیں تو چلتی رہیں گی مجھے یاد

آگیا تھوڑے دن ہی تو رہ گئے ہیں بڑی عید کے آنے میں۔ قربانی بھی تو ضرور کرنا ہوگی ورنہ لوگ کیا کہیں گے اتنا خرچہ کر کے بچوں کی شادیاں کریں۔ فرض ادا نہ کیا گیا ان سے۔ ارے بھئی سچی بات ہے لوگوں کے سوالوں کے جواب نہیں دیے جاتے۔ آپ دونوں اس بارے میں بھی صلاح مشورہ کر کے ابھی سے سوچ لیں۔" امی کا نیا فرمان۔ جانے بابا جان کیا کہہ رہے تھے میں ٹکر ٹکر دونوں کے منہ دیکھ رہا تھا۔ بند منہ میں زبان مچل مچل جا رہی تھی کہ چیخ کر کہہ دوں۔

"آپ ساری قربانیاں چھوڑیں بس مجھے ہی قربان کریں۔"

اف۔ دل کر رہا تھا ٹیبل پر سر رکھوں اور بھیں بھیں کر کے رو دوں۔

☆ ☆ ☆
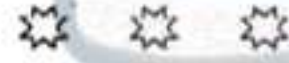
اور یہ احوال ہے پانچویں دعوت کا۔ اور گزشتہ دعوتوں میں چاچا جی' خالہ' تایا جی' پھوپھو' نجمہ اور ذکیہ کے ہاں ہم جن حالوں سے ہو کر آئے اس کا اب کیا تذکرہ کروں بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ کل گئے تھے جن کے ہاں وہ تو رہتے بھی اللہ میاں کے پچھواڑے ہیں۔ آفس میں ایک بھرپور تھکا دینے والا دن گزار کر واپسی پر پھر نئے سرے سے تیاری' اس کے بعد بھاگم بھاگ پورے دو گھنٹے کی ڈرائیو پھر ایک پرہنگام گیدرنگ اس کے بعد پھر دو گھنٹے کی ڈرائیو۔ نتیجیں گھر آتے آتے رات کا ڈیڑھ بج گیا سوتے سوتے تین۔ صبح سات بجے پھر نیند میں اٹھ کر لشتم پشتم آفس کی تیاری۔ اور اس ساری حالت کے بعد آج اپنے پورے جاب ٹائم میں۔ میں نے اپنی سیٹ پر جتنی جھپکیاں لیں اس سے کہیں زیادہ مجھے باس سے جھڑکیاں' کھانے کو ملیں سارے کولیگز میری حالت زار پر منہ چھپا چھپا کر ہنس رہے تھے اور مجھے کوئی کونا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جہاں میں منہ چھپا لیتا۔ اوئے۔ ہوئے۔ روز روز کی اس خواری نے تو تھکا ڈالا تھا مجھے' جتنا خرچہ کہیں آنے جانے میں ہو رہا تھا۔ اس سے کہیں کم بجٹ میں ہم اگر گھر پر بہت اچھا سا کھانا کھا لیتے تو کیا برا تھا ہمیں۔ مگر مار بڑے ان رسموں رواجوں پر جو اچھے خاصے لوگوں کی چولیں تک ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ میں تو گھن چکر بن کر رہ گیا تھا قسم سے۔

جواد ماموں' ماشاء اللہ کثیر العیال ہیں ہمارے پورے خاندان میں۔ ان کے بڑے سارے گھر میں ان کے بچوں' پوتے پوتیوں' نواسے نواسیوں کے علاوہ ہماری فیملی کے ہونے سے خوب رونق بنی ہوئی تھی۔ وہاں کھانے میں کیا کیا تھا؟ سب کس ٹاپک پر بات کر رہے تھے۔ کس لطیفے پر ہنس رہے تھے؟ میں اپنے بکھرے حواسوں کے باعث کچھ زیادہ نہیں جان پا رہا تھا کھانے کے بعد کشمیری چائے سرو کی گئی میں اپنا کپ لیے ڈائننگ ہال سے نکل آیا۔ تھی تو یہ بدتہذیبی مگر میں کیا کرتا وہاں سب کے درمیان بار بار بھاڑ جیسا منہ کھولنا بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ باہر اک اور ہلچل مچی تھی۔ لان میں بڑا سا بیل بندھا تھا اور سب بچے اس کے ارد گرد اسے چھو کر' چارہ کھلا کھلا کر خوش ہو رہے تھے۔

"یہ بیل دیکھا کتنا خوب صورت ہے ماشاء اللہ قربانی کا جانور ہے ناں علیحدہ ہی روپ ہے اس کے وجود پر۔" زرنش میرے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

"کتنے خوش ہیں ناں سب اور یہاں کی رونق دیکھ کر تو میرا بھی دل کر رہا ہے ہمارے بھی صحن میں ایک بڑا حسین سا بیل بندھا ہو۔ جسے میں اپنے ہاتھ سے چارا کھلاؤں' اس کے ماتھے پر مہندی سے چاند تارا بناؤں' گلے میں رنگ برنگے پھولوں والا ہار ڈالوں' ہائے ان بچوں کو دیکھ کر تو مجھے بھی اپنا بچپن یاد آگیا۔ کتنا مزا آتا تھا ناں۔ کیا دن تھے وہ بھی' اور اب تھوڑے دن تو رہ گئے ہیں عید میں اور پھر قربانی کے جانور کی خدمت کرنے کا تو بڑا ہی اجر و ثواب ہے۔ آج امی کا بھی فون آیا تھا بابا جان نے بھی جانا تھا منڈی اور میری فرینڈ ہے ناں گل زارا اس کے میاں تو لے بھی آئے بکرا۔ وہ بتا رہی تھی کہ اتنا کیم شحیم اور...."

اوہ گاڈ! ایک تو یہ زرنش بولتی بہت ہے اور نہایت

ہی بے تکا بولتی ہے میری اچھی بھلی کشمیری چائے یکدم ہی بدمزا ہو گئی۔ جی میں تو آئی کپ زور سے فرش پر پٹخ دوں اور خود ایک چھوٹے بچے کی طرح فرش پر لیٹ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر روؤں اور روتے روتے سو جاؤں۔ کتنا کہا تھا سب نے بڑی عید کے بعد شادی کی تاریخ رکھوالو۔ آٹھ ماہ رہی تھی زرنش کے ساتھ میری منگنی اور یہ میرا ہی شوق تھا۔ بہت محبت ہو گئی تھی مجھے اس سے 'میری ہی شدید خواہش تھی کہ چھوٹی عید تو جیسے تیسے گزر گئی اب کم از کم بڑی عید تو میں اس کے ساتھ گزاروں۔ اور اب گزارو بیٹا۔ رج رج کر گزارو' بلکہ بھگتو آج جانور کی فرمائش آئی ہے کل شاپنگ کی ہو گی پھر اس کے بعد......

اب یہ سلسلہ رکنے والا نہیں ہے دل بڑا کرلو' کمر کس لو' اتر آؤ میدان میں' بھول جاؤ وہ دن بہار کے 'جب سب ہری ہری سوجھتی ہے اب تو بال کی بھی کھال اترے گی بچو۔ وہ بھی صحیح معنوں میں۔

اب بس بھی کریں کوئی آگیا تو کیا کہے گا۔ زرنش خوا مخواہ شرمائی مسکائی میں جو اپنے آپ میں گم خود کو کوستا بے دھیانی میں اسے ہی دیکھے جا رہا تھا اس کی ادا پر جھنجلا کر رخ ہی پھیر گیا۔ اب یہ بیوی بھی ناں کتنے بڑے امتحان کا چھوٹا سا نام ہوتا ہے۔ کاش پہلے کوئی مجھے یہ بات سمجھاتا۔

"ماموں آپ کا بیل بے حد خوب صورت ہے۔"

سامنے سے ہی جواد ماموں چلے آرہے تھے کھانے کے فوراً" بعد وہ نماز عشاء کی ادائیگی کے لیے مسجد چلے گئے تھے سفید بے داغ کپڑوں میں چٹی سفید ٹوپی سر پر لیے بارعب اور پرنور چہرے والے ماموں جنہیں دیکھتے ہی زرنش بہت جوش و خروش سے بولی تھی جس پر وہ ہلکا سا مسکرا دیے۔

"یہ میرا کہاں ہے بیٹا یہ تو میرے اللہ کا ہے۔ میرے پاس تو مہمان آیا ہے۔ چند دن کے لیے۔ میں کچھ دن اس کی مہمان نوازی کرلوں تو بڑی سعادت ہے۔ میرا مالک اسی کے صدقے میرے گھر میں بھی برکت اتار دے۔" بیل کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے۔ ماموں بولے تھے زرنش نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بالکل ماموں جی۔ میں بھی ابھی ان سے یہی بات کہہ رہی تھی اب گنتی کے دن تو رہ گئے ہیں عید میں اب ہمیں بھی قربانی کے لیے جانور لے لینا چاہیے۔ بہت ثواب ہے ان کی خدمت کا تو۔"

"بے شک۔ اللہ توفیق دے۔ اور ہم سب کی نیتوں اور اعمال کو قبول کرے۔" ماموں کا انداز دعائیہ تھا مجھے زرنش پر غصہ آیا تھا بھلا ان کے ساتھ یہ بات کرنے کی کیا ضرورت تھی قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہے میں نے اسے وہاں سے دوڑانے کی سوچی۔

"زرنش جاؤ۔ ماموں کے لیے چائے لے کر آؤ۔"

"اوہ ہاں! ماموں جی نے تو چائے پی نہیں تھی میں ابھی لے کر آئی۔" صد شکر وہ فوراً" تابعداری سے چل دی۔ میں یوں ریلیکس ہوا گویا اٹکی سانس بحال ہوئی۔ ماموں نے بچوں سے کہہ کر دو کرسیاں منگوالی تھیں ایک پہ خود فروکش ہو گئے ایک مجھے مرحمت فرمائی۔

"کیا بات ہے میاں صمصام عبید موسوی' بہت تھکے ہوئے اور کچھ پریشان لگ رہے ہو۔" انہوں نے تو مجھ سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا مگر میرے تو جیسے کسی نے زخم چھیڑ دیے تھے۔ ویسے بھی میں ماموں کو بچپن سے ہی اڈمائر کرتا ہوں ان کی شخصیت میں بے شمار خوبیاں ہیں جنہیں اس وقت احاطہ تحریر میں لانا میرے لیے ممکن نہیں (بھئی اپنے حواس جو یکجا نہیں) ماموں کے تو بولنے بات کرنے کا انداز اتنا اچھا اتنا پیارا ہوتا ہے کہ بے اختیار سب کچھ کہہ دینے کو دل کرتا ہے اس پل میری ساتھ بھی یہی ہوا ہے تو جیسے کس سائی (سامع) کی ضرورت تھی (جی ہاں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کیا یارم صرف آپ نے ہی پڑھ رکھا ہے۔) میں جو بولنا شروع ہوا تو اپنے اندر غبار بن کر اودھم مچاتے تمام کے تمام الفاظ ان کے سامنے دھکیل باہر کیے ماموں مہر بہ لب سب سنتے گئے جب میں نے تھک کر منہ بند کیا تو انہوں نے میرا کاندھا تھپکا۔

"بس بیٹا بات ہے سمجھنے کی۔ مسئلہ یہ ہے کہ آج کہ انسان نے سمجھنا چھوڑ دیا ہے اور اسی لیے وہ اتنے مسائل کا شکار ہے اور خاص طور پر ہم لوگ جن کے لیے باری تعالیٰ نے بے شمار آسانیاں رکھیں۔ زندگی یہ سب اصول ہمیں سکھلائے۔ اور اسے اتنا خوب صورت بنایا گویا پھولوں کی نرم سیج۔ مگر افسوس ہم نے خود اپنی نا عاقبت اندیشی سے اس پر جھاڑ کے کانٹے اگا لیے ہمیں تو یہ بتایا گیا کہ دیانت کو اپنا شعار بناؤ۔ قناعت پسند بنو۔ اسراف مت کرو' ایثار کرو' نمود و نمائش سے بچو۔ اسی میں تمہاری فلاح ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اپنی نیت صاف اور دل کشادہ رکھو۔ ایک کام جسے آپ دنیا دکھاوے کے لیے بہت سی دنیاوی دولت خرچ کر کے بڑھا چڑھا کر کرتے ہیں تو اللہ بے نیاز ہے۔ اسے آپ کے ایسے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر وہی آپ ایک چھوٹا سا عمل مکمل دلی اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں تو کوئی شک نہیں کہ وہ در قبولیت تک رسائی پا جائے۔"

بس میرے بچے ہمیشہ سے دھیان رکھو کہ نیت میں کھوٹ نہ ہو۔ جتنا ہم اپنے سماجی معاملات کی فکر کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہمیں اپنے دینی فرائض کی پروا کرنا چاہیے۔ وہ کتنا اچھا ہوتا جو شادی کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کرنے سے قبل آپ قربانی جیسے اہم فریضے کے لیے بھی ایک مخصوص رقم محفوظ کر لیتے۔ اور آپ کو میرے طریقے کار کا بھی پتا ہے صمصام بیٹا ہر ماہ اپنی آمدن میں سے کچھ حصہ ایک طرف بچاتا رہتا ہوں اور اس لیے اللہ کے کرم سے ایسے کسی بھی موقعہ پر پریشانی نہیں ہوتی۔" ماموں بتا رہے تھے اور میرا سر جھکا ہوا تھا۔ اور مجھے پتا تھا ان کے طریقہ کار کا اور ہم بہت سے لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں ان کے اصولوں کو پسند بھی کرتے ہیں اور یہ بھی علم رکھتے ہیں کہ اگر ہم بھی عمل کریں گے تو بہتر نتائج پائیں گے مگر جانے کیوں ہماری عادت سی بن گئی ہے ہمیشہ اس بات کو اپنائیں گے جہاں ہمیں امید ہو کہ اس پر واہ واہ کے خوب ڈونگر برسیں گے۔

ہم اس دنیا میں رہتے ہیں۔ ہمیں اس دنیا کا سامنا کرنا ہوتا ہے ہمیں ہر وقت میں دنیا کی ہی فکر ہے۔ تو کیا ہمارے لیے یہی دنیا ہے؟ ہمیں یہاں کے ہر کام اور اس کی مکمل تیاری کی ٹینشن رہتی ہے مگر اگلی دنیا اگلے سفر کے لیے کیا زادِ راہ ضروری ہے؟ اسے کیوں بھلائے بیٹھے ہیں ہم۔ میرے اللہ نے تو ہمارے لیے بہت سی آسانیاں رکھیں۔ ہمارے ہر نیک عمل کو ہمارے لیے نجات کا ذریعہ قرار دیا تو کیا ہمیں یقین ہے کہ ہمارا ہر عمل نیک ہوتا ہے اوہ۔ میرے خدا! میرا سر اوپر نہیں اٹھ رہا تھا۔ ماموں کا ہاتھ ایک بار پھر میرے شانے پر آٹھہرا۔

"صمصام بیٹا ہمارے دین میں کوئی سختی نہیں۔ میرے مولا نے بہت کرم کیا ہے اپنے بندوں پر۔ وہ ان کے سب دکھ سکھ جانتا ہے۔ تم یوں پریشان مت ہو۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ معاف کرنے والا ہے۔ اگر اس بار تمہارے پاس گنجائش نہیں ہے تو اگلی بار یہ فریضہ ادا کر لینا اور رہی بات زرلش بیٹی کی خواہش کی تو بیٹا وہ اب تمہاری شریک حیات ہے تمہاری زندگی کا حصہ اس کی ہر امید اب تم سے ہے۔ اس کی سب خوشیاں تمہارے ذمہ ہیں اور اسی طرح وہ بھی تمہاری ہر آسانی اور پریشانی میں ساجھے دار ہے۔ تم نے اسے اپنے موجودہ حالات نہیں بتائے جو تمہارا اس پر کم اعتمادی کا اظہار ہے۔ جبکہ میں یہ کہوں گا اپنی ہر الجھن سے آگاہ کرو۔ اسے بتاؤ تاکہ وہ کسی بھی متوقع بے گمانی کا شکار نہ ہو اللہ نے اسے تمہارا غمگسار بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن جب تم ہی اسے بے خبر رکھو گے تو وہ کیسے سمجھے گی ہر بات' ہر مسئلے کو بے شک "ایک چپ سو سکھ۔" والا مقولہ جھوٹا نہیں لیکن بیٹا زندگی میں بہت سے مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں بولے بنا درستگی نہیں آتی۔ تم سمجھ رہے ہو ناں میری بات۔ میں بالکل ہی گونگے کا گڑ کھانے بیٹھا تھا انہوں نے بغور میرا چہرہ دیکھا میں نے بمشکل ایک مسکان کھینچ کر ہونٹوں پر سجائی۔

"شاباش' میرے بچے۔ دیکھو دن اور رات تو زندگی کا لازمی جز ہیں۔ بات یہ ہے کہ اجالا دیکھ کر کبھی آپے

سے باہر نہ ہونا اور اندھیرے میں کبھی گھبرانا نہیں۔ پھر دیکھنا کیسے سب کلفتیں دور ہوتی ہیں۔" یہ ماموں کی حوصلہ دیتی مسکراہٹ ہی تھی جس نے میری تھکان دور کردی۔ پھر امی' بابا جان اور باقی سب بھی باہر آگئے تو بہت دیر تک محفل جمی رہی۔

☆ ☆ ☆

اور اگلے ہی دن ناشتے کی ٹیبل پر امی جان نے پھر سے "مسئلہ قربانی" چھیڑ دیا۔

"بھئی مجھ سے پوچھو تو میرے سر پر تمہاری ہی وجہ سے قرض چڑھ گیا تھا۔"

"میری وجہ سے؟ ہائے ہائے مجھے کون سے سونے کی دس بیس سیٹ بنوا کردے دیئے آپ نے۔" بابا جان چڑ کر بولے تھے تو جواباً امی کا سیخ پا ہونا بھی بنتا تھا۔

"بس تمہاری ہی کسر رہ گئی تھی۔ باقی جو تمہارے مشوروں پر اتنا خرچہ ہوا وہ سمجھاتا بھی رہا کہ اللہ کی بندی بے دریغ خرچ مت کرو۔ مگر تم نے جینے دیا ہے۔ آخری دنوں میں مجبور ہو کر کچھ قرض لینا پڑا۔ اب مجھے بتاؤ میں گھر کے خرچے ضرورتیں پوری کروں یا پھر تمہاری نیت کے مطابق دنیا دکھاوے کو قربانی جیسا متبرک فریضہ ادا کروں۔ بتاؤ کہاں سے کروں سب۔ اب تم اتنا بھی جانتی ہو کہ قربانی نہ ادھار سے ہوتی ہے نہ قرض دار پر فرض۔ یہ تو خلوص نیت سے ہوتی ہے فقط رضائے الٰہی پانے کے لیے۔ اگر وہی تم پہلے میری بات مان کر بہت سے غیر ضروری خرچوں اور اپنی فضول شاپنگ کی قربانی دے دیتیں تو اب ہم بھی اس قابل ہوتے۔ مگر اب میں بہت مجبور ہوں اس روز بھی معذرت کی تھی آج پھر کررہا ہوں ایک ہی بات بار بار دوہرا کر مجھے شرمندہ نہ کیا جائے پلیز۔" بابا سچ پریشان تھے۔ اور ان کے کندھوں پر قرضے کے بوجھ کا تو بھی اس وقت ہی پتا چلا جس نے مجھے بھی سوچ میں ڈال دیا۔ ورنہ تو میری رات ہی ماموں سے بات ہوگئی تھی ان کے بیل میں ایک حصہ دار کم تھا اور میرا ارادہ تھا کہ سیلری ملتے ہی انہیں رقم ادا کردوں گا۔ اب الگ سے جانور خریدنے کی تو استطاعت بچی نہیں تھی۔ پھر جب میرے اللہ نے ہم جیسوں کے لیے "سکون پیکیج" جو رکھے ہوئے ہیں تو ان سے فائدہ لیا جائے یہی سوچ رکھا تھا مگر اب تو یہ بھی ممکن نہیں لگ رہا تھا۔ ناشتا جوں کا توں ہمارے آگے دھرا تھا۔ امی دونوں ہاتھوں پر سر رکھے بیٹھی تھیں۔ بابا جان کا موڈ آف' زرنش بھی سر نیہوڑائے کسی سوچ میں گم تھی میں نے گلا کھنکارا۔

"بے شک قربانی بے حد اہم اور بابرکت فریضہ ہے۔ خواہش تو میری بھی تھی کہ ہم ادا کرتے مگر میرے خیال میں بابا جان پہلے قرض کا ادا کرنا ضروری ہے۔"

"بالکل ضروری ہے۔ کیونکہ قرض دار شرعی حکم کے مطابق قربانی ادا نہیں کرسکتا۔ ہے ناں بابا جان!" ہماری طرف آتے ضیغم نے میری بات سن لی تھی اور وہ بولا تھا۔ بابا نے اسے صرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور سر جھکالیا۔

"ڈونٹ وری بابا جانی۔ آپ قرض کی اماؤنٹ بتائیں۔ ہم سب مل کر ادا کریں گے۔ یہ ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔" ضیغم نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"بالکل۔ بلکہ یہ ہماری وجہ سے ہی تو مسئلہ ہے۔" مجھے شرمندگی ہونے لگی۔ ان کی پریشانی کا پورا پورا احساس تھا مجھے۔ بابا جان نفی میں سرہلاتے رہے تھے۔

"کوئی اتنا زیادہ بھی نہیں ہے تم لوگ پریشان مت ہو۔"

"ارے کیسے پریشان نہ ہوں۔ اب یہ قرض ہمارے سر سے اترے گا تو ہی ہم کوئی اگلا قدم اٹھا سکیں گے۔ گھر کی خوشیوں کا سوال ہے پلیز بابا۔" میں نے منت کی۔

"تو اور کیا۔ اور یہ میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں کہ میری شادی کے سب انتظامات آپ کریں گے جیسے آپ کو مناسب لگے۔ چاہیں تو سید ھا مسجد میں لے جاکر نکاح پڑھا لیجیے گا۔ نو ٹینشن۔" ضیغم نے بھی لقمہ

دیا تھا۔ سب کے بجھے چہروں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔
پھر بابا کے بتانے پر میری اور ان کی سیلری، ضیغم کی سیونگ، امی کا خفیہ کھاتا سب مل ملا کر اتنے ہو گئے کہ تمام قرض ادا ہو سکتا تھا اور اس کے علاوہ بفضل تعالیٰ سنت ابراہیمی بھی۔
ہم حساب کتاب میں الجھے تھے کہ میں نے زرنش کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ اور کچھ دیر میں اس کی واپسی ہوئی تھی مگر خالی ہاتھ نہیں ایک پھولا ہوا سا ہینڈ بیگ لا کر اس نے بابا کے سامنے رکھ دیا تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"اس میں وہ رقم ہے جو سلامی میں اکٹھی ہوئی تھی۔ اب جب آپ سب کی سیونگز قرض کی مد میں چلی جائے گی تو گھر کا خرچ کیسے چلے گا۔ پھر اور بہت سی ضرورتیں۔ اس لیے بابا جان یہ آپ رکھ لیں۔" وہ جھکے سر سے کہہ رہی تھی۔ میں نے بابا کی آنکھوں میں ایک چمک اترتی دیکھی اور میرا اپنا دل عجب خوشی سے بھر گیا۔ وہ مجھے اتنی پیاری اس لمحے سے پہلے کبھی نہ لگی تھی۔
"دیکھا بیگم میں نہ کہتا تھا میری بیٹی بہت اچھی ہے۔ نہایت حساس اور سمجھ دار۔ جیتی رہو بیٹا۔ خوش رہو۔" بابا نے امی سے کہا پھر اسے دیکھا۔
"لیکن بیٹا یہ آپ رکھو اپنے پاس۔ یہ سب آپ کے ہیں۔ ان پر صرف آپ کا حق ہے آپ انہیں جیسے چاہو خرچ کرو۔" انہوں نے بیگ اس کے آگے کھسکا دیا تھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔
"مگر بابا...." زرنش نے کچھ کہنا چاہا کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے وہیں روک دیا پھر اس کا سر تھپتھپا کر چلے گئے۔ اس نے میری جانب دیکھا۔ میں نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔
"زرنش بچے اٹھا لو بیگ۔ اگر گھر میں ضرورت پڑے گی تو پھر تم ہم سے الگ تو نہیں ہو ناں، بیٹا فی الحال رکھوا نہیں اپنے پاس۔" امی بھی اس سے کہہ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بھی میں نے طمانیت بھری مسکان دیکھی۔ چار و ناچار زرنش نے بیگ اٹھا لیا۔
میں اس کے پیچھے ہی کمرے میں آیا تھا۔
"تھینکس۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"کس بات پر۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔
"تم بہت اچھی ہو۔" میں نے پیار سے اس کا حیران چہرہ دیکھا۔
"آہم۔ وہ تو میں ہوں۔ پتا ہے مجھے۔ لیکن دکھ ہے کہ آپ اتنے بھی اچھے نہیں ہیں جتنے نظر آتے ہیں۔"
"یہ کل خبر ہوئی ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ میں تو دل میں آئی ہر بات کر لیتی ہوں آپ سے مگر آپ اتنے پکے ہیں جو دل میں ہوتا ہے وہ بتاتے نہیں۔" وہ ہاتھ چھڑا کر پرے جا کھڑی ہوئی۔
"میرے دل میں تو بس تم ہی تم ہو۔ میں مسکراتا آگے بڑھا۔
"بس جانیں دیں بنائیں مت مجھے۔" وہ روٹھی روٹھی اور پیاری لگ رہی تھی۔ میں جانتا تھا وہ کن باتوں کی طرف اشارہ کر رہی تھی مگر اسے ستانے کو بولا۔
"کیا بیوقوف۔ ارے بھئی وہ تو تم بنی بنائی ہو۔ میری کیا مجال کہ میں بنا سکوں۔" اور اس نے مجھے گھور کر دیکھا تھا میں زور سے ہنس دیا۔

"جہاں تمہارے اندر بہت سی خوبیاں ہیں وہاں مجھے یہ بھی اندازہ ہوگیا ہے کہ تم دور سے 007 کی بھانجی بھی لگتی ہو۔ کل جب میں اور ماموں باتیں کررہے تھے تو پلو کے پیچھے لہراتا تمہارا دوپٹا میں نے دیکھ لیا تھا۔" میں نے مزے سے بتایا زرنش کا ذرا سا منہ کھلا پھر وہ خفگی سے بولی۔

"وہ تو میں ویسے ہی وہاں سے گزری تو آپ کے کچھ لفظ میرے کانوں میں پڑ گئے اور یقین کریں مجھے بہت دکھ ہوا۔ جب میں نے پہلی بار آپ کے سامنے قربانی کے حوالے سے بات کی تھی آپ اس وقت مجھے کھل کر بتادیتے تو کیا میں دوبارہ آپ سے کوئی ذکر کرتی۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا۔"

"غلط... بات یہ نہیں ہے دراصل میں تمہاری امید کو توڑنا نہیں چاہتا تھا مجھے اللہ پر بھروسا تھا کہ ضرور وہ میری مدد کرے گا۔ مگر تمہارے سامنے ہی ہی سارے حالات ہیں۔ میں خود بہت تھک چکا تھا فالتو کی رسمیں روایتیں نبھا نبھا کر بس اللہ ہم لوگوں کو ہدایت دے ہم دنیاوی رسومات کی ادائیگی سے زیادہ اپنے مذہبی فرائض کی جانب دلی خلوص سے متوجہ ہوجائیں۔ اور سچ مانو تو ان گزرے دنوں میں خوب نصیحت ملی ہے کہ پہلے وہ کام کرو جو ہماری اس دنیا کو ہی نہیں بلکہ آخروی سفر کو بھی سہل بنادیں۔ اور تم نے سنا ہوگا ماموں کیا بتارہے تھے۔ میں اپنی ساری آمدن تمہارے حوالے کردیا کروں گا۔ بس اسے سنبھال کر خرچ کرنا تمہاری ذمہ داری۔"

"کیا... یعنی سب سے مشکل کام مجھے سونپ رہے ہیں۔ مجھے تو حساب کتاب نہیں آتا۔" وہ گھبرا کر گویا ہوئی۔

"آجائے گا۔ جب اپنا گھر سنبھالوگی تو سب آجائے گا۔ یہ گھر تمہارا ہمیں تمہارا' سب کچھ تمہارا' تو اب سیکھنا تو پڑے گا ناں۔" میں نے اس کے شانے پر بازو پھیلا کر ساتھ لگالیا وہ پرسوچ انداز سے سرہلا رہی تھی۔

"پریشان مت ہو۔ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔ جہاں تم لڑکھڑاؤگی میں سنبھال لوں گا۔ جہاں میں ڈگمگایا تم میرا سہارا بن جانا۔ اس طرح مل جل کر ہر راستے پر سفر پر چلیں گے تو ہر منزل آسان تر ہوجائے گی اور میں چاہوں گا کہ ہماری زندگی میں پہلی ترجیح ہمیشہ اس عمل کو دیں جو ہمیں اس دنیا میں نہیں بلکہ ہمیں اس دنیا میں سرخروئی دلواسکے جو ابدی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔"

"ان شاء اللہ۔ ایسا ہی ہوگا۔" اس کے چہرے پر مدہم سی مسکان پھیل گئی۔ مجھے لگا کمرہ کچھ اور روشن ہوگیا ہے کھلی کھڑکی سے اندر آتی سورج کی کرنیں بتارہی تھیں کہ سفر عروج کی جانب گامزن ہے اور ایک لخت مجھے یاد آیا میں تو ناشتا کررہا تھا اور مجھے آفس جانا ہے۔

"وہ یار تم نے مجھے یاد ہی نہیں کرایا۔ اف پھر باس کی جھڑکیاں۔" میں جلدی سے اٹھا لپک جھپک چیزیں سمیٹیں۔

"اف! آپ کتنا ڈرتے ہیں اپنے باس سے۔" زرنش ہنس رہی تھی میں یک لخت ٹھہر گیا۔

"کیا واقعی میں ڈرتا ہوں؟" میں نے سوچا۔ پھر میں مسکرادیا۔

"ہاں واقعی میں ڈرتا ہوں۔ مگر ڈیئر وائف باس سے نہیں بلکہ اس بے عزتی سے جو وہ چار بندوں کے سامنے بے دھڑک کردیتا ہے۔ اور میرے خیال میں ہم سب کو ڈرنا چاہیے اس ذلت سے جو ہمیں اس روز اٹھانا پڑے گی جب کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ اسی لیے ڈرنا ہی اچھا۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل۔" زرنش نے پوری شدومد سے سرہلایا۔ اور میں مطمئن ہوکر باہر کو چل دیا۔ آج بہت سی ذہنی الجھنوں سے نجات مل گئی تھی۔ اور دل کو یقین تھا ہماری اس بار کی عید ضرور انوکھی اور خوب صورت عید ہوگی۔ کیونکہ جب جذبوں کو خالص کرنے کی کوشش شروع کردی جائے تو پھر کوئی شک نہیں کہ زندگی گلزار نہ ہو۔

☆ ☆

فائزہ افتخار

ام ہانی اس نئی فرمائش.... شرط مطالبہ.... یا ضد جو بھی یہ تھا.... اس پہ حق دق سی رہ گئی.... جواب میں ایک لفظ تک نہ تھا کہنے کو....

نہ معذرت کا' نہ اپنی مجبوریاں بیان کرنے کے لیے' نہ اس سے رحم کی اپیل کر سکی۔

نہ نظرثانی کی درخواست....

بس مردہ ہاتھوں سے فون ایک طرف رکھ کے سالار کے الفاظ اور لہجے کو یاد کرنے لگی۔ بہت غور کرنے پہ بھی ان پہ کسی قسم کے مذاق کا شائبہ نہ ہو رہا تھا۔

ناول

"اٹھو بھئی.... نیچے چلو.... رسم ہونی ہے۔" مہ پارہ ایک دو لڑکیوں کے ہمراہ شور مچاتی اندر آئیں۔

"لہنگا میں پکڑوں گی آپی کا۔"

بلی بڑے شوق سے آگے بڑھی' کسی معمول کی طرح ان کی سنگت میں کمرے سے نکلتے نکلتے ام ہانی نے بڑی بے بسی اور رحم طلب نظروں سے بیڈ پہ پڑے فون کو دیکھا.... جہاں سے حکم صادر ہو چکا تھا۔

اور اس نے خالی خولی دھمکی نہیں دی تھی.... وہ واقعی نہیں آیا تھا۔ نیچے اماں نائلہ اور مہ پارہ سے معذرت کر رہی تھیں۔

"دراصل سالار کو یہ مہندی وغیرہ کی رسمیں پسند نہیں ہیں اسی لیے نہیں آیا۔"

"مگر آنا تو چاہیے تھا۔ لوگ کیا کہیں گے۔" مہ پارہ کو اللہ موقعہ دے اعتراض اور نکتہ چینی کا۔

"بس.... وہ اس کا کہنا ہے کہ یہ خالصتاً "خواتین کی رسم ہے۔ وہ تو آپ کی خوشی کی خاطر اس نے اعتراض نہیں کیا ورنہ وہ تو سرے سے ان مہندی مایوں کی تقریبات کے ہی خلاف ہے۔ سادگی سے کرنا چاہتا تھا شادی۔"

ام ہانی کو ذرا سا حوصلہ ہوا.... بھلا شادی کے دن نہ آنے کا کیا جواز پیش کرے گا.... آہی جائے گا.... بس ایسے ہی ڈرا رہا ہے۔

"چلیں.... جیسے اس کی خوشی۔" نائلہ نے معاملہ رفع دفع کرانا چاہا....

"کوئی بات نہیں.... خیال اس کا بھی درست ہے۔ آپ آئیں بیٹھیں تو سہی.... مہ پارہ انہیں ہانی کے قریب لے جاؤ۔"

ام ہانی پیلے دوپٹے سے سر ڈھانپے خود کو ڈھارس دے رہی تھی کہ یہ محض خالی خولی دھمکی ہے۔ سالار اعظم جیسا سمجھ دار انسان ایسا نہیں کرے گا اور.... اور پھر رات کو ان سب ہنگاموں سے فارغ ہونے کے بعد بالاخر وہ اسے منا لے گی.... منت سماجت کر کے محبت سے کسی بھی طرح بس تھوڑی دیر تک۔

اور یہ تھوڑی دیر سالار کے لیے بہت طویل مدت کے برابر تھی۔

اپنے کمرے کی نیم تاریکی میں بیٹھا ہاتھ میں پکڑے فون کو بے تاثر نگاہوں سے تکتا سالار خوش رنگ زہر کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

نشہ جیسے جیسے اس کے اندر سرایت کرتا جا رہا تھا۔ ام ہانی کی جانب سے کسی میسج یا کال نہ آنے کی جھنجلاہٹ اور کوفت رفتہ رفتہ طیش میں بدلتی جا رہی

تھی۔ ✡ ✡ ✡

ناچتے گاتے... مست خوش حال سب کے سب زہر لگ رہے تھے مجھے ان سب کی محبتوں سے میرا ایمان ہی اٹھ گیا۔ حتی کہ امی کی ممتا سے بھی... بڑے دادا جی کے لاڈ سے بھی...

اگر ان سب کو واقعی مجھ سے محبت ہوتی تو کیا میرے چہرے سے میرے دل کا درد نہیں جان سکتے تھے۔

اور اگر جان رہے تھے... ہلکا سا شائبہ بھی ہوا تھا تو نظر انداز کیسے کر رہے ہیں... خوشیاں کیسے منا رہے ہیں مجھے اس آگ میں جلتا دیکھ کے بھی۔

رسم ہو رہی تھی مہندی کی... اور میں ایک کونے میں کھڑا شعلے برساتی نظروں سے یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

سب سے پہلے خالہ بتول کو آگے لایا گیا۔ رسم کی ادائیگی کے لیے... اور وہ اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتی

ام ہانی کے پاس بیٹھ کے اس کے ہاتھ پہ شگن کی مہندی لگانے لگیں۔ کسی چھچھورے نے گانا لگا دیا۔

مہندی تاں سجدی

جے نچے کڑی دی دادی

اور شور سا مچ گیا۔ ام ہانی کے منہ میں ذرا سی مٹھائی ٹھونستی ہوئی خالہ بتول نے پہلے تو لجا کے شور کرتی لڑکیوں بالیوں اور بہو بیٹیوں کو واجبی سا گھورا۔ پھر گھٹنوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈال کے اٹھیں اور تین چار ٹھمکے ہلا دیے۔

پھر تو جیسے سب کی باری آ گئی....

مہندی تاں سجدی....

جے نچے کڑی دی ماں....

اور امی جی رسم کی ادائیگی کے بعد ٹشو پیپر سے انگلی لگی مہندی صاف کرتے ہوئے بس ذرا سا ہاتھ ہلا کے رہ گئیں.... شاید یہی تھا ان کا ڈانس.... سب پھر بھی یوں تالیاں بجا کے داد دینے لگے.... اب مہ پارہ پھوپھو کی باری تھی.... میں خود پر جبر کرتے ہوئے یہ سب تماشا دیکھنے پہ مجبور تھا۔

"مہندی تاں سجدی۔"

جے نچے کڑی دی پھوپھی....

اور کڑی دی پھوپھی تو پھر ایسا جھوم کے ناچی کہ خالہ بتول کو پکڑ پکڑ کے انہیں بٹھانا پڑا۔

نجانے مجھے کیا ہوا.... میرے قدم خود بخود آگے بڑھنے لگے اور راستے میں بھنگڑا ڈالتے نیاز ماموں نے مجھے پکڑ کے اس واہیاتی میں شامل کرنا چاہا.... مگر میں ان کا بازو جھٹک کے آگے بڑھتا گیا۔ ایک پل کے لیے بھی نظر ام ہانی سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

اور عین اس وقت جب امی کی کوئی قریبی سہیلی ام ہانی کو مہندی لگانے کی نیت سے اٹھیں.... میں ام ہانی کے بالکل نزدیک پنجوں کے بل بیٹھ چکا تھا.... اور وہاں رکھے بڑے سے سجے سجائے تھال میں موجود تیل، ابٹن اور مہندی کی پیالیوں میں سے مہندی میں اپنی انگلی بھگو چکا تھا۔

"توبہ.... منڈے نئیں کرتے یہ رسم...."

خالہ بتول نے للکارا.... مگر امی نے ٹوک دیا۔

"رہنے دیں ناں، خالہ جی کرنے دیں اسے اپنا شوق پورا۔"

مہندی تاں سجدی

جے نچے منڈے دا ماما....

نیاز ماموں کے ناچنے پہ سب تالیاں بجا بجا کے داد دے رہے تھے اور میں مہندی میں بھیگی انگلی لیے گھونگھٹ سے ذرا ذرا سا جھلکتا ام ہانی کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا.... میں نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا.... جسے اس نے فوراً ہی آنچل کے اندر کر لیا۔ پھر بھی میں نے مضبوط گرفت کے ساتھ اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے سامنے کیا کہ اس پہ مہندی لگا سکوں.... مگر اب وہ سختی سے مٹھی بھینچ چکی تھی.... میں نے اس کا گھونگھٹ ہلکا سا ہٹایا۔ زرد رنگ میں اس کی رنگت بھی زرد تھی.... چہرے پہ ایک خوف و ہراس۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میں نے اس کی مٹھی کھولنا چاہی تو اس بار وہ مزاحمت نہ کر سکی۔

مہندی تاں سجدی

جے نچے کڑی دی بہن....

اب بلی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی اس لیے میری جانب کوئی متوجہ نہ تھا سب اس کی قلابازیاں دیکھ رہے تھے۔ میں نے مہندی سے اس کی ہتھیلی پہ اپنے نام کا پہلا حرف ایس لکھ دیا۔

وہ جو نظر جھکا چکی تھی۔ ایک بار پھر مجھے دیکھ کے رہ گئی۔ اس کی نگاہوں میں گلہ تھا شکوہ تھا، ناراضی تھی۔

مگر اتنی نہیں جتنی میری نگاہوں میں تھی۔ شاید اسی لیے وہ تاب نہ لا سکی.... نظر بھی چرالی اور گھونگھٹ بھی کھینچ کر خود کو ایک بار پھر مجھ سے چھپا لیا۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ اٹھ کے وہاں سے جانے لگا۔

مہندی تاں سجدی۔

جے نچے کڑی دا ویر....

کسی نے گانے کے بول اچانک ہی تبدیل کر دیے

تھے اور ٹھمک ٹھمک کے ناچتا علی مجھے کھینچ کر اپنا ساتھ دینے پہ زبردستی مجبور کر رہا تھا۔۔۔ میں نے بے زاری سے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے اسے واجبی سے ایک دو دھکے بھی دیے۔۔۔ مگر اب وہ خود اپنے بھونپو جیسے حلق سے آوازیں نکالتا گانے لگا۔۔۔ ساتھ ساتھ میرا بازو اٹھا کے مجھے ناچنے پہ اکسا رہا تھا۔

او مہندی تاں سجدی۔۔۔

جے نچے کڑی دا ویر۔۔۔

یہاں میری برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔۔۔ میں آپے سے باہر ہو گیا۔۔۔ اور بھنا کے اسے زور کا تھپڑ دے مارا۔

تالیاں بجاتے سب نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

کسی نے جادو کی چھڑی گھما کے سارے ماحول کو سویا ہوا محل میں تبدیل کر دیا تھا۔ میوزک بھی بند ہو چکا تھا اور میں طیش میں آ کے اب علی کو بے تحاشا پیٹ رہا تھا۔

"کب سے بکواس کیے جا رہا ہے۔ تیری تو میں۔۔۔"

سب سے پہلے ابو آگے بڑھے۔

"ارے سعد۔۔۔ چھوڑو اسے۔"

مگر میں ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچے دوسرے ہاتھ کے گھونسے اس کی کمر میں مارے جا رہا تھا اب ابو کے ساتھ ساتھ نیاز ماموں بھی مجھے اس سے الگ ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ پاگل ہو گئے ہو کیا؟" ادھر خالہ بتول کی دہائیاں۔

"ہائے ہائے۔۔۔ میرے پوترے کو مار دے گا یہ منڈا۔"

"سعد۔۔۔ سن نہیں رہے تم؟"

امی بھی وہیں کھڑی غصے سے چلائی تھیں اور میں مار تمار تے اب اسے نیچے گرا چکا تھا۔

"اب بولے گا اب کرے گا بکواس؟"

قریب تھا کہ میں نیچے گرے علی پہ بیٹھ کے اس کا گلا دبا دیتا کہ آخر ابو اور ماموں اور شاید دو تین اور بھی کوئی لوگ تھے مجھے کھینچ کر، گھسیٹنے میں کامیاب ہو گئے۔

"چھوڑوں گا نہیں میں اسے۔"

میں ابھی تک کسی بے قابو بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح خود کو چھڑا کے ایک بار پھر علی پہ پل پڑنے کی تگ و دو میں تھا کہ ابو کے زوردار طمانچے نے میرے ہوش ٹھکانے لگا دیے۔

جھاگ کی طرح بیٹھ کے اب میں گال پہ ہاتھ رکھے ڈری ڈری نظروں سے سب کے چہروں کے سوال پڑھ رہا تھا۔ ایک نظر نیچے گرے علی پہ ڈالی جو لیروں لیر کرتے کے ساتھ کراہ رہا تھا۔

"سعد۔۔۔ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا؟ یہ کیا حرکت تھی۔" ابو نے گرج کے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ وہ علی۔۔۔ علی نے۔۔۔"

مجھے اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا جواز پیش کروں۔۔۔

"ہاں وہ علی اس کو چھیڑ رہا تھا۔" اچانک مجھے سامنے بلی نظر آئی تو میں نے اس کی جانب انگلی کا اشارہ کر دیا۔

"وہ اس کے بارے میں بری بری باتیں کر رہا تھا۔۔۔ تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

اب سب کی غصیلی نظروں کا رخ علی کی جانب تھا۔ جو پہلے ہی ادھ موا ہو چکا تھا۔ اب بالکل ہی ڈھے گیا۔

اور سب لوگوں کی وہ نظریں جن میں لمحہ بھر پہلے میرے لیے لعنت ملامت اور پھٹکار تھی۔ اب ممنونیت اور تشکر نظر آ رہا تھا۔

میں ایک عظیم انسان۔۔۔

ایک غیرت مند شخص۔۔۔

واہ ایک لڑکی کی بے عزتی ہوتے دیکھ کر نہ ماحول دیکھا نہ نتائج کی پروا کی۔۔۔ اور دھنک کے رکھ دیا اپنے ہی عزیز دوست کو۔

ابو نے بھی میری مزید مرمت کا ارادہ موقوف کر دیا مگر مجھے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے ضرور گئے۔

"تماشا بنا کے رکھ دیا تم نے۔۔۔ یہ کوئی طریقہ ہے، مجھے بتا دیتے۔ خالہ بتول سے کہہ دیتے۔ بڑے مرکھنے تھے کیا؟ یہی سوچ لیتے کہ لڑکے والے کیا تاثر لیں گے اس غل غپاڑے سے۔ احمق ایسی باتیں پی جاتی ہیں۔

اچھالی نہیں جاتیں۔"
اور مجھے کمرے میں دھکیل کے آخری دھمکی دی۔
"خبردار جو اب تم کل تک اس کمرے سے نکلے۔"
دروازہ بند ہونے کے بعد میں ڈھے سا گیا اور بیڈ پہ جا گرا۔ آج کی رات بس ایک آخری رات۔
یہ ایک واحد موقع ہے میرے پاس جو کرنا ہے آج کی رات کرنا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرائی ہو جائے گی۔ کچھ دیر میں وہیں پڑا نیچے سے آنے والے ہنگاموں پہ کان دھرے رہا جب سارا شور ردھم پڑا۔ حتیٰ کہ گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے اور گیٹ سے نکلنے کی آوازیں بند ہوئے بھی گھنٹہ گزر گیا۔ تو میں چپکے سے اپنے کمرے سے نکلا۔

☆ ☆ ☆

سالار کا فون مسلسل بند مل رہا تھا۔ اور ام ہانی اس گھنٹے میں یہ چوتھا میسج اسے کر رہی تھی۔
"سالار۔۔۔ پلیز بات کو سمجھیں۔۔۔ میں کیسے آؤں۔۔۔ گھر میں اتنے مہمان ہیں۔ شادی والے دن کتنا مشکل ہو گا نکلنا۔۔۔ میں آپ کو منالوں گی۔ جو کہیں گے ویسا کروں گی۔ وعدہ آپ پلیز مجھے ایسے نہ ستائیں۔۔۔ اتنی کڑی شرط نہ۔۔۔"
دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ بری طرح ہڑبڑا کے پلٹی اور مجھے دیکھ کے فون ایک جانب رکھ دیا۔
"سعد۔۔۔ کیا کرنے آئے ہو تم؟ ابھی اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے میری برداشت کی حد ویسے ہی ختم ہو چکی ہے۔"
"مجھ سے بھی اب اور برداشت نہیں ہو رہا۔" اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے میں آگے بڑھتا رہا۔
"میرا دل پھٹ رہا ہے ہنی۔۔۔ میں تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کے لیے یہ مت کرو۔۔۔ نہ کرو یہ شادی میں ہوں ناں۔ میں تم سے شادی۔۔۔"
"پاگل تو نہیں ہو گئے تم۔۔۔" وہ زور سے چلائی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"مجھ سے شادی کرو گے؟ عمر دیکھی ہے اپنی انیس سال کے ہو ابھی اور تمہاری اسٹڈیز بھی مکمل نہیں ہوئی' باتیں اور شوق دیکھو اپنے۔" وہ باقاعدہ لعنت ملامت کرنے لگی۔
"تو تم کچھ سال انتظار کرلو۔"
"کیوں کروں میں انتظار میں سالار کو پسند کرتی ہوں۔ کل میری شادی ہے اس سے سمجھے؟"
"کیا نظر آرہا ہے تمہیں سالار میں؟" بے بسی کے احساس سے چلا میں رو ہی پڑا۔
"اتنا بڑا ہے وہ تم سے عمر میں۔۔۔ وہ تمہیں مجھ سے زیادہ پیار بھی نہیں دے سکتا۔"
"ہاں ہو سکتا ہے وہ مجھے تم سے زیادہ پیار نہ دے سکیں مگر وہ مجھے وہ تحفظ دیں گے جو تم کبھی نہیں دے سکتے۔ ابھی تو تم خود کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہو بات بے بات تمہارے آنسو نکل آتے ہیں۔ گڑگڑانے لگتے ہو۔۔۔ میں سالوں سے تمہارے آنسو صاف کرتی آرہی ہوں اور سالار۔۔۔ وہ میری آنکھ میں ایک آنسو نہیں دیکھ سکتے۔"
وہ ایسے گن گن کے میری کمیاں اور سالار کی خوبیاں جتا رہی تھی کہ میں اور شدت سے رونے لگا۔
"دیکھو۔۔۔ دیکھو تم پھر سے رو رہے ہو۔"
اس کے استہزائیہ انداز پہ میں بازو موڑ کے اپنی آستین کے کف سے آنسو پونچھنے لگا۔
"تم تو اتنے چھوٹے اور ناسمجھ ہو سعد۔۔۔ کہ ابھی تک محبت کا مطلب تک نہیں جانتے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ پیار کوئی من پسند کھلونا نہیں ہے جو بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑ کے ضد کر کے یا پھر رو دھو کے پالیا جائے۔" اس کے طعنوں تشنوں نے مجھے غصہ دلا دیا۔
"تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ سنانے والی کہ مجھے پیار کا مطلب آتا ہے یا نہیں۔۔۔ بچہ ہوں میں ٹھیک ہے۔ اب یہ بچہ ہی تمہیں بتائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔"
"اچھا کیا کرلو گے تم؟"
میں اس کے سوال پہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوا۔

کوئی جواب نہ تھا۔ میرے پاس واقعی میں کیا کر سکتا تھا لیکن اس وقت اس کی تیکھی باتوں نے مجھے اتنا کم تر محسوس کروا دیا تھا کہ مجھے کچھ تو کہنا تھا کوئی دعوا تو کرنا تھا چاہے کھوکھلا ہی سہی۔

"تمہارے اس سالار کو تو میں دیکھ لوں گا۔۔۔ کیسے لاتا ہے بارات اور کیسے لے کر جاتا ہے تمہیں مجھ سے دور۔"

"سعد۔۔۔"

میرے اس کھوکھلے دعوے اور بے جان سی دھمکی پہ بھی وہ اتنی حراساں ہوئی کہ اس کا زرد چہرہ اور پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کے میری کچلی انا کو تسکین سی ملی' بڑا بچہ سمجھ رہی تھی ناں مجھے' کیسے اوسان خطا کر دیے میں نے' مجھے مزا آنے لگا اسے ڈرانے میں۔

"بڑا اترا رہی ہو ناں اس پہ۔۔۔ میں بتا رہا ہوں ہنی۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے تم کسی اور کی نہیں ہو سکتیں' میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ جان دے بھی سکتا ہوں جان لے بھی سکتا ہوں۔"

"سعد۔۔۔ نکل جاؤ یہاں سے۔۔۔ دفعہ ہو جاؤ۔" وہ شدت سے چلائی تھی۔

"کوئی اور یہ بات کرتا تو مجھے غصہ آتا۔۔۔ مگر تم سے سن کے شرم آ رہی ہے کہ کبھی تمہیں دوست جانا تھا میں نے۔۔۔ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔۔۔ اور میری زندگی سے بھی۔"

اس کا وہ ڈر جو مجھے لطف دے رہا تھا۔ بس چند لمحوں کا مہمان تھا اور بس اب پھر وہی نفرت' بے پناہ نفرت۔۔۔ میں پھر سے رو پڑا تھا شکست کے بھرپور احساس نے مجھے گھٹنوں کے بل گرا دیا تھا۔

"ہنی۔۔۔؟"

میرے سسک کے کہنے پہ وہ پھر سے چلائی۔ اسی شدید نفرت کے ساتھ۔

"کبھی بھی مجھے ہنی کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔ تم یہ حق کھو چکے ہو۔۔۔ بلکہ مجھے میرا اصل نام لے کر بھی مخاطب نہ کرنا اور۔۔۔ اور سعد رضوان شاہ ہو سکے تو کبھی مجھے بنا نام کے بھی مخاطب مت کرنا کبھی ملنا تو ایسے جیسے دو اجنبی ملتے ہیں۔"

زہر کے چھینٹے مجھ پہ اچھال کے وہ رخ موڑ کے کھڑی ہو گئی۔ میں ہارے ہوئے انداز میں اسے حسرت سے دیکھتا رہا۔

کل تک جو ہلکی سی امید میرے اندر سانس لے رہی تھی کہ وہ میری محبت پہ ایمان لے آئے گی۔ آج اس امید نے آخری سسکی لے کر دم توڑ دیا۔

میں اسے کھونے نہیں والا تھا۔

میں اسے کھو چکا تھا۔۔۔

الٹے قدموں میں اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتا وہاں سے نکل آیا اور باقی کے آنسو اپنے کمرے میں آ کے بہائے۔

روتے روتے تھک گیا تو بیگ نکال کے اس میں کپڑے ٹھونسنے لگا۔ میں اسے کسی اور کا ہونے سے روک نہیں سکتا تھا۔ مگر کسی اور کا ہوتے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

بس یہ ایک تھا جو فی الحال میرے بس میں تھا کہ میں یہاں سے دور چلا جاؤں۔۔۔ کم از کم اس ایک دن کے لیے۔۔۔ جب وہ میری آنکھوں کے سامنے سالار کے ساتھ چلی جاتی۔

اتنا حوصلہ کہاں سے لاتا بھائی کہاں میرے پاس جو تھوڑی بہت ہمت تھی وہ مجتمع کر کے یہاں سے نکلنے لگا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے میں نے مڑ کے دیکھا تھا۔ ہنی کے کمرے کی کھڑکی کے پردے گرے ہوئے تھے اور ان کے اس پار گھپ اندھیرا تھا۔

"کہاں جا رہا ہے سعد۔۔۔ سن تو۔" لنگڑاتا لڑکھڑاتا علی مجھے پکارتا پیچھے آ رہا تھا۔

"کہیں بھی۔۔۔ تجھے کیا؟"

"میں نے مڑ کے دیکھا تو اس کے چہرے پہ نظر آتے مار پیٹ کے نشان مجھے ندامت میں بھگو گئے۔

"مگر کیوں؟ شادی ہے کل۔"

"اسی لیے تو۔۔۔" میں بدستور چلتا رہا۔۔۔ اور وہ میرے پیچھے پیچھے۔

"مجھ سے ناراض ہو کے؟"

وہ لپک کے سامنے آگیا اور میرا راستہ روک لیا۔
مجھے ہنسی آنی چاہیے تھی اس کی اس درجہ خوش گمانی پہ۔۔۔ مگر اس کی سادگی پہ رونا آگیا۔
"دیکھو تو اور مار لے۔۔۔ نکال لے غصہ مگر قسم سے میں نے بیلی کو نہیں چھیڑا تھا تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔"
"علی۔۔۔ ہٹ جا سامنے سے۔"
"نہیں میں تجھے ایسے ناراض ہو کے نہیں جانے دوں گا۔"
"نہیں علی۔۔۔ میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں۔"
میں نرم سا پڑ گیا اس کے سامنے۔
"اور سوری یار۔۔۔ رات تمہیں خوامخواہ ہی۔۔۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے ہنی سے بھی میں نے ابھی اتنی فضول بکواس کر دی۔ جو نہیں کرنی چاہیے تھی لگتا ہے میں پاگل ہو رہا ہوں۔۔۔ اسی لیے جانا چاہتا ہوں تاکہ شادی کے موقع پہ مجھ سے پھر کچھ الٹی سیدھی حرکت نہ ہو جائے۔"
"مگر تو جائے گا کہاں؟"
"ہاسٹل یا کسی دوست کے پاس اور ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا واپس آجاؤں گا خود ہی ایک دو روز میں مگر وعدہ کر تو کسی کو نہیں بتائے گا کہ میں کہاں ہوں۔ ابو کو تو ہرگز نہیں۔"
"مگر تو جا کیوں رہا ہے اور تیرے بغیر یہ شادی کیسے ہو گی آخر؟" اس کی بے تکی بات نے مجھے پھر سے تاؤ دلا دیا۔
"کیوں، میرے بغیر کیوں نہیں ہو سکتی؟ میرے ساتھ ہو رہی ہے کیا؟"
ہاتھ سے اسے بری طرح اپنے سامنے سے ہٹاتا میں وہاں سے نکلا تو پو پھٹنے والی تھی۔

٭ ٭ ٭

"ام ہانی بیٹا۔"
نائلہ اس کا عروسی لباس اور زیورات کے ڈبے اٹھائے اندر داخل ہوئیں تو اسے خلاف توقع اور خلاف معمول سوتا پایا۔

"ام ہانی۔۔۔ بیٹا آج اتنی دیر تک سوؤ گی؟ اٹھو بیٹا۔ وقت کم ہے اور کام زیادہ۔۔۔ بیلی کے ساتھ پارلر بھی جانا ہے تمہیں۔"
اور پاس آنے پہ اسے جگانے کی نیت سے جیسے ہی چھوا تو چونک اٹھیں وہ بری طرح تپ رہی تھی۔
"یا اللہ اتنا تیز بخار۔۔۔ اٹھو ام ہانی تمہیں تو سخت بخار ہے پھنک رہی ہو۔۔۔ اٹھو ناشتا کرو تو میں تمہیں دوا دوں ذرا طبیعت سنبھلے تو پھر ہی بھیج سکوں گی پارلر۔"
ام ہانی کراہ کے اٹھی اور سب سے پہلے جلتی بلتی آنکھوں کے ساتھ تکیے کے نیچے سے فون نکال کے دیکھا۔۔۔ سالار کو بھیجے کسی میسج کا کوئی جواب نہیں تھا۔

٭ ٭ ٭

اماں پریشان نظروں سے سالار کے کمرے کی حالت دیکھ رہی تھیں۔۔۔ خالی بوتلیں، لڑھکتے گلاس۔
اور خود وہ بے سدھ پڑا تھا۔
"سالار یہ کیا حرکت ہے۔ آج تمہاری زندگی کا اتنا اہم دن ہے کچھ تو خیال کرتے۔۔۔ ساری رات پیتے رہے کیا؟"
وہ اسے بری طرح جھنجھوڑ رہی تھیں مگر اس کی مدہوشی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
"سالار۔"
بہت پکارنے۔۔۔ بہت جھنجھوڑنے پہ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کی سرخ انگارہ آنکھیں دیکھ کے ڈر کے تھوڑا سا پیچھے ہٹیں۔ عام حالات میں ہی وہ خاصا بدلحاظ ہوا کرتا تھا تو نشے میں تو۔۔۔
"میں تو تمہیں بتانے آئی تھی کہ ام ہانی کی تائی کا فون آیا تھا۔"
وہ کرنٹ کھا کے اٹھ بیٹھا۔۔۔ سب سے پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں ام ہانی نے خودکشی نہ کر لی ہو اب یاد آیا کہ کل سے اسے کیسے کیسے خوفناک اور دھمکی آمیز پیغام بھیجے تھے۔
"بتا رہی تھیں کہ ام ہانی کو تیز بخار ہے۔"

"اوہ۔"

وہ پرسکون سا ہو کے دوبارہ لیٹ گیا اور اماں بیماری کی خبر پہ اس کا اطمینان بھرا سانس لینے پہ حیران رہ گئیں۔ پھر وہ ڈگمگاتا ہوا اٹھا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگا تو اسے قدرے معمول پہ آتا دیکھ کے اماں کی جان میں بھی جان آئی۔

"تیار ہونے لگے ہو؟ ماشاءاللہ مجھے تو کبھی کبھی لگتا تھا تمہیں دلہا بنے دیکھے بنا ہی میں اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔ مگر خدا کا کرم ہے۔ اس نے یہ دن دکھایا۔"

وہ بے تاثر چہرے اور سرد انداز کے ساتھ کوٹ سے ٹائی میچ کرتا ان کو سن رہا تھا۔

"آج تمہارے ابو زندہ ہوتے تو تمہیں دولہا بنے دیکھ کے وہ بھی بہت خوش ہوتے۔"

سالار نے ہاتھ میں پکڑا سوٹ غصے سے دور فرش پہ اچھال دیا اور دھاڑا۔

"آپ نے قسم کھا رکھی ہے ہر موقع پہ میرے سکون کو برباد کرنے کی؟ جان بوجھ کے آپ مجھے تکلیف دیتی ہیں۔"

"سالار میں تو۔۔۔"

وہ گڑبڑا کے وضاحت دینے لگیں۔

"کتنی بار کہا ہے آپ سے۔۔۔ مت کیا کریں اس شخص کا ذکر میرے سامنے اگر آپ کو اتنی ہی یاد آتی ہے ان کی تو اپنے کمرے کی تنہائیوں میں ان کو یاد کر کے رو لیا کریں۔"

وہ خاموشی سے آنسو پیتی وہاں سے جانے لگیں اور سالار نے اندر کی تپش پہ چھینٹے مارنے کے لیے ایک اور بوتل کھول لی۔

☆ ☆ ☆

"کسی کو بتا کے بھی آیا ہے یا نہیں؟" شعیب تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔"

بہت وقت کے بعد میں یہ مختصر جواب دینے کے قابل ہو سکا۔۔۔ دل ہی نہیں چاہ رہا تھا اس کے کسی سوال کا جواب دینے کو۔

"غلط کیا سعد۔۔۔ وہ سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"کسی کو میرا خیال بھی نہیں آئے گا۔ ابو نے خود مجھے کمرے سے نہ نکلنے کی تاکید کی تھی اور آج سارا دن سب بہت مصروف رہیں گے۔"

پھر میں نے جیب سے فون نکال کے اسے آف کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"اور جب تک خیال آئے گا۔ تب تک بہت وقت ہو چکا ہو گا۔ شادی کے عین وقت کوئی مجھے ڈھونڈنے یا واپس لانے کے لیے نہیں نکلے گا۔"

شعیب میرے برابر بیٹھ گیا اور میرے کاندھے پہ ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے خلوص سے کہنے لگا۔

"مرد بن کے حالات کا سامنا کرتے ہیں۔ ان سے فرار نہیں ہوتے سعد۔"

مگر میں اس کے مخلصانہ مشورے پہ بھی تڑپ اٹھا۔

"ہاں تو بھی دے لے مجھے مردانگی کا طعنہ۔۔۔ کیا مردوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟ اس دل میں درد نہیں ہوتا؟ اور کیا یہ درد ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں لا سکتا اور۔۔۔ اور جو روتے ہیں۔ کیا وہ محبت نہیں کر سکتے۔"

سالار نشے میں دھت لڑکھڑاتا ہوا کار تک آ رہا تھا جہاں اماں پہلے سے تیار اس کی منتظر تھیں۔ اسے اس حال میں دیکھ کے وہ دکھی سے زیادہ پریشان ہو گئیں کہ بھی نہیں سکتیں تھی کچھ نہ ٹوک سکتی تھیں کہ وہ بر امان کے جانے سے انکار ہی کر دیتا تو کیا کر لیتیں بھلا مگر یہ سوچ سوچ کے ان کی روح ضرور فنا ہو رہی تھی کہ وہاں جانے تک بھی اس کا نشہ نہ اترا تو اس حال میں دیکھ کے سب لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے۔

"آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔ دوسری گاڑی میں جائیں۔"

اس کی آواز تک میں نشہ ڈول رہا تھا۔
"مگر سالار۔۔۔ پہلے ہی تمہارے کہنے پہ میں نے سب مہمان کو براہ راست ہی ہانی کی حویلی پہنچنے کا کہہ دیا ہے حالانکہ بارات کو قرینے سے جانا چاہیے تھا پھر بھی ۔۔۔اب کم از کم تم مجھے تو۔۔۔"
مگر وہ ان کی بات نظرانداز کرتا اب ڈرائیور پہ برس رہا تھا۔
"منہ کیا دیکھ رہے ہو میرا۔۔۔ نکالو گاڑی۔"
"تم خود ڈرائیو کرو گے؟"
وہ اس کا ارادہ بھانپ گئیں جبکہ وہ ان کا سوال ان سنی کرتا جیب میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔
"سالار ضد مت کرو۔ تمہاری حالت نہیں ہے خود کار ڈرائیو کرنے کی۔ تم نہیں چاہتے کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ ٹھیک ہے میں دوسری گاڑی میں چلی آتی ہوں لیکن تم ڈرائیور کو ساتھ لے لو بیٹا۔"
سالار نے جیب سے ایک لفافہ نکال کے ان کی جانب بڑھا دیا۔ سرد مہری امنڈ امنڈ کے چھلک رہی تھی۔
"میری شادی کا تحفہ آپ کے لیے۔"
"یہ کیا ہے؟" وہ حیران تھیں۔
"آپ کا ٹکٹ امریکہ کے لیے کل صبح کی سیٹ ہے۔"
"سالار؟ اتنی جلدی آج رات دلہن گھر آرہی ہے اور میں صبح ہی امریکہ چلی جاؤں۔"
"میری دلہن آرہی ہے۔۔۔ میرے لیے آرہی ہے آپ کے رکنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔"
اتنا کہہ کر وہ لاتعلقی سے مڑا اور دوسری گاڑی میں بیٹھ گیا۔ یہ دیکھے بنا کہ ماں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ہی اسے آنسوؤں میں بھیگی دعائیں دے رہی تھی۔ کچھ پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی کے چہرے کی سوگواری اور پژمردگی دلہناپے کے سنگھار میں بھی چھپ نہیں پا رہی تھی۔
"ماشاء اللہ کتنا نکھار آیا ہے۔۔۔" نائلہ نے اس کا ماتھا چوما۔
"اوہو بخار ابھی بھی ہے۔۔۔ مہ پارہ اسے ایک اور خوراک دے دینا دوا کی ٹکر دودھ کے ساتھ۔"
"یہ سعد کہاں ہے بھابھی صبح سے نظر نہیں آیا۔"
مہ پارہ کے پوچھنے پہ وہ بھی فکرمند سی ہو گئیں۔
"پتا نہیں میں سمجھ رہی تھی رضوان نے ڈانٹ کر کمرے میں بند کیا ہے تو احتجاجاً" نہیں نکل رہا اب جا کے دیکھا تو وہ ہے ہی نہیں۔۔۔ نہ کمرے میں نہ حویلی ۔۔۔نہ جانے کب نکلا کسی کو نہیں پتا۔"
ام ہانی بلاوجہ ہی سر جھکا کے اپنی مہندی رچی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔
"کمال ہے فون کرنا تھا بھابھی۔"
"تو کیا نہیں کیا ہو گا؟ مگر فون آف مل رہا ہے۔"
"یا اللہ۔۔۔ یہ لڑکا۔"
ام ہانی کو اس ذکر سے وحشت ہونے لگی۔ دل چاہا ہاتھ جوڑ کے خاموش کرا دے ان دونوں کو۔۔۔
"اللہ کچھ برے آئے یا نہیں۔"
بیلی افراتفری میں اندر داخل ہوئی ہمراہ خالہ بتول بھی تھیں۔
"کڑیو۔۔۔ نیاز بتا رہا ہے بارات گھنٹہ پہلے نکل چکی ہے۔ آنے والے ہوں گے وہ لوگ۔۔۔ جا کے نیچے تیاری کرو۔"
"دیکھو تو کیسی لگ رہی ہیں ہانی آپی۔" بیلی نے اشتیاق سے گھونگھٹ میں جھانکا۔
"میں ذرا جا کے رضوان سے کہوں۔۔۔ ایک بار پھر سعد کی خبر لیں۔" نائلہ' مہ پارہ کو لیے کمرے سے نکلیں۔
"اف۔۔۔ قیامت آفت۔"
ادھر بیلی اسے دیکھ دیکھ کے جھوم رہی تھی۔ خالہ بتول نے اس کے سر پہ ایک چپت لگا کے خاموش کرایا۔
"ماشاء اللہ کہتے ہیں۔۔۔ بے عقل۔۔۔ بے ہدایتی ۔۔۔دلہن ہو یا دلہا۔ نظر فوراً" لگ جاتی ہے اس دن ہر

پل بھاری ہوتا ہے۔"
پھر ان کی نظر کھلی کھڑکی پہ جا پڑی' رات کی سیاہی میں سرخی سی گھل رہی تھی۔
"یا اللہ خیر کیسی لال آندھی اٹھی ہے۔ یہ تو شر ہے زلزال آسمان سے تو پناہ مانگنی چاہیے۔"
باہر نائلہ بھی رضوان سے فکر مندی جتلا رہی تھیں۔
"اتنا خراب موسم۔۔۔ پتا نہیں کہاں منہ پھلا کے بیٹھا ہو گا آپ بھی حد کرتے ہیں اتنا ڈانٹنے کی کیا ضرورت تھی۔"
"تو ڈانٹ کھا کے وہ کونسا سدھر گیا۔ اب دیکھ لو نئی حرکت' یہ کوئی موقع ہے ایسی اموشنل بلیک میلنگ کا۔ ان سب کاموں کو دیکھیں ہم یا اسے ڈھونڈ کے اس کے آگے ہاتھ پیر جوڑ کے منا کے لائیں۔ ذرا فارغ ہو لوں پھر اس کی طبیعت صاف کرتا ہوں۔ آئندہ مجال نہیں ہو گی اس کی کہ یہ ڈرامے کر سکے۔"
"اچھا۔۔۔ کرتے رہیے گا۔ ابھی تو ایک بار پھر کال ملائیے۔ سب لوگ بار بار اس کا پوچھ رہے ہیں۔ اماں جی کچھ کہہ نہیں رہی مگر اسے بھی کمی محسوس ہو رہی ہو گی سعد کی۔۔۔ اس کی خاطر ہی اس گدھے کو واپس بلالیں۔"
"اچھا بھئی تمہارے کہنے پہ کرتا ہوں ایک بار۔۔۔ مگر یہ تم اسے شہہ دے رہی ہو۔۔۔ اس بار اچھا ہوتا کہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا جاتا ذرا سا بھی احساس ہوتا۔"
انہوں نے ابھی فون جیب سے نکالا ہی تھا کہ بج اٹھا۔
"اوہ۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔ سالار کی والدہ کی کال ہے ہیلو جی۔" اور کچھ ایسا سنا انہوں نے کہ رنگت فق ہو گئی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔"

✡ ✡ ✡

شعیب میس سے کھانا لے کر اندر داخل ہوا تو سرہانے رکھا فون مسلسل بج رہا تھا اور میں جیسے کانوں میں روئی ڈالے صم بکم بیٹھا تھا۔
"فون سننا نہیں ہے تو آف ہی رہنے دیتے پہلے کی طرح' کان پکا دیے تو نے۔" وہ ٹرے میرے سامنے رکھتے بڑبڑایا۔
"بند تھا۔۔۔ مگر تب عجیب بے چینی تھی۔ اب بار بار آنے والی فون کالز اور میسجز سے اتنا تو پتا چل رہا ہے کہ وہاں میری کمی محسوس ہو رہی ہے۔ کوئی اتنے ہنگامے' ہلچل اور مصروفیت میں بھی مجھے یاد کر رہا ہے۔ پتا نہیں وہ یاد کر رہی ہے یا نہیں۔۔۔ پتا نہیں اسے اپنے کٹھور پن کا احساس ہوا کہ نہیں۔۔۔ پتا نہیں وہ مجھے فون کرے گی یا نہیں۔۔۔"
"سعد۔۔۔ تم ہم اذیت پسند ہو۔"
"نہیں۔۔۔ ہوتا تو یہاں نہ آتا۔۔۔ وہاں رہ کے خود کو شوق سے اذیت دیتا اسے کسی اور کی دلہن بنا دیکھ کے۔"
"بے حس انسان۔ خود کو نہیں۔ تم خود سے وابستہ لوگوں کو اذیت دے رہے ہو سوچو ان سب کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔" تبھی دوبارہ فون بج اٹھنے پہ وہ اٹھا۔
"تم نے نہیں کرنی تو نہ سہی۔۔۔ میں کرتا ہوں بات۔" میں تڑپ کے اٹھ بیٹھا اور فون کی جانب بڑھتے شعیب کو روکا۔
"خبردار جو تم نے انہیں میرے بارے میں کچھ بھی بتایا تو۔"
"بتاؤں گا۔" وہ میری دھمکی کو خاطر میں نہ لایا۔
"ویسے بھی اب کونسا وہ شادی کے وقت سب چھوڑ کے اتنی دور تمہارے نخرے اٹھانے آئیں گے۔ کم از کم میں انہیں اتنی تسلی تو دے دوں۔۔۔ کہ تم خیریت سے ہو۔"
اب کے میں نے نہ روکا۔۔۔ دل میں خیال سا آیا۔۔۔ امی کا ابو کا' واقعی شادی کی خوشی بھی نہ ڈھنگ سے منا رہے ہوں گے وہ۔۔۔ چلو ان کو یہ سکون تو ملے۔
"ہیلو۔۔۔ جی السلام علیکم جی میں سعد کا دوست ہوں۔ شعیب جی وہ سو رہا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جی جی کہیے کیا؟ اوہ کب؟ کون سے

ہسپتال۔"
ہسپتال کا سنتے ہی میں اٹھ گیا اور اس کے پاس چلا آیا۔

"جی ٹھیک ہے وہ آتا ہے ابھی۔۔۔"
چہرے پہ پریشانی کا واضح تاثر لیتے وہ فون بند کرتا میری جانب پلٹا۔
کون سے ہسپتال؟ بڑے دادا گزر گئے؟"
شعیب نے ایک ملامتی نگاہ مجھ پہ ڈالی اور بتایا۔
"بارات لاتے ہوئے سالار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ شدید زخمی حالت میں ہسپتال ہے۔"

☆ ☆ ☆

اور ایسا پہلی بار نہیں تھا کہ میں نے ہاسٹل سے اپنے قصبے تک کا دو گھنٹے کا سفر گھنٹے بھر میں کیا ہو، کتنی بار میں یونہی افراتفری میں اڑتا ہوا ہنی سے ملنے گیا تھا۔ اور آج۔۔۔ آج تو جیسے مجھے صرف پر نہیں لگے تھے۔ ان پروں میں آگ بھی لگی ہوئی تھی۔۔۔ میں نہیں جانتا تھا میں وہاں کیسے پہنچا۔۔۔
راستہ کیسے کٹا۔۔۔ کتنا وقت لگا۔
میں نے وہ سڑک تیز رفتاری سے آتے ٹرکوں اور ویگنوں میں سے کیسے پار کی۔۔۔ ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد کس سے تفصیل لی تھی اور اس نے کیا روم نمبر بتایا تھا بس میں بھاگتا چلا گیا۔۔۔ بھاگتا ہی رہا۔
اس وقت تک۔۔۔ جب تک میری نظر سامنے ان جانے پہچانے چہروں پہ نہ گئی جن پہ ایک انجانی سی دہشت اور خوف اس وقت نظر آ رہا تھا۔
پریشانی سے ٹہلتے ابو۔۔۔
تسبیح کے دانوں پہ زیر لب کچھ ورد کرتیں امی۔۔۔
جائے نماز پہ بیٹھی خالہ بتول اور۔۔۔ اور ام ہانی۔۔۔
دلہن بنی ام ہانی وہ سر جھکائے ہچکیاں لیے رو رہی تھی۔
میں جب اس سے پہلی بار ملا۔ تو وہ یونہی رو رہی تھی اور میں دور کھڑا سیاہ لباس میں ملبوس اس روتی ہوئی لڑکی کے آنسوؤں کے ساتھ بہتا چلا گیا تھا۔
آج وہ سیاہ لباس کی بجائے سرخ لباس میں تھی۔۔۔

مگر میں، میں آج بھی بہہ رہا تھا ڈوبنے سے بچنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ آج ہی اس کے آنسو مجھے اندر تک گیلا کر سکتے ہیں۔۔۔ میں آج بھی اس کے رونے سے اسی طرح ٹوٹ کر بکھر سکتا ہوں۔۔۔ جیسے پہلی بار بکھر گیا تھا۔
مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ بھلے یہ آنسو وہ سالار کے لیے بہا رہی ہے پھر بھی۔۔۔ پھر بھی میں اس کی آنکھوں میں یہ آنسو نہیں دیکھ سکتا، مجھے سالار کی حالت جان کے خوشی ہونی چاہیے تھی۔ جس شادی کو روکنے کے لیے میں نے ہر حربہ آزمایا اور ناکام رہا وہ شادی اب رک گئی تھی اور ہو سکتا ہے کبھی نہ ہو پائے اگر سالار۔۔۔ مگر میں خوش نہیں ہو پا رہا تھا کیسے ہوتا۔۔۔ اسے رلا کے کیسے خوش ہوتا؟
نہیں ام ہانی تمہیں رونا نہیں چاہیے نہ میری وجہ سے نہ ہی سالار کی وجہ سے اگر سالار کے دور جانے سے تم دکھی ہوتی ہو۔ تو ٹھیک ہے۔ سالار کو تم سے دور نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ بس تم دکھی مت ہونا تم رونا مت، مت رونا تم۔
میں اس سے کچھ قدموں کے فاصلے پہ کھڑا نم آنکھوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ امی مجھے پکارتے ہوئے اٹھیں۔
"سعد۔۔۔ آ گئے تم۔"
میرا نام سن کے اس کا ہچکیاں لیتا وجود تھما اس نے نظر اٹھا کے مجھے دیکھا۔۔۔ اٹھی اور پھر برق رفتاری سے میری جانب دوڑتی آئی۔ میرے بازو خود بخود پھیل گئے۔ اور دل میں ایک یقین سا اتر آیا۔ کہ تمام تر ناراضیوں۔۔۔ گلے شکووں کے باوجود آج بھی۔ میری ہنی کو آنسو بہانے کے لیے میرا ہی کاندھا چاہیے ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ میرے ہی گلے لگ کے اپنا غم ہلکا کرتی ہے۔
میں اس کے آنسو اپنے اندر اتارنے اور اس کا درد خود میں سمونے کے لیے بازو پھیلائے اس کا انتظار کر رہا تھا جب وہ بھاگتی ہوئی آئی اور ایک زناٹے دار تھپڑ میرے چہرے پہ دے مارا۔۔۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں؟"

میرے بازو بے جان ہو کے میرے پہلو میں آن گرے اور میں بت بنا اسے چلاتے دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک کے بعد دوسرا.... دوسرے کے بعد تیسرا تھپڑ وہ مجھے مارتی چلی گئی.... میرے ساتھ باقی سب بھی حیرت کے اتنے شدید اثر میں تھے کہ اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکے۔ وہیں جمے ششدر انداز میں اس کی ہذیانی کیفیت کو دیکھ رہے اور شاید سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم اس کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہو؟ یہ کیسی محبت ہے سعد؟ محبت تو دکھ نہیں دیتی.... محبت اعتبار نہیں توڑتی محبت کرنے سے پہلے محبت کرنا تو سیکھ لیتے۔"

میں اس سے تھپڑ کھاتا جا رہا تھا.... بنا کسی مزاحمت کے۔ اور اب وہ میرا کالر دبوچ کے میرے گریبان کو جھٹکے دے رہی تھی۔

"تمہیں پتا بھی ہے محبت ہوتی کیا ہے؟ محبت صرف پانے کا نام نہیں ہے کہ کچھ بھی کر کے کسی بھی طرح بس پا لیا جائے.... حاصل کر لیا جائے۔ محبت دینے کا نام ہے.... بتاؤ کچھ دینے کا حوصلہ ہے تم میں؟"

روتے روتے وہ ادھ موئی سی ہو گئی۔ بے جان اور بھربھری ریت کی طرح ڈھے کر نیچے گرتی جا رہی تھی.... میرا کالر اب بھی اس کی مٹھیوں میں قید تھا تو میں بھی آہستہ آہستہ نیچے ہوتا گیا اور گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھ گیا جہاں بیٹھی وہ بلک بلک کے دم توڑتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"بہت غصہ آتا ہے ناں.... جب میں تمہیں چھوٹا کہتی ہوں لیکن اب تم خود اپنی نظروں میں کتنے چھوٹے ہو گئے ہو اس کا احساس ہے تمہیں.... کیوں کیا تم نے ایسا' بولو تم سے ناراض ہونے کے باوجود تمہاری سب فضول حرکتوں کے بعد بھی میں تمہارے لیے دعائیں کرتی رہی اور تم.... تم نے میری زندگی کی واحد خوشی مجھ سے چھیننا چاہی۔ مار دیا اسے.... مار دیا۔"

میرے پیروں تلے زمین نکل گئی اور اگر ابو آ کے اسے سنبھالتے ہوئے یہ بات نہ کہتے تو شاید میں کھڑے کھڑے وہیں خود کو بھی مار ڈالتا۔

"ہانی بیٹا ایسے مت کہو.... کچھ نہیں ہوا سالار کو۔" وہ اسے کاندھوں سے تھام کے اٹھانے لگے۔

"معمولی ایکسیڈنٹ تھا۔ ڈاکٹرز تسلی دے چکے ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں تم خود اسے صحیح سلامت دیکھ لینا۔"

یہ سنتے ہی وہ ابو کے سینے لگ کے پھر سے رو دی.... ابو نے بہت دھیرے سے میرا گریبان اس کی مٹھیوں سے آزاد کرایا پھر ایک گہری خاموش نظر میرے چہرے پہ نظر آتے اس کے تھپڑوں کے نشان پہ ڈالی۔ مگر امی خاموش نہ رہ سکیں ابھی تک وہ شاید حیرت کے شدید دھچکے کے زیر اثر تھیں مگر جب ام ہانی کی باتوں کا مطلب سمجھ آیا تو پاس آتے ہوئے دبی ہوئی آواز میں مگر شدید غصے میں کہنے لگیں۔

"رضوان.... کیا بکواس کر رہی ہے یہ.... یہ صلہ دے رہی ہے یہ ہمارے اتنے سالوں کے احسان کا؟"

یہ سن کے میرے ساتھ ساتھ ہانی نے بھی ابو کے سینے سے سر اٹھا کے بے یقینی سے انہیں دیکھا کیونکہ ان کا یہ انداز.... یہ روپ' یہ لہجہ سب نیا تھا۔

"کیوں تماشا بنا رہی ہو اپنا بھی اور ہمارا بھی.... یاد رکھو کہ تمہارا ہونے والا شوہر اور اس کی ماں بھی یہیں موجود ہیں۔ انہیں بھنک بھی پڑی تو سعد کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تم ہی...."

"امی پلیز۔"

میں نے ٹوکا اور پھر انہیں کاندھوں سے تھام کے وہاں سے لے جانے لگا۔ اور ابو اب ہانی کو تسلی دے رہے تھے۔

"پریشان ہے نائلہ بھی۔ تم دل پہ مت لینا اور فکر مت کرو ڈاکٹرز نے اطمینان دلایا ہے کہ سالار کو کوئی خطرناک چوٹ نہیں آئی۔ شاید ایک نہیں تو دو دن میں اس کو ڈسچارج بھی کر دیں گے۔ اور بیٹا سعد کا اس

سارے قصے میں کوئی قصور نہیں۔۔۔ سالار نے ابھی خود پولیس کو بیان دیا ہے کہ اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے کار ایک ٹرالر سے ٹکرائی تھی اور سعد۔۔۔ وہ تو سیدھا ہاسٹل سے آرہا ہے۔"

امی کو وہاں سے لے جاتے ہوئے میں نے یہ سب سنا تو۔۔۔ مگر مڑ کے ہانی کے تاثرات دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔۔۔ پتا نہیں اس نے اس سب پہ یقین بھی کیا یا نہیں۔

☆ ☆ ☆
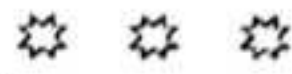
خالہ بتول کی زبانی سارا واقعہ حویلی کے ایک ایک فرد تک پہنچ چکا تھا۔

"حیرت ہے۔۔۔ یہ سب ہوتا رہا حویلی میں۔۔۔ اور کسی کو پتا ہی نہیں تھا۔" مہ پارہ کو موقع ملا تھا کھولن نکالنے کا۔

"اور دیں بچوں کو آزادی۔۔۔ میں کچھ کہتی تھی تو آپ میری زبان پکڑ لیتی تھیں۔۔۔ بچے ہیں۔۔۔ بچپن کا ساتھ ہے۔"

"ایک ساتھ پلے بڑھے بچوں میں لگاؤ تو ہو ہی جاتا ہے۔ بلاوجہ بات کا بتنگڑ نہ بناؤ۔" رضوان نے ٹوکا تو وہ بگڑ گئیں۔

"میری تو ہر بات بری لگتی ہے۔ میں ہمیشہ بھابھی کو خبردار کرتی رہی کہ سعد کو دور رکھیں ہانی سے وہ اس پہ چھائی جا رہی ہے۔ سعد کو کچھ سوجھتا ہی نہیں ہانی کے علاوہ اور یہ ٹھیک نہیں ہے مگر۔۔۔"

"مہ پارہ۔"

اس بار رضوان نے ذرا زیادہ سختی سے ٹوکا۔

"گھر مہمانوں سے بھرا ہے کیوں معاملے کو اچھال رہی ہو۔"

"ہونہہ۔۔۔"

وہ سر جھٹک کے احتجاجاً وہاں سے چلی گئی۔۔۔ اور اب تک خاموش بیٹھی نائلہ نے اس کے جانے کے بعد اس کی تائید کی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے اور ہمیشہ صحیح ہی کہتی تھی۔۔۔ میں ہی تھی جو جان بوجھ کے ٹالتی تھی۔ ہاں ہوں کیا سعد کے دل کے حال سے انجان رہ سکتی تھی مگر انجان بنی رہی کہ بات دبی ہے تو دبی رہے۔"

رضوان نائلہ کے اس انکشاف یا اعتراف پہ دنگ رہ گئے۔

"نائلہ۔۔۔ تم جانتی تھی سعد کی چاہت؟"

"ہاں۔۔۔" انہوں نے تسلیم کیا۔

"مگر یہ چاہت نہیں۔۔۔ اس کا بچپنا تھا۔ ابھی اس کی عمر ہی کتنی ہے اور پھر ہانی۔۔۔ وہ اس سے بڑی ہے کافی، خیر جو ہوا سو ہوا۔ مگر ہانی کو بھی سعد کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا پہلے میرے معصوم بچے کو شہہ دی پھر شادی کے لیے کسی اور کو پسند کیا۔ اور تو اور اس پہ اتنا بڑا الزام تک لگا دیا۔۔۔ کیا میرا معصوم بچہ قاتل ہو سکتا ہے۔"

☆ ☆ ☆

"نہیں نہیں ایسی کوئی تشویش والی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر سالار کی اماں کو تسلی دے رہا تھا۔

"معمولی چوٹیں ہیں ایک دو دن میں ڈسچارج ہو جائیں گے۔"

"دراصل مجھے آج ہی امریکہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔۔۔ مگر دل نہیں مانتا۔۔۔ ملتوی تو کر دیا ہے ارادہ۔ بس یہ جاننا چاہتی تھی کہ ابھی اسے میری ضرورت ہے تو میں کب تک رکوں یہاں؟"

"آپ ماں ہیں۔۔۔ آپ کی ضرورت تو انہیں تاعمر رہے گی۔" ڈاکٹر مسکرایا تھا۔۔۔ مگر وہ جواب میں مسکرا تک نہ سکیں۔

"ایکسیڈنٹ تو بہت خطرناک تھا۔ یہ تو معجزہ ہے کہ ان کو کوئی بہت سیریس انجری نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن اس طرح ڈرنک ہو کر ڈرائیونگ کرنا ضرور خطرناک ہے۔ انہیں احتیاط کرنی چاہیے۔"

ڈاکٹر کی بات سن کے تو وہ شرمندہ ہوئیں ہی۔۔۔ مگر تبھی دروازے پہ اندر آتے آتے ٹھٹک کے رکتی نائلہ کو دیکھ کے تو مارے شرمندگی کے سر ہی جھکا لیا۔

"اس ایکسیڈنٹ میں تو انہیں کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا۔۔۔ مگر الکوحل انہیں کوئی دوسرا نقصان ضرور پہنچا سکتی ہے کب سے کر رہے ہیں یہ شراب نوشی؟"
نائلہ بجھے دل کے ساتھ پلٹ گئیں مگر پھو پھو ہیں رک کر ان کا انتظار کرنے لگیں دل میں عجیب سے وسوسے بھی جاگ رہے تھے اور عجیب سی کشمکش اور تذبذب بھی۔
کچھ دیر بعد اماں اسی شرمندگی کے تاثر کو چہرے پہ سجائے نکلیں تو نائلہ نے فوراً" ان کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔
"سالار ایکسیڈنٹ کے وقت نشے میں تھا؟" وہ خاموش رہیں تو دوسرا سوال۔
"صرف اس وقت؟ یا اکثر رہتا ہے؟"
"شادی کے بعد چھوڑ دے گا آہستہ آہستہ۔" اماں کا لہجہ پست تھا۔
"ام ہانی بہت اچھی بچی ہے۔ بڑی نیک بخت۔۔۔ اس کی سب بری عادتیں چھڑوا دے گی۔"
نائلہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔۔۔ اور پھر ایک سرد آہ بھر کے رہ گئیں۔۔۔ آنے والے وقت میں نظر آتا موہوم سا خدشہ انہیں اس تلخ سچائی کو پی جانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ انہوں نے سالار کی ذات کے حوالے سے سامنے آنے والی اس بدصورت اور کریہہ سچائی کو مصلحت کے پردے سے ڈھانپ دیا۔

☼ ☼ ☼

آج دوسرا دن تھا مجھے یہاں۔۔۔ جب سے آیا تھا۔۔۔ ہاسپٹل میں ہی تھا علی ابو امی سب بار بار مجھے جانے کا کہہ رہے تھے۔ مگر میں اتنا بدصورت داغ لے کر یہاں سے کیسے چلا جاتا۔۔۔ بنا اسے دھوئے۔
سالار کو خون کی فوری ضرورت تھی۔۔۔ وہ میں نے دیا۔۔۔ اگر میری جان کی ضرورت پڑتی۔۔۔ میں وہ بھی دے دیتا۔
اگرچہ سالار کی نظروں میں میرے لیے ایک سرد مہر بے زاری تھی۔۔۔ لیکن میں کسی بھی بات کی پروا کیے بغیر دن رات اس کی تیمارداری میں مصروف تھا۔ پروا تھی تو اس بات کی کہ ہنی کو یقین دلا سکوں کہ مجھے اس کی خوشیاں عزیز ہیں۔۔۔ اس کی خوشی کی خاطر میں اسے سالار کا ہوتے دیکھنے کا بھی حوصلہ کر سکتا ہوں۔
وہ سب دیکھ رہی تھی۔۔۔ میرا رات بھر جاگنا۔۔۔ دن بھر سالار کے روم کے باہر ایک ٹانگ پہ کھڑے رہنا۔
سب دیکھ رہی تھی۔۔۔ وہ چپ چاپ۔۔۔
اور میں بھی سب دیکھ رہا تھا چپ چاپ۔۔۔ اس کا سالار کے سرہانے بیٹھ کے آنسو بہاتے دعائیں مانگنا۔۔۔ سالار کے ہوش پہ اس کا بھاگ کر اس کے روم میں جانا۔۔۔ مگر اب کسک نہیں ہوتی تھی نہ جلن۔
صرف ایک خلش باقی تھی۔۔۔ کہ کاش اس رات میں نے یونہی وہ بے تکے دعوے نہ کیے ہوتے۔۔۔ وہ کھوکھلی دھمکیاں نہ دی ہوتیں تو ام ہانی کے دل میں پل بھر کے لیے یہ وہم نہ آتا کہ میں ایسا کچھ کر سکتا ہوں۔

☼ ☼ ☼

وہ سالار کے ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک مسلسل اس کے سامنے بیٹھے روئے جا رہی تھی۔۔۔ اور وہ مسلسل اسے دیکھے جا رہا تھا۔
"آپ کو کچھ ہو جاتا تو۔۔۔"
"تو تم اور زیادہ روتیں۔۔۔"
"نہیں۔۔۔ میں بھی زندہ نہ رہتی۔"
"زندہ نہ رہنے کی خواہش کرنا بہت آسان ہے مگر اس خواہش کو پورا کرنا مشکل۔۔۔" وہ طنز سے مسکرایا تھا۔
"زندہ رہنا پڑتا ہے ہانی۔۔۔ جانتی ہو میں نے تم سے کہا تھا کہ جب تک تم خود چل کے نہیں آؤ گی مجھے منانے۔۔۔ میں بھی اپنے کہے الفاظ سے پیچھے نہیں ہٹا۔۔۔ جو کہہ دیا وہ پتھر پہ لکیر لیکن اس بار میں نے خود سے کیا عہد توڑنا چاہا۔۔۔ میں آ رہا تھا ام ہانی۔۔۔ اپنی زبان سے پھر کے مگر قدرت کو منظور نہیں تھا۔ اس نے میرے عہد کا بھرم رکھ لیا۔" ام ہانی نے بے تابی سے

اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"میں اب آپ کو منا رہی ہوں ناں.... سوری بھی کہہ رہی ہوں میں نے جان بوجھ کے آپ کو نظر انداز نہیں کیا تھا نہ کبھی کر سکتی ہوں۔ آپ سے اہم میرے لیے کچھ بھی نہیں اور میں نے واقعی آنے کی بہت کوشش بھی کی تھی۔ مگر...."
وہ پھر سے رو پڑی اور سالار اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے مہندی دیکھنے لگا جو ابھی بھی مدھم نہیں پڑی تھی۔
"تم نے اپنے ہاتھ پہ مہندی سے میرا نام لکھا؟"
ہانی چونک کر اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ جہاں ہتھیلی کے ابھار پہ ایس لکھا تھا.... وہ رونا ہی بھول گئی.... گم صم سی۔
"کیا تم نہیں جانتی کہ مہندی کا رنگ کتنی جلدی پھیکا پڑ جاتا ہے۔ مٹ جائے گا میرا نام۔"
"مگر دل پہ لکھے نام کو کون مٹائے گا سالار۔"
اس نے سالار کی نظروں سے چھپانے کے لیے مٹھی ہی زور سے بھینچ لی.... جیسے ڈر ہو وہ جان ہی نہ جائے یہ حرف اس کے نہیں کسی اور کے نام کا حصہ ہے جسے اس نے خود لکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سعد آج بھی نہیں آیا؟"
نائلہ نے رضوان کو پھر سے اکیلے ہی واپس آتے دیکھا تو تشویش سے پوچھا۔
"نہیں، بہت کہا.... مگر نہیں مانا۔"
"کمال ہے۔ وہاں اتنے لوگ ہیں اس کا خیال رکھنے کو.... سعد کا کوئی ضروری نہیں ہے ہسپتال رکنا۔ آپ بس کسی طرح اسے واپس بلائیں۔ اس کا اور ام ہانی کا بار بار سامنا ہونا ٹھیک نہیں ہے بلکہ.... بلکہ اسے کل ہی دوبارہ ہاسٹل بھیجیں نہیں.... بیرون ملک بھیج دیں۔" نائلہ کے گھبرائے انداز پہ رضوان حیران ہوئے۔
"نائلہ تم تو دوسرے شہر اسے بھیجنے کے لیے اتنی مشکل سے مانی تھیں اب ملک سے باہر بھیجنا چاہتی ہو۔"
"اس کی اور ہانی دونوں کی بہتری کے لیے کر رہی ہوں.... ہانی کا گھر کبھی نہیں بس سکے گا اگر سعد یونہی.... اور ہاں.... سالار کی اماں اگلے ہفتے جا رہی ہیں امریکہ اس سے زیادہ نہیں رک سکتیں آپ دو تین دن کے اندر سالار کا نکاح پڑھوائیں ہانی سے اور رخصت کریں۔"
"نائلہ تم یکے بعد دیگرے اوٹ پٹانگ باتیں کرتی جا رہی ہو کل صبح سالار ہسپتال سے ڈسچارج ہو رہا ہے اور میں پرسوں اسے بیٹی رخصت کرانے کا کہوں۔"
"پرسوں نہ سہی دو دن بعد.... سادگی سے کروادیں مگر خدا کے لیے اب تاخیر نہ کریں۔ تبھی میری گھبراہٹ اور خوف ختم ہوں گے اور سعد کا پاگل پن بھی ٹھکانے لگے گا۔"
وہ رو پڑیں تو رضوان کچھ مزید نہ کہہ سکے۔

☼ ☼ ☼

اندر عجیب سی گھٹن ہو رہی تھی تو میں باہر نکل آیا۔ حالانکہ باہر رات کے اس وقت خنکی بڑھ جاتی ہے۔ میں بازو سینے سے بھینچے باقاعدہ ٹھٹھر رہا تھا جب علی آ گیا۔
"مجھے انکل نے بھیجا ہے یہاں رات رکنے کو.... تو واپس چلا جا سعد۔"
"نہیں.... تمہیں رکنا ہے تو رکو.... میں نہیں جاؤں گا.... جب تک خود سے یہ الزام نہیں دھو لیتا۔"
میں ستون سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ اور علی سنجیدہ سا ہو کے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگا۔
"مجھے تو اندازہ ہی نہیں ہوا سعد.... اور جب پتا چلا تو.... مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔"
"جانتے ہو علی.... میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ جب سے اسے دیکھا ہے، اس سے محبت کی ہے۔ مگر میں نالائق.... بدھو محبت سیکھنا بھول گیا۔

پہلے سیکھنی چاہیے تھی ناں یار... اب کم از کم اب تو مجھے سیکھنے دے۔ چچی نے سی ہانڈی اتار کے اس کے سامنے رکھ دی بھول گیا کہ بہت وقت لگتا ہے پتھر کو پارس بننے میں۔"

علی کی نظروں کے تعاقب میں مڑ کے دیکھا تو ہانی کمبل لیے میرے بالکل پیچھے کھڑی تھی۔ نجانے کب سے۔

"یہ لو... سردی ہے۔"

"مجھے نہیں لگتی۔" میں نے دوبارہ رخ پھیر لیا۔

"آئم سوری سعد... مجھے حقیقت جاننے سے پہلے تمہیں الزام نہیں دینا چاہیے تھا۔"

"کہیں نہ کہیں تو میں ہوں ذمے دار... اور قصور وار بھی میری بد دعا میں تمہاری دعاؤں سے اور میری نفرت تمہاری محبت سے ٹکرا رہی تھی... جس خدا سے تم نے سالار کو پانے کی منت مانی تھی۔ اس خدا سے میں نے بھی سالار کو تم سے دور کرنے کی منت مانی تھی۔ شاید اسی لیے۔" وہ خاموشی سے کمبل علی کو تھما کے چلی گئی۔ وہ رات بھی کٹ گئی۔

صبح سالار ڈسچارج ہو کے اپنے گھر چلا گیا اور میں دو راتوں کی تھکن چہرے پہ لیے حویلی لوٹ آیا۔

"سالار چلا گیا گھر؟"

جو گرز اتار رہا تھا جب امی نے اندر آتے ہی بلا مقصد سوال کیا... جبکہ جواب وہ یقیناً جانتی ہیں۔

"جی..."

"چلو اچھا ہوا اب تم کم از کم اس کے پیچھے گھر نہ چلے جانا ویسے تو ہسپتال بھی اتنا رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ خیر اب ذرا احتیاط کرو... گھر میں کافی مہمان ہیں ... مہ پارہ کی زبان کے آگے تو ویسے بھی خندق ہے اور اوپر سے خالہ بتول کہیں بات پھیل نہ جائے۔"

"کیوں رکے ہیں سب ابھی تک واپس کیوں نہیں جاتے۔" میں نے بے زاری سے جاگرز ایک جانب پھینکے۔

"چلے جائیں گے جس کام کے لیے آئے تھے اب وہ کام کر کے ہی جائیں گے۔ پرسوں نکاح کے بعد ہم ہانی کو سادگی سے رخصت کر رہے ہیں۔"

اپنے تئیں یہ انکشاف کرنے کے بعد انہوں نے بڑی ٹٹولتی اور کریدتی سی نگاہ مجھ پہ ڈالی تھی... مگر میں کمال ہوشیاری سے اپنے اندر کے طوفان کو چھپائے اب الماری سے کپڑے نکال رہا تھا۔

"اچھا۔" بڑے سکون سے میں نے فقط اتنا کہا۔

"اور اس سے اگلے دن کی تمہاری سیٹ کنفرم ہے۔"

ایک جانب سے مطمئن ہوتے ہی انہوں نے اگلا دھماکا کیا جو کہ یقیناً "زیادہ بڑا اور چونکانے والا نہیں تھا کہ ابو مجھے بتا چکے تھے۔ مگر پھر بھی میں زچ ہوا تھا۔

"آپ کیوں چاہتی ہیں ایسا؟ کیوں مجھے گھر سے اور خود سے دور کر رہی ہیں؟ سزا کے طور پہ۔"

"ماں ہوں سعد... اولاد کا ہر رنگ، ہر ڈھنگ پہنچانتی ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہارے اشارے کنائیے نہیں سمجھتی تھی سب سمجھتی تھی ... سعد۔ مگر ہنس کے ٹالتی بھی تمہاری بے قراریاں نظر آتی تھیں مجھے اور حماقتیں بھی... مگر چشم پوشی کرنا لازمی تھا۔"

یہ تھا اصل دھماکا... میں ہل کے رہ گیا۔

"ٹالتی رہی... نظر انداز کرتی رہی... جان کے انجان بنی رہی کہ تم کھل کے مجھ سے وہ نہ مانگ لو جو میں نہ دے سکتی تھی نہ دینا چاہتی تھی۔ اسی لیے تو ہانی کے رشتے کے لیے اتنی بے چین تھی میں کہ وہ حویلی سے تمہاری زندگی سے دور ہو جائے تاکہ تم اس کے اثر سے آزاد ہو جاؤ۔"

"امی..."

میں بے یقینی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

ایک ایک کر کے بہت سے مان اور بہت سے بھرم ٹوٹ گئے۔

"آپ... آپ جانتی تھیں۔ تو پھر... کیوں؟ مائیں تو اولاد کی ہر خواہش پوری کرتی ہیں۔"

"یہ خواہش نہیں، بچپنا تھا وہ پانچ چھ سال بڑی ہے تم سے۔ تم میرے اکلوتے بیٹے۔ بلکہ اس حویلی کے

اکلوتے وارث۔ تمہیں لڑکیوں کی کیا کمی۔ جب تک تم تعلیم مکمل کر کے اس قابل ہو گے۔ وہ تیئس سال کی پکی عمر کی عورت ہو گی۔ میں نے بھی کچھ خواب دیکھ رکھے ہیں تمہارے بارے میں۔ کیا میرے بیٹے کی دلہن بن کے ایک پختہ عمر کی یتیم لڑکی آئی۔"

میں کتنی دیر انہیں افسوس اور ملامت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ اب سارے گلے شکوے فضول تھے۔ بوجھل دل کے ساتھ میں کھنڈر کی جانب آنکلا۔

وہی دیواریں۔ وہی جا بجا لکھے اس کا اور میرا نام۔

کاش جتنا آسان دیوار اور پیڑ پہ ان دونوں کو ایک ساتھ لکھنا تھا۔ اتنا ہی آسان زندگی میں ان کو ایک ساتھ دیکھنا بھی ہوتا۔

"آئی لو یو۔ آئی لو یو۔" اپنے ہی کہے الفاظ کی بازگشت مجھے چاروں جانب گونجتی سنائی دی۔ میں نے گھوم کے دیکھا۔

کھائی میں کچھ گرتا نظر آرہا تھا۔

پھر دھڑام سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔

"تمہارے یہ تین الفاظ ان دیواروں سے ٹکرا کے اس کھائی میں جاگرے ہیں۔ ان کی یہی اوقات تھی۔"

میرے کانوں میں ہنی کی سرگوشی پھنکار بن کر ابھری۔ میں نے جیب سے وہ آخری پتھر نکالا۔ جو کبھی اس نے اپنے ہونٹوں سے چھو کے پھینکا تھا۔ اس پتھر کو۔ اس لمس کو اس کھائی میں ان تین لفظوں کے برابر گرا کے میں نے خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کیا میں اب دل و دماغ دونوں طرح سے بھرپور تیار تھا پورے حوصلے، کمال ضبط اور وقار کے ساتھ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہارنے کو۔

✡ ✡ ✡

آج پورے چالیس گھنٹے بعد میں اس کا سامنا کرنے جارہا تھا۔ یہ چالیس گھنٹے ہم نے ایک ہی چھت کے نیچے گزارے تھے مگر میں دانستہ اس سے کترا رہا تھا۔ لیکن کب تک۔ وہ اس حویلی میں چند گھنٹوں کی مہمان تھی۔

دروازہ کھولنے پہ ہنی نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ وہ پھر سے دلہن کے روپ میں تھی۔ میں تاب نہ لا سکا اور نظر جھکا کے کہا۔

"میں... میں سوری کہنے آیا ہوں ہنی۔"

"سوری تو مجھے کہنا چاہیے تھا سعد۔" اس دن بنا سوچے سمجھے سب کے سامنے میں نے... ورنہ سالار کو تو زندگی اور صحت شاید ملی ہی تمہاری دعاؤں اور خدمت سے ہے۔ جو تم نے اتنی محبت سے کی۔

"تم ٹھیک کہتی تھی ہنی۔ یہ شاید محبت نہیں تھی۔ محبت تو اتنی جلدی ہار نہیں مانتی۔ اور میں نے۔ میں نے ہار مان لی ہے۔ شاید نہیں۔ یقیناً۔ یقیناً" یہ محبت نہیں تھی۔ مگر محبت جیسی کوئی چیز ضرور تھی۔ اور اس چیز نے میرا بڑا نقصان کیا۔ میری سب سے اچھی دوست مجھ سے چھین لی۔"

"ایسا نہیں ہے سعد۔"

"ایسا ہی ہے اور میں اس کے لیے تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ قصوروار میں ہوں۔ غلطی میری تھی۔ سزا بھی مجھے ملنی چاہیے۔ اور مل بھی رہی ہے۔ میں جارہا ہوں ہنی۔"

"جا تو میں رہی ہوں بدھو۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔

اور کتنے دنوں بعد اس نے مجھے "بدھو" کہہ کر پکارا تھا۔ میں آگے بڑھا اور پیروں کے بل اس کے سامنے بیٹھ کے اس کی گود میں رکھے مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ کتنی بار میں نے ان ہاتھوں کو تھاما تھا۔ سہلایا تھا۔ اور آج چھوتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ وہ شاید میری جھجک کو بھانپ گئی۔ دھیرے سے اس نے خود اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

ایک ممنونیت بھری نگاہ اس پر ڈال کے میں مسکرایا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔ امید تو نہیں تھی۔ مگر لگ رہی ہو۔" اس نے پھر مسکرانا چاہا۔ مگر آنکھیں ساتھ نہ دے پائیں۔ چند آنسو چھلک کے گال پہ بہہ نکلے جن کو انگلی کی پور پہ میں نے چن لیا۔

"نہیں ہنی۔ آج کے بعد رونا مت۔ جب جب تم روؤ گی۔ مجھے لگے گا تم نے میری غلطی کو معاف نہیں کیا۔ تمہارے آنسو مجھے بددعا کی طرح لگیں گے۔ کبھی مت رونا ہنی۔ کبھی بھی نہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے انکار میں سر ہلانے لگی اور سارے آنسو جو پلکوں کی منڈیر پر جھانک رہے تھے اپنے اندر اتار لیے۔

"نہیں روؤں گی۔ وعدہ۔"

"دیکھو ہنی۔ میں بھی نہیں رو رہا۔ دل چاہ رہا ہے پھر بھی نہیں۔ تم نے کہا تھا ناں کہ میری آنکھوں میں ہر وقت آنسو ہوتے ہیں۔ دیکھو۔ اب نہیں ہیں۔ میں نہیں رو رہا۔ نہ کبھی روؤں گا۔ میں بھی وعدہ کرتا ہوں۔"

"بدھو۔ مجھے یاد بھی نہ کرنا۔ سمجھے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں ہنسنے کی کوشش کرتا آہستگی اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہاری شادی کے لیے کوئی تحفہ نہیں لے سکا اور تو کچھ ہے نہیں تمہیں دینے کے لیے۔۔۔ دعا دے دوں؟"

اس نے ہاں میں سر ہلایا۔ گردن اٹھائے وہ مسلسل مجھے دیکھتی جا رہی تھی۔ میں ذرا سا جھکا اور بہت عقیدت کے ساتھ اس کی پیشانی پہ ایک بوسہ دیا۔

"ہمیشہ خوش رہو۔"

ام ہانی کی آنکھیں بند تھیں اور جب تک کھلیں میں کمرے سے جا چکا تھا اور کھلے دروازے سے سلمٰی کی کڑک دار آواز ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ اندر آ رہی تھی۔

تیرے محلوں دے رنگلے بوہے۔۔۔

تے موچوں میری ڈولی لنگنی۔

میں بھاگتا ہوا سیڑھیاں اترا اور ایسے ہی بھاگتے ہوئے لان تک گیا۔ جہاں بارات کی آمد آمد تھی۔ میرے قدموں میں بجلی بھری تھی جیسے ڈر تھا رکا تو پتھر کا ہو جاؤں گا۔ سب حیرانی سے مجھے بارات کے ساتھ بلکہ آگے آگے ڈھول کی تھاپ پہ بھنگڑا ڈالتا دیکھ رہے تھے کئی ایک نے تو دبے لفظوں میں کہا بھی۔

"ارے۔۔۔ سعد۔۔۔ تم لڑکی والے ہو بارات کے ساتھ کیوں ناچ رہے ہو۔"

مگر مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ میں بس خود کو بے حد خوش، بہت سرشار دکھانا چاہتا تھا یا شاید۔۔۔ شاید میں اپنے اندر کی تڑپ کو اس بہانے نکالنا چاہ رہا تھا۔ ہنستے مسکراتے میں نے سالار کا سواگت بھی کیا۔ نکاح کے بعد چھوہارے بانٹنے اور مٹھائی سے سب کا منہ میٹھا کروانے میں بھی میں ہی پیش پیش تھا۔ ہر ایک کے ساتھ چپک چپک کے اور سارے دانت ہونٹوں کے شوکیس پہ سجا کے تصویریں بھی بنوائیں۔

اور پھر رخصتی کے وقت قرآن پاک ہاتھ میں لیے بھی میں ہی سب کے درمیان راستہ بناتا آگے آیا اور ابو کے گلے لگی ام ہانی کے سر پہ اس کا سایہ کر کے دہلیز پار کرائی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے ذرا سا مڑ کے مجھے دیکھا میرے چہرے پہ صبح سے وہی بھرپور مسکراہٹ سجی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی کار کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی یہ مسکراہٹ نہ گئی۔ سب ایک ایک کر کے چلے گئے۔

کچھ حویلی کے اندر کچھ واپس اپنے گھروں کو، مگر میں وہیں گیٹ کے پاس کھڑا مسکراتا ہوا اس موڑ کو دیکھ رہا تھا۔ جو اسے کسی اور راستے کا مسافر بنا کے لے گیا تھا پھر کسی کے سسک کے رونے کی آواز پہ پلٹ کے دیکھا لان میں جھولے پہ بیٹھی وہ بیلی تھی۔

"تم کیوں رو رہی ہو؟" میں اس کے پاس چلا آیا۔ وہ دوپٹے سے ناک صاف کرتی۔ سوری۔

"رخصتی پہ تو سب کو رونا آتا ہے آپ کو نہیں آ رہا؟"

"آ رہا ہے، مگر میرے رونے پہ پابندی ہے تاحیات۔"

"ہاں آپ کیوں روئیں گے آپ تو ایسے ناچ رہے تھے بارات کے ساتھ جیسے لڑکے کے شہ بالا ہوں۔" وہ ناک چڑھاتی اٹھ کے جانے لگی۔

"سنو بلی۔"
"اب کیا ہے؟"
"تمہیں پتا ہے کہ اس دن میں نے علی کو کیوں مارا؟"
"ہاں میری وجہ سے۔۔۔ تھینک یو۔"
"نہیں وہ نہیں میں۔۔۔ تمہیں چھیڑنے والا تھا چٹکی کاٹنے جا رہا تھا تمہیں اس نے تو روکنے کی کوشش کی اور میں نے اسے پیٹ ڈالا۔"
"کیا؟"
"ہاں۔۔۔ سچ۔۔۔ اچھا سنو یہاں اس وقت کوئی نہیں ہے اب چھیڑ لوں تمہیں؟"
"لفنگے۔۔۔ بدمعاش۔۔۔ میں عزت دے رہی ہوں اندر سے کیا نکلے لوفر۔۔۔ ابھی بتاتی ہوں پھوپھو نائلہ کو۔"
وہ غصے سے دھمکاتی۔۔۔ نفرت سے گھورتی پیر پٹخ کے اندر جانے لگی اور میرے بے ساختہ قہقہے ابلنے لگے۔
اندر کچھ تھا۔
کچھ عجیب سا۔
جو یارات کے ساتھ پاگلوں کی طرح ناچ کے بھی نہ نکل رہا تھا اور نہ ایسی الٹی سیدھی حرکتیں کرنے کے بعد بھی کم ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیا تھا کوئی آنسوؤں کا ریلا نہ ہو جو بند توڑ کے نکلنا چاہتا ہو۔
میں قہقہوں کا ایک اور بند باندھنے لگا۔ اور بلاوجہ ہنستے ہنستے اندر کی طرف بڑھا تو برآمدے کے ستون سے لپٹی سکی کو بھی ہچکوں پہ ہچکوں روتے پایا۔
"ہوں۔۔۔ تم بھی۔۔۔ تمہیں بھی ہانی کے جانے پہ رونا آرہا ہے کیا؟" تب ہی بانسری کی وہی درد بھری صدا ابھری۔
"مجھے تو اپنے نصیبوں پہ رونا آرہا ہے جی۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی اور میں جو ہمیشہ بانسری کی اس آواز پہ کھو سا جاتا تھا۔ مسحور ہو جاتا تھا۔ اس بار جھنجلا اٹھا۔
"ارے ہے کون یہ بے سرا۔۔۔ وقت بے وقت شروع ہو جاتا ہے۔"
"خدا بخش ہے جی۔۔۔ کمہاروں کا لڑکا۔ وہ جس کے ساتھ میں۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکی۔
"بھاگی تھی؟" میں نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔
"ہاں جی۔۔۔ روز بانسری بجا کے مجھے بلاتا ہے اب میں اسے کیسے بتاؤں کتنی مجبور ہوں کل مجھے بھی نکاح کر کے خدا بخش سے الگ کرنے والے ہیں یہ لوگ۔" میری ہنسی چھوٹ گئی۔ مجھے بے تحاشہ قہقہے لگاتا دیکھ کے وہ رونا بھول کے اب حیرت سے میرا منہ تک رہی تھی۔
"یہ تمہیں بلاتا تھا؟ تمہارے لیے بجاتا تھا بانسری؟ دھت تیرے کی اور میں سمجھتا تھا اوپر والے نے میرے لیے کسی اسپیشل بیک گراؤنڈ میوزک کا انتظام کیا ہوا ہے رومانٹک فلموں کی طرح۔" پھر اچانک میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کے برآمدے کی چار سیڑھیاں اتارنے لگا وہ گھبرا اٹھی۔
"سعد صاحب۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔"
"بھگا رہا ہوں تمہیں جلدی کرو۔۔۔ بھاگ جاؤ اس پاگل کے بچے کے ساتھ ورنہ یہ ایسے ہی بانسری بجا بجا کے دماغ پکاتا رہے گا۔"
"مگر۔۔۔" وہ بے چاری ہکابکا تھی۔
"کہاں نا۔ نکل جاؤ میں سب سنبھال لوں گا۔ آج ویسے بھی کسی کو ہوش نہیں ہے۔" میں نے کوٹ کی جیب سے والٹ نکال کے پورا کا پورا اسے تھما دیا۔
"لو۔ جلدی۔۔۔ ایک دو تین چار۔۔۔" اور پانچ کہنے سے پہلے پہلے وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی سالار کے ہمراہ اس گھر میں داخل ہوئی جہاں اب اسے زندگی کا نیا سفر شروع کرنا تھا۔ بڑے سے گھر کے ماحول میں اسے وہی رعب و دبدبہ محسوس ہو رہا تھا جو سالار کی شخصیت کا خاصہ تھا اور پھر دیواروں پہ جابجا لگی سالار اعظم کی قد آدم تصاویر۔
سالار ام ہانی کے پہلو میں بہت سنجیدہ اور سرد مہر تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا جس والہانہ گرم جوشی اور

خوشی و سرشاری کی توقع اسے سالار سے تھی اس کا مظاہرہ اماں کی جانب سے ہو رہا تھا وہ صدقے کی نیت سے اس پہ نوٹ وار رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ نظر نہ لگے آج سے یہ گھر تمہارا ہے اور میرا بیٹا بھی۔"

ام ہانی مسکرائی، مگر سالار کی رکھائی سے کہی بات نے اس کی مسکراہٹ مدہم کر ڈالی۔

"آپ اسے مس گائیڈ مت کریں۔۔۔ میں اس کا نہیں۔ یہ آج سے میری ہے۔"

ہانی نے پلٹ کے بہت حیرت سے اسے دیکھا تھا، مگر وہ اپنی کہنے کے بعد لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے کی جانب جا رہا تھا۔ اماں نے اس کی خشک بات کا ازالہ کرتے ہوئے ہانی کا ماتھا چوما۔

"اس کے مذاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے تک لے چلوں۔" کمرے میں آنے کے بعد بھی وہ دیر تک سالار کی عجیب و غریب باتوں کو اماں کے کہے کے عین مطابق مذاق سمجھ کے ہی خود کو بہلاتی رہی۔

"تم اتنی خوش ہو؟"

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟ آج سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ جس میں آپ میرے ساتھ ہوں گے۔" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی، مگر دل میں گلہ بھی جاگا کہ چہرے پہ جھلملاتی خوشی کا سبب تو اس نے دیکھ لیا، مگر جس نکھار کے قصیدے سب نے پڑھے اس پہ سالار کی جانب سے ایک تعریفی جملہ تک نہ آیا۔

"مگر میں نے سنا ہے اپنوں کو چھوڑنے کا دکھ لڑکیوں کو کافی عرصے تک رلاتا ہے۔ تمہیں ان سے الگ ہونے کا کوئی غم ہے ایسا بظاہر لگ تو نہیں رہا۔"

"میں ان سے الگ کب ہوئی ہوں اور نہ ہی چھوڑا ہے یہ تو ہر لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ویسے بھی آپ کے ساتھ نے جو خوشی دی ہے وہ ہر دکھ پر حاوی ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔" سالار کے لہجے میں اس کے چہرے پہ اس کی نظروں میں ایک شدت سے محسوس کی جانے والی مایوسی تھی۔ اذان کی آواز پہ ام ہانی چونکی۔

"اوہ۔۔۔ صبح ہو گئی۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔ میں نماز پڑھ لوں؟" سالار نے خاموشی سے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے سگار سلگایا۔ اور وہ کچھ جھجک کر پوچھنے لگی۔

"آپ نماز نہیں پڑھتے؟" اس بار سالار کا سر انکار میں ہلا۔

"کبھی بھی نہیں پڑھی؟" وہ تاسف سے کہنے لگی۔

"ایک بار پڑھی تھی۔۔۔ اپنے باپ کے مرنے پہ۔"

"اوہ۔۔۔ نماز جنازہ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ شکرانے کے نفل۔" سالار نے سگار کا دھواں اگلتے ہوئے سفاکی سے کہا تو وہ جو اپنا بھاری لہنگا سنبھال کے وضو کے لیے اٹھ رہی تھی وہیں جم کے رہ گئی۔

✡ ✡ ✡

صبح ہوتے ہوتے سلمیٰ کے فرار کی خبر حویلی میں عام ہو گئی اور میں نے بہت سہولت سے سب کو مطلع کر دیا کہ یہ عظیم کارنامہ چونکہ میں نے کیا ہے اور میرے کارنامے کسی بھی قسم کی کمی بیشی سے پاک، مکمل محفوظ ہوتے ہیں اس لیے اسے تلاش کرنے کی کوشش بے سود رہے کی احتیاط کی جائے۔ اور اب بڑے دادا کے کمرے میں میری کلاس لگی تھی۔

"بے غیرتا۔۔۔ کتنے آرام سے کہہ رہا ہے کہ ہاں۔۔۔ میں نے بھگایا ہے اسے۔۔۔ ڈھیٹ کا بچہ۔"

"میں کب ڈھیٹ رہا ہوں دادا جی؟" ابو بلبلا اٹھے۔

"آپ اسے ڈائریکٹ برا بھلا کہیں، مجھے کیوں درمیان میں لے آتے ہیں ہر بار۔ اس کے کرتوتوں پہ میں کیوں کچھ سنوں؟" انہوں نے خشمگیں نظروں سے مجھے گھورا بھی ہو گا۔۔۔ یقیناً" مگر میں چپ چاپ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

"سعد۔۔۔ یہ کیا کیا تم نے؟" اب امی کی باری تھی لعن طعن کی۔

"بے شک وہ ملازمہ تھی، مگر ہماری ذمے داری بھی تو تھی۔ اب ہم اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گے

جو آج گاؤں سے اس کی شادی کا سن کر آ رہے ہیں۔"
"اور میں اپنے ملازم کے سامنے کتنا شرمندہ ہوں گا جس سے آج اس کا نکاح پڑھانا تھا۔ کیا بے تکا پن ہے یہ۔۔۔"
ابو کا تو بس نہ چل رہا تھا چپل اتار کے میری تواضع ہی شروع کر دیتے۔ شاید کل میری بیرون ملک روانگی کا خیال انہیں لحاظ کرنے پہ مجبور کر رہا تھا کہ اب جاتے جاتے کیا خاطر کروں؟
"ہن بول۔۔۔ منہ سی کے کھلو تا اے۔" بڑے دادا نے بیڈ کے ساتھ رکھی چھڑی اٹھا کے تان لی۔
"بڑے دادا۔۔۔ بچپن سے دیکھتا آ رہا ہوں جب بھی ہم میں سے کوئی لمبے سفر کے لیے نکلتا ہے۔ گھر والے صدقے کی نیت سے پرندے آزاد کرتے ہیں۔ سفر پہ نکلنے والے کی سلامتی کے لیے۔ ہانی بھی ایک نئے سفر پہ نکلی ہے اور میں نے سلمیٰ کو آزاد کر کے ام ہانی کی آنے والی خوشیوں کا صدقہ دیا ہے۔"
میری اس بات پہ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔۔۔ سب ایک دوسرے کی جانب دیکھ کے رہ گئے بس۔۔۔ اور میں اپنی ادھوری پیکنگ مکمل کرنے چلا آیا۔
علی الاصبح میری فلائٹ تھی۔ جانے سے پہلے میں نے فجر کی نماز وہیں برآمدے میں اس جگہ ادا کی جہاں وہ سالوں سے کرتی آئی تھی اس کے بعد چھت پہ جا کے ایک ایک کر کے سب پرندے بھی آزاد کر دیے۔
جاتے ہوئے امی کے گلے لگا تو ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کے پہلی بار میرے دل کو کچھ نہ ہوا کچھ بھی نہیں۔۔۔ یہ آنسو اب کیوں؟ خود ہی تو فیصلہ کیا تھا مجھے بھیجنے کا۔ میں نے ان کے آنسو تک نہ پونچھے اور نکل آیا۔
اس حویلی سے۔۔۔ جس کے در و دیوار میں میری محبت نے پہلی بار آنکھ کھولی تھی۔ پہلا سانس لیا تھا۔
مگر نہیں۔۔۔ وہ تو محبت تھی ہی نہیں شاید۔۔۔ شاید۔۔۔

☼ ☼ ☼

ام ہانی کے دل میں ایک خلش سی تھی۔ وہ جا رہا تھا۔
بہت دور۔۔۔ اور ایک نامعلوم مدت کے لیے۔ پتا نہیں دوبارہ کب ملنا ہو مگر وہ چاہتے ہوئے بھی سعد کی روانگی کے وقت حویلی نہ جا سکی تھی کہ عین اسی وقت اماں کی بھی امریکا کے لیے فلائٹ تھی۔
"زمانے کے بعد میرے گھر میں اجالا ہوا ہے اور مجھے جانا پڑ رہا ہے۔" وہ اسے گلے لگا کے بہت سا پیار اور ڈھیروں دعائیں دے رہی تھیں۔
"آپ جلدی واپس آئیے گا اماں۔"
"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ضرور۔۔۔ اور تم اپنا اور سالار کا خیال رکھنا۔"
"جی۔"
"بلکہ۔۔۔ اپنا زیادہ۔۔۔" ان کے لہجے میں ایسی دبی دبی تنبیہہ تھی کہ وہ الجھ سی گئی۔
"سالار تمہیں چاہتا ہے۔۔۔ اس لیے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا ہے ورنہ۔۔۔ مگر تمہیں اسے اور اس کی چاہت کو سمجھنے میں بہت وقت لگے گا۔۔۔ بہت وقت۔"
ان کے چہرے پہ خوف دیکھ کے وہ بھی خوف زدہ ہو گئی مگر اس سے پہلے کہ ان سے کچھ سوال کرتی اپنی الجھن دور کرنے کے لیے۔ گھڑی پہ وقت دیکھتا سالار عجلت میں وہاں آیا۔
"آپ کی فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے چلیں باہر ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔"
"سالار ہم بھی چلتے ہیں اماں کو ایئرپورٹ تک چھوڑنے۔" اس نے بڑے چاؤ سے کہا مگر سالار خشک لہجے میں فقط اتنا کہہ کر رہ گیا اور وہ چپ ہو گئی۔
"کیوں۔۔۔؟"

☼ ☼ ☼

"اب کیوں رو رہی ہو؟" رضوان نے نائلہ کو آنسو بہاتے دیکھ کے کہا۔
"یاد تو آئے گا نا۔"
"یاد کرنے کا فائدہ۔ بھیجنے سے پہلے سوچنا تھا۔"

"وہ گھر سے دور گیا ہے۔۔۔ اس کا دکھ نہیں۔۔۔ مجھ سے ناراض گیا ہے اس کا دکھ ہے۔"

"دو ڈھائی سال کی بات ہے۔ آجائے گا اور ناراضی تو شاید دو تین دن میں ہی ختم ہو جائے گی۔" انہوں نے تسلی دی اور پھر دانستہ موضوع تبدیل کیا۔

"میں تم سے یہ پوچھنے والا تھا کہ ام ہانی اور اس کے شوہر کو انوائٹ کیا جائے کھانے پہ؟"

"ہاں۔۔۔ ضرور۔۔۔ میں فون کرتی ہوں اسے۔"

"نہیں زیادہ مناسب یہ رہے گا اگر میں خود جا کے دعوت دوں۔ تم چلو گی ساتھ؟"

"میرا جی ابھی بھاری سا ہو رہا ہے سعد کے جانے سے۔ آپ ہی ہو آئیں۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ کل شام کا کہہ دوں؟"

☆ ☆ ☆

"سالار۔۔۔ وہ دیکھیں۔۔۔ تایا جان اچانک ہی۔۔۔" وہ بہت خوشی خوشی رضوان کی اچانک آمد کی۔ خبر دینے کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر جب سالار کو اس کے شغل میں مصروف دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ سالار کے سامنے رکھی بوتل اور اس کے ہاتھ کے گلاس کو دیکھ رہی تھی۔

"دستک دے کر آیا کرو۔" وہ شاید کافی دیر سے مے نوشی کر رہا تھا آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔

"جی۔" مرے مرے لہجے میں وہ فقط اتنا کہہ سکی۔ دانستہ نظریں اس زہر سے ہٹائیں۔۔۔ دل کٹ سا رہا تھا سالار کی ذات کا یہ رخ سامنے آنے پہ۔

"اب بتاؤ۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"تایا جان آئے ہیں۔" جتنے اشتیاق اور مسرت کے عالم میں وہ یہ بتانے آئی تھی اب وہ ناپید تھا بجھے لہجے میں کہہ کر جانے کے لیے پلٹی۔

"میں انہیں کہہ دیتی ہوں کہ آپ سو رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"میں نہیں چاہتی آپ کو اس حالت میں دیکھ کے انہیں دکھ ہو۔" وہ یہ کہنے کے لیے رکی تو سالار اٹھ کے گلاس سمیت اس کی جانب آنے لگا۔

"تمہیں نہیں ہوا؟" وہ جواب میں خاموشی سے سر جھکا کے رہ گئی۔

"یا پھر انہیں دکھ ہو گا۔ اس بات کا زیادہ ملال ہے تمہیں؟"

"ظاہر ہے ملال تو ہو گا۔۔۔ میں نہیں چاہتی انہیں ٹھیس پہنچے۔" سالار کے ہونٹوں پہ ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

"گھر آئے مہمان سے نہ ملنا بد تہذیبی ہے۔" وہ گلاس ایک جانب رکھتا ڈولتے قدموں سے باہر نکلنے لگا۔

"مگر سالار۔۔۔ پلیز۔۔۔ یوں نہ جائیے ان کے سامنے۔۔۔ سالار۔۔۔" اس نے روکنے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ رضوان نے اسے آتے دیکھا تو چائے کا کپ رکھ کے بڑے تپاک سے اٹھے۔

"آؤ سالار کیسے ہو بیٹا۔۔۔ میں ہانی سے تمہارا ہی۔۔۔"

اور پھر سالار کے بے ترتیب قدم ڈگمگاتا ڈولتا وجود اور سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کے ٹھٹک کے خاموش سے ہو گئے بڑی تعجب بھری نظروں سے غور کرنے لگے۔

"کیسے ہیں آپ؟" اور جب وہ بولا تو اس کی زبان میں بھی لکنت واضح تھی۔ اب شک کی گنجائش ہی نہ تھی۔ رضوان نے شدید حیران سوالیہ نظروں سے سالار کے عقب میں آتی ہانی کے شرمندہ چہرے کو دیکھا جو سر اٹھانے کے قابل نہ سمجھ رہی تھی خود کو۔

"تشریف رکھیے۔" انہیں بیٹھنے کا کہتے ہوئے سالار خود تقریباً صوفے پر گر سا گیا۔ رضوان ایک تاسف بھری نظر ڈال کے خود بھی بیٹھ گئے اور ایک سرد آہ بھری۔ جو سیدھی ام ہانی کے کلیجے میں جا لگی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کس طرح یا تو سالار کو یہاں سے لے جائے یا رضوان کو واپس بھیج دے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا وہ بات جو ان کے سامنے ظاہر نہیں ہونی چاہیے تھی۔ عیاں تو ہو چکی تھی۔

"آپ دونوں کو کل شام کے کھانے پہ بلانے آیا تھا۔" اب بات تو کرنی ہی تھی جس مقصد کے لیے وہ آئے تھے سو کہہ دی۔ یہ الگ بات کہ اب نہ انداز میں وہ تپاک تھا' نہ لہجے میں وہ گرمجوشی۔

"کل ہم ضرور آتے 'مگر کل صبح ہی ہمیں روانہ ہونا ہے۔ میں آپ کو بتانا بھول گیا غالباً" کہ میری پوسٹنگ سندھ میں ہو گئی ہے۔" اس پہ ام ہانی نے چونک کے حیرت سے اسے دیکھا تھا اس کے لیے بھی یہ انکشاف تھا۔

رضوان کے جانے کے بعد سالار نے دوسرا دور شروع کردیا۔ وہ جام پہ جام انڈیل رہا تھا اور ام ہانی اپنے سوالوں کے جواب کے لیے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ ہم دوسری جگہ جارہے ہیں۔"

"بتایا تو ہے ابھی۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"مگر اتنی اچانک کیسے ہو گئی ٹرانسفر؟"

"ہوئی نہیں... میں نے خود کروائی ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارے تایا اور دوسرے رشتے داروں کو مجھے ہر بار اس حال میں دیکھ کے دکھ ہو اور انہیں دکھی دیکھ کے تمہیں دکھ ہو گا تو بہتر ہے ہم ان سے دور رہیں۔"

"مگر آپ کو اس حال میں دیکھ کے بھی تو مجھے دکھ ہو گا۔" وہ آنسو پی گئی۔

"اس کی اجازت ہے تمہیں..." سالار نے کمال فراخ دل کا مظاہرہ کیا۔

"میرے لیے دکھی ہونا تمہارا حق بنتا ہے اور فرض بھی... مگر تم کسی اور کے لیے دکھی ہو یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"مگر سالار..." اس نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ دھاڑا تھا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم؟ میں بھی تم سے دور ہو جاؤں؟ نہیں ام ہانی... نہ میں خود کو بدل سکتا ہوں نہ تمہیں خود سے دور کر سکتا ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہو گا تا عمر۔ اسی طرح... دکھی... یا سکھی... یہ تمہاری چوائس ہے میرا مسئلہ نہیں ہے۔" ام ہانی دکھ سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر الماری کی جانب پلٹی۔

"آپ پہلے بتا دیتے تو میں رات سے ہی پیکنگ شروع کر دیتی۔ اب پتا نہیں اتنے کم وقت میں یہ سب کیسے ہو گا۔" اس کے اتنی جلدی خود کو معمول پہ لے آنے پر سالار جھنجلا سا اٹھا۔ مایوسی اس کے چہرے سے جھلکنے لگی۔

"اندرون سندھ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ہوئی ہے میری پوسٹنگ... میں آئے روز تمہیں میکے والوں سے ملوانے نہیں لا سکوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ بغور اس کا رد عمل جانچنے لگا' مگر وہ سکون سے الماری سے کپڑے نکال رہی تھی۔

"ظاہر ہے... مشکل ہو گا۔"

"اور وہاں وہ سہولیات بھی نہیں ہوں گی جو یہاں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

اس کے اطمینان نے سالار کو اس حد تک جھنجلا دیا کہ وہ ہاتھ میں پکڑا گلاس زور سے اس کی جانب اچھالنے پہ مجبور ہو گیا۔ کانچ کا گلاس ام ہانی کے پیر سے ٹکرا کے فرش پہ گرا اور چکنا چور ہو گیا۔ تو وہ کانپ کے رہ گئی۔ اور دہشت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ جواب مسکرا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"وہ نشے میں دھت تھا نا کہ۔" رضوان کی نظروں میں دکھ کے ساتھ ساتھ خفگی اور گلہ تھا۔

"وہ بھی اپنے گھر کی چار دیواری میں... دن کے وقت اور ام ہانی کے چہرے پہ اتنا دکھ' افسوس اور شرمندگی تھی کہ میں اس سے نظر تک نہ ملا سکا۔"

"بات تو افسوس کی ہے 'مگر شرمندگی سالار کو ہونی چاہیے آپ کو نہیں اور آپ کیوں نظر نہیں ملا پا رہے تھے ام ہانی سے؟ اس میں آپ کا کیا قصور؟ سالار ام ہانی

کی ہی پسند تھا۔"

"یہ واحد دھچکا نہیں تھا نائلہ۔۔۔ دوسرا دھچکا مجھے تب ملا جب سالار کے گھر سے نکلتے ہی میں نے اس کی والدہ کو فون کیا۔ یہ گلہ کرنے کے لیے کہ انہوں نے سالار کے کردار کا یہ رخ ہم سے کیوں پوشیدہ رکھا۔ تو جانتی ہو انہوں نے کیا انکشاف کیا۔۔۔ یہ۔۔۔ کہ تم اس بارے میں پہلے سے جانتی تھیں۔"

اب نائلہ کو ان کی خفگی کی وجہ سمجھ آئی وہ گھبرا کے ٹالنے لگیں۔

"نہیں۔۔۔ میں تو۔۔۔ دراصل رضوان وہ تو بات ہی۔۔۔"

"بس نائلہ۔۔۔ کچھ نہ کہنا۔۔۔ اتنا دکھ مجھے سالار کو نشے میں دیکھ کے نہیں ہوا جتنا یہ جان کے ہوا۔ سب جانتی تھیں تم تو مجھے پہلے کیوں نہ بتایا یا ہانی کو ہی بتا دیتیں۔"

"بتا دیتی تو کیا کر لیتے آپ؟"

"میں کبھی اپنی بچی کی شادی اس سے نہ کرتا' بلکہ مجھے یقین ہے کہ سالار کی اس عادت بلکہ عیب کے بارے میں جاننے کے بعد ام ہانی ہی اپنی پسند سے دستبردار ہو جاتی۔"

"اسی لیے نہیں بتایا میں نے۔" وہ پھٹ پڑیں۔

"یہ رشتہ طے ہوتے وقت یہ حقیقت سامنے آتی تو اور بات تھی۔ شادی کے عین وقت آپ فیصلہ بدل کے کیا مہ پارہ کی طرح اسے بھی ساری عمر کے لیے میرے سر پہ بٹھا دیتے؟" رضوان کو اور بھی دکھ ہوا۔

"کتنی خود غرض ہو تم نائلہ۔۔۔ میں سوچتا تھا تم نے میری بھائی کی یتیم بچی کی ذمے داری نبھا کے مجھ پہ بڑا احسان کیا ہے۔ تم نے میرا یہ گمان توڑ دیا۔"

"ہاں۔۔۔ ہوں میں خود غرض۔۔۔ ممتا خود غرض ہی ہوتی ہے۔ اسے سالار کے ساتھ رخصت نہ کرتی تو سعد۔۔۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ سعد کا باپ بن کے سوچیں اس کی بہتری کے لیے۔"

"کاش تم نے بھی ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار ام ہانی کی ماں بن کے سوچا ہوتا۔ اس کی بہتری کے لیے۔"

☆ ☆ ☆

سالار کی جیپ قصبے سے نکل کے مین روڈ کی جانب گامزن تھی اور جب سالار نے دائیں جانب کا موڑ کاٹا تو ام ہانی نے حیرت سے ٹوکا۔

"وہ ہمیں تایا جان سے ملتے ہوئے جانا تھا۔ بتایا تو تھا آپ کو۔"

"دیر ہو رہی ہے۔"

"آپ پہلے بتا دیتے میں تو انہیں اطلاع کر دیتی کہ ہم نہیں آ رہے۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ ٹھیک ہے۔۔۔ میں انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں کہ ہمیں دیر۔۔۔"

اس نے ابھی فون پہ نمبر ملایا بھی نہیں تھا کہ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے سالار نے دوسرے ہاتھ سے بڑی سرعت کے ساتھ اس سے موبائل فون جھپٹ لیا اور کھلے شیشے سے باہر پھینک دیا۔

"سالار۔۔۔؟"

مارے حیرت کے وہ اس سے زیادہ کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی اور سالار کا دھیان اب اس پر نہیں۔ سامنے خالی سڑک پر تھا۔۔۔ وہ گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔

ہانی نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

دور خالی سڑک پہ ایک نقطے کی طرح اس کا فون گرا نظر آ رہا تھا۔ اور پھر بے تحاشا اڑتی دھول اور گرد نے اس نقطے کو بھی معدوم کر دیا۔

اور یہ گرد۔۔۔ یہ دھول اگلے دو سال اس کی زندگی کے ہر گوشے پہ پڑی رہی۔

اگلے دو سال۔۔۔

دو طویل سال۔

(باقی آئندہ شمارے ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

شہناز صدیقی

سائرہ بیگم کی بات پر سب نے ہی کافی حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا تھا کسی کو بھی اپنی سماعت پر یقین نہیں ہوا تھا۔ انہیں لگا جیسے ان سب کو سننے میں غلطی ہوئی ہو یا پھر سائرہ بیگم نے ہی بغیر سوچے سمجھے یہ فیصلہ لیا ہو، کچھ دیر کے بعد جب سوچ کے در وا ہوں گے تو وہ اپنے کہے سے مکرنے میں لمحے کی بھی تاخیر نہیں کریں گی مگر در حقیقت ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ ایک تو صورت حال بہت نازک تھی دوسرا ان جیسی پاور فل شخصیت

مکمل ناول

سے ایسی توقع کسی صورت نہ کی جاسکتی تھی۔

وہاں موجود سب لوگ انہیں بہت اچھی طرح جانتے تھے اور بے یقین ہونے کی اصل وجہ بھی شاید یہ ہی تھی، ان کی بات سے انکار یا اختلاف تو کسی ایک کو بھی نہ تھا مگر اتنا وقت گزرنے کے باوجود بھی سب ابھی تک چپ تھے اور یہ ہی بات سائرہ بیگم کو کھٹک رہی تھی۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے جو آپ سب اتنے خاموش اور حیران ہو کر مجھے دیکھ رہے ہیں؟" انہوں نے باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"نہیں، آپ نے کچھ غلط نہیں کہا.... ہم آپ کے فیصلے کی قدر کرتے ہیں اور آپ کی بات سے متفق ہیں۔" ان سب میں سے ایک نے جواب دیا جو رشتے میں عانیہ سعید کے سگے تایا تھے اور سب سے پہلا حق عانیہ پر ان ہی کا تھا، مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے حق کو یہاں کسی صورت جتانا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ وہاں موجود دوسرے افراد کی طرح وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ حق تسلیم کرنے کی صورت ایک بہت بڑی ذمہ داری ان پر آپڑتی اور جسے نبھانا ان کے لیے بہت مشکل اور دشوار تھا، بلکہ وہاں موجود کوئی بھی دل سے راضی نہ تھا، سب ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ ایسے میں سائرہ بیگم کی بات نے حیرت و مسرت کے ساتھ ساتھ ان سب کے کندھوں سے ایک بہت بڑے بوجھ کو سرکا دیا۔ سب نے ہی بے اختیار اطمینان بھرا پر سکون سانس ہوا میں خارج کیا تھا۔

"کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے میرے اس فیصلے سے؟" انہوں نے ایک بار پھر سے سب کی طرف دیکھا جن کی گردنیں نفی میں ہلنے میں لمحہ لگا تھا۔

دہلیز پر کھڑی عانیہ سعید کے دل پر گہری چوٹ پڑی تھی۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنے چچا اور تایا کو دیکھا، ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس رشتے نہ تھے، رشتے تو تھے، مگر ان میں احساس اور اپنائیت شاید ختم ہو چکی تھی جب تک اس کے مما پاپا زندہ تھے، انہوں نے کسی طرح چہروں پر اپنے پن اور محبت و فکر کا نقاب چڑھائے رکھا اور آج جب اسے سب سے زیادہ ان کی ضرورت تھی تو انہوں نے کسی طرح بیگانے پن کا مظاہرہ کرتے منہ پھیر لیا تھا۔

"مما پاپا..." نڈھال سے انداز میں اپنے کمرے میں

آتے ہی وہ بیڈ پر گر کے تڑپ تڑپ کر رو دی ایک ہفتہ پہلے تک تو سب کچھ ٹھیک تھا مگر یہ ہی ایک ہفتہ تو ان کے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ کر رکھ گیا تھا۔ وہ جتنا روتی کم تھا جتنا تڑپتی کم تھا۔ اس کا نقصان بہت بڑا تھا' جہاں ماں باپ کی دائمی جدائی نے اسے اندر باہر سے توڑ کر رکھ دیا تھا وہیں سگے رشتے داروں کے بدلتے رویوں نے بھی اس کی رہی سہی توانائی کو نچوڑ دیا تھا۔ وہ لاڈوں پلی محبت کی آغوش میں پروان چڑھنے والی اب یکلخت ہی تقدیر کی ستم ظریفی اور سنگ دلی کی لپیٹ میں آچکی تھی۔

"چلو عانیہ اپنا سامان پیک کر لو تمہیں سائرہ بیگم کے ساتھ جانا ہے۔" تایا جان اسی وقت اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"مگر تایا جان۔۔۔" وہ آنسو پونچھتے ان کے قریب آکھڑی ہوئی۔

"میں ان کے ساتھ کیسے جاسکتی ہوں' میں تو انہیں جانتی تک نہیں۔" اک موہوم سی امید کے تحت اس نے اپنے تایا کی طرف دیکھا' ہو سکتا تھا کہ وہ اسے روک لیتے فیصلہ بدل لیتے' مگر ہائے ری خوش فہمی۔

"وہ تمہاری مما کی فرسٹ کزن ہے اس لحاظ سے تمہاری خالہ ہوئی اور وہ تمہاری ذمہ داری لینے کو باخوشی تیار بھی ہے۔"

"اور آپ۔۔۔؟" اس نے شاکی نظریں اٹھائیں' وہ نظریں چرا گئے۔ عانیہ کے دل میں ٹیس سی اٹھی' اندر کی توڑ پھوڑ بڑھنے لگی۔

"دیکھو عانیہ۔۔۔" انہوں نے جیسے تمہید باندھنی چاہی' عانیہ کا دل چاہا کہ وہ ان سے چیخ چیخ کر کہے کہ اسے ان کی کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

"ہم سب کے حالات تو تمہارے سامنے ہی ہیں میری پہلے ہی چار بیٹیاں ہیں اور ساجد (چچا) کی تین' حالات بھی دونوں کے اجازت نہیں دیتے کہ ایک اور بیٹی کا بوجھ اٹھا سکیں۔" وہ بیٹی کو بوجھ کہہ رہے تھے جبکہ اس کے بابا نے تو اس کی پرورش کسی شہزادی کی طرح کی تھی۔ کتنا فرق تھا پاپا میں اور ان میں' عانیہ نے دکھ اور تاسف سے سوچا۔

"تنگ دستی ایسی ہے سر تک اٹھانے نہیں دیتی معاشی و مالی دباؤ بھی کچھ کم نہیں' بس یوں سمجھ لو کہ فاقوں کی نوبت نہیں آئی' ورنہ حالات تو بہت ہی تنگ گزر رہے ہیں اور رہی سائرہ بیگم کی بات تو وہ معاشی طور پر کافی مستحکم ہے۔ اپر کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ تھوڑی موڈی ہے' مگر اس نے خود تمہیں ساتھ لے جانے کی بات کی ہے۔ ہم سب اسے اچھی طرح جانتے ہیں' اس لیے ہم میں سے کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ تم وہاں زیادہ خوش رہو گی۔ جب بنا کہے تمہاری ہر ضرورت پوری ہو گی تو ہمیں دعائیں دیتی نہ تھکو گی' اس لیے اپنے دماغ سے ہر طرح کی فضول سوچوں کو جھٹک کر جانے کی تیاری کر لو۔"

اس نے امید و بیم کی کیفیت میں آخری بار ان کی طرف دیکھا' وہ کسی صورت سائرہ بیگم کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی' مگر وہ اس کی نظروں کے ہر تاثر کو یکسر نظر انداز کیے باہر چلے گئے۔

✵ ✵ ✵

ناچاہنے کے باوجود بھی اسے ان کے ساتھ آنا پڑا۔ نارمل تاثرات لیے ان کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر اس نے سیٹ کی بیک سے کمر ٹکا دی۔ وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھی تھی' مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ گاڑی میں تنہا ہو۔ اسے گاڑی کے اندر کا ماحول کچھ سرد سا لگا۔ لمبا سانس ہوا میں خارج کرتے وہ آنکھیں موند گئی۔

اتنے دنوں کی بے خوابی اور ذہنی ٹینشن نے اسے ادھ موا کر چھوڑا تھا۔ بند پلکوں کے پار مما پاپا کے چہرے لہراتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا بلکہ زندگی کو جینے کے لیے نئے راستے تلاش کیے جاتے ہیں۔"

اپنے قریب سے ابھرتی آواز پر اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کی نظریں بے اختیار ہی سائرہ بیگم کے چہرے کی طرف اٹھیں' جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ عانیہ کو اپنی سماعتوں پر شبہ سا گزرا کیا

واقعی انہوں نے اس سے کچھ کہا تھا وہ کافی دیر ان کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتی رہی، مگر پھر مایوس ہوتے پھر سے آنکھیں موند گئی۔ اسے یقیناً "سننے میں غلطی ہوگی۔ آج کل تو ویسے بھی دماغ نے کام کرنا چھوڑا ہوا تھا۔

تایا جان کے رویے کے بارے میں ہی سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی پھر کسی کے مدھم انداز میں پکارنے پر ہی اس کی آنکھ کھلی تھی، آنکھیں کھولتے اس نے اپنی دائیں طرف دیکھا سائرہ بیگم وہاں موجود نہ تھیں۔

"میڈم اندر ہیں اور میں آپ کو لینے آئی ہوں۔"

"اف کیا میں اتنی دیر سوتی رہی۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی اور پھر جیسے دم بخود رہ گئی۔ وہ کوئی گھر نہیں بلکہ کوئی محل تھا۔ لڑکی کے ساتھ اندر کی طرف بڑھتے وہ مبہوت سی ارد گرد بھی دیکھ رہی تھی۔

"میم یہ آپ کا کمرہ ہے، کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو آپ مجھے انٹر کام پر بلا سکتی ہیں۔" لڑکی کا لہجہ انتہائی نفیس اور پرکشش تھا۔ شکل سے وہ اسے ملازمہ ٹائپ ہرگز نہیں لگی تھی۔

"آپ اس وقت کیا لینا پسند کریں گی؟ چائے یا کافی.....؟"

"نہیں کچھ نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"جی بہتر....."

"سنو۔" وہ جانے لگی تو اس نے آواز دے کر روک لیا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"زینی۔" وہ مسکرائی تھی۔ عانیہ کو اس کی مسکراہٹ بہت بھلی سی لگی۔

"میرا نام عانیہ ہے، عانیہ سعید۔"

"بہت خوب صورت نام ہے آپ کا۔" عانیہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، اسے وہ لڑکی کافی دلچسپ لگی تھی۔ اس لیے اپنائیت سے پوچھا "اور تم یہاں.....؟"

"کام کرتی ہوں....."

"او....." اس نے سیٹی کے انداز میں ہونٹوں کو گول کیا۔ تصدیق کے باوجود بھی اسے یقین کرنے میں دشواری ہوئی کہ وہ ملازمہ ہے۔ "پڑھی لکھی لگتی ہو۔"

"جی میں نے گریجویشن کیا ہے۔"

"واٹ.....؟" وہ ازحد حیران ہوئی۔

"پھر یہاں.....؟"

"بس جی مجبوری انسان سے کیا کچھ کروا لے اسے کچھ پتا نہیں چلتا اور ویسے بھی پرکشش تنخواہ کے ساتھ ساتھ اور بھی کافی سہولتیں دستیاب تھیں تو....."

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجبوری انسان کو نجانے کہاں سے کہاں لے جائے۔" اس کی بات سے اتفاق کرتے عانیہ کے دل میں دکھ کی لہر سی اٹھی، دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھالتے وہ پوچھنے لگی۔

"کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ اس گھر میں کون کون رہتا ہے؟"

"جی ضرور..... میڈم سائرہ..... جن کے ساتھ آپ آئی ہیں۔ مظہر صاحب، ان کے ہزبینڈ اور اشنا میم، ان کی صاحب زادی۔"

"بس..... اتنے بڑے گھر میں صرف تین لوگ ہی رہتے ہیں۔" وہ ابھی تک حیران تھی۔

"جی..... بالکل....." زینی اس کی سادگی پر مسکرا دی۔

"کیا اب میں جاؤں...؟"

"ہاں جاؤ۔؟" اس کے جانے کے بعد اس نے طائرانہ نظر پورے کمرے پر ڈالی۔

کمرا کافی کشادہ اور ویل ڈیکوریٹ تھا۔ وہ اپنے بیگ سے کپڑے نکالتے فریش ہونے کے لیے واش روم میں گھس گئی۔

☆ ☆ ☆
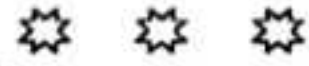
انکل مظہر سے اس کی ملاقات ڈنر پر ہوئی تھی۔ اس کے سلام کرنے پر انہوں آہستہ سے سر اثبات میں ہلاتے جواب دیا تھا۔ عانیہ کی نظروں نے بے ساختہ ہی اس وسیع و عریض ڈائننگ ہال کو سراہا تھا۔ ہر چیز امپورٹڈ اور نیو برانڈ تھی۔ اسی پل اشنا ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔

"ہیلو مما پاپا۔" بے نیازی سے کہتے وہ سائرہ بیگم کے ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ عانیہ کی آنکھیں اسے دیکھتے حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ بہت خوبصورت اور ماڈرن لڑکی تھی عانیہ کو خود سے اقرار کرنا پڑا کہ لیکن اس کے حیران ہونے کی وجہ اس کی خوب صورتی ہرگز نہ تھی بلکہ وہ لباس تھا جو اس نے زیب تن کر رکھا تھا۔ انتہائی چست ریڈ ٹراؤزر کے اوپر بلیک سلیولیس اسکن ٹائٹ پہنے وہ اپنے پاپا کے سامنے بالکل نارمل انداز میں بیٹھی تھی۔

عانیہ کو اپنے گھر کا ماحول یاد آگیا کس طرح وہ سر پر دوپٹا اوڑھ کر پاپا کے سامنے جاتی تھی۔ اس نے کنکھیوں سے مظہر صاحب کی طرف دیکھا کہ شاید وہ اسے کچھ کہیں مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا جیسا وہ سوچ رہی تھی۔ انہوں نے نارمل انداز میں کھانا کھایا اور پھر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہال سے باہر چلے گئے۔

"اشنا یہ تمہاری کزن عانیہ ہے اور عانیہ یہ اشنا ہے میری اکلوتی بیٹی۔"

"السلام علیکم!" اس نے مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا تھا۔

"ہیلو۔" جبکہ وہ ایک سرسری سی نظر اس پر ڈال کر دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"عانیہ کیا کوالیفکیشن ہے تمہاری؟" وہ اشنا کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی جب سائرہ بیگم کے مخاطب کرنے پر ہڑبڑاتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی... خالہ جی۔" وہ ان کی بات ٹھیک سے سن نہیں پائی تھی مگر دوسری طرف سائرہ بیگم کے خوب صورت چہرے پر لمحوں میں ناگواری تھی۔

"واٹ خالہ۔" ان کے ماتھے پر سلوٹیں ابھرنے لگیں۔

"لسن۔ ڈونٹ کال می اگین خالہ۔" وہ تو اچھی خاصی برہم دکھائی دے رہی تھیں۔ عانیہ کو بو کھلا کر رہ گئی۔

"تم مجھے آنٹی کہہ سکتی ہو۔ بٹ خالہ۔ نو۔ نیور اگین۔"

"جی۔" ان کی جز بز صورت دیکھتے عانیہ تو اس طرح شرمندہ ہونے لگی جیسے اس سے کوئی بہت بڑا گناہ ہو گیا ہو۔

"میں نے تمہاری تعلیم پوچھی ہے۔"

"جی۔ وہ۔ گریجویشن" اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

"کرچکی ہو یا..."

"جی... جی... کرچکی ہوں۔" ان کے ابرو اچکا کر پوچھنے پر اس نے جواب دیا۔ ان کے یا کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

"او کے۔ کیا آگے پڑھنا چاہتی ہو؟" ان کے مزید استفسار پر وہ چپ سی رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

"عانیہ۔ واٹس پرابلم ودیو۔ بار باریوں مراقبے میں کیوں چلی جاتی ہو۔" اس کی مسلسل خاموشی نے سائرہ بیگم کو بھی تپا دیا۔ وہ برہم سی گویا ہوئیں۔

"وہ ایکچوئیلی آ... نٹی جی۔ میں پڑھنا تو چاہتی ہوں مگر آپ کا پہلے ہی بہت بڑا احسان ہے مجھ پر۔"

"زینی... زینی" ہاتھ اٹھا کر اس کی بات درمیان میں ہی

کاٹتے ہوئے وہ زینی کو آوازیں دینے لگیں۔

"یس میڈم۔" وہ لمحوں میں حاضر تھی۔ "کنفرم کرو اگر ایم اے کے ایڈمیشن اوپن ہیں تو اسے لے جاؤ اور اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروادو۔" نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے اٹھتے ہوئے انہوں نے حکم صادر کیا۔

"جی میڈم ہو جائے گا۔"

"اس سے پوچھ لینا یہ کونسا سبجیکٹ لینا چاہے گی۔"

"جی۔ آپ فکر نہ کریں ہمیں دیکھ لوں گی۔"

"او۔ کے یو کین گو ناؤ۔" اس کے جاتے ہی انہوں نے اشنا کی طرف دیکھا جو تقریباً" کھانا کھا چکی تھی۔

"اشنا آج کہیں جانے کا تمہارا پروگرام ہے؟"

"نو مام۔ آج میں فری ہوں' اور اس وقت اپنے روم میں جا کر ریسٹ کروں گی۔"

"او۔ کے سویٹ ہارٹ ایز یو وش۔" انہوں نے محبت سے اس کے گال کو چھوا اور پھر ساڑھی کا پلو سنبھالتی باہر نکل گئیں۔

"میں اس وقت اپنے روم میں جانا چاہتی ہوں اس لیے تم سے زیادہ بات نہ کرپاؤں گی' پلیز ڈونٹ مائنڈ۔" وہ اٹھتے ہوئے آہستہ سے بولی تھی جب کہ عانیہ نے سر اثبات میں ہلاتے "اٹس اوکے" کہا۔ اس کے جانے کے بعد وہ کتنی دیر وہاں اکیلے بیٹھی رہی پھر اپنے روم میں آگئی۔ نجانے کیوں۔ مگر مما پاپا ایک دم یاد آنے لگے تھے۔ ماں بیٹی کا پیار دیکھتے دل بھر سا آیا تھا۔ وہ بھی تو اپنے مما پاپا کی اکلوتی بیٹی تھی۔

پاپا بینک میں ایک اچھی پوسٹ پر فائز تھے۔ انہوں نے کبھی بھی کسی بھی چیز کی اسے کمی محسوس نہ ہونے دی تھی بن کہے ہی اس کی ہر ضرورت پوری ہو جایا کرتی تھی۔ ان کا گھر چھوٹا ضرور تھا مگر مما کے سلیقہ مند ہاتھوں نے اسے بہت سنوار کر رکھا تھا۔ کتنی آسودگی تھی اس گھر میں اور وہ کتنی مطمئن اور خوش رہا کرتی تھی مگر پھر ایک دم قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ سب ختم ہو گیا۔ اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی اس کی خود اعتمادی جیسے

مماپاپا کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔ اس نے آج تک اپنا ہاتھ کسی کے سامنے نہ پھیلایا تھا۔
پاپا نے تو اس کا ہاتھ کبھی اپنے اور مما کے سامنے پھیلانے کی بھی نوبت نہ آنے دی تھی۔ مہینے بعد تنخواہ ملتے ہی وہ اک مخصوص رقم اس کے کمرے میں اس کے سرہانے رکھ دیتے۔ جس سے اس کی مہینے بھر کی تمام ضرورتیں باآسانی پوری ہو جایا کرتیں۔ اسے کتابوں سے عشق تھا وہ اپنی پاکٹ منی کا زیادہ تر حصہ اچھی اچھی کتابیں خریدنے میں صرف کر دیا کرتی تھی۔ اس کے گھر کی چھوٹی سی لائبریری مختلف قسم کی کتابوں سے بھری پڑی تھی۔ وہ قدرے کم گو اور شرمیلی سی لڑکی تھی اسے بحث کرنی نہیں آتی تھی بلکہ زیادہ بولنا بھی اسے کبھی کبھی بہت دشوار لگتا۔ بھیگی بھیگی پلکوں کو جھپکتے وہ معصوم سی لڑکی اپنے آنسو اپنے اندر ہی اتارنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اس کا ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ آج یونیورسٹی جاتے اسے تیسرا دن تھا جب سائرہ بیگم نے اسے اپنے روم میں بلایا۔ ناک کرتے وہ اندر داخل ہو گئی۔
"السلام علیکم آنٹی جی۔ آپ نے بلایا۔"
"ہاں آؤ بیٹھو۔ میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی۔"
خود پر پرفیوم اسپرے کرتے انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پر تکلف سے انداز میں ٹک گئی۔
"کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی ایڈمیشن میں؟" وہ اب بالوں میں برش کر رہی تھیں۔
"نہیں۔" اس نے مختصر کہا۔
"ایڈجسٹ کر گئی ہو۔" برش رکھتے وہ دراز کی طرف جھکیں۔
"جی۔۔۔" جواب اب بھی مختصر سا تھا۔
"یہ لو۔" اس کے قریب آتے انہوں نے کچھ رقم اس کی طرف بڑھائی۔
"جی۔۔۔ یہ۔۔۔ میں۔" وہ پیسے دیکھ کر پہلے حیران ہوئی پھر ہچکچا سی گئی۔
"ہاں تم۔ یونیورسٹی جاتی ہو ظاہر ہے ضرورت تو پڑے گی۔"
"مگر آنٹی میں یہ کیسے لے سکتی ہوں۔" وہ پیسے لینے میں جھجک رہی تھی۔ ان کے ماتھے پر سلوٹیں ابھرنے لگیں۔
"کیوں۔ تم کیوں نہیں لے سکتی۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے میں نے تمہاری ذمہ داری لی ہے اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جاتی تمہاری ساری ضرورتیں میری ذمہ داری میں شامل ہیں۔"
اس بار ان کا لہجہ کچھ نرم سا ہو گیا۔
"مگر آنٹی یہ بہت زیادہ ہیں اور مجھے اتنے سارے پیسوں کی ضرورت نہیں۔"
"ضرورت پڑتے دیر نہیں لگتی۔" انہوں نے وہ پیسے اس کی گود میں ڈال دیے۔
"زینی کے ساتھ جا کر اپنے لیے کچھ نیو ڈریسز بھی لے آنا اور اب جاؤ اپنے کمرے میں۔" ان کے حتمی انداز میں کہنے پر وہ کچھ بھی کہے بغیر کمرے سے نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

وہ آج ساری دوپہر سوتی رہی تھی مگر اس کے باوجود بھی کسلمندی اور سستی محسوس کر رہی تھی۔ زینی کو چائے کا کہہ کر وہ لان میں چلی آئی۔
شام کے سائے پھیلنے ہی والے تھے۔ بچپن سے ہی اسے اس وقت میں عجیب سی اٹریکشن فیل ہوتی تھی۔ غروب آفتاب سے ذرا پہلے جو ارد گرد لالی چھاتی تھی اسے پسند تھی جو اسے یہ احساس دلاتی تھی کہ 'ہر گرم دن کا اختتام ٹھنڈی شام پر ہوتا ہے اور اس ٹھنڈی شام کی لپیٹ میں آنے والی رات کا اختتام اک نرم اجلی صبح پر ہوتا ہے' اور یہ گردش لیل و نہار ہی تو احساس دلاتی ہے زندگی کی حقیقت کا اس کی سچائی کا، جس میں مگن انسان وقت کی ڈور سے جڑا زندگی جی لیتا ہے' اچھی یا بری یہ تو بعد کی بات ہوتی ہے۔
"عانیہ میم آپ کی چائے۔" اسی وقت زینی کی آمد

سے اس کا تسلسل ٹوٹا۔

"آؤ بیٹھو زینی۔" اس نے اپنی طرف بڑھائی جانے والی چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

"جی۔" زینی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"اگر تم مجھے عانی کہو گی تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا یہ میم ویم مجھے کوئی خاص پسند نہیں ہے۔" چائے کا سپ لیتے اس نے ہلکی سی ناک چڑھائی، انداز میں بلا کی معصومیت تھی۔ سر اثبات میں ہلاتے زینی مسکرا دی۔

"ویسے تم چائے کافی اچھی بناتی ہو۔"

"تھینکس۔ آپ سے ایک بات کہوں عانیہ؟"

"ہاں کہو نا۔"

"آپ بہت اچھی ہیں، دوسروں سے بہت مختلف، بہت پیاری بہت معصوم اور بہت سادہ۔"

"ارے بس بس... تم نے تو مجھے پتا نہیں کیا سے کیا بنا دیا میں ایک بہت عام سی لڑکی ہوں اس گھر کے دوسرے افراد کی طرح ماڈرن، اسٹائلش اور غیر معمولی خوب صورت نہیں ہوں۔"

"آپ اسٹائلش اور ماڈرن نہیں ہیں۔ آپ خوب صورت نہیں ہیں یہ بات میں نہیں مان سکتی۔ آپ کے چہرے کا پہلا تاثر بہت بھلا، نرم معصوم اور انوکھا ہوتا ہے۔"

اسی وقت چوکیدار نے مین گیٹ کھولا اور بلیک کلر کی پراڈو اندر داخل ہوئی اس کے پیچھے ہی ایک جیپ بھی تھی۔ جس میں سے دو باوردی باڈی گارڈز ہاتھوں میں اسلحہ تھامے مستعدی سے باہر نکلے پھر ان میں سے ایک نے پھرتی مگر مکمل مودب انداز سے پراڈو کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور پھر باہر نکلنے والی ہستی کو دیکھ کر تو عانیہ سعید جیسے پلک تک جھپکنا بھول گئی۔ بلیک ڈنر سوٹ میں نکھرا نکھرا خوشبوئیں بکھیرتا وہ جو کوئی بھی تھا انتہا کا پرکشش اور ڈیشنگ تھا۔ لان اور پورچ کا فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا مگر اس کے باوجود اس نے ایک سرسری سی نظر بھی لان کی طرف نہ ڈالی۔ پرفیوم اور کلون کی ملی جلی مہک عانیہ سعید کے نتھنوں میں بلا اجازت آگھسی۔ وہ بے نیاز سا شخص اسے کسی ریاست کا شہزادہ ہی لگا تھا۔ اک شان تمکنت سے وہ راہداری سے گزر کر اندر کی طرف بڑھ گیا اور باڈی گارڈز وہیں چوکیدار کے پاس ہی کھڑے رہے۔

عانیہ کو وہ سارا ماحول ایک دم خالی خالی سا لگنے لگا۔ کیا کسی انسان کی شخصیت اتنی زور آور بھی ہو سکتی ہے کہ آئے اور چھا جائے، پلٹے اور تسخیر کرے۔ وہ فقط سوچ کر رہ گئی۔

"زینی یہ...؟"

"یہ عرشمان صاحب ہیں... داؤد صاحب کے بیٹے؟ اور داؤد صاحب مظہر صاحب کے بڑے بھائی ہیں۔"

"او۔ اچھا۔ مگر یہ..." اس کی نظر باڈی گارڈز کی طرف اٹھی، زینی اس کی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔

"بڑے لوگ ہیں جی، سو طرح کی دشمنیاں ہوتی ہیں اور ویسے بھی داؤد صاحب کا سیاست سے تعلق ہے تو..."

"او۔ اچھا۔"

"میں اندر جا رہی ہوں، سائرہ میڈم کو میری ضرورت ہو گی کیا آپ چلیں گی؟"

"نہیں تم جاؤ میرا ابھی موڈ نہیں ہے۔"

"جی بہتر۔" اس کے اندر جاتے ہی عانیہ نے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا، وہ کافی دیر وہاں بیٹھی رہی۔ خوشبو کا جھونکا ایک بار پھر سے اس کی ناک سے ٹکرایا اس نے بے ارادہ ہی پورچ کی طرف دیکھا تھا۔ باڈی گارڈ دروازہ کھول رہا تھا اور وہ شہزادوں کی آن، بان، شان رکھنے والا بھرپور مردانہ وجاہت کا شاہکار اپنی لشکارے مارتی نئی نکور گاڑی میں سوار ہو رہا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے ہی گیٹ سے باہر نکلی تھیں وہ لمبا سانس ہوا میں چھوڑتی اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

داؤد صاحب نے ان سب کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ اشنا نے تو طبیعت خرابی کی وجہ سے جانے سے انکار کر دیا۔

سائرہ بیگم نے زینی کے ہاتھ اسے پیغام بھیج دیا۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر آنٹی سائرہ کو بھی ناراض ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے بے دلی سے اپنے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی۔

"یہ تم تیار ہوئی ہو؟" وہ جیسے ہی لاؤنج میں آئی انہوں نے سر سے پیر تک اسے تنقیدی نظروں سے گھورا۔ بلیک کلر کے پلین سوٹ میں جس پر شاکنگ پنک پٹیاں لگی تھیں، پہنے وہ انہیں عام دنوں کی طرح ہی لگی۔ میک اپ کے نام پر اس نے اپنی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں کاجل تک نہ ڈالا تھا۔

"مم، میں ٹھیک تو ہوں آنٹی۔" ان کے دیکھنے کے انداز سے اسے عجیب سی سبکی کا احساس ہوا تھا۔

"وہ جو میں نے تمہیں پیسے دیے تھے اس کی تم نے ابھی تک شاپنگ کیوں نہیں کی؟"

"وہ... ابھی مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

"ابھی بھی تمہیں ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔" طنزیہ حیرت بھری نظروں سے انہوں نے ایک بار پھر سے اسے سرتاپا گھورا۔

"اب اگر یہاں آگئی ہو تو ہمارے اسٹیٹس کے مطابق خود کو تبدیل بھی کرو۔ تم سے زیادہ اچھے کپڑے تو اس گھر کے ملازم پہنتے ہیں۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھنا اور چلو اب۔" ہتک و خجالت کے شدید ترین احساس سے اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا۔ اپنی ایسی تذلیل پر اس کا معصوم دل کافی دکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کے کونے گیلے ہونے لگے۔ اپنی بھیگی بھیگی پلکیں جھپکتے سر جھکائے ان کے تعاقب میں چل پڑی۔ زینی نے تاسف بھری نظروں سے اس کو جاتے دیکھا تھا۔ اور یہاں آکر تو حقیقتاً" اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔

"کیا واقعی وہ کوئی گھر ہی تھا۔ آنٹی سائرہ کا گھر تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا۔ اک غرور لیے سامنے کھڑی یہ شاندار عمارت کسی صورت بھی کسی محل سے کم نہ تھی۔ عانیہ سعید نے اسے دل ہی دل میں خوب سراہا تھا۔

ان کی گاڑی جیسے ہی وسیع و عریض پورچ میں آکر رکی ایک ملازم نے مودب انداز میں دروازہ کھولا تھا۔ راہداری کے شروع میں ہی ایک بے انتہا پرکشش لڑکی گرین کلر کی ساڑھی پہنے ہاتھوں میں بکے پکڑے ان کے انتظار میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"گڈ ایوننگ میم۔" اس نے بکے سائرہ بیگم کی طرف بڑھایا۔

"صاحب کہاں ہیں تمہارے؟" سائرہ بیگم کے بکے تھامتے ہی مظہر صاحب نے پوچھا تھا۔

"جی۔ وہ اندر آپ کا ہی ویٹ کر رہے ہیں، آیئے پلیز۔" تھوڑا سا سر خم کرتے اس نے ہاتھ سے اندر کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"تو کیا یہ بھی ملازم ہے، اف اتنی حسین۔" عانیہ کا حیرت کے باعث منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ادائے نزاکت سے اپنے ساتھ چلتی اس لڑکی کو اس نے کنکھیوں سے کئی بار دیکھا تھا۔ انجانے میں وہ جس دنیا کا حصہ بن چکی تھی وہ واقعی اس کی دنیا سے یکسر مختلف تھی۔ کچھ دیر پہلے جو آنٹی کی بات سے اسے اپنی شدید انسلٹ فیل ہوئی تھی، یہاں آکر اسے احساس ہوا کہ انہوں نے ایسا کچھ غلط بھی نہ کہا تھا۔ اس نے خود پر ایک نظر ڈالی اور پھر احساس کمتری میں مبتلا ہونے لگی۔ کیا وہ کبھی ان لوگوں میں ایڈجسٹ کرپائے گی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ ان جیسا نہیں بن سکتی تھی۔ اندر کی بے چینی کو زائل کرنے کے لیے وہ اپنے نیچے والے ہونٹ کو بلاوجہ کچلنے لگی۔

"ویل کم ٹو مائے سویٹ پیلس مظہر" اسی دوران داؤد صاحب بڑے پرجوش انداز میں ان کی طرف بڑھے اور پھر مظہر صاحب کو گلے لگالیا۔

"یو نو یار آج ہم تین ماہ بعد مل رہے ہیں۔" وہ خوش دلی سے بولے تھے جب مظہر صاحب مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا گئے۔

"زندگی کی مصروفیات نے کچھ زیادہ ہی بزی کر ڈالا

ہے ہمیں ابھی بھی آپ اگر ڈنر پر نہ بلاتے تو آنا مشکل تھا۔"

"جانتا ہوں اسی لیے یہ اہتمام کیا ہے۔"

"بی جی کہاں ہیں؟" مظہر صاحب نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"ملازمہ لینے گئی ہیں انہیں' وہ آتی ہی ہوں گی' تم بیٹھو تو سہی۔" اس دوران سائرہ بیگم اور عانیہ بالکل خاموش کھڑی رہیں۔

"اور تم کیسی ہو سائرہ؟" داؤد صاحب کے لہجے میں بڑے بھائیوں والا لاڈ تھا۔ وہ آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گئیں۔ "میں ٹھیک ہوں بھائی جان۔"

"اشنا بیٹی نظر نہیں آرہی؟ کیا وہ نہیں آئی؟"

"جی۔ اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے نہیں آئی۔"

"کیوں کیا ہوا اُسے؟" وہ ایک دم پریشان ہو گئے۔

"کچھ خاص نہیں بھائی جان بس سر میں درد تھا میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھی۔"

"او۔ اچھا!" پھر ان کی نظر اچانک اس پر پڑی۔

"اور اس پیاری سی بیٹی کا تعارف تو آپ نے کروایا ہی نہیں۔"

"یہ بھانجی ہے میری۔ والدین کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ کے بعد اسے میں اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔"

"اوو یری سیڈ۔" انہیں حقیقتاً" دکھ ہوا تھا۔

"السلام علیکم انکل۔" اس کے سلام پر انہوں نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔ اسی دوران ملازمہ بی جی کی چیئر گھسیٹتی ہوئی لے آئی تو سب کی توجہ ان کی جانب ہو گئی۔ سب سے پہلے ان کی طرف بڑھنے والا مظہر صاحب ہی تھے۔

"کیسی ہیں بی جی؟"

"میں تو ٹھیک ہوں' مگر تم نے اس بار بڑی دیر کے بعد چکر لگایا ہے۔" ان کا ماتھا چومتے انہوں نے جیسے ہلکا سا شکوہ کیا۔

"بس بی جی مصروفیت ہی بہت رہی ہے۔" پھر سائرہ بیگم کے سلام کرنے کے بعد بی جی کی نظر کچھ نروس سی انگلیاں چٹخاتی عانیہ پر پڑی۔

"یہ بھانجی ہے میری بی جی۔" ان کی نظروں کا مطلب سمجھتے سائرہ بیگم نے تعارف کروایا وہ اک جھجک لیے آگے بڑھی اور پھر انہیں سلام کرتے اپنا سر ان کے سامنے جھکا دیا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ان کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے چمکیں۔ آج کے دور میں بڑوں کا ایسا احترام۔ عانیہ سعید کا پہلا ہی تاثر بہت اچھا پڑا تھا۔

"عرشمان کہاں ہے بی جی نظر نہیں آرہا۔"

"اس کا فون آیا تھا' تھوڑی ہی دیر میں گھر پہنچنے ہی والا ہے۔" سائرہ بیگم کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا۔ پھر وہ سب تو باتوں میں مصروف ہو گئے اور عانیہ سعید وہاں بے وجہ ہی بور ہوتی رہی۔

"عانیہ اگر تم بور ہو رہی ہو تو ملازمہ کے ساتھ جا کر گھر دیکھ لو۔" سائرہ بیگم کو ہی آخر اس کی بوریت کا احساس ہوا تو انہوں نے کہہ دیا۔ عانیہ نے بے ساختہ تشکر بھرا سانس لیا اور پھر ملازم کی رہنمائی میں لان کی طرف آگئی۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے اس کا پسندیدہ وقت شروع ہو چکا تھا۔ دھیمے سے مسکراتے وہ پھولوں کی باڑ کے پاس آکھڑی ہوئی۔ سبز گھاس پر چنبیلی کے سفید پھول گرے' بہت خوب صورت لگ رہے تھے وہ آہستہ سے جھکی اور پھر انہیں دوپٹے کے پلو میں اکٹھا کرنے لگی۔

"ہیلو کون ہیں آپ؟" بارعب گمبھیر' پرکشش مردانہ آواز پر وہ بوکھلاتے ہوئے پلٹی۔

"کون ہو تم۔ اور یہاں کیا کر رہی ہو؟" عرشمان داؤد نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

عانیہ سعید اسے لمحوں میں پہچان گئی تھی۔ وہ عرشمان داؤد تھا' داؤد انکل کا بیٹا' مظہر انکل کا بھتیجا' اور اس گھر کا اکلوتا چشم و چراغ۔ لمحوں میں دلوں کو تسخیر کرنے والا جادوگر جبکہ اس کے برعکس عرشمان داؤد اسے بھرپور اجنبی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے نہیں جانتا تھا۔ اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا مگر اس

کے باوجود بھی وہ اس چہرے کے پہلے تاثر کو دیکھتے ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا ضرور تھا۔
"کیا پاپا نے کوئی نئی ملازمہ رکھی ہے؟" اس سوچ کے دماغ میں آتے ہی اس نے ایک بار پھر سے اسے سر تا پیر گھورا۔
"کیا تم نئی ملازمہ ہو؟"
"جی!" عانیہ کی تو جیسے پوری آنکھیں کھل گئیں۔ بے عزتی کے احساس سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ کیا واقعی وہ ملازمہ لگ رہی تھی۔
"کب اپوائنٹ کیا ہے پاپا نے تمہیں؟" وہ اس کے جی کو اپنے ہی معنی میں لیتے دوبارہ بولا' شدید ہتک محسوس کرتے اس کی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔ عرشمان داؤد کی آنکھیں ان جھیل کٹوروں پر ٹھہر سی گئیں۔ لبالب پانی سے بھرے کٹورے چھلکنے کو بے تاب' عرشمان داؤد کو عجیب سی کشمکش میں مبتلا کرنے لگے۔
"عانیہ میم کھانا لگ گیا ہے سب لوگ آپ کا اندر ویٹ کر رہے ہیں۔" اس سے پہلے کہ وہ ضبط کھو دیتی ملازمہ کے پکارنے پر اندر کی طرف بھاگ گئی۔
"میم؟۔ انتظار؟" وہ حیران حیران سا اس کے پیچھے اندر کی طرف بڑھا تھا۔
"السلام علیکم!" ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے اس نے سب کو مشترکہ سلام کہا تھا' اور پھر عانیہ پر اس کی نظر جیسے ٹھہر سی گئی جو سر جھکائے آنٹی سائرہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ یعنی وہ ملازمہ نہیں تھی۔ تو پھر کون تھی۔؟
"چینج کر کے آجاؤ' ہم تمہارا ہی ویٹ کر رہے تھے۔"
"جی آپ شروع کیجیے میں بس پانچ منٹ میں آیا۔" پاپا کے کہنے پر وہ عانیہ کے جھکے سر پر پرسوچ نظر ڈالتا الجھتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ کھانے کے ساتھ ساتھ پاپا اور چچا جان سے باتوں میں بھی مصروف تھا۔ نظریں گاہے بگاہے عانیہ کی طرف بھی اٹھ جاتیں جو اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھا تھا۔
عرشمان داؤد کو ندامت سے ہونے لگی۔ اپنے مہمانوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنے کی تو اسے تربیت نہ دی گئی تھی' انجانے میں ہی سہی مگر وہ غلطی کر چکا تھا اور اب جبکہ اسے پتا چل چکا تھا کہ وہ آنٹی سائرہ کی بھانجی ہے تو گلٹ اور بڑھ گیا تھا۔
"ایکسکیوزمی مس عانیہ۔" واپسی پر وہ سر جھکائے سب سے پیچھے چلی آرہی تھی جب اس کے پکارنے پر نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی۔ "سوری' اگر آپ میری وجہ سے ہرٹ ہوئی ہیں میں نے وہ سب جان بوجھ کر نہیں کہا تھا۔" عانیہ اس سے کوئی بھی بات کیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ اسے روبرو پاتے ہی وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہونے لگتی اور یہ ہی چیز اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بی جی آج مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔
"کیوں کیا ہوا؟" رات وہ بی جی کی گود میں سر رکھے کہہ رہا تھا جب انہوں نے پوچھا۔
"وہ جو آنٹی سائرہ کی بھانجی آئی تھی نا ان کے ساتھ۔"
"ہاں وہ . . ."
ماشاء اللہ کافی سلجھی ہوئی اور پیاری بچی تھی۔ اس کے انداز و اطوار دیکھتے صاف پتا چلتا ہے کہ بہت اچھے طریقے سے اس کی پرورش کی گئی ہے۔ سلام کرنے کے بعد اس نے بڑے احترام سے سر جھکایا تھا ورنہ آج کل کے بچوں میں تو ایسی اخلاقیات سرے سے ہی نہیں پائی جاتیں۔"
"میری بھی تو سنیے نا۔" بی جی کی تعریفیں اس کے اندر کے گلٹ کو اور بڑھاتی جا رہی تھیں اس لیے زچ ہوتے ہوئے بولا۔
"ہاں ہاں کہو پتر جی میں سن رہی ہوں۔"
"وہ ایکچوئیلی۔ میں اسے ملازمہ سمجھ بیٹھا تھا۔"
"کیا۔۔۔؟" بی جی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"عرشمان یہ کیا حرکت کی بیٹا آپ نے کیا وہ آپ کو ملازمہ لگی تھی' اتنی موہنی اور پیاری صورت تھی اس کی میری تو ابھی تک نظروں میں گھوم رہی ہے۔"
انہیں حقیقتاً" دکھ ہوا تھا۔
"اوہو۔ بی جی کہا تو ہے کہ غلطی ہو گئی۔" وہ جھنجلا سا گیا' یہ اس کی طبیعت کا خاصا تو نہ تھا مگر دل کی بے چینی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔
"تو بیٹا آپ نے اس سے ایکسکیوز کر لینی تھی۔" وہ اس کے ماتھے کے بل سمیٹتے ہوئے جھٹ سے بولیں۔
"کی تو تھی۔"
"پھر۔"
"پھر کیا۔ نو رپلائی' لگتا ہے کہ وہ کچھ زیادہ ہی مائنڈ کر گئی تھی۔"
"تو بیٹا اسے کرنا بھی چاہیے' اب اگر کوئی آپ کو ملازم کہے تو آپ کو کیسا لگے گا۔"
"کیوں۔ کوئی مجھے ملازم کہے گا' میری شکل ملازموں جیسی ہے کیا۔" وہ برہم سا گویا ہوا بی جی مسکرا دیں' واقعی اس کی شکل تو شہزادوں جیسی تھی۔ تو کیا اس لڑکی کی صورت ملازموں جیسی تھی۔
"آپ اس سے دوبارہ ایکسکیوز کر لیں مائے سن۔"
"جی کر لوں گا۔" سر اثبات میں ہلاتے وہ تابعداری سے بولا تھا بی جی تو اس کی اس ادا پر نثار ہی تو ہو گئیں۔
"نہیں اپنا یہ پوتا حد سے زیادہ عزیز تھا اگر یوں کہا جائے کہ اس کے اندر ان کی جان بستی تھی تو کچھ غلط نہ ہو گا' عمارہ کے جانے کے بعد انہوں نے ہی اس کی پرورش کی تھی' اس کی شخصیت کو نکھارنے میں اپنی طرف سے تو انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ کچھ وہ خود بھی بہت سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک تھا' ایک دفعہ بی جی نے جس بات سے منع کر دیا تو دوبارہ پلٹ کر وہ بات نہ کی' عورت ذات کے حوالے سے اس کی سوچیں کچھ منتشر اور مبہم سی تھیں۔ عورت کے لیے وہ اک خاموش سمندر کی مانند تھا جس میں آج تک پہلا پتھر پھینکنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی تھی۔

مما جب اسے چھوڑ کر گئی تھیں تو اس کی عمر فقط سات سال کی تھی ذہن کچا تھا اور دل معصوم' اگر بی جی کا سہارا نہ ہوتا تو عورت ذات کے لیے اس کے دل میں اب تک شدید نفرت پیدا ہو چکی ہوتی' مما کا کردار اک آئینے کی طرح اس کے سامنے تھا۔ مما کے ڈاج سے بابا ٹوٹ گئے تھے بکھر گئے تھے' عورت ذات سے نفرت کرنے لگے تھے' مگر وہ ایسا نہیں کر پایا تھا وہ اگر عورت سے نفرت نہیں کرتا تھا تو محبت بھی نہیں کر پایا تھا۔ وہ بی جی کو ٹوٹ کر چاہتا تھا اور شاید یہ ہی وجہ تھی کہ وہ عورت سے نفرت کرنے میں خود کو کمزور پاتا تھا' مگر اس بار محبت اسے چن چکی تھی اور محبت کا تو کام ہی انسان کو اپنی اسیری میں لے کر بے بس کرنا ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ آج خاص طور پر اس سے ایکسکیوز کرنے کے ارادے سے وہاں آیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی اس نے زینی سے عانیہ کو بلانے کے لیے کہا تو زینی نے خاصی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے عرشمان داؤد کا اس طرح سے عانیہ کو بلانا قابل حیرت ہی تو تھا جب زینی نے پیغام عانیہ تک پہنچایا تو وہ بھی کافی حیران ہوئی تھی۔
"وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"
"یہ تو مجھے بھی پتا نہیں مگر وہ ڈرائنگ روم میں آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔ آپ جائیے میں چائے لے کر آتی ہوں۔" زینی کے جانے کے بعد وہ آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی' گھریلو سادہ سا پرپل اور وائیٹ سوٹ' دھلا دھلایا صاف شفاف چہرہ۔
"ہاتھ سے کپڑوں کی سلوٹیں دور کرتے سر پر دوپٹا اوڑھ کر وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔
"السلام علیکم!" اندر داخل ہوتے ہی اس نے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام۔" یکلخت وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"پلیز بی سیٹڈ"

"تھینکس۔"

"زینی بتا رہی تھی کہ آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ خیریت؟" اس کے سامنے والے صوفے پر براجمان ہوتے اس نے نارمل سے انداز میں پوچھا' ورنہ اسے روبرو پاتے دل کی حالت غیر ہونے لگتی تھی۔

"ایکچوئیلی اس دن کے حوالے سے میں آپ سے معذرت کرنے آیا ہوں۔" عانیہ نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' وہ واقعی نادم نظر آرہا تھا۔

"اٹس او کے۔" اسی وقت زینی چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سے سجی ٹرالی گھسیٹتے اندر داخل ہوئی۔

"ایم سوری مس عانیہ' میں اس وقت کچھ بھی نہیں لے پاؤں گا۔ آئی ہیو شارٹ ٹائم' بہت اہم میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ آئی ہوپ آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔ میں تو بس آپ سے ایکسکیوز کرنے آیا تھا۔"

وہ دھیرے سے مسکراتے اٹھ کھڑا ہوا۔ عانیہ سعید کی نظریں اس کی مسکراہٹ پر جم سی گئیں۔ کیا کسی مرد کی مسکراہٹ اتنی خوب صورت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

اشنا کی برتھ ڈے پارٹی کو کافی بڑے پیمانے پر ارینج کیا گیا تھا۔ وہ تو لان کی سجاوٹ دیکھ کر ہی دنگ رہ گئی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی کی شادی کے فنکشن کی تیاری ہو رہی ہو۔ ساری ڈیکوریشن کو سراہتی ہوئی نظروں سے دیکھتے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ فنکشن میں کونسا سوٹ پہنے کہ اسی وقت ناک کرتے زینی اندر داخل ہوئی۔

"عانیہ آپ کو میڈم سائرہ اپنے روم میں بلا رہی ہیں۔" وہ سر ہلاتے سائرہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

جو اپنے سامنے بیڈ پر وائٹ کلر کا نہایت خوب صورت فراک پھیلائے سوچوں میں گم تھیں۔

"میں آجاؤں آنٹی؟"

"ہاں' ہاں آجاؤ' میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی' یہ ڈریس کیسا ہے؟" انہوں نے وہی فراک اس کے سامنے کیا۔ فراک کے گھیراؤ اور چمک دھمک نے حقیقتاً" اس کی آنکھیں خیرہ کر دی۔

"بہت' بہت' زبردست ہے آنٹی؟" اس نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

"یہ میں تمہارے لیے لائی ہوں' آج رات کے فنکشن کے لیے۔"

"جی" حیرت سے اس کی زبان گنگ سی رہ گئی۔ اسے کسی صورت یقین نہ آیا تھا۔

"ناٹ اگین عانیہ' کتنی بار میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے ہمارے اسٹیٹس کو مدنظر رکھ لیا کرو۔ تم مشرقی لباس پسند کرتی ہو اس لیے' میں نے تمہارے لیے یہ خریدی ہے جبکہ اشنا مغربی لباس پسند کرتی ہے تو اس نے اپنے لیے میکسی خریدی ہے۔

آج پہلی بار تم ہمارے سرکل میں متعارف کروائی جاؤ گی اور سب تمہیں سائرہ بیگم کی بھانجی کی حیثیت سے ہی ملیں گے اور یہ میں کسی صورت برداشت نہیں کر پاؤں گی کہ تم کسی سے بھی کم نظر آؤ' یہ لو' اور اب جاؤ' مہمان آنے ہی والے ہوں گے۔ تیار ہو جاؤ جا کر۔"

اس نے ان کے ہاتھ سے فراک لی اور پھر اپنے کمرے میں آگئی۔ ڈریس کی ٹینشن تو ختم ہو گئی تھی مگر یہ بھی سچ تھا کہ حیرت کسی صورت ختم نہ ہو رہی تھی۔ وہ شاید آنٹی سائرہ کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ اوپر سے سخت' کرخت' گھمنڈی نظر آنے والی اندر سے بالکل برعکس تھیں۔ وہ ہر چیز پرفیکٹ چاہتی تھیں۔ معمولی سی چیز ان سے جڑ کر خاص ہو جاتی تھی۔ وہ خود کو نمایاں رکھنے کی عادی تھیں پھر وہ کس طرح گوارا کر لیتیں کہ ان کی بھانجی اس فنکشن میں معمولی کپڑوں میں نظر آئے۔ وہ ظاہر نہیں کرتی تھیں مگر انہیں عانیہ کی پروا تھی مگر ان کا پروا کرنے کا انداز ذرا مختلف تھا' اور عانیہ سعید کو یہ بات اب بڑی تفصیل سے سمجھ آچکی تھی۔ وہ ایک اخروٹ کی طرح کی تھیں

جو بظاہر سخت نظر آتا ہے مگر اندر سے انتہائی نرم ہوتا ہے۔ وہ اک رشتے کی ڈور سے بندھی اس گھر میں موجود تھی اور آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ رشتہ اتنا کچا ہرگز نہ تھا۔ عانیہ کے ہونٹوں کو دھیمی سے مسکراہٹ نے چھولیا۔

وہ ڈریس لے کر واش روم میں گھس گئی اور پھر جب چینج کر کے قد آدم آئینے کے سامنے آکر کھڑی ہوئی تو خود کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ فراک کی فٹنگ پرفیکٹ تھی وہ اس میں باربی ڈول ہی لگ رہی تھی۔ کتنی دیر تو پلک جھپکے بغیر وہ خود کو دیکھتی رہی۔ کیا واقعی وہ اتنی خوب صورت تھی۔ اس نے تحیر سے سوچا

اسی وقت ناک کرتے آنٹی کمرے کے اندر داخل ہوئیں اور یہ ان دو ماہ میں پہلا موقع تھا کہ وہ خود سے چل کر اس کے روم میں آئی تھیں۔ اسے دیکھتے ان کی آنکھوں میں جو پہلا تاثر ابھرا تھا وہ ستائش و پسندیدگی کا تھا۔ عانیہ جھینپ سی گئی۔

"ڈریس لیتے وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ تم پر اتنا سوٹ کرے گا۔" تعریف تھوڑے مختلف انداز میں کی گئی تھی مگر عانیہ مسکرادی۔

"میک اپ کیوں نہیں کیا تم نے؟"

"وہ... آنٹی میں نے زندگی میں کبھی میک اپ نہیں کیا۔" انہوں نے انٹر کام پر زینی کو آنے کے لیے کہا۔

"زینی اس کا میک اپ کر دو چونکہ اس نے زندگی میں کبھی میک اپ نہیں کیا تو بہت سوفٹ اور لائٹ ٹچ دینا۔" زینی کو کہتیں وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی باہر چلی گئیں، انہیں خود بھی جا کر تیار ہونا تھا، اشنا تو کب سے پارلر گئی ہوئی تھی۔

زینی نے سائرہ بیگم کی ہدایت پر پورا پورا عمل کیا تھا، اور پھر جیسے زینی کی نظر اس کے خوبصورت چہرے پر ٹھہر سی گئی۔

"ماشاء اللہ! آپ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں عانیہ، اللہ نظر بد سے بچائے۔" اس کے کانوں میں لائٹ سے ٹاپس پہناتے زینی نے کہا جبکہ حیران حیران سی عانی کتنی دیر خود کو آئینے میں دیکھتی رہی۔

"یہ سب اس ڈریس اور میک اپ کا کمال ہے ورنہ میں تو وہی پرانی سی عانیہ سعید ہوں۔" اس کے سادگی اور معصومیت سے کہنے پر زینی مسکرادی۔

☆ ☆ ☆

اشنا کا لباس آج کے دن بھی عانی کو کافی نامناسب لگا۔ عانیہ سعید نے سوچا اگر وہ اس وقت مغربی کے بجائے مشرقی لباس میں ہوتی تو انتہائی حسین لگ رہی ہوتی مگر ساری بات ہی اپنی اپنی پسند کی ہے۔ تمام مہمان آچکے تھے۔ آنٹی سب سے اس کا بڑھ چڑھ کے تعارف کروا رہی تھیں۔ ان کی اس قدر محبت و اپنائیت پر عانیہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اتنی خوشی تھی کہ وہاں موجود گئی لوگوں کی نظر ٹھٹکی تھی۔

اس پل عرشمان داؤد اندر داخل ہوا تھا۔ عانیہ کی نظر جیسے اس پر ٹھہر سی گئی۔ نیوی بلو سوٹ میں وہ حسب معمول اس وقت بھی مردانہ وجاہت کا دلکش شاہکار نظر آرہا تھا بے ساختہ ہی عانیہ کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی، وہ دشمن جاں اسی کی طرف ہی آرہا تھا، عانیہ سعید کے پورے وجود میں پھریری سی گھومی، چہرے پر پسینے کی چھوٹی چھوٹی بوندیں نمودار ہونے لگیں۔ یہ کیسا احساس اس ایک لمحے میں اس پر آشکار ہوا تھا، یہ کیسا ادراک تھا، یہ کیسی آگہی تھی، اس کی آنکھوں کے کونے نمکین پانی کی لپیٹ میں آنے لگے۔ وہ قریب آچکا تھا، عانیہ نے آہستہ سے اپنا سر جھکا لیا۔

"السلام علیکم عانیہ، کیسی ہیں؟" عانیہ نے ہولے سے سر اٹھایا... عرشمان داؤد بے اختیار ٹھٹکا، عانیہ کی آنکھوں کا بھیگا بھیگا تاثر اسے وہیں منجمد کر گیا۔ عرشمان داؤد نے بغور اس چہرے کو دیکھا تھا، سرسری اٹھی نظر کب گہری ہوتی گئی اسے خود بھی احساس نہ ہوا۔ وہ دونوں ہی ارد گرد سے غافل عجب خود فراموشی میں کتنی دیر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ کافی دیر کے بعد ہی وہ خود میں لوٹے تھے، عرشمان داؤد کی آنکھوں

میں حیرت جبکہ عانیہ سعید کی آنکھوں میں نمی تھی فقط اک لمحہ لگا تھا اور وہ عام چہرہ عرشمان داؤد کے لیے خاص بنا گیا خوب صورتی تو کبھی بھی عرشمان داؤد کی طلب نہ تھی تو پھر آخر کیا تھا اس چہرے میں۔۔۔

"عانیہ کیسی ہیں آپ؟" تھوڑی دیر کے بعد عرشمان داؤد نے دوبارہ پوچھا۔ وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہر گز نہ تھی اس لیے تقریباً" دوڑتے ہوئے وہاں سے پلٹی تھی۔ اشنا کے قریب آکر کھڑے ہوتے وہ کتنی دیر اپنے تیز تیز دھڑکتے دل کی دھڑکنیں سنبھالتی رہی۔

"آر یو اوکے عانیہ!" اشنا کے پوچھنے پر وہ آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گئی اور پھر وہ پورے فنکشن کے دوران عرشمان داؤد کی نظریں خود پر محسوس کرتی رہی۔

"اف کتنی گہری نظریں ہیں اس بندے کی۔" اس کے گالوں سے اچھی خاصی تپش نکلنے لگی۔ اپنے دونوں گالوں کو تھپکتے وہ قدرے کم رش والی جگہ پر ایک کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ آنٹی سائرہ اور اشنا کے ساتھ کھڑا باتوں میں مصروف تھا' مگر اس کے باوجود بھی اس کی نظروں کی گرفت میں وہ بار بار آرہی تھی۔

وہ کسی بات پر ہنسا تھا عانیہ کا دل اندر سے دھڑکا تھا' نظر ٹھہر سی گئی اس کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کرتے عرشمان داؤد کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہی اس نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ اٹھنے لگی۔ مگر یہ کیا' کمر کے پیچھے سے اس کی فراک کسی چیز میں بری طرح پھنستے ہوئے الجھ کر رہ گئی۔ وہ ایک دم پریشان ہوگئی۔ اس نے اپنی طرف کھینچتے تھوڑا ہی زور لگایا تھا جس کے نتیجے میں فراک پھٹنے کی آواز صاف سنائی دی گھبراتے ہوئے اس نے بے اختیار ہی ارد گرد دیکھا' کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا' مگر عرشمان داؤد اس کے قریب آچکا تھا۔ اس نے اپنی کمر کو کرسی کی بیک سے چپکا سا لیا' وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی فراک کمر کے کس حصے سے اور کس حد تک پھٹی تھی۔

"اف اللہ جی یہ کیا ہوگیا۔" اس کا سر جھک گیا آنکھیں لبالب پانی سے بھرنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ اپنی بے بسی پر وہ رو دیتی اسی وقت اس کی آنکھوں کے سامنے کوٹ تھامے ایک ہاتھ ابھرا اس نے بھیگی پلکیں اٹھائیں' سامنے عرشمان داؤد اپنی زور آور شخصیت لیے کوٹ اس کی طرف بڑھائے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ اس وقت ازحد سنجیدہ تھا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ کیا وہ اسے نوٹ کررہا تھا۔ نیٹ کا باریک دوپٹا تو کسی صورت اس قابل نہ تھا کہ اس سے وہ اپنی پشت ڈھانپ سکتی کچھ بھی کہے بغیر اس نے آہستہ سے عرشمان داؤد کے ہاتھ سے کوٹ تھام لیا اور پھر چیئر پر بیٹھے ہی اسے پہن بھی لیا' کھڑے ہوتے اس نے سرعت سے چیئر کی طرف دیکھا تھا وہاں نوک دار باریک کیل نظروں کی گرفت میں آتے ہی اس کی آنکھیں بے اختیار ہی عرشمان داؤد کی نظروں سے ٹکرائی تھیں اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا' مگر عرشمان نے ایک نظر کے بعد دوبارہ اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"لگتا ہے کہ آپ کو میری نظر لگ گئی ہے' اس ڈریس میں آپ پیاری بھی تو بہت لگ رہی تھیں۔" عانیہ نے تحیر سے پلکیں اٹھائیں' مگر وہ پلٹ چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی جب ٹیلی فون کی بیل بجی۔

"ہیلو۔۔۔" والیم کم کرتے اس نے ریسیور کان سے لگایا۔

"کسی کی چیز لے کر واپس کرنے کا رواج نہیں ہے کیا آپ کے ہاں۔"

"جی۔۔۔ کیا مطلب؟ اور کون بات کررہے ہیں آپ؟" ایئر پیس سے ابھرنے والی مردانہ گمبھیر آواز نے لمحوں میں اسے حیران کیا تھا۔

"میں عرشمان داؤد بول رہا ہوں۔"

"آ۔۔۔ پ! میں نے کون سی چیز لی ہے آپ کی؟"

"کیوں اتنی جلدی بھول گئیں' اشنا کی برتھ ڈے کو ابھی اتنا عرصہ تو نہیں گزرا۔" ادھر سے وہ مسکراتے

ہوئے کہہ رہا تھا اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔

"اوہ۔ تو آپ کوٹ کی بات کر رہے ہیں مگر وہ تو میں نے ڈرائیور کے ہاتھ دوسرے دن ہی بھیج دیا تھا۔"

"اچھا... مگر مجھے تو نہیں ملا۔" وہ انجان بنا' ورنہ کوٹ تو اس وقت اس کی وارڈروب میں موجود تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے میں ابھی ڈرائیور سے پوچھتی ہوں۔"

"ارے رہنے دیں اس بے چارے ڈرائیور کو کچھ مت کہئے گا' فون تو میں نے آپ کو یہ کہنے کے لیے کیا ہے کہ بی جی آپ کو بہت یاد کر رہی تھیں۔"

"مجھے...؟" وہ خاصی حیران ہوئی۔

"جی آپ... کو۔"

"اچھا... کیسی ہیں وہ؟"

"اب طبیعت تو ٹھیک ہے' مگر کمزوری بہت محسوس کر رہی ہیں۔"

"کیوں کیا ہوا تھا انہیں!" وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ عرشمان داؤد کو اس کا بی جی کے لیے یوں پریشان ہونا بہت اچھا لگا تھا۔

"پچھلے کچھ دنوں سے انہیں بخار تھا اسی وجہ سے تو اشنا کی برتھ ڈے پارٹی پر بھی نہیں آسکیں۔ مگر اب اللہ کا شکر ہے کہ ٹھیک ہیں۔

کب آرہی ہیں آپ؟"

"کہاں؟"

"ہمارے غریب خانے پر' بی جی کی عیادت کو۔"

"مم... میں؟"

"جی آپ..."

"دیکھتی ہوں۔" وہ ٹال گئی۔

"کیا دیکھتی ہیں' ایک بیمار کی عیادت کے لیے بھی آپ کو کچھ دیکھنا پڑتا ہے جبکہ بیمار خود آپ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرے۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔ کئی دنوں سے وہ عجیب سی بے کلی محسوس کر رہا تھا اور اب اس کی آواز سن کر دل کسی معصوم بچے کی طرح ایک دم بہل سا گیا تھا' جب سے وہ اشنا کی برتھ ڈے سے لوٹ آیا تھا اپنے ساتھ اک بے چینی اور بے سکونی بھی لے آیا تھا جب کسی پل قرار نہ ملا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اسے فون کرنے لگا اس سے بات کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تو چاہیے تھا نا پہلے کوٹ اور پھر بی جی کے حوالے سے بات کرنے لگا' ورنہ بی جی تو اللہ کا شکر تھا پہلے سے بہت بہتر تھیں۔ کل انہوں نے باتوں باتوں میں عانیہ کا ذکر چھیڑ لیا اور اسی ذکر کو حوالہ بنا کر وہ اسے انوائٹ کرنے لگا۔ عانیہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اسے کیا جواب دے۔ اسی وقت سائرہ بیگم نے لاؤنج میں قدم رکھا۔

"عانیہ کس کا فون ہے؟" بوکھلاتے ہوئے اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا' آنٹی کی آمد سے وہ ایک دم گھبرا سی گئی۔

"وہ... وہ آنٹی' جی' بی جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' میں ان کی عیادت کو جانا چاہ رہی تھی۔" عرشمان کا ذکر وہ دانستہ گول کر گئی۔

"اوہ..." انہوں نے لمبا سانس ہوا میں خارج کیا۔

"اگر تم جانا چاہتی ہو تو ضرور جاؤ۔ میں تو اس وقت بہت ضروری کام سے جا رہی ہوں' تم ایسا کرنا میری طرف سے بھی پوچھ لینا' میں ڈرائیور کو کہہ دیتی ہوں۔ وہ تمہیں چھوڑ آئے گا' بی جی سے کہنا میں ایک دو دن میں ضرور چکر لگاؤں گی۔"

"جی..." ان کے مصروف سے انداز میں کہنے پر وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔ یہ بھی سچ تھا کہ وہ وہاں جانا چاہتی تھی... کیوں' یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی جیسے ہی اس عالیشان محل کے پورچ میں رکی وہ آہستہ سے دروازہ کھولتے باہر نکل آئی' چونکہ وہ بنا بتائے آئی تھی اس لیے راہداری میں ویلکم کے لیے کوئی موجود نہ تھا۔ لاؤنج میں قدم رکھتے وہ بے ساختہ جھجک سی گئی۔ گھر کے افراد تو ایک طرف کوئی ملازم بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ بی جی کا کمرا کون سا ہے اور کسی بھی کمرے میں منہ اٹھا کر وہ گھسنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے متذبذب سی انگلیاں موڑتے

وہیں کھڑی رہی۔ اسی وقت اسے سیڑھیوں سے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس نے گردن موڑتے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

"آپ۔۔۔؟" سامنے موجود عرشمان داؤد کی آنکھوں میں خوش گوار حیرت ابھری تھی۔ اسے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔ نک سک سے تیار خوشبوئیں بکھیرتا اس کا وجود آج بھی بلا کا دلکش لگ رہا تھا۔ ان لودیتی آنکھوں کی چمک نے تو ایک پل کے لیے عانیہ سعید کی بولتی ہی بند کردی۔ نظروں کے ساتھ ساتھ اس کی گردن بھی جھکتی چلی گئی۔ کپکپاتی پلکوں کی جنبش، چہرے پر چھائی سرخی عرشمان داؤد کے ہونٹوں پر دھیمی، مگر خوب صورت مسکراہٹ بکھیر گئی۔ وہ اس کے کلیوں سے بھی نازک سراپے کو نظروں کی گرفت میں لیتے اس کے روبرو آکھڑا ہوا۔ اک دلفریب مہک عانیہ سعید کے حواسوں پر چھانے لگی۔

"اس ایک پل کے عوض کوئی مجھ سے میری پوری زندگی کی خوشیاں بھی مانگ لے تو میں ہنس کردے دوں گا۔" وہ فقط آواز تو نہ تھی وہ تو کوئی سحر تھا جو اس کی سماعتوں پر پھونکا گیا تھا۔ وہ تو کوئی ایسا طلسم تھا جو اس کے چاروں اور جادو بکھیرنے لگا۔ عانیہ سعید کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں۔

"کیا واقعی وہ بی جی کی عیادت کو ہی آئی تھی۔" اس نے خود سے سوال کیا تھا، مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اندر گمبھیر خاموشی کا راج تھا جبکہ اس کے برعکس عرشمان داؤد کے دل کی گواہی اتنی واضح اور مضبوط تھی کہ اسے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔

"آیئے پلیز۔۔۔" وہ اسے لیے بی جی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"اگر آپ مجھے بتا کر آتیں تو آپ کے استقبال کے لیے میں خاص اہتمام کرتا۔" راستے میں وہ کہہ رہا تھا۔ عانیہ نے بے اختیار ہی نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا، اسی پل عانیہ سعید نے اپنے دل کی ایک ایک دھڑکن اس مسکراہٹ کے نام کردی۔ دل واقعی انسان کو بے بس کر چھوڑتا ہے۔

بی جی عانیہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسے کھانے پر روک لیا تھا۔ اور وہ رک بھی گئی۔ عرشمان داؤد نے ارجنٹ کہیں جانا تھا، مگر اس کے وجود کے سامنے تو جیسے وہ ہر چیز بھول گیا۔ رات کھانے پر اس نے ایک ایک چیز اسے اصرار کرکر کے کھلائی تھی اور بی جی جو کب سے عرشمان کے اس نئے روپ کو متعجب سی بغور دیکھ رہی تھیں کچھ سمجھتے ہوئے دھیرے سے مسکرادیں اس کے چہرے کی چمکتی ہوئی دلکش مسکراہٹ انہیں بہت کچھ سمجھا گئی تھی، انہوں نے عانیہ کے جھینپے جھینپے چہرے کی طرف دیکھا۔ واقعی وہ لڑکی اس قابل تھی کہ اس سے عرشمان داؤد محبت کرتا۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں ان دونوں کی نظر اتاری اور پھر اک اطمینان بھرا سانس ہوا میں خارج کرتے انہیں ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

عانیہ سعید کی زندگی ایک دم بدل گئی تھی۔ عرشمان داؤد کو سوچنا، اسے چاہنا، اسے دیکھنا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ ایک خوب صورت دھیمی مسکراہٹ ہر وقت اس کے ہونٹوں پر سجی رہنے لگی۔ ان کے درمیان کوئی عہد و پیماں نہ ہوئے تھے، مگر اس کے باوجود ایک تعلق جڑ چکا تھا۔ عرشمان داؤد اکثر اسے فون کرنے لگا، پی ٹی سی ایل پر بات کرتے اسے کافی دشواری ہوتی اس لیے اس ماہ آنٹی نے اسے جیسے ہی پاکٹ منی دی تو پہلی فرصت میں ہی اس نے اپنے لیے سیل خرید لیا۔ عرشمان داؤد اس کی زندگی کا سب سے خوب صورت خواب بن چکا تھا اور جس کی تعبیر کے لیے وہ بے شمار دفعہ اپنے اللہ کے سامنے گڑگڑائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کل کا سارا دن میں تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں کل کے دن میں ایسی کیا خاص بات ہے۔" وہ مسکرائی۔

"ہے نا خاص بات۔۔۔"

"کیا مجھے نہیں بتائیں گے؟" اس کے اندر تجسس ابھرا تھا۔
"کل کون سا دور ہے پتا چل جائے گا۔" مسکراتے ہوئے اس نے سسپنس کری ایٹ کرنا چاہا۔
"اور اگر میں آج جاننا چاہوں تو۔۔۔" وہ بضد ہوئی۔
"تو میں بہت پیار سے تم سے معذرت کرلوں گا۔"
"تو ٹھیک ہے پھر میں بھی معذرت کرلوں گی۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔ عرشمان داؤد کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
"ارے نا نا ایسا نہ کرنا کیوں کہ یہ تو طے ہے کہ کل تم سارا دن میرے ساتھ گزارو گی۔"
"گھنٹے دو گھنٹے کی بات اور ہے مگر سارا دن۔۔۔" وہ ہچکچائی۔
"آنٹی سائرہ کو برا لگے گا۔" اس نے عذر تراشا۔
"ان کی تم فکر مت کرو ان سے میں خود بات کرلوں گا۔" اس کے پاس جیسے اس کے ہر جواز کا حل موجود تھا۔
"مگر عرشمان۔۔۔"
"پلیز عانیہ تو اگر مگر اگر تم خود نہیں آنا چاہتی تو صاف بات کرو یوں اگر مگر کے چکروں میں مت الجھاؤ مجھے۔" وہ یکلخت سنجیدہ ہوا۔ عانیہ کی جان پر بن آئی۔ اس کی ناراضی تو وہ کسی صورت افورڈ نہیں کر سکتی تھی چاہے اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑتا۔
"او کے ٹھیک ہے۔" وہ ہار گئی اس کے سامنے تو وہ اپنا آپ کب کی ہار چکی تھی وہ ساحر تھا تسخیر کرنا جانتا تھا۔ وہ دوسروں کو تسخیر کرنے کے لیے ہی تو پیدا ہوا تھا۔
"یہ ہوئی نا بات۔" وہ کھل سا گیا۔
پھر بولا۔
"ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم تک میرا ایک گفٹ پہنچے گا اسے ریسیو کر لینا۔"
"کک۔۔۔ کیا مطلب؟" مگر ادھر سے فون آف ہو چکا تھا۔ کتنی دیر سیل کو پکڑے وہ گفٹ کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ شام کے قریب جا کر اسے وہ گفٹ موصول ہوا تھا۔ اس نے جیسے اسے کھولا حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ نہایت خوب صورت اشانلش سا وائٹ کلر کا فراک تھا۔ اس نے اشنا کی برتھ ڈے پر جو فراک پہنا تھا یہ اس سے کئی گناہ زیادہ زبردست اور نفیس تھا۔ وہ تو اسے ہاتھ میں لیے کتنی دیر دیکھتی رہی۔ ساتھ ہی ایک چھوٹی سی چٹ تھی۔
"اگر تم اسے کل پہنوگی تو بہت خوشی ہوگی مجھے۔۔۔" عانیہ ہولے سے مسکرادی۔
کل جب آنٹی سائرہ سے اس نے اجازت مانگی تو انہوں نے بغیر اعتراض کیے اسے اجازت دے دی تھی۔ یقیناً عرشمان داؤد سے ان کی بات ہو چکی تھی۔
فراک پہن کر تو وہ آسمان سے اتری کوئی حور ہی لگ رہی تھی۔ زینی نے اس کا ہلکا سا میک اپ بھی کر دیا۔
"ماشاء اللہ! آج تو آپ اشنا میم کی برتھ ڈے کی رات سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہی ہیں۔ اللہ پاک ہر طرح کی بری نظر سے بچائے۔" زینی کی تعریف پر وہ مسکرا دی تھی۔ عرشمان داؤد نے بمعہ ڈرائیور گاڑی بھیج دی تھی۔ وہ جیسے ہی گاڑی میں آکر بیٹھی گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئی۔۔۔ مگر یہ کیا یہ عرشمان داؤد کا گھر تو نا تھا سامنے ہی وہ ہیلی کاپٹر کے قریب کھڑا تھا۔ گاڑی رکتے دیکھ کر وہ اس کے قریب چلا آیا۔ پھر کسی ڈرائیور کی طرح اس کی طرف کا دروازہ کھول کر تھوڑا سا جھکا۔
"ویل کم ٹو میم" عانیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
اپنے فراک کو سنبھالتے وہ جھینپی جھینپی سی باہر نکلی اور عرشمان داؤد اسے دیکھتے تو حقیقتاً خود سمیت سب بھول گیا۔
وہ اس وقت انتہا کی خوب صورت لگ رہی تھی۔ محبت کا کمال تھا یا وہ واقعی اتنی پیاری تھی وہ تو دم بخود پلک تک جھپکنا بھول گیا۔ کیا وہ کوئی پری تھی جو پرستان کا راستہ بھولتے یہاں آنکلی تھی۔ اس کا دلکش و دلفریب وجود اس زمین کا تو نہ لگ رہا تھا۔ وہ تو آسمان پر بستے چاند ستاروں سے بھی زیادہ روشنیاں خود میں

سمیٹے ہوئے تھا اور وہ آنکھیں... آج تو ان کی سج دھج ہی نرالی تھی۔ کیا کسی کی آنکھیں اتنی پاگل کر دینے والی بھی ہو سکتی ہیں۔

محبت، چاہت، دیوانگی، والہانہ پن، بے قراری، بے خودی... کیا کچھ نہ سمٹ آیا تھا اس وقت عرشمان داؤد کی آنکھوں میں۔

میری اداس راتوں کو حسین کر دے گا
وہ اپنے حسن سے سب دل نشین کر دے گا
اڑا لے جائے گا چاہت کے پرستانوں میں
وہ کوہ قاف کا مجھ کو مکین کر دے گا
وہ میری خامیاں چن چن کے ختم کر دے گا
وہ میری عادتوں کو بہترین کر دے گا
کسی کے دل میں تو آخر اسے ٹھہرنا ہے
میرے گمان کو پکا یقین کر دے گا

از خود وارفتگی کے عالم میں اس نے مدہوش کن بھرپور سرگوشی اس کی سماعتوں میں انڈیلی تھی۔ عانیہ سعید کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ لرزتی پلکیں انار کی طرح دہکتے عارضوں پر سایہ فگن ہونے میں لمحہ ہی لگا تھا۔ ہر محبوب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے وجود پر جب اس کے محبوب کی نظر اٹھے تو ٹھہر ہی جائے۔ پھر عانیہ سعید کو عرشمان داؤد کی نظریں کیسے بری لگ سکتی تھیں بلکہ ان نظروں کے دیکھنے کے انداز نے اسے تھوڑا مغرور کر دیا۔ دل تفخر بھرے احساس میں گھرنے لگا۔

"چلیں...!" کافی دیر کے بعد عرشمان کے ہونٹوں سے نکلا۔ ورنہ تشنگی ایسی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"کہاں...؟" لرزتی پلکیں فقط ایک پل کے لیے اٹھی تھیں۔

"جہاں میں لے چلوں۔" وہ اس وقت محبت کے سحر میں مکمل طور پر آ چکا تھا۔ وہ اس وقت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی مٹھی میں بند کر لینا چاہتا تھا امر کر لینا چاہتا تھا۔ عانیہ کی توجہ یکلخت ہیلی کاپٹر کی طرف ہوئی۔ وہ تھوڑا کنفیوژ سی ہو گئی۔

"کیا مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔" اس کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف عیاں ہو رہی تھی۔ کشمکش میں مبتلا تاثرات لمحوں میں اس کی گرفت میں آئے تھے۔ اور پھر عرشمان داؤد کی طرف دیکھتے لمحے کے ہزارویں حصے میں عانیہ نے اپنے یقین پر پختگی کی مہر ثبت کی۔

"آپ پر ہی تو بھروسا ہے عرشمان!"

"تو پھر چلیں..." اس کے پراعتماد انداز نے عرشمان داؤد کو معتبر سا کر دیا۔ اس نے اس کے سامنے اپنی چوڑی ہتھیلی پھیلائی تو عانیہ نے ہچکچاتے ہوئے اپنا نازک ہاتھ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ وہ اسے لیے کسی شہزادے کی طرح ہیلی کاپٹر میں سوار ہوا تھا۔

"اف عرشمان... کیا آپ ہیلی کاپٹر چلانا جانتے ہیں۔" عانیہ نے حیرت سے استفسار کیا۔ عرشمان داؤد کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ابھی آپ نے ہمیں جانا ہی کب ہے جناب... اب آہستہ آہستہ ہی ہمارے جوہر کھلیں گے نا۔"

ٹھیک ایک گھنٹے کے سفر کے بعد وہ دونوں ایک نہایت خوب صورت مقام پر موجود تھے۔ عانیہ سعید تو جیسے سحر زدہ سی رہ گئی۔

"یہ میرا فارم ہاؤس ہے جب میں تنہائی محسوس کرتا ہوں تو یہاں چلا آتا ہوں۔"

وہ فارم ہاؤس تو نہ تھا بلکہ وہ کوئی طلسم کدہ تھا۔ اردگرد چھائی ہریالی، سبزہ، پھول، پودے اور پھر بڑی سی جھیل۔ عانیہ تو اس منظر کو دیکھتے مبہوت سی رہ گئی۔ وہ یہاں بہت انجوائے کرتی اگر عرشمان داؤد کے ساتھ یہاں تنہا ہونے کا احساس نہ ہوتا۔ کس دھڑلے سے اس نے کہا تھا کہ وہ اس پر بھروسا کرتی ہے اور یہ سچ بھی تھا وہ اس پر بھروسا کرتی بھی تھی، مگر اس کے باوجود بھی اس کے ساتھ یہاں تنہا ہونا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی شرمندگی میں مبتلا کر رہا تھا۔

وہ اس سے محبت کرتی تھی، اس پر بھروسا کرتی تھی، مگر پھر بھی اندر بے چینی سی تھی اس نے کوئی غلط کام تو نہیں کیا تھا پھر کیوں دل و دماغ اسے مبہم سی سوچوں کی

طرف دھکیل رہے تھے۔ اس کے اندر ندامت ابھرنے لگی تھی۔ کیا محبت واقعی اتنی اندھی ہوتی ہے کہ محبوب کے کہنے پر اتنی دور تنہا چلی آئے' بغیر کسی ڈر بغیر کسی خوف کے۔

"اندر چلیں۔۔۔" وہ ایک دم گم صم سی ہو گئی۔ خالی خالی نظروں سے کتنی دیر عرشمان داؤد کی طرف دیکھتی رہی۔ ضمیر کی ملامت بڑھنے لگی۔ اس دوران اس کے چہرے کا ایک ایک اتار چڑھاؤ عرشمان کی نظروں کی گرفت میں رہا۔ وہ ابھی اسی ادھیڑبن میں الجھ رہی تھی کہ اس کے ساتھ اندر جائے یا نہ جائے جب عرشمان نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے اندر لے آیا' مگر یہ کیا۔۔۔؟

اندر کے مین دروازے پر بی جی کو اپنے استقبال میں دیکھ کر اس نے پرمسرت حیرت سے عرشمان کی طرف دیکھا۔ اس نے دھیرے سے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ نجانے کیوں' مگر اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ سے گئے۔ ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ دوڑتے ہوئے بی جی کی کھلی بانہوں میں سمائی تھی۔

"آپ کو یہاں دیکھ کر یقین کریں مجھے بہت خوشی ہوئی ہے بی جی۔" چہکتی ہوئی آواز میں وہ بولی تھی۔ عرشمان داؤد اس کے خوشی سے چمکتے چہرے کو دیکھتے مسکراتے ہوئے ٹیرس کی طرف بڑھ گیا۔ آج اسے مکمل یقین ہو چکا تھا کہ وہ عانیہ سعید کو بہت اچھی طرح سے جان چکا ہے۔

"تھینک یو سو مچ عرشمان۔۔۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔ ممنون نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"جانتی ہو عانیہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کی تمہارے چہرے کی خوشی نے مجھے ایک غرور اک تفاخر میں مبتلا کر دیا تھا۔" مجھے اپنی محبت اپنی پسند پر فخر سا ہوا تھا۔

"تم میرے ساتھ یہاں تنہا آنے پر بخوشی راضی ہوتیں میرے لیے یہ باعث خوشی نہ تھا' تمہاری جھجک' کشمکش' گھبراہٹ میرے لیے وہ انمول تھی۔

اس دوران میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ تم مجھے کتنا چاہتی ہو اور یہ بھی جان چکا ہوں کہ اپنی نیچر کے خلاف جا کر تم میرے ساتھ ایک پل بھی خوشی کا نہیں گزار سکتیں' میں نے تم سے محبت ہی نہیں بلکہ تمہارا احترام بھی کیا ہے۔

جہاں بغیر کسی مضبوط رشتے کے ایک مرد اور عورت میں تنہائی ہو وہاں شیطان ضرور ہوتا ہے۔ سمجھ دار اور طاقت ور انسان وہ نہیں' جو یہ سوچتا ہے کہ شیطان اس پر کبھی حاوی نہیں ہو سکتا۔ سمجھ دار اور طاقت ور انسان وہ ہے جو ایسے مواقع ہی پیدا نہ ہونے دے۔ ہم ولی نہیں ہیں' پھر باتیں کیوں ولیوں جیسی کریں' ہم فرشتے بھی نہیں ہیں' ہم صرف انسان ہیں اور ہمیں انہیں حدود و قیود کے زمرے میں رہ کر سوچنا چاہیے کہ یہ حدیں اللہ کی مقرر کردہ ہیں' میں کوئی بہت مذہبی انسان نہیں ہوں' مگر یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آج تک کبھی کسی بھی عورت کے ساتھ چند پل بھی تنہا نہیں گزارے۔

محبت ایک بے اختیاری اور مقدس جذبہ ہے اور ہر مقدس چیز کا احترام تو لازمی ہے نا' پھر میں کیا اور میری اوقات کیا۔ تم دنیا کی پہلی عورت ہو جس کے سامنے عرشمان داؤد نے خود کو جھکتے ہوئے پایا ہے۔ تمہارے چہرے پر چھائی شرم و حیا' آنکھوں میں لپکتی جھجک' تمہیں نایاب کرتی ہے عانیہ اور تمہارا یہی نایاب پن تمہیں دوسری عورتوں سے منفرد کرتا ہے اور منفرد پن عام انسانوں میں نہیں بلکہ خاص انسانوں میں ہوتا ہے۔" عانیہ کو احساس بھی نہ ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ کیا وہ اس قابل تھی کہ اسے اتنی اچھی سوچ کا مالک مرد ملتا جبکہ وہ نرمی سے اس کے آنسو صاف کرتے کہہ رہا تھا۔

"میں اس محبت کو نہیں مانتا جو بغیر کسی رشتے کے تنہائی کی متلاشی ہو۔ اس فارم ہاؤس میں' میں اور تم تنہا ہوتے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہاں تمہیں یہاں لانا میرے دل کی بہت بڑی خواہش تھی اور جس کے آگے میں بے بس ہو گیا تھا۔" عانیہ سعید دھندلائی آنکھوں سے کتنی دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی تو اس کی آواز بھی بھیگی ہوئی تھی۔

"آپ بہت اچھے ہیں عرشمان بہت اچھے۔"

"نہیں عانیہ میں بہت اچھا نہیں ہوں مجھ میں بھی خامیاں ہیں جس میں سب سے بڑی خامی باقاعدگی سے نماز نہ پڑھنا ہے میں جانتا ہوں کہ تم باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہو اور مجھے یقین ہے جب تم میری زندگی میں آؤگی تو میری تمام خامیاں ایک ایک کرکے ختم کردوگی۔ کردوگی نا....." اس کے پوچھنے پر عانیہ نے بھیگے چہرے کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا۔ پھر وہ دور خلاؤں میں گھورتے دکھ بھرے انداز میں بولا۔

"محبت کو محبت ہی رہنا چاہیے عانیہ اسی میں اس کا تقدس اس کی خوب صورتی ہے مگر ہمارے اسٹینس میں محبت اور ہوس میں کوئی فرق نہیں رہا۔ میرے اپنے جاننے والے دوست احباب اپنی فیانسی اور گرل فرینڈز کے ساتھ تنہائی میں بہت سا وقت پاس کرتے ہیں۔ میں نے تب ہی سوچ لیا تھا کہ مجھے شیطان کے سامنے نفس نہیں ہارنا یہ سودا بہت مہنگا ہے بہت مہنگا۔" وہ اک جذب سے کہہ رہا تھا اور عانیہ سعید فخر سے اپنے ہم سفر کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ پتا نہیں کس نیکی کے عوض اللہ پاک نے اتنا اچھا انسان اسے عطا کیا تھا۔ وہ جتنا باہر سے شاندار تھا وہ اس سے بڑھ کر اندر سے شاندار تھا۔ عرشمان داؤد دھیرے سے پلٹا۔

"آج عرشمان داؤد نے اپنا سب کچھ تم پر قربان کردیا ہے۔ اس کی اک اک سانس پر صرف تمہارا حق ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن پر صرف عانیہ سعید کا اختیار ہے۔ وہ جیے گا تو عانیہ سعید کے لیے اور مرے گا تو اس کی جدائی میں....."

"عرشما...ن....." خوف زدہ ہوکر اس نے بے اختیار اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھا۔

"پلیز یوں دل کو دکھانے والی بات تو نہ کریں۔" سرخ ڈورے لیے قاتل آنکھوں کو دیکھتے اس کے دل نے چاہا کہ وہ ان میں ہمیشہ کے لیے ڈوب جائے۔

"عانیہ کیا محبت سب کو ہی دیوانہ کردیتی ہے؟" وہ جب بولا تو اس کی آواز کو جذبوں کی شدت نے بوجھل سا کردیا تھا۔ عانیہ کے نمکین ہونٹ مسکرا دیے۔ وہ آہستہ سے سر نفی میں ہلا گئی۔

"سب کو نہیں دیکھیں میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔" معصوم سی شرارت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کا یوں معصوم سے انداز میں چھیڑنا عرشمان کو بہت بھلا لگا۔ آنکھوں میں حدت سی آگئی۔

"مگر میں ٹھیک نہیں ہوں عانیہ تم نے سودائی کر چھوڑا ہے مجھے۔ پاگل مجنوں دیوانہ عاشق کوئی بھی معقول لفظ میرے لیے نہیں بچا۔ مجھے کبھی مت چھوڑنا ورنہ....." وہ خاموش ہوگیا مگر اس کے چہرے پر چھائی وحشت و آزردگی دیکھتے وہ کانپ کررہ گئی۔ کچھ تو تھا اس چہرے پر اک ایسی اذیت بھری پرچھائی جسے دیکھتے وہ بری طرح ٹھٹکی تھی۔

"میری مما مجھے چھوڑ گئیں کیوں کہ شادی کے آٹھ سال بعد انہیں احساس ہوا کہ انہیں تو پاپا سے محبت ہی نہیں تھی۔ وہ کسی اور کو چاہنے لگی تھیں۔ پاپا نے انہیں آزاد کردیا۔ ایک پل کے لیے بھی اس سات سال کے بچے کے بارے میں نہ سوچا جسے ماں کی بہت ضرورت تھی۔ پاپا عورت ذات سے نفرت کرنے لگے ایسے بدزن ہوئے کہ پھر شادی ہی نہ کی مگر میں پاپا کی طرح کی زندگی نہیں گزارنا چاہتا میں عورت پر یقین کرنا چاہتا ہوں بھروسا کرنا چاہتا ہوں میں اس کے وجود کی دلکشی کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ میرے بھروسے کو کبھی مت توڑنا عانیہ ورنہ میں ختم ہوجاؤں گا۔" وہ اک کرب سے بولا تھا اس کی آنکھیں انتہا کی سرخ ہوچکی تھیں۔ جیسے وہ ضبط و برداشت کی کڑی منزل سے گزر رہا ہو۔ عانیہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس شاندار مرد کی طرف دیکھا جو بظاہر کتنا مکمل مگر اندر سے کتنا ادھورا تھا کتنا ٹوٹا بکھرا تھا۔

"عانیہ سعید خود تو مٹ جائے گی مگر کبھی بھی آپ کے بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دے گی۔" لمحوں میں عرشمان نے خود کو کمپوز کیا تھا اور پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"مجھے تم پر یقین ہے عانیہ میں اب بہت جلد

تمہیں اپنے نام کروالینا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں اعتراض ہے؟" یکلخت اس کا موڈ چینج ہوا تھا۔ عانیہ تو بوکھلا کر رہ گئی۔ چہرہ ایک دم سرخ ٹماٹر ہوگیا۔ نظریں جھک سی گئیں۔ قوس قزح کے سارے رنگ سمیٹے اس پیارے چہرے کو عرشمان داؤد نے کافی دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"میں نے ایک ریکویسٹ کی ہے عانیہ' پلیز جواب تو دو۔۔۔" اس نے اپنے پرحدت ہاتھوں میں اس کے ٹھنڈے کپکپاتے ہاتھ تھام لیے۔

"پلیز آجاؤ میری زندگی میں' دیکھو میرے اندر جھانک کر کتنا تنہا ہوں میں۔ سمجھو آج کے دن یہ تمہاری طرف سے میرے لیے تحفہ ہے۔"

"تحفہ۔۔۔" عانیہ نے پلکوں کی چلمن اٹھائی۔

"ہاں تحفہ۔۔۔ آج میری برتھ ڈے ہے اور میں تم سے اپنی پسند کا تحفہ لینا چاہتا ہوں۔"

"آ۔۔۔پ کی برتھ ڈے۔" حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ نظروں کے سامنے اشنا کی برتھ ڈے گھوم گئی۔ کتنے بڑے پیمانے پر ارینج کی گئی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ عرشمان داؤد کی برتھ ڈے اس سے بھی بڑے پیمانے پر سیلیبریٹ کی جاتی ہوگی، مگر اس کا یقین غلط ثابت ہوا تھا۔ دو ہستیاں اس کی زندگی میں بہت اہم تھیں اور آج کے خاص دن وہ دونوں ہستیاں اس کے ساتھ موجود تھیں۔ عرشمان داؤد کی زندگی میں اپنی اہمیت کا اندازہ اسے اچھی طرح ہوگیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گی۔ آج کے اہم دن اس کی پسند کا تحفہ ضرور دے گی اسی لیے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گئی۔

"او عانیہ۔۔۔" عرشمان داؤد کی خوشی کی تو جیسے کوئی انتہا نہ رہی۔

"تم۔۔۔ تم اندازہ بھی نہیں کرسکتی کہ اس وقت تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔" وہ اک جوش سے بولا۔

"آئی ایم سو ہیپی' یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے جو مجھے تم سے ملی ہے اور یہ میری زندگی کا سب سے قیمتی تحفہ ہے جو تم نے مجھے دیا ہے۔ میں جلد ہی بی جی اور پاپا کو آنٹی سائرہ کی طرف بھیجتا ہوں۔ اب تو اک پل کی دوری بھی برداشت نہیں ہوگی۔"

جذبات کی شدت سے اس کی آواز بھاری سی ہوگئی۔ اس کی بے قراری و بے تابی دیکھتے تو وہ نازاں ہونے لگی۔ کیا کوئی اتنی شدت سے بھی کسی کو چاہ سکتا ہے وہ فقط سوچ کر رہ گئی۔ پھر وہ سارا دن بی جی اور عانیہ نے عرشمان کے ساتھ ہی گزارا۔ عانیہ نے اپنے ہاتھوں سے کوکنگ کی تھی۔ بی جی اور عرشمان کو اس کے ہاتھ کا پکا کھانا بہت پسند آیا تھا۔ آنکھوں میں ڈھیروں پیار سموئے سارا وقت عرشمان داؤد اس کے ارد گرد ہی منڈلاتا رہا۔ اس کی دیوانگی دیکھتے عانیہ کا چہرہ پل پل رنگ بدلتا رہا۔

یہ دن ان دونوں بلکہ تینوں کے لیے اک یادگار دن بن گیا۔ واپسی سے کچھ دیر پہلے ہی عرشمان نے کیک کاٹا تھا۔ پہلے بی جی پھر عانیہ کے منہ میں ڈالا۔ ان دونوں کو اتنا خوش دیکھ کر بی جی نے ان کے حوالے سے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔

✡ ✡ ✡
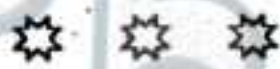
صبح میسج کی رنگ سے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ مونڈی مونڈی آنکھوں سے اس نے تکیے کے نیچے سے سیل پکڑا تھا۔ نماز پڑھتے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو وہ سوئی تھی۔ عرشمان داؤد کا "گڈ مارننگ" کا بہت ہی خوب صورت میسج تھا۔ اس کے ہونٹ مسکرا دیے۔ اس نے بھی "گڈ مارننگ" کا میسج سینڈ کردیا۔

"صبح ہوگئی؟" دوسری طرف سے فوری دوسرا میسج موصول ہوا۔

"جی۔۔۔ اور آپ کی؟"

"میرا کیا پوچھتی ہو یار ساری رات ایک پل کے لیے بھی نہ سکا۔"

"کیوں۔۔۔ خیریت؟" وہ ایک دم پریشان ہوگئی۔

"ساری رات تمہارے بارے میں ہی سوچتا رہا۔

اپنے فیوچر کی پلاننگ کرتا رہا۔"
"کیا تم ٹھیک سے سوتی رہیں۔"
"سچ پوچھیں تو ایک عرصے کے بعد کل رات میں پر سکون اور گہری نیند سوئی تھی۔" اس نے سچائی سے اعتراف کیا۔
"تو جی۔۔۔ وہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ ہماری ایک پل کے لیے آنکھ نہیں لگی اور ادھر محترمہ گہری نیند کی آغوش میں گم رہیں۔"
"تو آپ کو کس نے کہا تھا جاگنے کو' آپ بھی سو جاتے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ٹائپ کیا۔
"وہ رات سونے کے لیے نہیں تھی۔ وہ رات میری زندگی کی سب سے خوب صورت اور خاص رات تھی' میں اسے سو کر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔"
"اتنی محبت۔۔۔؟" اس کی آنکھیں بھیگ سی گئیں۔
ادھر سے جواب آنے کی بجائے اس کی کال آگئی۔ اس نے اوکے کرتے سیل کان سے لگالیا۔
"یہ تو کچھ بھی نہیں عانیہ' میں خود بھی نہیں جانتا کہ میری محبت کی انتہا کہاں تک ہے۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے چہرے پر میری پوری دنیا ختم ہو جاتی ہے۔ تمہیں سوچتا ہوں تو اپنا آپ بہت خاص' بہت بہت معتبر لگنے لگتا ہے' تمہارا وجود میرے اللہ کی طرف سے میرے لیے ایک گراں بہا تحفہ ہے۔ میں عورت ذات پر بے اعتباری تو نہیں کرتا تھا' مگر سچ یہ بھی تھا کہ اعتبار بھی نہیں کرتا تھا' مگر پھر تمہیں دیکھا تو دل جھک گیا جیسے کسی ریاست کی شہزادی کے سامنے کسی غلام کا سر جھک جاتا ہے اور تم بھی تو عرشمان داؤد کے دل کی سلطنت کی ملکہ ہو۔ میں نے رات بی جی سے بات کرلی ہے۔ ہماری طرح وہ بھی بہت خوش ہوئی تھیں۔ پاپا ایک ماہ کے لیے ملک سے باہر گئے ہیں ان کے واپس آتے ہی سائل اپنا کاسہ تھامے تمہارے در پر حاضر ہو جائے گا۔"
"عرشمان پلیز مجھے اتنی محبت نہ دیں' مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ یکلخت رو پڑی۔
"تو پھر یوں کہو کہ عرشمان مجھ سے اتنی محبت نہ کرو اور مر جاؤ۔"
"عر۔۔۔ شمان۔۔۔" خوف کی شدت سے اس کی آواز کانپ سی گئی۔
"اتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ دی آپ نے۔" اس کے رونے میں اور شدت آگئی۔
"رو کیوں رہی ہو' تمہیں تو فخر کرنا چاہیے کہ کسی کو تمہاری چاہ نے اتنا سودائی کر چھوڑا ہے کہ وہ ارد گرد حتی کے خود کو بھی بھول بیٹھا ہے۔"
"مجھے ایسا عرشمان نہیں چاہیے۔ مجھے وہی عرشمان چاہیے جو زمین پر قدم رکھتا تھا تو زمین خود پر ناز کرنے لگتی۔ جس کی گردن ۔۔۔۔ کے احساس سے کھڑی رہتی جو مغرور تو نہیں تھا' مگر ایک بارعب شخصیت کا حامل تھا۔" وہ مدھم آواز میں بولی تھی' عرشمان داؤد مسکرا دیا۔
"میں ویسا ہی عرشمان داؤد ہوں' مگر دوسروں کے لیے تمہارے لیے میں ویسا بالکل نہیں بن پاؤں گا۔ تمہیں تو اسی طرح کے مجنوں سے عرشمان سے گزارا کرنا پڑے گا۔" اور اگر اس وقت عرشمان داؤد اسے دیکھ لیتا تو یقیناً" دیوانہ ہو جاتا۔ وہ اس وقت لگ ہی اتنی حسین رہی تھی جبکہ وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔
"کہاں گئی۔۔۔؟"
"یہیں ہوں' آپ کے پاس۔ مجھے بھلا اب کہاں جانا ہے' میرے تو تمام راستے ہی اب آپ کی طرف آتے ہیں۔" وہ آنکھیں موندے ہی گویا ہوئی۔
"اور میں تمہیں کہیں جانے بھی نہیں دوں گا۔"
"جانتی ہوں۔"
"کیا جانتی ہو؟" نجانے وہ کیا سننا چاہتا تھا۔ شرارت سے بولا۔ اور وہ بھی نجانے کس دھن میں تھی کہہ گئی۔
"یہی کہ جیسے ایک جن کی جان کسی توتے میں ہوتی ہے اسی طرح عرشمان داؤد کی جان عانیہ سعید میں قید ہو چکی ہے۔" عرشمان داؤد کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آئی لو یو عانیہ' رئیلی لو یو سو مچ۔" عانیہ نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔ عرشمان کے ہونٹوں سے سن کر یہ جملہ ایک دم بہت اہم' بہت خاص اور خوب صورت ہو گیا تھا۔ وہ جیسے محبت کی بارش میں بھیگ سی گئی۔ دھڑکنیں اپنے ہی تال پر محور رقص ہونے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"وہ ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کر کے ابھی اپنے کیبن میں آکر بیٹھا ہی تھا جب عانیہ کی کال آگئی۔ مسکراتے ہوئے اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"زہے نصیب' آج کس طرح یاد کر لیا جناب نے۔" ریلیکس انداز میں چیئر پر بیٹھتے اس نے کہا۔

"آپ نے کھانا کھالیا؟" خالص بیویوں والا جملہ تھا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"نہیں۔"

"کیوں' ٹائم دیکھا ہے آپ نے۔" اس کے تفکر پر عرشمان کو ٹوٹ کر پیار آیا۔

"آج اتنی مہربانی کس لیے۔ دیکھ کر' بندہ جان سے ہی نہ ہار جائے۔" اس کا موڈ یکلخت خوش گوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر پہلے کی تھکن بھاگنے میں لمحہ لگا۔

"بہت فضول بولتے ہیں آپ' بی جی نے مجھے بتایا ہے کہ آج صبح آپ نے ناشتا نہیں کیا صرف جوس کا ایک گلاس پیا ہے۔"

"او۔ اچھا۔ میں بھی حیران تھا کہ جناب کو میرے کھانے کی اتنی فکر کیوں ستانے لگی۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے عرشمان آج آپ نے تقریباً" سارا دن بھوکے رہ کر گزار دیا۔" اس کی فکر ہنوز برقرار تھی اور جو عرشمان داؤد کا سیروں خون بڑھا رہی تھی۔

"کر لیتا ہوں یار۔"

"نہیں۔ بس آپ ایسا کریں گھر آجائیں ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔" وہ یکلخت چونکا۔

"میں اس وقت آپ کے گھر میں' آپ کے کچن میں کھڑی' آپ کے لیے بریانی بنا رہی ہوں۔ میں اور بی جی کھانے پر آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔" ادھر سے سیل بند ہو چکا تھا' وہ سرعت بھرے انداز میں اپنے کیبن سے نکلا تھا اور واقعی اس کے پہنچنے تک ٹیبل پر کھانا لگ چکا تھا۔ پنک سوٹ میں گلابی گلابی سی عانیہ سعید کو عرشمان داؤد نے نظر بھر کر دل میں اتارا تھا۔ وہ اس کی گہری نظروں کے ارتکاز سے سرخ پڑ گئی۔

"آپ فریش ہو کر آجائیں میں بی جی کو لے کر آتی ہوں۔"

"اگر یہ سرپرائز ہے تو میری زندگی کا سب سے خوب صورت سرپرائز ہے۔" اس کا لہجہ آنچ دینے لگا۔ وہ اندر جانے کا راستہ بھول گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک زوردار چیخ کے ساتھ اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کا پورا جسم ہلکے ہلکے کانپتے پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ خوف وہراس کے زیر اثر بے اختیار اس نے اردگرد دیکھا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھی۔۔۔ یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے خواب دیکھا تھا۔ اتنا دل دہلا دینے والا خواب۔۔۔ آخر اس خواب کا مطلب کیا تھا۔۔۔؟ ایسا خواب مجھے کیوں آیا؟ مجھے نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اسے جب کسی پل سکون نہ ملا تو وہ وضو کرنے کی نیت سے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر وہ کتنے ہی دن اس خواب کی وجہ سے ڈسٹرب رہی۔ عرشمان داؤد سے اس نے اس خواب کا ذکر نہیں کیا تھا وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی ہاں یہ ہوا تھا کہ عشاء کی نماز اس کی مزید طویل ہو گئی۔ اس وقت بھی عشاء کی نماز پڑھ کر وہ فارغ ہی ہوئی تھی جب زینی ناک کرتے اندر داخل ہوئی۔

"عانیہ آپ کو میڈم سائرہ اپنے روم میں بلا رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم چلو میں آتی ہوں۔" زینی کے جانے

کے بعد وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ نجانے کیوں، مگر کچھ دنوں سے اس کے اندر عجیب سی افسردگی چھائی ہوئی تھی اور آج تو دل کافی بوجھل سا ہو رہا تھا۔ آنکھیں بار بار بھر آرہی تھیں۔ اسی بجھے دل کے ساتھ وہ ان کے روم میں داخل ہوئی تھی۔

"آجاؤ عانیہ۔" وہ اندر داخل ہوئی۔

"آؤ ادھر بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے اپنے قریب ہی اسے بٹھالیا۔

"جانتی ہو آج میں بہت خوش ہوں اور میری اس خوشی کا تعلق تم سے جڑا ہے۔ اشنا میری بہت پیاری بیٹی ہے، مگر میں اسے جیسا دیکھنا چاہتی تھی وہ ویسی نہ بن سکی میرے اندر اپنی بیٹی کے حوالے سے اک تشنگی سی رہی۔ اپنی اکلوتی بیٹی کے حوالے سے میرے خواب اس کی ہٹ دھرمی اور ضدی طبیعت دیکھتے جیسے میری آنکھوں میں ہی قید ہو کر رہ گئے۔ پھر تم آئیں میری زندگی میں۔ تم بالکل ویسی تھی جیسی میں اپنی بیٹی کو سوچا کرتی تھی۔ اسے دیکھنے کی متمنی تھی۔ لاشعوری طور پر میں تمہارے قریب آنے لگی۔ میں تم میں اشنا کو دیکھنے لگی اور پھر مجھے خود بھی احساس نہ ہوا اور تم مجھے عزیز ہوتی گئیں۔ میری خواہشوں، میرے خوابوں کا دار و مدار تمہارے اردگرد گھومنے لگا۔

تم مجھے عزیز ہو چکی ہو۔ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔" ان کی آواز بھیگ سی گئی۔ انہوں نے بہت آہستہ سے حیران حیران سی عانیہ کو اپنے ساتھ لگالیا۔ پھر انہوں نے پوچھا۔

"کیا ایک ماں کو اپنی بیٹی کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق ہے عانیہ؟"

"ایک ماں کو اپنی اولاد کے لیے ہر طرح کا فیصلہ لینے کا حق ہے آنٹی۔" عانیہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا کہنے جارہی ہیں اس لیے سادگی سے بولی۔

"مجھے تم سے یہ ہی امید تھی۔ تمہاری فرمانبرداری و تابعداری پر مجھے کبھی کوئی شک نہیں رہا۔ اسی لیے جب منصور صاحب نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے تمہارا ہاتھ مانگا تو میں انکار نہ کر سکی۔" کوئی بم تھا جو عانیہ سعید کی سماعت پر پھٹا تھا۔ وہ تیزی سے ان سے الگ ہوتی آنکھیں جیسے پھٹنے کے قریب تر ہو گئیں۔ ہونٹ ادھ کھلے رہ گئے۔ دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی جبکہ سائرہ بیگم خود میں گم کہہ رہی تھیں۔

"خرم کو میں نے ہمیشہ اشنا کے حوالے سے سوچا تھا۔ اسٹیٹس میں وہ کسی صورت بھی ہم سے کم نہیں ہے، مگر پھر جب خرم نے تمہارا نام لیا تو پہلے تو میں حیران ہوئی پھر سوچا ایک بیٹی نہ سہی دوسری ہی سہی۔ اس نے تمہیں اشنا کی برتھ ڈے پر دیکھا تھا تم اس کو بہت پسند آئی ہو۔ بہت خوش رکھے گا تمہیں۔" اور عانیہ کو تو ایسے لگ رہا تھا جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو کر رہ گئی ہو۔

"مگر آنٹی۔۔۔" اپنے خشک ہونٹوں کو تر کرنے کے لیے اسے کافی محنت کرنی پڑی تھی قوت گویائی تو لگتا تھا جیسے جواب دے گئی ہو۔ حلق میں کانٹے سے اگ آئے تھے۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ نے۔۔۔" اس کے تمام آنسو اس کی حلق میں ہی پھنس گئے۔ اسی وقت مظہر صاحب نے اندر قدم رکھا تھا۔ عانیہ نے لمحوں میں چہرہ دوسری طرف موڑتے خود کو چھپانے کی کوشش کی ورنہ کچھ ہی دیر میں اس کی حالت کافی ابتر ہو گئی تھی۔

"آپ آج جلدی آگئے۔۔۔؟" ان کی غیر متوقع آمد پر سائرہ بیگم نے پوچھا۔

"ہاں طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے بولے۔

"کیوں کیا ہوا؟" وہ ایک دم فکر مند ہو گئیں۔ اسی دوران عانیہ سعید اپنا ریزہ ریزہ وجود بمشکل گھسیٹتے ان کے درمیان سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آنے تک وہ اچھی خاصی نڈھال ہو چکی تھی۔ عرشمان داؤد کے بغیر تو زندگی جینے کا تصور ہی سوہان روح تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں نہیں رہ پاؤں گی عرشمان داؤد کے بغیر۔" بیڈ پر گرتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اب میں کیا کروں۔ آنٹی کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا انہیں مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔" ساری

رات وہ لمحے کے لیے بھی نہ سو سکی تھی۔ آنٹی کا وہ مان بھرا لہجہ، وہ بھروسا، وہ یقیناً وہ اس کی محسنہ تھیں۔ انہوں نے اس کا تب ساتھ دیا، جب اپنوں نے بھی نظریں پھیر لیں اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ ایک طرف اگر آنٹی تھی تو دوسری طرف اس کی محبت تھی۔ دل کسی صورت بھی محبت سے دست برداری کے لیے تیار نہ تھا۔ دماغ بالکل خاموش تھا اور وہ خود تو ساری رات رو رو کر ہلکان ہو چکی تھی۔ صبح تک جب اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو فجر کی نماز کے بعد سجدے میں گرتے تڑپ تڑپ کر رو دی۔

"مجھے عرشمان سے جدا مت کرنا میرے مولا۔ میں نہیں رہ پاؤں گی اس کے بغیر۔"

٭ ٭ ٭

وہ یہ تو جانتی تھی کہ مہمان آرہے ہیں، مگر شام کو منصور صاحب کو بمعہ فیملی دیکھ کر وہ کچھ لمحوں کے لیے ساکت سی رہ گئی۔

"ارے... آؤ آؤ نا عانیہ..." اسے ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہی بت بنے دیکھ کر مسز منصور نے اندر بلایا تھا۔ اس کی نظر ان کے ساتھ بیٹھی آنٹی کی طرف اٹھی جنہوں نے مسکرا کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ نا چاہنے کے باوجود بھی وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اسے دیکھتے خرم منصور کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ نظریں اس کے نازک سراپے پر ٹھہری گئیں جو اک جھجک لیے مسز منصور کے قریب بیٹھ گئی۔

"ہمیں آپ کی بھانجی بہت پسند ہے مسز مظہر۔ میرا بیٹا بہت چوزی ہے اور عانیہ کو دیکھ کر تو مجھے اپنے بیٹے کی پسند دل سے پسند آئی ہے۔ واقعی بہت خوب صورت اور معصوم صورت پائی ہے عانیہ نے۔" انہوں نے ستائش سے دیکھتے اس کا دایاں ہاتھ تھاما جو ٹھنڈا یخ ہو چکا تھا۔ اس دوران خرم کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی اس کے وجود سے نہ ہٹی تھیں۔

"اتنی اچھی صورتیں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں ماشاء اللہ!" پھر انہوں نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر اس کی انگلی میں ڈال دی۔ یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ عانیہ تو عانیہ، آنٹی سائرہ بھی ورطہ حیرت سے بت بن گئیں۔ عانیہ تو ایسے ہو گئی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔ ساکت، جامد، ششدر۔

"پہلی بار اس نے کوئی لڑکی پسند کی ہے۔ بہت دھوم دھام سے شادی کروں گی۔ کوئی کسر نہیں چھوڑوں گی۔ اپنے بیٹے سے زیادہ تو میں خود بے چین ہو گئی ہوں اس چاند کو اپنے آنگن میں اتارنے کو۔" مسکراتے ہوئے وہ دھیرے سے جھکیں اور پھر پھر کی مورت بنی عانیہ کی پیشانی چوم لی۔

"اب یہ آپ کے پاس میرے خرم کی امانت ہے۔" مسز منصور نے خرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو مسکراتی ہوئی نظروں سے مسلسل عانیہ کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ سائرہ بیگم کے پاس جیسے کہنے کو کچھ بھی نہ رہا۔ انہوں نے عانیہ کی طرف دیکھا جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا۔ وہ کچھ پریشان ہو گئیں۔ کیا عانیہ اس منگنی سے خوش نہیں ہے؟ مہمانوں کے جانے کے بعد وہ عانیہ کے کمرے میں آگئیں جو بیڈ پر الٹی لیٹی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

"عانیہ..." عانیہ سر اٹھاتے شکایتی نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ رو رو کر چہرہ سوج چکا تھا۔

"کیا تم اس منگنی سے خوش نہیں ہو؟"

"آنٹی میرے تو سب خواب آپ نے ریزہ ریزہ کر دیے۔" اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ چپ رہ کر اپنی محبت کسی صورت قربان نہیں کرے گی۔ اسے اس محاذ پر لڑنا تھا اور وہ لڑنے کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی۔

"کیا مطلب خواب...؟" کافی دیر کے بعد انہوں نے الجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مم... میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔"

"کک... کیا...؟" آنٹی سائرہ پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیل سی گئیں۔

"یہ۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ سر پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ

گئیں۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے مجھے۔" وہ انتہائی حد تک سنجیدہ سی گویا ہوئیں۔

"میں نے اسی وقت بتانا چاہا تھا، مگر پھر انکل مظہر آگئے۔" وہ ایک دم پریشان ہو گئیں بہت زیادہ پریشان۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ عانیہ نے انہیں اتنا پریشان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"جانتی ہو انہوں نے جب تمہارا نام لیا تو میں کتنی مطمئن ہو گئی تھی۔ اک مان لیے میں نے ہاں کی تھی، مگر تم بھی اشنا کی طرح ہی نکلیں۔ بیٹیاں کبھی ماں کی تکلیف کو نہیں سمجھ سکتیں۔ ٹھیک ہے جسے تم نے مجھ پر فوقیت دی ہے اپناؤ اسے، میں تمہارے معاملے میں کبھی انٹرفیئر نہیں کروں گی، بس اب دوبارہ میرے سامنے کبھی مت آنا۔" وہ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہتی دروازے کی طرف بڑھیں جب عانیہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھے آپ سے محبت ہے، مگر۔۔۔" اس کے آنسو ایک پل کے لیے بھی نہ رکے تھے۔

"مگر اتنی بڑی قربانی۔۔۔" انہوں نے زخمی شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"میں اپنی انا خوداری پر ایک حرف نہ آنے دوں گی۔ میں نے بہت غلط کیا تم پر بھروسا کر کے۔۔۔ اب اس کی سزا تو مجھے ملنی ہی چاہیے۔ میں جانتی ہوں کہ زبان سے پھر جانے کا طعنہ میری زندگی سے بھی زیادہ بڑا اور موت سے زیادہ اذیت ناک ہو گا، مگر مجھے یہ طعنہ اب سننا ہی ہو گا کیوں کہ تم ایسا چاہتی ہو۔" اور پھر ان کی بوجھل آواز نے عانیہ کو ہرا دیا۔ وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"ایسا نہیں ہو گا آنٹی! یہ آپ کی دوسری بیٹی کا وعدہ ہے۔ آپ کا سر کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکے گا۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو دی تھی جب سائرہ بیگم نے اسے قدموں سے اٹھاتے اس کے بلکتے وجود کو بانہوں میں بھر لیا۔

"مجھے معاف کر دینا عانیہ میں یہاں تھوڑی خود غرض ہو گئی ہوں۔ یہ زبان کٹ تو سکتی ہے مگر اپنے کہے سے پھر نہیں سکتی۔ اسے تم کچھ بھی کہہ لو، مگر مجھے معاف کر دینا۔"

☆ ☆ ☆

اس کے ہاں کرتے ہی اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ عرشمان کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے آؤٹ آف سٹی گیا تھا۔ وہ بار بار اسے فون کر رہا تھا، مگر ہر بار اس کا فون بند ملتا۔ وہ ازحد پریشان ہو گیا جب کسی پل چین نہ ملا تو وہ کام ادھورا چھوڑ کر آگیا۔ پہلے بھلا کب ایسا ہوا تھا کہ اتنے دن ان کی بات نہ ہو سکے۔ وہ سیدھا آنٹی سائرہ کی طرف ہی آیا تھا۔ زیبی کے ہاتھ عانیہ کو پیغام بھیج کر وہ بے چینی سے ڈرائنگ روم میں ٹہلتے اس کا انتظار کرنے لگا۔ نجانے کیوں، مگر دل کچھ مضطرب سا تھا۔

تو وہ لمحہ آگیا عانیہ سعید جس لمحے سے تم اتنے دنوں سے بچ رہی تھی۔ کیا کر پاؤ گی اس کا سامنا؟ کس منہ سے جاؤ گی اس کے سامنے اور کیا کہو گی؟ اور اسے اتنے دنوں بعد روبرو دیکھتے کیا خود پر کنٹرول رکھ پاؤ گی؟

نہیں۔۔۔ میں اس سے نہیں ملوں گی۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ بھیگی پلکوں سے اس نے زیبی کی طرف دیکھا۔

"اسے کہو میں گھر پر نہیں ہوں۔"

"کیوں کہاں گئی ہے؟" زیبی کا جواب اس کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔

"میڈم سائرہ کے ساتھ ہی گئی ہیں۔"

"اس کا سیل کیوں آف ہے؟ وہ ٹھیک تو ہے نا؟" اس کے چہرے سے پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔ زیبی نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔"

"پھر فون کیوں بند ہے اس کا۔" وہ کسی صورت مطمئن نہ ہو رہا تھا۔ بے قراری تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"ان کا سیل خراب ہوگیا ہے۔" اسے بروقت بہانہ سوجھ ہی گیا۔

"او۔۔۔" اسے عرشمان داؤد کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نظر آئی۔

"میں ایسے ہی اتنے دن ڈسٹرب رہا۔ ویسے تمہاری میم نے میری جان نکالنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی کوئی۔

وہ جب بھی گھر آئے اسے میرا میسج دے دینا کہ مجھے فون کرے۔" ہلکا پھلکا ہو کر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ راہداری سے گزرتے عرشمان داؤد کی پشت کو عانیہ سعید نے بہتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر زینی کے گلے لگتی ہچکیوں سے رو دی۔

"مجھ۔۔۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا زینی' یہ دکھ بہت بڑا ہے۔ یہ مجھے اندر ہی اندر ختم کر رہا ہے۔ میں ایک بیٹی بن گئی' میں نے اپنی محبت کو جیتے جی مار دیا اور' اور جب عرشمان کو پتا چلا تو۔۔۔" ایک دم وہ ہراساں سی ہوگئی۔

"نجانے اس کا کیا رد عمل ہو وہ مجھے معاف بھی کر سکے گا یا نہیں۔"

"وہ بہت پیار کرتے ہیں عانیہ آپ سے مجھے نہیں لگتا کہ وہ خاموش بیٹھیں گے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں آپ کے لیے محبت کا ایک جہان آباد دیکھا ہے۔" زینی نے اسے نئی پریشانی میں مبتلا کر دیا۔۔۔ کیا واقعی عرشمان داؤد خاموشی سے پیچھے ہٹ جائے گا یا۔۔۔

☆ ☆ ☆

"عانیہ کہاں ہے؟"

"جی وہ۔۔۔"

"میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا سچ سچ جواب دو زینی اور اس بار کوئی بہانہ نہیں۔۔۔"

"سر وہ عانیہ میم تو ابھی باہر۔۔۔"

"زینی۔۔۔" وہ غصے سے دہاڑا۔

"اپنے روم میں گئی ہیں۔ مم۔۔۔ میں ابھی بتاتی ہوں۔" وہ سوچا سمجھا بہانہ حسب معمول دہرانے لگی تھی' مگر پھر اس کے تیور دیکھتے اپنی گھبراہٹ میں سچ بتا گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی۔" اس نے غصے اور طنز سے اس کی طرف دیکھا اور پھر عانیہ کے روم کی طرف بڑھ گیا جبکہ زینی کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہوگیا۔

"نجانے اب کیا ہو۔" وہ فقط سوچ کر رہ گئی۔

"واٹس پرابلم وِد یو عانیہ' کیوں میرے ساتھ اس طرح کر رہی ہو؟" دروازہ کھولتے وہ سرعت بھرے انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ اس کی غیر متوقع آمد پر عانیہ بوکھلاتے ہوئے بیڈ سے اٹھی۔

"آپ۔۔۔؟" اسے ہرگز امید نہ تھی کہ وہ اس طرح اس کے بیڈ روم میں چلا آئے گا۔

"ہاں میں۔۔۔" وہ اس کے روبرو آ کھڑا ہوا' پھر اس کے گھبرائے ہوئے چہرے پر سنجیدہ سی نظر ڈالتے بولا۔

"کیوں مجھے اوائیڈ کر رہی ہو' پرابلم کیا ہے؟"

"مم۔۔۔ میں کب اوائیڈ کر رہی ہوں آپ کو؟"

"تو پھر یہ سب کیا ہے' تمہارا سیل بند ہے' گھر کے نمبر پر کال کرو تو تم آتی نہیں ہو' ملنے آؤ تو ایک ہی بہانہ سننے کو ملتا ہے کہ میم گھر پر نہیں ہیں تو پھر ان سب کا مقصد کیا ہے؟ کیوں ایسا ایٹی ٹیوڈ اپنا رہی ہو میرے ساتھ۔ مجھے سچ سچ بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟" وہ اس کے دونوں کندھے تقریباً" جھنجوڑتے ہوئے بولا اور عانیہ جو بات کرنے کے لیے اپنے دماغ میں لفظوں کو ترتیب دے رہی تھی ایک دم جیسے ڈھے سی گئی' وہیں کارپٹ پر بیٹھتے رو دی۔ عرشمان کو اس کے آنسوؤں سے ہی اپنے لہجے کی سنگینی کا احساس ہوا۔ لمبا سانس ہوا میں خارج کرتے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کا یوں بلک بلک کر رونا اس کی جان نکالنے لگا۔

"کیوں میری جان کے درپے ہو' بتاتی کیوں نہیں' ہوا کیا ہے؟ پلیز شیئر کرو مجھ سے۔" اس نے اس کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے۔ عانیہ نے بھیگی

پلکیں اٹھائیں۔ عرشمان داؤد کو اپنا آپ ان میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے جیب سے رومال نکالا اور پھر نرمی سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"او کے آئی ایم سوری مجھے واقعی تم سے اتنی سختی سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی، لیکن یار یقین کرو اس ایک ہفتے میں مجھے ایسے لگا جیسے میں پاگل ہو جاؤں گا اور اس ہفتے کی ساری فرسٹریشن نا چاہتے ہوئے بھی تم پر نکل گئی۔

تمہاری بے رخی میں کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا عانیہ، تمہاری وجہ سے ہی میں اپنا کام ادھورا چھوڑ کر واپس آیا ہوں اور ادھر ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ سننے کو ملتا میں اتنا بے بس آج تک کبھی نہیں ہوا جتنا میں نے گزرے اس ہفتے میں خود کو محسوس کیا ہے۔ اٹھو تم یہاں سے۔" پھر اسے اٹھاتے اس نے بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"عانیہ کیا ہمارا تعلق ایسا نہیں ہے کہ تم اپنی پرابلم میرے ساتھ شیئر کر سکو۔" پریشانی، تفکر، پروا، تشویش کیا کچھ نہ تھا اس وقت عرشمان داؤد کی آنکھوں اور لہجے میں، عانیہ سعید خود کو ملامت کرنے لگی۔ اپنے لیے فکر مند ہوتے اس بے حد عزیز اور پیارے شخص کو دیکھتے اس کے دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں۔ وہ کتنا اچھا تھا کتنا مہربان اور کتنا مخلص اور عانیہ سعید کو اس اتنے اچھے اور خالص بندے کے دل کو توڑنا تھا۔ اس سے دور جانا تھا اسے چھوڑنا تھا، دل مانے یا نہ مانے۔

"آپ کو یوں میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ خود کو سمیٹ چکی تھی۔ دل کے ماتم سے بچاتی دونوں کانوں کو مسدود کر چکی تھی۔ اس کے لہجے کی تبدیلی عرشمان کو کسی انہونی کی طرف اشارہ کرتی محسوس ہوئی۔ اسے کچھ کھٹکا مگر کیا۔۔۔ بس یہیں آکر وہ الجھ گیا۔

"میں اس وقت کسی کے گھر میں پناہ لیے ہوئے ہوں۔ وہ اس طرح آپ کو میرے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھ کر کیا سوچیں گے۔ آپ کو خیال کرنا چاہیے تھا۔" کھڑے ہوتے وہ نامحسوس انداز میں اس کی طرف سے پیٹھ موڑ گئی۔ کیوں کہ اب جو وہ کہنے جا رہی تھی وہ کسی صورت ان لفظوں کے بعد اس دلربا شخص کے چہرے پر بکھرتے درد اور آنکھوں سے امڈتی حیرت و بے یقینی کو دیکھنے کی خود میں ہمت نہیں پاتی تھی جبکہ اس کے رویے کو دیکھتے عرشمان داؤد کی الجھن مزید بڑھ گئی۔ ان کا تعلق جس اسٹیٹس سے تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر کوئی کچھ بھی نہ سوچتا پھر وہ اس طرح کیوں کہہ رہی تھی۔

"میری انگیجمنٹ ہو چکی ہے۔ بہت جلد شادی ہونے والی ہے اور آپ کا اس طرح یوں میرے روم میں آنا۔۔۔" آگے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی یا پھر مزید کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ رہی تھی۔ اس کے آنسو بہنے لگے۔ کتنی دیر گزر گئی، مگر ان دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ وہ اپنے دھک دھک کرتے دل کی دھڑکنوں کو گنتے اس کے رد عمل کا انتظار ہی کرتی رہی، مگر اتنی دیر گزرنے کے باوجود ان کے درمیان موجود خاموشی نہ ٹوٹی۔ اتنی زیادہ خاموشی کی توقع وہ ہرگز نہ کر رہی تھی۔ وہ آہستہ سے پلٹی اور پھر جیسے ساکت رہ گئی۔

اسے عرشمان داؤد کے وجود پر کسی بت کسی پتھر کا گمان گزرا خود کو ہلکی سی بھی جنبش دیے بغیر یہاں تک کہ اپنی پلکوں کو جھپکے بغیر وہ یک ٹک اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا کہا تم نے، میں نے ٹھیک سے سنا نہیں۔" اس کے پلٹنے پر اس نے پوچھا تھا۔ عانیہ کی ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔ اسے لگا کہ اب وہ کچھ نہ کہہ پائے گی وہ نڈھال سی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے رو پڑی۔

"رونے سے کبھی کوئی پرابلم حل نہیں ہوتی، ڈسکس کرو مجھ سے، اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کس طرح کہہ دی تم نے۔ بتاؤ مجھے۔" درشتی سے کہتے اس نے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹانے چاہے جب اس کی انگلی میں جگمگاتی رنگ پر اس کی نظر پڑی۔ وہ پہلی بار ٹھٹکا، ہاتھ ہوا میں ہی معلق ہو کر رہ گیا۔ تو کیا وہ سچ کہہ رہی تھی؟

"عانیہ..." رنگ والے ہاتھ کو تھامتے اس کی آواز میں گہری بے چینی تھی۔

"کیا یہ سچ ہے؟" عانیہ کی آنکھیں جھکتی چلی گئیں۔ اس کی نادم سی خاموشی نے عرشمان داؤد کو جیسے اندر باہر سے ہلا کر رکھ دیا۔

"کیوں عانیہ... ؟ کیوں... ؟" اسے دونوں کندھوں سے جھنجوڑتے صدمے کی شدت سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔ عانیہ کے آنسوؤں میں اور تیزی آگئی۔

"ایک ہفتہ پہلے تک تو سب ٹھیک تھا پھر ایک دم ایسا کیا ہو گیا۔" وہ جیسے تڑپ اٹھا پھر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر جماتے متغیر سی حالت لیے مسکراتے ہوئے بولا۔

"م... میں جانتا ہوں تم... تم مذاق کر رہی ہو مجھ سے! ہے نا یہ ہی بات... ہے نا! یہ سب جھوٹ ہے نا؟" اس کی حالت دیکھتے عانیہ کا دل کٹنے لگا۔

"یہ... یہ سچ ہے عرشمان۔" اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی لگی۔ اس دوران پہلی بار عرشمان کا چہرہ شدید اشتعال کی گرفت میں آیا۔ اس کا پارہ ہائی ہونے لگا۔ اس کے ہونٹوں سے سننے کے باوجود بھی اس نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ اس کا دل کسی صورت مان ہی نہیں رہا تھا کہ عانیہ اس کے ساتھ اس طرح کر سکتی ہے، مگر وہ اس کے ساتھ اس طرح کر چکی تھی۔ اس کے چہرے کا تناؤ بڑھنے لگا عضلات اک واضح کھچاؤ کی لپیٹ میں آنے لگے۔

"میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو، ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے کیا بکواس کی ہے۔"

"پلیز عرشمان... ایک بار کہہ چکی ہوں کہ میری منگنی ہو چکی ہے پھر کیوں یقین نہیں کر لیتے آپ۔ ثبوت کے طور پر انگوٹھی بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔" لاکھ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکی بلکہ اس کے چہرے پر بھی نظر نہ ڈال سکی۔

"پچھلے تین ماہ سے پھر جو ہمارے درمیان چل رہا تھا پھر وہ کیا تھا۔" اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں لہجہ انتہائی تلخ اور سرد ہو گیا۔ دل چاہ رہا تھا اسے جھنجوڑ کر رکھ دے، جو ایک گھنٹے سے مسلسل اس کے ضبط و برداشت کو آزما رہی تھی، اس کے جذبات کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"میں نہیں جانتی کہ وہ سب کیا تھا، میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میری منگنی ہو چکی ہے۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔

"منگنی..." زخمی لہولہو آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے وہ اذیت و تکلیف کی نجانے کس اسٹیج پر جا پہنچا تھا پھر اس کے کندھوں کو چھوڑتے درد سے چور لہجے میں بولا۔

"کتنی ظالم ہو تم، تمہیں ذرا احساس نہیں کہ تمہارے یہ الفاظ کسی نشتر کی طرح میرے دل کو گھائل کر رہے ہیں، میں اس وقت کتنی تکلیف سے گزر رہا ہوں۔ کیوں اتنی سنگدل ہو گئی ہو کہ محبت بھرے دل کو اتنی بے رحمی اور سفاکی سے توڑ رہی ہو۔ جانتی ہو نا کہ نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر پھر کیوں میری تکلیف کا مزا لے رہی ہو یا کہ مجھے آزما رہی ہو۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے بتاؤ، مگر اتنی بڑی سزا نہیں عانیہ... میں نہیں سہ پاؤں گا۔" اک بے قراری سے اس نے اس کا ہاتھ تھاما عانیہ کو اس کی آواز بھیگی سی لگی۔ اس کا دل عجیب سی توڑ پھوڑ کا شکار ہونے لگا۔ عرشمان کے لفظوں میں اتنی سچائی اور لہجے میں اتنا درد تھا کہ اس کا دل تڑپنے لگا۔ اسے خود کو سنبھالنا مشکل لگنے لگا۔ وہ ہارنے لگی اور یہ ہی وہ لمحہ تھا جب وہ کمزور پڑ سکتی تھی، مگر اسے کمزور نہیں پڑنا تھا، کسی صورت نہیں پڑنا تھا۔ آنٹی سائرہ کے احسانوں کا بوجھ اتارنے کے لیے ان کی عزت پر اپنی محبت قربان کرنی ہی تھی۔ اس کے لیے چاہے وہ خود اندر سے ہمیشہ کے لیے مرجاتی، مگر اسے ایسا کرنا ہی تھا۔

"ایک بار آپ سے کہہ چکی ہوں کیوں سمجھ میں نہیں آتا آپ کی۔ کچھ دنوں میں شادی ہے میری اس لیے پلیز یہاں بار بار آکر میرا اور اپنا ٹائم ضائع مت کریں۔ میں نے کبھی بھی کسی بھی قسم کے عہد و پیماں نہیں باندھے آپ سے، چند دن آپ کے ساتھ ہنس

بول کر کیا گزار لیے آپ تو پیچھے ہی پڑ گئے اور پلیز اس طرح مجھے تنگ کر کے یہ سوچنے پر مجبور نہ کریں کہ جو وقت آپ کے ساتھ گزرا وہ میری زندگی کا برا ترین وقت تھا۔" بہت ہمت کرنی پڑی اسے یہ سب کہنے کے لیے جبکہ عرشمان داؤد تو پتھر کا مجسمہ بنا ناقابل یقین نظروں سے اس کی طرف دیکھتا چلا گیا۔ اسے کسی صورت یقین نہ آیا کہ یہ سب عانیہ سعید نے کہا ہے ....اس کی عانیہ سعید نے جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا اور جس کے اندر اس کی جان بستی تھی جس کے میٹھے نرم لہجے میں اس کی زندگی دھڑکتی تھی۔ کتنے سنگین الفاظ تھے اس کے اور کس قدر بے رحمی سے ادا کیے گئے تھے جبکہ عانیہ اسے وہیں ساکت بے یقین چھوڑ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

"میں نے بہت برا کیا ہے اس کے ساتھ 'زینی' بہت برا' بڑی بے دردی سے اس کا دل توڑا ہے میں نے' وہ جو عورت پر یقین کرنے سے ڈرتا تھا' میں نے اس کے ڈر کو سچا ثابت کر دیا ہے۔ وہ... وہ اب بھی کسی عورت پر یقین نہیں کر پائے گا۔ اب وہ شاید کبھی کسی پر بھروسا نہ کر پائے اگر قسمت نے ہمیں ملانا ہی نہیں تھا تو پھر ایک دوسرے کے قریب ہی کیوں لائی بہت ظالمانہ کھیل کھیلا ہے تقدیر نے ہم دونوں کے ساتھ 'بہت ظالمانہ۔" وہ زینی کے گلے لگتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی اس کی اس قدر تکلیف پر زینی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ 'وہ اس ٹوٹی پھوٹی لڑکی کی جھولی خوشیوں سے بھر دے۔

گھر آنے کے بعد بھی وہ کتنی دیر بے یقین ہی رہا۔ اسے لگا جیسے وہ سب ایک برا خواب ہو وہ آنکھیں کھولے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کیوں' کیوں اس کا دل یقین نہیں کر پا رہا تھا۔ آخر کیوں نہیں۔ اس کا اتنا سنگدلانہ رویہ دیکھنے کے باوجود بھی یہ دل کیوں اسی کے لیے تڑپ رہا تھا اسی کے بارے میں مسلسل سوچے جا رہا تھا اسی سے محبت کر رہا تھا۔ عانیہ سعید اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی اور جسے اس نے دل کی تمام تر گہرائیوں سے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ وہ عورت ذات پر اعتبار کرنے لگا اور اب..... اسے لگا جیسے اس کے دامن میں کچھ نہ بچا ہو۔ اس کے نزدیک اس کے بغیر جینے کا تصور ہی نہ تھا اور اب کیا وہ اس کے بغیر جی پائے گا ہر گزرتا لمحہ اس کے لیے بھاری سے بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل لان میں ٹہل رہا تھا پریشانی ایسی تھی کہ ایک لمحے کے لیے بھی سکون نہ تھا۔ اپنی پوری زندگی میں وہ کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا جتنا ان گزرے کچھ گھنٹوں میں ہوا تھا۔ وہ جتنا سوچتا جا رہا تھا اتنا ہی مزید الجھتا جا رہا تھا دونوں ہاتھوں میں سر تھامے وہ وہیں سنگی بنچ پر بیٹھ گیا۔

✡ ✡ ✡

وہ یونیورسٹی جانے کے لیے گھر سے نکلی تھی اس کی گاڑی ابھی تھوڑی دور ہی چلی تھی جب ڈرائیور کو بریک لگانی پڑی' سامنے عرشمان داؤد اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا گاڑی رکتی دیکھ کر وہ ڈرائیور کی طرف بڑھا پھر کھڑکی کی طرف جھکتے بولا۔

"تم گھر جاؤ عانیہ کو میں یونیورسٹی چھوڑ دوں گا۔"

ڈرائیور کی اتنی مجال نہ تھی کہ وہ اس سے کسی قسم کا کوئی سوال جواب کرتا اسی لیے دھیرے سے سر اثبات میں ہلاتے باہر نکل آیا جبکہ اسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ وہ گھبرا گئی۔

"آپ.....؟ آپ' یہ کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟"

روٹ تبدیل ہوتا دیکھ کر وہ پریشانی سے گویا ہوئی۔

"ڈونٹ وری تمہیں اغوا کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے کسی بھی پرسکون جگہ پر جا کر گاڑی روک دوں گا تاکہ تم سے کھل کر بات کر سکوں۔" بیک ویو مرر سے اس کی ڈری سہمی صورت دیکھتے وہ نارمل سے انداز میں بولا۔

"کیسی بات.....؟"

"کیوں پریشان ہوتی ہو اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے اور میرے درمیان صرف ایک ہی ٹاپک پر بات ہو سکتی ہے۔" پھر وہ کم رش والی جگہ پر گاڑی روکتے پیچھے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

آگے آنا پسند کرو گی یا پھر میں پیچھے آؤں؟"

"عرشمان پلیز یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں نمی چھانے لگی۔

"لگتا ہے مجھے ہی پیچھے آنا پڑے گا۔" پھر اس کے آگے سے پیچھے آکر بیٹھنے تک عانیہ دھڑ دھڑ کرتے دل کی دھڑکنیں ہی سنبھالتی رہی' ہاتھ ایک دم ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ انگلیاں چٹخاتے وہ اپنی گھبراہٹ کو کسی صورت کم نہ کرپائی تھی۔

"ہوں۔۔۔ اب بتاؤ کیا سمجھ کر تم اتنا عرصہ مجھے بے وقوف بناتی رہیں۔ میرے جذبات سے کھیلتی رہیں۔" اس کے قریب بیٹھتے وہ بہت ریلیکس انداز میں بولا تھا اور یہی انداز تو عانیہ کو کھٹک رہا تھا اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

"مم۔۔۔ میں نے کوئی کھیل نہیں کھیلا آپ کے ساتھ۔۔۔"

"گڈ' تو اس کا مطلب ہے تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے۔" زچ ہوتے اس نے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔ وہ کیوں بار بار اسے اسی موڑ پر لا کھڑا کرتا تھا جس سے وہ بچنا چاہ رہی تھی۔

"دیکھیں عرشمان بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"بات کو ہی تو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کئی دنوں سے اور بات ہی تو سمجھ میں نہیں آرہی۔" وہ اس کی بات کاٹتے تیز لہجے میں بولا تب وہ بھی چیخ پڑی۔

"میں آپ کو نہیں چاہتی' کتنی بار بتاؤں آپ کو۔"

"پھر مجھے یقین کیوں نہیں آرہا۔"

"یہ آپ کا مسئلہ ہے۔"

"میرے اور تمہارے مسئلے کب سے الگ الگ ہو گئے عانیہ؟" اس کی آواز گمبھیر ہو گئی۔

"ویسے تم نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ اتنی کہ آج تک کسی نے نہیں پہنچائی' مگر چونکہ تم دل کی ملکہ ہو تو تمہاری ہزار خطائیں بھی معاف۔۔۔" وہ اس کی طرف جھکتے اس کے چہرے پر لہراتی اکلوتی لٹ کو نرمی سے چھوتے ہوئے بولا۔ لہجے کی گمبھیرتا اور تپش عانیہ کے حواسوں پر چھانے لگی۔ دلفریب کلون کی مہک اور گرد حصار باندھتے اسے بے بس کرنے لگی۔

"عرشمان پلیز۔ آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ کیوں تنگ کر رہے ہیں مجھے جب سب ختم ہو چکا ہے تو۔" وہ تقریباً" کھڑکی کے ساتھ چپک سی گئی۔

"تو اس کا مطلب ہے ہمارے درمیان "کچھ" تھا جس کا تم نے خود ابھی اعتراف کیا ہے۔" وہ اس کی بات پکڑتے یکلخت سنجیدہ ہوا تھا۔ "اور وہ کچھ کیا تھا عانیہ' وہ صرف محبت تھی جو ہم ایک دوسرے سے کرتے تھے' کرتے ہیں' کیوں بھاگ رہی ہو اس محبت سے؟ کیوں میری زندگی میں خوشیوں سے کھیل رہی ہو' ایسا کیا ہو گیا ہے جو تمہیں مجھ سے دور جانے پر مجبور کر رہا ہے اور تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اتنی آسانی سے تم سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ تم میری واحد خوشی ہو اور میں تمہیں کسی صورت اپنی خوشی چھیننے کی اجازت نہیں دوں گا۔ کیسی منگنی اور کونسی منگنی میں نہیں مانتا اس منگنی کو۔"

اس کی بھاری ہوتی آواز' لہجے میں چھپی حسرت و محبت' لفظوں سے چھلکتا سچ عانیہ سعید کو اندر سے کمزور کرنے لگا۔ آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔ کیا اس دلربا سے شخص کو کھو کر وہ جی پائے گی؟ کتنی بار اس نے سوچا تھا کہ' وہ اس سے اتنی بدتمیزی اتنی سختی سے بات کرے گی کہ وہ بدظن ہو کر خود ہی اس سے نفرت کرنے لگے گا مگر پھر اس کے سامنے آتے وہ ہر چیز ہی بھول جاتی سوائے اپنی بے بسی کے۔ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی اس سے سخت لہجے میں بات نہ کرپائی تھی کیونکہ عرشمان داؤد اس کے لیے اس کی پوری زندگی تھا۔ قسمت نے اسے اس موڑ پر ضرور لا کھڑا کیا تھا مگر یہ ہی قسمت عانیہ سعید کے دل سے عرشمان داؤد کی محبت ایک انچ بھی کم نہ کرپائی تھی بلکہ جب سے احساس ہوا تھا کہ وہ اس کا نہیں' دل اور دیوانہ ہونے لگا تھا۔ وہ سر جھکا گئی اتنا کہ اس کے آنسو عرشمان داؤد کی گہری نظروں سے بھی چھپ گئے۔

"اب سر کیوں جھکا رہی ہو بات کرو مجھ سے۔ کہو کہ وہ سب ایک مذاق تھا گھٹیا مذاق' مت آزماؤ میرے

پیار کو، نہیں جی سکتا میں تمہارے بغیر۔" اس نے ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کرنا چاہا جب اس کا ہاتھ جھٹکتے وہ جیسے پھٹ پڑی' دل ودماغ کی اس لڑائی میں وہ نیم پاگل ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟ مر جاؤں میں خود کشی کرلوں؟ تو ٹھیک ہے میں یہ بھی کر گزروں گی پھر آپ خوش ہو جائیے گا۔" اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑتے وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی جبکہ عرشمان داؤد کا منہ کچھ کہنے کے لیے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اتنا شدید ردعمل۔

"عانیہ۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پایا۔

"جان چھوڑ دیں میری اللہ کے واسطے ورنہ میں واقعی خود کشی کرلوں گی' ختم کردوں گی خود کو مت آئیں بار بار میرے سامنے' تکلیف ہوتی ہے آپ کو دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔ رحم کھائیں مجھ پر۔" وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ضبط کی آخری سیڑھی پر جا پہنچی تھی۔ عرشمان داؤد حیران پریشان اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا جب وہ دروازہ کھولتے تیزی سے باہر نکلی اور پھر فٹ پاتھ پر بھاگنے لگی اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا وہ قریب سے گزرتے رکشے کو روک کر اس میں سوار ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

اس ملاقات کے بعد اس نے بہت کوشش کی عانیہ سے ملنے کی مگر اس نے تو جیسے گھر سے باہر نہ نکلنے کی قسم کھا رکھی تھی ہر وقت اپنے کمرے میں ہی بند رہتی۔

عرشمان داؤد جیسے شخص کو کھو کر جینا موت سے بھی بدتر تھا' وہ بہت بار کمزور پڑی تھی مگر پھر اسے خود کو خود ہی دلائل دیتے سمجھانا پڑا۔ خرم نے ایک دو بار اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر وہ سختی سے انکار کر گئی یہاں اسے آنٹی سائرہ بھی فورس نہ کرپائیں۔ وہ اسے شاپنگ پر لے جانا چاہتی تھیں مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ ادھر جب اس کی شادی کا کارڈ عرشمان داؤد

تک پہنچا تو صحیح معنوں میں اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔

بی جی کی گود میں سر رکھے وہ درد کی نجانے کونسی حد پر تھا۔ اسے اتنا ٹوٹا بکھرا دیکھ کر بی جی کے کلیجے پر بھی ہاتھ پڑا تھا۔ وہ کتنی دیر بے یقینی سے کارڈ کو دیکھتی رہیں پھر آہستہ سے بڑبڑائیں "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انہیں جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی تو انہوں نے سائرہ بیگم سے عرشمان اور عانیہ کے رشتے کی بات کی تھی تب تو انہوں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا اور عرشمان داؤد تو ایسے تھا جیسے پوری دنیا سے ناراض ہو چکا ہو۔ کتنے دن گزر گئے اسے اپنے کمرے میں بند۔ کھانا' پینا' سونا' جیسے وہ سب بھول گیا وہ خود سمیت ساری دنیا کو بھول گیا' ہو سکتا تھا کہ اس فرسٹریشن میں وہ خود کو ختم کر لیتا کہ اس دن آنٹی سائرہ چلی آئیں۔ وہ کمرے میں مکمل اندھیرا کیے پڑا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئیں اور پھر آہستہ سے لائٹ جلا دی' عرشمان نے کافی ناگواری سے اس عمل کو دیکھا تھا۔ اندھیرے میں رہنے کی تو جیسے اسے عادت سی ہو گئی تھی۔ وہ روشنیوں سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اسے لگا کوئی ملازم ہو گا مگر پھر آنٹی سائرہ کو دیکھ کر وہ خاصا حیران ہوا تھا۔

"آپ۔۔۔!؟"

جبکہ وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتے ایک ادائے نزاکت سے چلتی گردن اکڑائے اس کے قریب چلی آئیں۔

"ہاں میں؟" پھر اس کی بڑھی ہوئی شیو' ملگجے شکن آلود لباس' آنکھوں کے گرد پڑے ہلکوں اور کئی دنوں کی رتجگوں کے احساس نے سرخ ڈورے لیے ویران بنجر آنکھوں کو دیکھ کر افسوس سے سہلاتے ہوئے بولیں۔ "یہ کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی؟ تم تو پہچانے ہی نہیں جا رہے' پورے مجنوں بنے ہوئے ہو۔ اس بے وفا لڑکی کی وجہ سے اس طرح جوگ لینا سوٹ نہیں کرتا تم پر۔ تم داؤد انڈسٹریز کے اکلوتے مالک' کروڑوں نہیں بلکہ عربوں کے تنہا وارث ہو۔" عرشمان داؤد کی آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی۔ ہزار چاہنے کے باوجود وہ ان کی آمد

کا مقصد نہیں جان پایا تھا جبکہ وہ کہہ رہی تھیں۔
"تو مائی سن تو عرشمان داؤد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دو ٹکے کی لڑکی کی خاطر خود کو برباد کرے۔ دیکھو تو کتنی گھٹن ہو رہی ہے تمہارے روم میں۔ زندگی کی ذرا سی رمق کا بھی احساس نہیں ہو رہا ہے۔ ہر چیز سے اداسی ٹپک رہی ہے خیر تم اپنے کمرے میں کس طرح رہتے ہو یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے میں تو تم سے صرف اتنا پوچھنے آئی ہوں کہ جب ایک انسان کا دل ٹوٹتا ہے تو اسے کیسا محسوس ہوتا ہے۔" عرشمان داؤد کی آنکھوں میں الجھن چھانے لگی آخر وہ کہنا کیا چاہ رہی تھیں وہ سمجھنے سے قاصر تھا جبکہ وہ استہزائیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے بولیں۔
"کبھی اتنی ہی بے دردی سے تم نے بھی کسی کا دل توڑا تھا۔" وہ اس دوران پہلی بار چونکا۔ یعنی جیسا وہ سوچ رہا تھا ویسا کچھ بھی نہ تھا معاملہ کچھ اور تھا۔ آنٹی سائرہ اس کے زخموں پر مرہم نہیں بلکہ نمک چھڑکنے آئی تھیں۔ "کیوں آئی ہیں آپ یہاں؟" وہ از حد سنجیدہ سا گویا ہوا۔ جب مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے انہوں نے کہا۔
"کتنی کمزور یادداشت ہے تمہاری ابھی بتایا تو ہے۔ ویسے ایک بات ہے تمہیں اس طرح دیکھ کر میرے دل کو بہت سکون مل رہا ہے جیسے کرنی ویسی بھرنی۔"
"آ... آپ۔"
"ہاں میں۔" وہ غصے سے چیخیں۔ "آج سے ایک سال پہلے اپنے زعم میں جس معصوم کا تم نے بڑی بے دردی سے دل توڑا تھا وہ کوئی اور نہیں میری اپنی بیٹی تھی جو اس دن کے بعد سے مسکرانا تک بھول چکی ہے' زندگی کو ایک بوجھ کی طرح گزار رہی ہے۔ اسی دن میں نے تم سے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی اور پھر خوش قسمتی سے میری ملاقات عانیہ سے ہو گئی۔ واہ کیا صورت پائی تھی اس نے اور کیا معصومیت تھی چہرے پر۔ اگر میری اتھی نظر ٹھٹک سکتی تھی تو پھر تمہاری کیوں نہیں۔ چارے کے طور پر تمہارے سامنے پیش کیا تھا میں نے اسے' بڑا سجا سنوار کر' پیسے تک کی پروا نہ کی اور تم" وہ ہنسیں بڑی عجیب سی ہنسی تھی۔ "تم تو چارہ کھانے کے لیے ایک دو ملاقاتوں کے بعد ہی اتاولے ہو گئے حسن بھی کیا چیز ہوتا ہے انسان کی سدھ بدھ ہی کھو دیتا ہے۔ وہ سب ایک پری پلان تھا ڈیئر۔" اور عرشمان داؤد کا چہرہ حیرت سے بت بن گیا جبکہ آنکھیں بے یقینی کے احساس سے قدرے پھیل سی گئیں۔ اسے کسی صورت یقین نہیں ہو رہا تھا کہ آنٹی سائرہ اس کے ساتھ اس طرح بھی کر سکتی ہیں۔ ہاں اسے اب بھی اچھی طرح یاد تھا ایک سال پہلے اشنا کے اظہار محبت پر وہ پہلے تو کتنی دیر بے یقین اور حیران رہا مگر پھر بہت نرمی اور رسان سے سلجھے ہوئے لہجے میں اسے سمجھایا کہ اس کا جذبہ یک طرفہ ہے وہ اس کے بارے میں اس طرح نہیں سوچتا۔ تب اشنا بہت روئی تھی اسے اپنی محبت کے واسطے بھی دیئے تھے مگر عرشمان داؤد جیسے اپنے دل کے آگے مجبور تھا جو اس کے بارے میں اس طرح سوچنے کو کسی صورت تیار نہ تھا۔ عرشمان نے بہت ندامت محسوس کرتے اس سے معذرت کی تھی اسے حقیقتاً" بہت دکھ ہوا تھا کہ اس کی وجہ سے اشنا کا دل ٹوٹا تھا تب آنٹی سائرہ وہاں موجود نہیں تھیں تو اس کا مطلب ہے یہ سب کیا دھرا اشنا کا تھا اس نے اپنی مما کو ان دونوں کے درمیان ہوئیں ساری باتیں بتائی ہوں گی۔
عرشمان داؤد نے سلگتی ہوئی نظریں اٹھائیں سامنے کھڑی شاطرانہ انداز میں مسکراتی عورت اس کی سگی چاچی تھیں وہ چاہتا تو انہیں ذلیل کر سکتا تھا انہیں بہت کچھ سنا سکتا تھا مگر وہ بولا تو فقط اتنا۔
"کیا عانیہ بھی آپ کے اس پلان میں شامل تھی؟"
سائرہ بیگم اک ادا سے مسکرائیں جیسے وہ اس سے اسی سوال کی توقع کر رہی تھیں۔ اس کی موجودہ حالت ان کے دل کو سکون فراہم کر رہی تھی۔ پھر وہ کیوں نہ خوش ہوتیں۔ ان کا دل چاہا کہ وہ زور زور سے قہقہے لگائیں۔ جس طرح اس شخص نے ان کی بیٹی کو رلایا تھا یہ خود بھی اسی طرح رونے والا تھا۔ وہ بازی جیت چکی تھیں انہوں نے جیسا چاہا تھا بالکل ویسا ہی ہوا تھا پھر وہ اس کی

طرف طنزیہ دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہاں وہ تمہاری ہیروئین بھی اس پلان میں شامل تھی مڈل کلاس کی لڑکیوں میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے کہ وہ پیسے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوجاتی ہیں۔ میں نے کسی امیر لڑکے کے ساتھ اس کی شادی کروانے کا وعدہ کیا تھا اور اس کے بدلے میں اسے تمہارے جذبات کے ساتھ کھیلنا تھا' تمہارا دل توڑنا تھا اور اب جبکہ وہ ایسا کرچکی ہے تو وعدے کے مطابق اس کی شادی میں تمہارے جتنے ہی امیر لڑکے سے کروارہی ہوں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو اسے' تمہارا ہی بزنس پارٹنر خرم منصور تمہارے ہم پلا ہی ہے۔ تمہیں تو شاید خبر بھی نہ ہوگی خود کو کمرا بند کیے پورے مجنوں بنے بیٹھے ہو۔ میں تو تمہیں خاص بلاوا دینے آئی تھی کہ کل اس کی بارات پر ضرور آنا۔ انتظار رہے گا تمہارا۔"

وہ اتنے فراٹے سے جھوٹ بول رہی تھیں کہ کسی کو بھی ان کے جھوٹ پر یقین آجاتا جبکہ عرشمان داؤد کا پورا چہرا ضبط سے سرخ انگارہ ہوگیا آنکھیں خون چھلکانے لگیں' ہاتھوں کی مٹھیاں شدید اشتعال سے بھینچ سی گئیں۔ وہ جو عانیہ کے رویے سے ابھی تک الجھا ہوا تھا سب سمجھ گیا۔ اس کا اعتماد' بھروسا' یقین بڑی بری طرح کرچی کرچی کیا گیا تھا۔ وہ لڑکی جس کا چہرا تو معصوم تھا مگر دماغ انتہائی شاطر' اور اس کی جھوٹی محبت کی خاطر کتنے دن وہ خود کے ساتھ ظلم کرتا رہا تھا لڑتا رہا تھا' اپنا قصور تلاشتا رہا تھا۔ جینا تک بھول گیا تھا۔ محبت نے اسے بڑی بے دردی سے رسوا کیا تھا' بہت کڑی سزا دی تھی۔ اس کا بھروسا اسی طرح توڑا تھا کہ اب ساری زندگی وہ کسی پر بھروسا نہ کرپاتا' فقط کچھ لمحے لگے تھے خود کو سمیٹنے میں' خود کو جوڑنے اور سنبھالنے میں' اس نے اپنی ذات کی بہت رسوائی دیکھ لی بہت عانیہ اور آنٹی سائرہ جیسے لوگوں کو تسکین فراہم کردی اب تمہیں بالکل نہیں۔ ایک لمحہ لگا تھا بس اور پھر اس کا چہرہ ہر احساس ہر تاثر سے عاری ہوتا گیا۔ وہ آنٹی سائرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا۔

آنٹی سائرہ نے بے حد حیرانی سے اس کی نا سمجھ میں آنے والی مسکراہٹ کو دیکھا۔

"عرشمان داؤد ناقابل تسخیر ہے آپ کی وہ زر خرید لونڈی' اس میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ مجھے زیر کرسکے۔ محبت۔ ہاہاہا کیسی محبت اور کونسی محبت' اس کی اتنی اوقات ہے کہ وہ عرشمان داؤد کے دل کی ساتھ کھیل سکے۔" سائرہ بیگم کا چہرہ لمحوں میں متغیر ہوا تھا جبکہ وہ ان کا ساکت انداز دیکھتے مضبوط چال چلتا ان کے روبرو آکھڑا ہوا۔

"عرشمان کا مطلب تو آپ خوب جانتی ہوں گی عرش کا شہزادہ' اور شہزادوں کو بھلا باندیوں کی کیا کمی بس عانیہ سعید بھی ایک باندی ہی تھی جس کے ساتھ عرشمان داؤد نے کچھ دن گزارے' عیش کیا اور پھر چھوڑ دیا۔" سائرہ بیگم کا چہرا لمحوں میں شدید اشتعال کی گرفت میں آیا تھا۔ آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ وہ تو اس کی ہار کا مزا لینے آئی تھیں مگر اس وقت وہ استہزائیہ نظروں سے تکتا' زہرخند مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ان کی شکست کا مزا لے رہا تھا۔ کسی زہریلی ناگن کی طرح ان کے اندر زہر پھیلا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے لمبے اور تیز ناخنوں کے وار سے اس کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے نوچ ڈالتیں جو ان کو کسی صورت برداشت نہیں ہورہی تھی۔ عرشمان داؤد نے آج دوسری بار انہیں شدید تکلیف سے دوچار کیا تھا انہیں چوٹ لگائی تھی' مات دی تھی وہ برداشت کرتی بھی تو کس طرح تنفر بھری سرخ نظروں سے اسے گھورتے وہ ایک دم پلٹی تھیں جب اس کے پکارنے پر انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"یہ جو آپ میری حالت دیکھ رہی ہیں نا وہ سچ ہے مگر وہ عانیہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک جان سے عزیز دوست کی ڈیتھ کی وجہ سے ہے۔" وہ مزید وہاں رک کر اپنا تماشا نہیں بنوانا چاہتی تھیں سو ایک جھٹکے سے مڑیں اور تن فن کرتی کمرا چھوڑ گئیں' جبکہ ان کے جاتے ہی عرشمان داؤد وہیں گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ اتنا بڑا دھوکا' محبت کا یہ فریب ناقابل برداشت

تھا اس کی آنکھوں میں نمی چھانے لگی۔ "عانیہ سعید میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں۔" وہ بولا نہیں بلکہ غرایا تھا پھر وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالتے وہ واش روم میں گھس گیا۔

تازہ تازہ کلین شیو چہرے قیمتی لباس اور خوشبوئیں بکھیرتے سراپے کے ساتھ وہ اس وقت خرم منصور کے سامنے کھڑا تھا جو اس کا پارٹنر ہونے کے ساتھ ساتھ دوست بھی تھا۔

"ارے تم آؤ نا' پچھلے کئی دنوں سے میں تم سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر تم تو ایسے غائب تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ کہاں تھے اتنے دن؟" مسکراتے ہوئے اس نے پوچھا تھا مگر پھر اس کی سنجیدہ شکل دیکھتے اسے بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"کیا ہوا خیریت ہے نا؟"

"تمہاری شادی عانیہ سعید سے ہو رہی ہے؟"

"ہاں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ از حد حیران ہوا۔

"تم اس سے شادی نہیں کرو گے۔"

"مگر کیوں؟۔" وہ الجھا۔

"وہ اس لیے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور تم دوست کے لیے اتنا تو کر ہی سکتے ہو۔" خرم منصور لمحوں میں ساکت ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم اتنی بے دردی سے کس طرح محبت کو ٹھکرا سکتی ہو۔"

"جب محبت مجھے اتنی بے دردی سے ٹھکرا سکتی ہے تو پھر میں کیوں نہیں۔"

"وہ تمہارا ایک طرفہ جذبہ تھا۔"

"مگر کی تو محبت ہی تھی نا' بہت ٹوٹ کر چاہا تھا میں نے کسی کو ریحان احمد' اپنے آپ کو بھلا کر اسے ازبر کیا تھا مگر بدلے میں مجھے کیا ملا تہی دامنی' تنہائی' ناقدری۔" وہ چبا چبا کر بولی تھی آنکھوں کے گوشے بھیگنے میں فقط لمحہ لگا۔

"میں تمہارا درد سمجھ سکتا ہوں' اتنی ہی گہرائی سے جتنی گہرائی سے تم اسے محسوس کرتی ہو مگر کیا تم میرا درد سمجھ سکتی ہو۔ ٹھکرائے جانے کا درد تم نے ایک بار سہا اور آج تک اس کی لپیٹ میں ہو کیا کبھی میرے درد کا اندازہ کیا ہے کہ ہر بار ٹھکرائے جانے کے باوجود یہ دل تمہاری راہوں میں رلنے کے لیے کیوں تیار ہو جاتا ہے۔ کس کو ٹھکرا دینا بہت آسان ہے مگر ٹھکرائے جانے کا درد سہنا بہت مشکل' اور مجھے دیکھو اشنا میں وہ بدنصیب انسان ہوں جو اس درد کو سہتے سہتے اس کا عادی بن گیا ہے۔ میں آج اقرار کرتا ہوں کہ میں ہار گیا ہوں' میری محبت ہار گئی ہے۔ تم جیت گئی ہو اشنا مظہر اور تمہاری بے رخی جیت گئی ہے۔" وہ گمبھیر بھاری ہوتی آواز میں کہتا ایک دم اٹھا اور اس سے پہلے کہ وہاں سے چلا جاتا اشنا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر میز پر پڑے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"میں تمہارے درد کو سمجھ سکتی ہوں ریحان احمد' تمہارا درد مجھ سے بھی بڑا ہے اور تمہارا حوصلہ اور ظرف بھی مجھ سے بڑا ہے۔ محبت ہمیشہ جیتتی ہوئی ہے اور انسان ہارتے۔ میں تمہارے محبت کے آگے ہار گئی ہوں ریحان احمد مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمہیں دینے کو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" وہ بہتی آنکھوں اور کپکپاتے ہونٹوں سے بولی تھی بلکہ ان لفظوں نے تو ریحان احمد کو نئی زندگی سونپ دی تھی وہ بے یقینی سے کتنی دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر نم آنکھوں سے مسکرا دیا۔

"تھینک یو اشنا تھینک یو سو مچ' تم نہیں جانتیں آج تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے زندگی کے کسی بھی موڑ پر مجھ سے تمہیں کبھی کوئی گلہ نہیں رہے گا مگر مجھے اپنی محبت پر پورا یقین ہے وہ بہت جلد تمہارے دل سے ہر پرانی یاد مٹا دے گی۔" اس کا ہاتھ دباتے وہ ایک جذب سے بولا تھا جب کہ اشنا مظہر دھیرے سے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا گئی۔ اس نے آج ایک محبت بھرے دل کو ٹوٹنے سے بچا لیا تھا کیونکہ وہ

ریحان احمد کو کبھی اپنی والی اسٹیج پر آتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی جس میں انسان اور بت میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

☆ ☆ ☆

تیار ہونے کے بعد وہ جیسے ہی پارلر سے باہر نکلی سامنے ہی اس کی گاڑی کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی زینی اس کے ساتھ ہی تھی وہ دونوں ایک ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھی تھیں۔ عانیہ کے بیٹھنے میں زینی نے مدد کی تھی۔ اسے تیار کرنے کے بعد بیوٹیشن نے اس کی بہت تعریف کی تھی۔ اسے غضب کا روپ آیا تھا مگر وہ اتنی افسردہ تھی کہ ایک نظر بھی خود پر نہ ڈال سکی۔ غم کی تفسیر بنی وہ سارا وقت اپنی بھیگی پلکیں ہی جھپکتی رہی تھی۔ دل اداس تھا' آنکھیں ضبط گریہ سے سرخ' چہرہ پژمردہ اور وجود مضمحل و بے حال اور ایسی سوگواریت میں بھی وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین و جمیل لگ رہی تھی۔ "عرشمان داؤد مجھے معاف کر دینا۔ میں کسی کے احسانوں کا بوجھ زیادہ دیر اپنے کندھوں پر برداشت نہ کر سکی۔ میں تھک گئی تھی۔" آنکھیں موندتے سر سیٹ کی بیک سے ٹکاتے وہ دل ہی دل میں دکھ سے نڈھال سی بڑبڑائی۔

"یہ' یہ تم کدھر جا رہے ہو؟" روٹ کی تبدیلی کا زینی کو ہی احساس ہوا تھا اس لیے ارد گرد دیکھتے اس نے ڈرائیور سے استفسار کیا جو اس کی بات پر غور کیے بغیر خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔

"نظیر یہ... یہ تم کہاں لے جا رہے ہو ہمیں؟" اپنی بات کا اس پر اثر نہ ہوتے دیکھ کر وہ ایک دم چیخ پڑی۔ جب عانیہ نے بھی آنکھیں کھولتے حیرت سے زینی کے پریشان چہرے اور پھر ڈرائیور کی پشت کو گھورا۔

"نظیر!" روٹ کی تبدیلی عانیہ کی نظروں میں بھی آچکی تھی۔ "زینی کیا پوچھ رہی ہے تم جواب دو؟"

"یہ شارٹ کٹ ہے میم' آپ کو آپ کی منزل پر جلدی پہنچانے کا حکم ہے مجھے۔"

"یہ کیسا شارٹ کٹ ہے؟" عانیہ تو راستوں سے اتنی واقف نہ تھی مگر زینی کو ڈرائیور کی بات پر یقین نہ آیا تھا اسے کسی گڑبڑ کا شدت سے احساس ہوا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھتی گاڑی ایک شاندار سے بنگلے میں داخل ہو گئی۔ اس انجان جگہ کو دیکھتے دونوں کی پریشانی قابل دید تھی۔ عانیہ اور زینی نے گھبراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"یہ' یہ کہاں لے آئے ہو تم ہمیں؟" اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے عانیہ نے اس بار اپنے لہجے کو سخت کرتے پوچھا۔

"آپ کی منزل پر' وہ دیکھیے سامنے۔"

ڈرائیور کے کہنے پر دونوں کی نظریں بیک وقت سامنے کی طرف اٹھی تھیں اور پھر جیسے ساکت رہ گئیں۔ عرشمان داؤد اک شان تمکنت سے چلتا ان ہی کی طرف آ رہا تھا۔ عانیہ کے ماتھے پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے قطرے نمودار ہونے لگے اس نے تھوک نگلتے بے اختیار زینی کی طرف دیکھا جس کا اپنا رنگ بھی اڑا ہوا تھا۔

"ویل کم ٹو مائے سویٹ ہوم۔" ڈرائیور نے سرعت سے گاڑی سے باہر نکل کر پیچھے کا دروازہ کھولا تھا جب چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ سجائے وہ اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے بولا۔

"اب آپ خود باہر نکلنے کی زحمت کریں گی کہ یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔" وہ اس کے لٹھے کی طرح سفید پڑتے چہرے کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھتے مبہم سے انداز میں بولا تھا جبکہ عانیہ ابھی تک بے یقین سی ادھ کھلے ہونٹ اور ازحد پریشان چہرے کے ساتھ صورت حال سمجھنے کی کوشش میں ہی لگی ہوئی تھی۔ اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ عرشمان داؤد کا اسے یہاں لانے کا مقصد آخر کیا ہو سکتا تھا۔ اب جب کہ اس کی شادی ہونے میں فقط کچھ ہی دیر رہ گئی تھی تو وہ اسے یہاں کیوں لے آیا تھا۔ کیا اس کا مقصد یہ شادی رکوانا تھا یا اس سے بدلہ لینے کا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "تو مائے ڈیئر نو مور ڈرامہ' تمہارے یہ آنسو اب مجھ پر کوئی اثر نہیں کرنے والے اس لیے

انہیں بہا کر ضائع مت کرو۔" وہ جھکا اور پھر اس کا کپکپاتا ٹھنڈا ہاتھ پکڑتے اسے باہر نکالنے لگا۔

"چھوڑو مجھے۔" عانیہ کے جیسے سارے حواس بے دار ہونے لگے۔ اس نے ہاتھ کو چھڑوانے کی کوشش کی اور پھر ناکام ہوتے بری طرح رو پڑی۔ عرشمان کی نظریں پہلی بار اس حسن و دلکشی کے مجسمے پر جم سی گئی تھیں۔ وہ اس وقت انتہا کی حسین لگ رہی تھی۔ عرشمان داؤد کا دل مچلنے لگا' نظر بھٹکنے لگی' مگر پھر دوسرے ہی لمحے بری طرح جھڑکتے اپنے دل کی ہر خواہش کو دل میں ہی دبا لیا' یہ ہی تو اس کے ہتھیار تھے جن کے ساتھ اس نے اس کے جذبوں پر وار کیا تھا۔ جو اتنا گہرا تو ضرور تھا کہ اسے اندر باہر سے لہولہان کر چکا تھا اور اب وہاں سوائے ٹیسوں کے اور کچھ نہ تھا دل اسے برباد کر چکا تھا اور اب وہ دل کی کسی صورت نہیں سننا چاہتا تھا' اس لیے اس کے رونے تڑپنے کی پروا کیے بغیر اسے کھینچتے ہوئے گاڑی سے باہر نکالا اور پھر گھسیٹتے ہوئے اندر لے گیا اور اندر کی صورت حال نے تو جیسے اس پر سکتہ طاری کر دیا وہ بھونچکا سی ہو گئی۔

"یہ' یہ آپ ٹھیک نہیں کر رہے عرشمان ہم..... میں کسی اور کی امانت ہوں۔"

اس نے بڑی بے دردی سے اسے بیڈ پر دھکا دیا تھا وہ اوندھے منہ گری تھی۔ سارا غصہ ہی کسی اور کی امانت کہنے پر تھا۔

"آرام سے مولوی صاحب کو اپنی رضامندی دے دینا ورنہ....." وہ اس وقت خطرناک حد تک سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پتھرے لہجے کو سہنے کی عانیہ میں ذرا تاب نہ تھی۔ "نہیں ہرگز نہیں میں اس طرح ہرگز نہیں کروں گی۔" بیڈ سے اٹھتے وہ بہتی آنکھوں سے اس کٹھور کی طرف دیکھ کر چلائی۔ عرشمان داؤد کی نظروں کی کاٹ گہری سرخی میں بدلنے لگی۔

"او۔ کے ایز یو وش' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں تو تمہاری وجہ سے ہی کہہ رہا تھا لیکن اگر تمہیں ہی میرے ساتھ شادی کے بغیر رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر یہ تو طے ہے کہ اب تم یہاں سے کہیں اور کبھی نہیں جاؤں گی۔" سرد پتھریلا لہجہ' خون چھلکاتی آنکھیں اور دو ٹوک انداز عانیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑنے لگی اسے ایک پل کے لیے بھی یقین نہ آیا کہ یہ وہی عرشمان داؤد ہے۔ جو اس پر جان تک دینے کے لیے تیار تھا۔

"یہ..... آپ..... کیوں؟"

"میں نے جو کہا ہے وہ کرلو' بحث کر کے محض وقت ہی ضائع کرو گی ہاں کرو گی تب بھی' اور ناں کرو گی تب بھی' رہنا تو تمہیں میرے ساتھ ہی ہے جوائس ایز یورز....." اور پھر وہ اس کی خود سری کے آگے ہار گئی۔ نکاح کے بغیر اس کے ساتھ رہنے والی ذلت وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ عرشمان کا یہ روپ اس کی سوچ کے بالکل برعکس تھا۔ وہ ڈر گئی تھی بلکہ وہ اندر تک سہم گئی تھی۔ نکاح ہوتے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کے رو پڑی۔ زینی کہاں تھی وہ نہیں جانتی تھی وہ بس اتنا جانتی تھی کہ اس کمرے میں بند اسے کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

سائرہ بیگم کے چہرے سے شدید گھبراہٹ جھلک رہی تھی۔ ادھر ادھر فون کرتے وہ اچھی خاصی پریشان اور گھبرائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ اس اتنے مہنگے ہال میں وہ مہمانوں کے ساتھ بالکل تنہا تھیں نہ دولہا والے آئے تھے اور نہ ہی دلہن کا کچھ پتا تھا ان کی پریشانی اپنی جگہ درست تھی۔ ہال کا ٹائم بھی تیزی سے گزرتا جا رہا تھا اب تو مہمانوں میں بھی چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ انہیں اپنی اتنے سالوں کی بنائی عزت خاک میں ملتی نظر آئی۔ انہیں علیحدہ روم میں لے جا کر ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مظہر صاحب ان پر گرج برس کر گئے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھامتے وہ وہیں بیٹھ گئیں جب ان کا سیل بجا۔ انہوں نے نمبر دیکھے بغیر ہی سرعت سے کال ریسو کی تھی۔

"اگر آپ دلہن کا ویٹ کر رہی ہیں تو یہ بے فائدہ ہی

ہے کیونکہ وہ میری بیوی کی حیثیت سے اس وقت میرے بیڈروم میں ہے اور اگر آپ دلہا کا انتظار کر رہی ہیں تو وہ بھی بے فائدہ ہی ہے کہ بارات اب کبھی نہیں آئے گی۔"

"واٹ۔! کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" کئی لمحے تو سناٹوں کی زد میں رہ کچھ بول ہی نہ پائی تھیں، مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ بولی نہیں بلکہ پھنکاری تھیں۔ عرشمان کی آواز کو وہ لمحوں میں پہچان گئی تھیں ان کے غصے اور اشتعال کے گراف کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے بکواس کرنے کی، نہ تو آپ کا ڈرائیور ہی آپ کے پاس ہے اور نہ ہی زینی۔ وہ دونوں بھی باحفاظت میرے پاس ہی ہیں۔ آپ تو انہیں اب کبھی نوکری پر نہیں رکھیں گی تو ظاہر ہے ان کا خیال بھی تو مجھے ہی رکھنا پڑے گا نا اور رہا سوال دولہے کا تو یہاں آپ سے تھوڑی سی غلطی ہو گئی۔ کم از کم دولہے کی حیثیت سے آپ کو میرے فرینڈ کو تو کسی صورت چننا نہیں چاہیے تھا اب وہ اپنے دوست کا دل تو نہیں توڑ سکتا تھا، جیسا میں نے اسے کہنا تھا اس نے ویسا ہی کرنا تھا نا۔"

"عرشمان۔۔۔" وہ حلق کے بل چیخی تھیں۔ آواز کی تیزی گلے کو چیرتی ہوئی گزری تھی۔ رہی سہی امید بھی اسی پل دم توڑ چکی تھی۔ باہر موجود مہمانوں کے سامنے کا ڈر انہیں اندر تک حواس باختہ کر چکا تھا۔

"آہستہ آنٹی جان آہستہ۔۔۔ میں بہرہ نہیں ہوں اور ویسے بھی آج تو میری سہاگ رات ہے، اس لیے آپ سے زیادہ بحث نہیں کر پاؤں گا۔ اس بحث کو ہم کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، ابھی تو میری پیاری بیوی میرا ویٹ کر رہی ہو گی، سو گڈ بائے، اب باہر موجود مہمانوں سے آپ نے کیا کہنا ہے، یہ آپ جانیں اور آپ کا کام، میری طرف سے تو گڈ نائٹ۔"

"یو باسٹرڈ۔ ایڈیٹ، بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے ساتھی۔" ادھر سے سیل آف ہونے کے باوجود بھی وہ گلا پھاڑ کوسنوں کی صورت دل کی بھڑاس نکالتی رہیں۔ شاید اسے ہی مکافات عمل کہتے ہیں۔ انہوں نے جو اس کے ساتھ کیا، سو کیا، مگر آج ان کے ساتھ وہ انتہائی برا کر چکا تھا، ان کی بازی ان ہی پر الٹ چکی تھی۔ آج کی رات کے بعد یقیناً" وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتیں۔ ان کا گھمنڈ ان کا غرور لمحوں میں چکنا چور ہوا تھا۔ عانیہ، عرشمان اور خرم کو بددعائیں دیتے وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھتی چلی گئیں۔

✡ ✡ ✡

رو، رو کر اس نے اپنا برا حال کر لیا تھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا تھا جو عرشمان داؤد اس کے ساتھ کر چکا تھا۔ وہ اسے برا بھلا بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ دل کی سلطنت کا ابھی تک وہ تنہا مالک تھا۔ نہ جانے آنٹی پر کیا گزری ہو گی، وہ اس وقت کس حال میں ہوں گی۔ اسے نہ پا کر بارات یقیناً" واپس لوٹ چکی ہو گی، آنٹی کی کتنی انسلٹ ہو گی۔ عرشمان نے تو ان کی عزت کا بھی ذرا خیال نہ کیا۔

"اف میرے اللہ یہ سب کیا ہو گیا۔" وہ گھٹنوں میں سر دیے ایک بار پھر سے رو پڑی۔ اسی وقت دروازہ کھولتے عرشمان داؤد اندر داخل ہوا۔ عانیہ نے گردن اٹھاتے اسے خائف نظروں سے دیکھا جو اس کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ تھا۔ اس نے کوٹ اور ٹائی کو بڑی بے دردی سے صوفے پر اچھالا تھا اور پھر کف لنکس اوپر کرتا ازحد سنجیدہ سا اس کے روبرو آکر بیٹھ گیا، پھر کتنی دیر وہ اس کے روئے روئے سرخ چہرے کو پرسوچ نظروں سے گھورتا رہا۔ سامنے بیٹھی اس لڑکی میں کبھی اس کی جان بستی تھی۔ وہ اسے اپنانے کے خواب دیکھا کرتا تھا، مگر آج جب وہ اس کی ہو گئی تھی تو اس کے سرد تاثرات میں جذبوں نے ذرا ہلچل نہ مچائی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے سب احساسات پر برف سی جم گئی ہو، نہ دھڑکنوں نے اودھم مچایا، نہ دل نے کسی قسم کی خوشی کا اظہار کیا۔ اس وقت اس کے دل میں جتنی آگ لگی تھی وہ ساری آگ اس پر انڈیل دینا چاہتا تھا اور اس نے ایسا ہی کیا تھا اب کب اسے کسی کی پروا رہی تھی۔

"عرشمان کا مطلب تو تم جانتی ہی ہو گی' میں نے خود ہی تو بتایا تھا تمہیں۔" یکلخت ہی اس کی آنکھیں کسی پرانی یاد کے زیر اثر سرخ ہوئی تھیں۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنے دماغ کو جھٹکا تھا۔ وہ اب کبھی بھی پرانی یادوں کو یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"عرش کا شہزادہ اور شہزادوں کو تو باندیاں رکھنے کی عادت ہوتی ہی ہے۔ تم بھی اس گھر میں ایک باندی کی ہی حیثیت سے رہو گی۔ تم سے نکاح کرنا میری خواہش نہیں' بلکہ ضرورت تھی۔ تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنی تحویل میں رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا' ورنہ تمہاری وہ خالہ کہاں تک کر بیٹھنے والی تھیں۔" اس کا لب ولہجہ انتہائی تھرڈ کلاس یہاں تک کے دیکھنے کا انداز بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ عانیہ کا پورا وجود سن ہونے لگا۔ وہ تو اس بالکل اجنبی اور بدلے ہوئے عرشمان داؤد کو دیکھ کر حیرت و دکھ سے مجسمہ سی بن گئی۔ آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود بھی اسے لگا جیسے سامنے بیٹھا شخص عرشمان نہیں بلکہ اس کا بہروپ ہو جس کا چہرے کے سوا اور کچھ بھی عرشمان سے نہ ملتا ہو۔ نہ اخلاق' نہ دیکھنے کا انداز اور نہ آواز کی حلاوت' وہ اس ایک ہی وقت میں بہت سی کیفیات کا شکار ہوئی تھی۔ بے یقینی' حیرت' صدمہ' دکھ' تاسف' خوف و ہراس ان تمام چیزوں نے مل کر اسے مختل الحواس سا کر دیا' جب وہ اس کی طرف جھکا اور پھر بڑی بے دردی سے اس کا جبڑا پکڑتے غرایا۔

"کسی امیر و کبیر شخص سے شادی کی ہی خواہش تھی نا تمہاری تو آج پوری ہو گئی۔ چ چ چ۔۔۔" پھر افسوس سے سر نفی میں ہلاتے اس نے ایک جھٹکے سے اس کا جبڑا چھوڑا۔

"مگر افسوس اس کے پاس تم پر ڈالنے کے لیے محبت کی ایک نگاہ بھی نہیں ہے۔"

"تم۔۔۔" پھر وہ ایک دم طیش میں آکے بولا۔

"تم ہر رات میری سیج سجاؤ گی' مگر محبوبہ یا بیوی بن کر نہیں بلکہ باندی بن کے۔۔۔ سنا تم نے۔" اپنی لہو ہوتی' تنفر بھری نظریں اس کے زرد پڑتے چہرے پر گاڑھتے وہ بلند آواز میں چیخا' کتنی نفرت و حقارت تھی' اس وقت اس کی آنکھوں اور چہرے پر' عانیہ کا پورا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا۔ تذلیل کے احساس سے وہ کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گئی۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے صدمے سے چور ہوتے اس کی طرف دیکھا۔ کانوں کو کسی صورت یقین نہ آیا کہ وہ اتنی گری ہوئی بات بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اس کے انکار سے ہرٹ ہو کر یہ سب کر رہا تھا تو یہ سب بہت زیادہ تھا۔ عانیہ کی توقع سے تو اور بھی زیادہ۔ اسے اس کی شعلے برساتی' سلگتی آنکھوں اور نفرت و اشتعال لیے سرخ پتھریلے' سرد چہرے سے ایک دم خوف محسوس ہوا۔ وہ سراسیمہ سی بے ساختہ پیچھے کی طرف سرکی۔ عرشمان داؤد تمسخرانہ انداز میں مسکرایا اور پھر اس کے لہنگے پر اپنا ہاتھ جماتے اس کی کوشش کو ناکام کر دیا۔ عانیہ کسی ہرنی کی طرح سہم گئی۔

"عرشما۔۔۔ن۔۔۔ پلیز چھوڑیں مجھے' آپ ہوش میں نہیں ہیں۔" وہ رو پڑی تھی۔

"اب ہی تو ہوش میں آیا ہوں' سویٹ ہارٹ۔" بہت عجیب سے انداز میں وہ ہنسا تھا۔ جب بے بسی لاچاری کی نہ جانے کون سی حد کو چھوتے وہ سسک سسک کر رو دی تھی اور اس کا یوں ہچکیوں سے تڑپ تڑپ کر رونا کچھ لمحوں کے لیے سہی' مگر پرانے عرشمان کو جگا گیا تھا۔ اسے تکلیف ہوئی تھی' آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی' مگر پھر اگلے ہی لمحے وہ اپنا ہر جذبہ' ہر احساس اپنے اندر ہی دبا گیا' جو کسی کے سچے جذبوں کی ناقدری کرے' کسی کے خلوص ساتھ کھیلے۔ کسی کو محبت میں دھوکا دے اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا عرشمان کی ڈکشنری میں بالکل جائز اور درست تھا۔ وہ اسے معاف کر دیتا' بخش دیتا' اگر ایک پل کے لیے سہی' مگر اس نے اسے چاہا ہوتا' اس کی تمنا کی ہوتی' مگر اب وہ کسی صورت رعایت دینے کے حق میں نہ تھا۔ اسی لیے اگر یہ رات ایک وجود نے روتے' تڑپتے' بلکتے گزاری تو دوسرے وجود نے حاکمیت کے نشے میں چور کسی بے بس انسان کی بے بسی کو اپنے قدموں تلے

روندتے ہوئے گزاری۔

٭ ٭ ٭
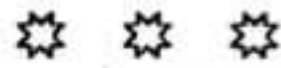
اگلی صبح عانیہ سعید کے لیے بالکل مختلف تھی۔ اس کے اندر کی لڑکی ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکی تھی۔ رات عرشمان کے سلوک نے اسے اچھی طرح باور کروادیا تھا کہ اس کی نظر میں اس کی اوقات صرف ایک زرخرید باندی کے جیسی ہے۔ وہ ہار گئی تھی۔ وہ ٹوٹ چکی تھی۔ بڑی بے رحمی سے اس کے بھروسے کو توڑا گیا تھا اور ستم ظریفی یہ تھی کہ توڑنے والا کوئی غیر نہیں اس کے دل کا مکیں اس کا شوہر تھا۔

وہ صوفے پر بیٹھی تھی رو' رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔ عرشمان داؤد قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا بالوں کو برش کررہا تھا۔ عانیہ کی تھکی تھکی نظریں کتنی دیر سے یک ٹک اسی کو ہی دیکھے جارہی تھیں مگر اس بے نیاز شخص نے پلٹ کر ایک بار بھی اس کی طرف نہ دیکھا تھا۔ اسے ذرا احساس نہ تھا کہ رات اس نے اس معصوم سی لڑکی کے خوابوں کو کس طرح ریزہ ریزہ کیا تھا۔ برش کرنے کے بعد اس نے خود پر پرفیوم اسپرے کیا اور پھر اک نگاہ غلط بھی اس پر ڈالے بغیر مضبوط چال چلتا کمرا چھوڑ گیا۔ عانیہ نے سر صوفے کی پشت سے ٹکاتے آنکھیں موندلیں' اتنی بے حسی' لاتعلقی' بیگانہ پن' اس کی بند آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور پھر وہ ایک ہفتے بعد دوبارہ لوٹا تھا۔ یہ پورا ایک ہفتہ اس نے ڈر' ڈر کر گزرا تھا۔ سوائے چوکیدار کے اور کوئی نہ تھا۔

وہ دوپہر میں آیا تھا اور پھر شام ہوتے ہی جس خاموشی سے آیا اسی خاموشی سے لوٹ بھی گیا۔ نہ اس نے اس کا حال پوچھا اور نہ اس نے بتایا' نہ کوئی اور کسی بھی قسم کی بات ہوئی۔ وہ صرف اس کی باندی تھی اور باندیوں کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ حاکموں کو اس کی پروا نہیں ہوتی۔ اس کے جاتے ہی وہ تکیے میں سر دیے رو دی تھی۔ عرشمان داؤد کا رویہ اس کی جان نکالنے کے لیے کافی تھا۔ اس کی لاپرواہی' بیگانگی' لاتعلقی حقیقتاً اسے اندر سے ختم کررہے تھے۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ لاکھ چاہنے کے باوجود وہ اس سے نفرت نہیں کرپا رہی تھی۔

دل ابھی بھی اسی کٹھور کے نام پر دھڑکتا تھا اور پھر پندرہ دن گزر گئے' مگر۔۔۔ اس نے دوبارہ پلٹ کر اس ٹوٹی بکھری لڑکی کی طرف نہ دیکھا۔ اس کی نمازوں میں سجدے طویل ہوگئے۔ وہ اپنا ہر دکھ اپنی ہر اذیت اپنے اللہ سے کہنے لگی۔ نماز تو وہ پہلے بھی نہیں چھوڑتی' مگر ان دنوں وہ اللہ کے اور قریب ہوگئی تھی۔ اسے اب ہی احساس ہوا کہ اللہ سب سے اچھا سامع ہے۔ وہ اس کے سامنے روتی' تڑپتی بلکتی اپنے اندر کی ساری گھٹن' سارے غم آنسوؤں کے ذریعے بہادیتی اور پھر جیسے اسے سکون ملنے لگتا' دل ٹھہرنے لگتا۔

وہ نماز پڑھ کر ابھی اٹھی ہی تھی جب اسے زور کا چکر آیا گرنے سے بچنے کے لیے اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارتے کسی چیز کا سہارا لینا چاہا' مگر پھر دوسرے ہی لمحے لہراتی ہوئی پیچھے آگری۔ قریب پڑی چھوٹی ٹیبل سے اس کا سر بری طرح ٹکرایا اور پھر خون کا فوارہ سا چھوٹ گیا۔ اللہ جی۔۔۔ اس کی حلق سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ نڈھال سے انداز میں وہ اپنے ماتھے پر اپنا ہاتھ جما گئی۔ رات کے اس پہر چوکیدار کے علاوہ اس اتنے بڑے گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ آخر وہ بلاتی بھی تو کس کو بلاتی۔ اس نے اٹھنے کی کمزور سی کوشش کی' مگر پھر جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ یہاں تڑپ تڑپ کر مر بھی جائے تو کسی کو کچھ خبر نہ ہوگی۔ ایسی بے بسی اور لاچاری پر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے دل کی شدت سے اپنے رب کو پکارا تھا۔ اب تو تکلیف برداشت سے باہر ہوتی جارہی تھی۔ اسی وقت گاڑی کا ہارن بجا اور چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ عرشمان داؤد نے جس وقت کمرے میں قدم رکھا۔ وہ درد کی شدت برداشت نہ کرتے ہوئے بے ہوش ہو چکی تھی۔

عانیہ۔۔۔ وہ تقریباً" دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا تھا جو دونوں ہاتھ ماتھے پر رکھے دنیا مافیہا سے بے خبر زمین پر بے ہوش پڑی تھی۔ اسے بانہوں میں بھرتے وہ

اپنے منتشر حواسوں کے ساتھ تیزی سے باہر بھاگا تھا۔
"گرنے سے چوٹ تو گہری آئی ہے مگر بروقت لانے کی وجہ سے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ پیشنٹ ہے تو خطرے سے باہر مگر خون کی بہت کمی ہے۔ ایک تو ان کی حالت ایسی ہے اور اوپر سے خون بھی ضائع ہو گیا۔ وہ جو اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے ریلیکس ہونے لگا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر کی اگلی بات پر بری طرح چونکا' کیسی حالت۔ اس کی لاعلمی پر لیڈی ڈاکٹر پیشہ ورانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے بولی۔
"آپ کی وائف ماں بننے والی ہیں' چونکہ ابھی بہت کم عرصہ گزرا ہے تو مجھے لگتا ہے کہ وہ خود بھی انجان ہی ہوں گی۔"
"کیا۔" اسے حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ جی۔ یہ میں کچھ میڈیسن لکھ کے دے رہی ہوں' برابر دیتے رہیے گا اور منتھلی چیک اپ تو لازمی ہے' چونکہ یہ کافی ویک ہیں اور اوپر سے خون کی بھی کافی کمی ہے' تو ان کی ڈائیٹ کا خاص خیال رکھیے گا۔ میں آپ کو ڈائیٹ چارٹ دے دیتی ہوں' اسی کے مطابق ہی خوراک دیجیے گا۔" وہ ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ کاغذ پر میڈیسن بھی لکھ رہی تھی' جبکہ وہ بے یقین اور حیران سا کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح کاری ایکٹ کرے' اگر سب کچھ نارمل حالات میں ہوا ہوتا اور عانیہ سعید ایک دھوکے باز لڑکی نہ ہوتی تو اس وقت وہ پھولے نا سما رہا ہوتا' مگر اب۔ اس کے اندر گہرا سکوت سا چھا گیا۔ وہ عانیہ سعید کے وجود سے تو کبھی بھی کسی بھی قسم کی خوشی نہ لینا چاہتا تھا' کبھی بھی نہیں۔
واپسی پر وہ انتہائی حد تک سنجیدہ تھا اور عانیہ خاموش' اس کے سپاٹ تاثرات عانیہ کے اندر عجیب سی دکھن پیدا کررہے تھے۔ یعنی اتنی بڑی خوشی بھی اس پر مثبت اثرات نہ ڈال رہی تھی۔
"میں یہ بچہ نہیں چاہتا۔" گھر آکر اس نے دھماکا کیا تھا۔ عانیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اسے اپنی آواز گہری کھائی سے آتی ہوئی لگی تھی۔ اسے اپنی سماعتوں پر شبہ گزرا۔ آخر وہ کس طرح اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ سکتا تھا۔ اسے اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی لگی۔ وہ بے اختیار ہی بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔
"ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔ تم جیسی دھوکے باز لالچی مکار عورت میری اولاد کو جنم دے' میں یہ کسی صورت برداشت نہیں کروں گا۔" غصے کی شدت سے اس کی آواز قدرے بلند ہو گئی' جبکہ اتنے شدید اور سنگین القابات پر عانیہ ہکا بکا رہ گئی۔
"کیسا دھوکا۔ کون سا فریب' مم۔ میں نے آپ کو کوئی دھوکا نہیں دیا۔ عرشان اور بھلا میں آپ کو کیوں دھوکا دوں گی۔ میں مجبور ہو گئی تھی۔ میں مانتی ہوں کہ میں نے آپ کو ہرٹ کیا' مگر میں بے وفا نہیں ہوں۔ یہ سب میں نے آنٹی کی محبت میں ان کی عزت کی خاطر کیا۔ میں نے اپنی محبت کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں دفن کر دیا' کیونکہ میں آنٹی کے احسانوں کا بوجھ اتارنا چاہتی تھی۔"
اب وہ کسی حال میں بھی اس پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "میرا بھروسا اٹھ چکا ہے تم پر سے' تم کچھ بھی کرلو' یہ بھروسا تمہاری ذات پر دوبارہ بحال نہیں ہو سکتا۔ تمہاری کوئی اوقات' کوئی حیثیت نہیں ہے میری نظر میں' تم صرف ایک باندی ہو اور باندیوں سے وارث پیدا نہیں جاتے۔ یہ بچہ تو اس دنیا میں کبھی نہیں آئے گا۔"
"اگر آپ مجھے باندی سمجھتے ہیں تو ہاں ہوں میں باندی۔" وہ بھی جیسے پھٹ پڑی۔ بات اس کی اولاد تک آچکی تھی۔ پھر وہ کس طرح برداشت کرتی۔ صبر کرتی بھی تو کیسے۔
"آپ نے میرے ساتھ جس طرح کا چاہا سلوک کیا۔ میں کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائی' مگر آج معاملہ میری اولاد کا ہے اور کوئی ماں اپنی اولاد پر اتنا بڑا ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ ابھی تو وہ دنیا میں بھی نہیں آئی اور آپ اسے ختم کرنے کی بات کررہے ہیں۔"

اس کی آواز رندھ سی گئی مگر وہ چپ نہ ہوئی۔
"میں نے آپ کے ساتھ جو کیا وہ آپ کو حرف بہ حرف یاد ہے مگر جو آپ نے میرے ساتھ کیا کیا وہ ٹھیک تھا؟ ٹھیک شادی کے وقت آپ مجھے زبردستی یہاں لے آئے اور زبردستی ہی مجھے اپنے نکاح میں لیا۔ میرے بارے میں نہ سوچتے مگر اپنی سگی چاچی کے بارے میں ہی سوچ لیتے کتنی ذلت اٹھانی پڑی ہوگی انہیں مگر آپ ...."
"شٹ اپ ... آئی سے شٹ یور ماؤتھ ...." وہ بولتے بولتے ہانپنے لگی تھی۔ جب وہ غصے سے دہاڑا۔ اشتعال کے شدید احساس سے اس کے ماتھے کی رگیں تک ابھر آئیں۔ سارا غصہ سگی چاچی کہنے پر تھا۔ کیسی دیدہ دلیری تھی۔ وہ اب بھی ان ہی کی وکالت میں بول رہی تھی۔
"شکر کرو کہ میں نے اتنے میں چھوڑ دیا تم دونوں کو ورنہ عرشمان داؤد کو دھوکا دینے والوں کا انجام اس سے بھی بدتر ہوتا۔ نفرت ہے مجھے تم سے اور تمہاری اس آنٹی سے۔" وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ آواز اتنی بلند تھی کہ گلے میں خراشیں پڑ گئیں۔ اس کے غصے کی شدت سے سرخ انگارہ ہوتے چہرے کو عانیہ نے دہل کر دیکھا۔ اتنے غصے میں تو وہ تب بھی نہیں آیا تھا جب عانیہ نے اس سے سب تعلق توڑ دیے تھے۔ جب اس نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی شعلے برساتی آنکھیں آگ اگلتی زبان ضبط گریہ سے آتش فشاں بنا لہجہ اور سب تہس نہس کر دینے والا انداز۔ عانیہ بے اختیار سہم کر دو قدم پیچھے سرکی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ عانیہ سمیت ساری دنیا کو آگ لگا دینا چاہتا تھا اسے لگا اگر اب اس نے مزید ایک لفظ بھی کہا تو وہ اس کا گلا دبا دے گا۔ سراسیمہ آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں بہت واضح نظر آرہی تھیں جبکہ عرشمان داؤد غصے بھری کاٹ دار گہری نظر ڈال کر قریب پڑی میز کو زوردار ٹھوکر رسید کرتے باہر نکل گیا۔ وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ اس واقعہ کے بعد دو ہفتے گزرنے کے باوجود بھی وہ نہ آیا تھا۔ ہاں اتنا ہوا کہ ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست ہو چکا تھا اور وہ ملازمہ کوئی اور نہیں بلکہ زینی تھی۔ وہ کتنی دیر اس کے گلے لگ کے روتی رہی اور زینی بھی روتے ہوئے اس کے نڈھال وجود کو سنبھالتی رہی۔
"وہ اتنا کٹھور تو کبھی نہیں تھا زینی اتنا ظالم اتنا سنگ دل میں میں اس کا ہر ظلم سہ جاتی کبھی اف تک نہ کرتی جانتی ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ وہ سخت بدگمان ہے مجھ سے ہونا بھی چاہیے کہ میں نے اس کا محبت بھرا دل توڑا ہے۔ انہیں تکلیف پہنچائی ہے مگر اس میں اس بچے کا کیا قصور ہے۔ وہ کیوں اپنی ہی اولاد کو دنیا میں آنے سے پہلے ختم کر دینا چاہتا ہے۔" آج کتنے دنوں بعد وہ آیا تھا مگر پھر عانیہ کی بھیگی آواز سنتے وہیں دروازے پر ہی رک گیا۔ آنکھوں کے گوشے سرخی کی لپیٹ میں آنے لگے۔ کیا واقعی اسے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ اپنے کیے پر پشیمانی ہے اور کیا وہ اتنے بڑے دل کا مالک ہے کہ سب بھول کر اس کی خطائیں معاف کر سکے مگر پھر عانیہ کے اگلے جملے نے تو جیسے اسے ششدر سا کر دیا۔
"تم جانتی ہو وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہے۔ دل کی گہرائیوں سے ٹوٹ کر چاہا ہے میں نے اسے اس کے اتنے ظلموں کے باوجود بھی یہ دل اس سے نفرت نہیں کر پا رہا میری بے بسی دیکھو زینی وہ جب سامنے آتا ہے تو میں سب بھول جاتی ہوں کچھ یاد نہیں رہتا۔ اس اتنی بڑی دنیا میں میرا اس کے سوا اور کون رہا ہے۔ آنٹی سائرہ کے ساتھ انجانے میں ہی سہی مگر میں بہت برا کر چکی ہوں۔ وہ تو اب میری شکل تک دیکھنا نہیں چاہیں گی۔ میری وجہ سے بہت رسوا ہوئی ہوں گی وہ۔ بیٹیوں کی طرح چاہا تھا انہوں نے مجھے۔ تب میرا ساتھ دیا جب سب اپنوں نے بھی منہ پھیر لیا تھا۔ ان کی عزت کی لاج رکھنے کے لیے میں نے نا چاہتے ہوئے بھی اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور اب میں ہی ان کی رسوائی کا سبب بن گئی ہوں۔ وہ کبھی مجھے معاف نہیں کریں گی کبھی بھی نہیں۔" وہ رو دی تھی۔ عرشمان داؤد کے ماتھے پر پر سوچ لکیریں ابھرنے لگیں۔

دماغ الجھنے لگا۔ آخر وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ اس کے پر درد الفاظ' لہجے کا سوز تو کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ وہ جس خاموشی سے آیا تھا اسی خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ... یہ کیا' کیا مما آپ نے؟" ان کے منہ سے پوری بات سن کر اشنا نے حیرت سے پوچھا اسے کسی صورت یقین نہ آرہا تھا کہ اس کی مما عرشمان اور عانیہ کے ساتھ اس طرح بھی کر سکتی ہے۔ وہ بے یقینی سے ان کی طرف دیکھنے لگی جو کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھیں۔ چہرے پر غصے کی سرخی تھی۔

"ٹھیک کیا تھا میں نے کچھ غلط نہیں۔ مگر افسوس جس طرح چاہا تھا ویسا نہیں ہوا۔"

"مما اس میں عرشمان کا کیا قصور' میرا جذبہ یک طرفہ تھا۔ مجھے اس سے محبت ہوئی تھی اسے مجھ سے نہیں' جب مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں تو پھر آپ نے اتنا بڑا قدم کس طرح اٹھالیا' بلکہ آپ اتنی انتہا تک بھی جاسکتی ہیں میں کبھی سوچ نہیں سکتی تھی اور اس بے چاری عانیہ کا کیا قصور تھا جسے آپ نے اتنی بڑی سزا دی۔ وہ بے سہارا یتیم لڑکی جو آپ کے آسرے پر تھی' کتنا برا کر چکی ہیں آپ اس کے ساتھ۔ کیا کل کو آپ سے پوچھ نہ ہوگی' اس کے بارے میں۔" اشنا نے انہیں آئینہ دکھانا چاہا۔ جب انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

"یہ سب میں نے تمہاری خاطر' تمہاری وجہ سے کیا۔"

"مگر افسوس کے آپ نے غلط کیا۔" وہ تاسف سے بولی۔

"مجھ سے تمہاری خاموشی' تمہارا دکھ دیکھا نہیں جاتا تھا۔"

"مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہ تھا کہ آپ انتقام پر اتر آتیں۔ عرشمان نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا' وہ تو اتنا نائس انسان ہے کہ سب جاننے کے باوجود بہت نرمی اور سلجھے ہوئے انداز میں مجھے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر مجھے ہی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا' اس کی محبت میں اندھی ہو چکی تھی۔ دیوانی بن چکی تھی' مگر اس سب کے باوجود میں نے کبھی اس سے انتقام لینے کے بارے میں نہ سوچا۔ میں خاموش ہو گئی اور پھر مجھے صبر آگیا اور میرے اسی صبر کی وجہ سے اللہ پاک نے ریحان احمد کو انعام کے طور پر میری قسمت میں لکھ دیا۔ ریحان احمد کی محبت کو جیسے جیسے میں جانتی گئی مجھے خود پر ناز ہونے لگا' کوئی اتنی شدت سے بھی کسی کو چاہ سکتا ہے اور چاہے جانے کا احساس کتنا دلفریب ہوتا ہے یہ میں نے اب محسوس کیا ہے۔ میں اپنے ماضی کو بھول چکی ہوں۔ مجھے بس ریحان احمد یاد ہے۔ میں بہت جلد آپ سے اور پاپا سے اس کے حوالے سے بات کرنے والی تھی۔

مما تقدیر سے کبھی لڑا نہیں جاسکتا' کیونکہ تقدیر سے لڑنے کا مطلب اللہ سے لڑنے کا ہے۔ وہی تو تقدیریں بناتا ہے۔ میری تقدیر میں ریحان احمد ہی تھا اور جسے میں قبول کر چکی ہوں۔ عرشمان کی تقدیر میں عانیہ ہی تھی جسے آپ نے لاکھ اس سے جدا کرنا چاہا' مگر کر نہ پائیں۔ ہوا وہی نا جو اللہ چاہتا تھا' اگر آپ بہت سے لوگوں کے سامنے رسوا ہو چکی ہیں تو اس میں کسی اور کا کوئی قصور نہیں' غلطی آپ کی ہے۔ انتقام کی آگ میں جتنا جلیں گی وہ آپ کو اتنا ہی اندھا کرتی جائے گی۔ پلیز پلٹ آئیے واپس۔ اپنے لیے نہ سہی' میرے لیے' پاپا کے لیے۔" اشنا نے روتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "ہر بچہ اپنی مما کو بہت اچھا دیکھنا چاہتا ہے۔ میں بھی چاہتی ہوں۔ مجھے کسی کی بددعاؤں سے بہت ڈر لگتا ہے مما بہت مشکل سے خوشیاں تلاش کرپائی ہوں' یہ نہ ہو کہ ان خوشیوں کو کسی یتیم کی آہ لگ جائے۔ پلیز مما لوٹ آئیے ان اندھیروں سے۔ میری خاطر ہی آپ نے یہ سب کیا ہے نا تو اب میری خاطر ہی اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیجئے آپ کو میری محبت کا واسطہ۔"

"اشنا۔" ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ پھر اشنا کو

گلے لگاتے وہ رو پڑی تھیں۔ جبکہ اشنا' آہستہ آہستہ ان کی کمر سہلانے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ کچھ ضروری سامان لینے مارکیٹ آیا تھا' جب اس کی ملاقات اشنا سے ہوئی۔ وہ اسے یکسر نظرانداز کرتے سنجیدہ سا قریب سے گزر جانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے پکارنے پر مجبوراً" اسے رکنا پڑا۔

"کیا بات ہے عرشمان قریب سے یوں گزر رہے تھے جیسے جانتے ہی نہ ہو۔" اپنا یوں سرراہ نظرانداز کیا جانا اشنا کو عجیب سی تکلیف میں مبتلا کر گیا' جب وہ ازحد سنجیدہ سا گویا ہوا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے دھوکے باز لوگوں سے کتنی نفرت ہے اور تم بھی ان میں سے ہی ایک ہو۔" اس کے لہجے کی تلخی کو پیتے اشنا کے دل میں چبھن سی اتری تھی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں بات کرنے کی ضرورت ہے۔"

"اور میرا خیال ہے کہ ہمیں کبھی بھی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ سرد انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گیا' جبکہ وہ تقریباً" دوڑتے ہوئے اس کے قریب پہنچی۔

"پلیز عرشمان' میری بات تو سنیں' جیسا آپ سوچ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں' آپ کو شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے' جو کچھ مما نے آپ کے ساتھ کیا اس میں شامل ہونا تو دور کی بات مجھے تو علم ہی کچھ دن پہلے ہوا ہے' پلیز بلیوی۔۔۔" اس کے چہرے پر نہ جانے ایسا کیا تھا کہ وہ رک گیا۔

"سامنے ہی کیفے ٹیریا ہے' بس کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سن لیں۔۔۔ پلیز۔۔۔" اس کی ملتجی صورت دیکھتے وہ خاموشی سے اس کے تعاقب میں چل پڑا۔

"مما نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ نہایت غلط تھا' مگر میرا یقین کریں عانیہ کی طرح میں بھی بالکل لاعلم تھی۔"

"کیا مطلب عانیہ۔۔۔" وہ جو بے توجہی سے اس کی بات سن رہا تھا عانیہ کے ذکر پر بے ساختہ ٹھٹکا۔

"عانیہ کے والدین کی ڈیتھ کے بعد مما' عانیہ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ میرے لیے یہ قابل تعجب بات نہ تھی' حیرت تو مجھے عانیہ کو اس قدر پروٹوکول دینے پر ہوئی تھی' مگر میں نے اس کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا' مگر کچھ دن پہلے جب مما نے مجھے اپنے منہ سے بتایا کہ وہ سب ایک پلان تھا۔ ایسی چال جس میں تم سب کو ٹریپ کرنے کے لیے عانیہ سعید ان کا سب سے خاص مہرہ تھی۔" اور پھر کس طرح انہوں نے اس معصوم مہرے کو اپنی انگلیوں پر نچاتے بادشاہ کو مات دی اور پھر وہ آہستہ آہستہ وہ سب کہتی گئی جو سائرہ بیگم نے خود اپنے منہ سے اسے بتایا تھا۔ اس کی باتیں سنتے عرشمان داؤد کا چہرا ایک ایک پل میں کئی کئی رنگ بدل رہا تھا۔

"میں مانتی ہوں عرشمان کہ مما نے بہت غلط کیا ہے' مگر پلیز آپ اور عانیہ انہیں معاف کر دینا۔ یہ سب انہوں نے میری محبت میں کیا۔ مجھے بددعاؤں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ عانیہ سے کہنا کہ وہ ہمیں بددعائیں نہ دے۔۔۔ وہ بہت اچھی اور معصوم لڑکی ہے' وہ ہمیں ضرور معاف کر دے گی۔ تم۔۔۔ تم پلیز اسے بہت سی خوشیاں دینا' کیونکہ وہ ڈیزرو کرتی ہے۔" یکلخت ہی اس کی آواز بھیگ گئی' جبکہ عرشمان داؤد تو اک شاکڈ کی کیفیت میں گم صم ساکت جامد ششدر سا کسی بت کی مانند بیٹھا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اشنا اور کیا کہہ رہی تھی وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اس کی عانیہ بے قصور ہے۔ اس کی عانیہ دھوکے باز نہیں ہے۔ یہ احساس اتنا آسودہ تھا کہ ایک عرصے کے بعد جیسے اس نے کھل کر سانس لیا تھا' مگر دوسرے ہی لمحے جب اپنا سلوک' ظلم اور زیادتی یاد آئی تو اس کا سر جھکتا چلا گیا۔

اشنا نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔

"آئم سوری عرشمان۔" عرشمان نے سرخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے بہت غلط کیا ہے' اشنا اس معصوم لڑکی کے ساتھ اس نے مجھ سے ٹوٹ کر محبت کی اور میں

نے اسے اتنی ہی تکلیف دی۔"

"مجھے اندازہ تھا عرشمان' تمہاری شدت پسند طبیعت سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ اسی لیے تو تمہیں سچائی سے آگاہ کیا ہے۔ میری محبت میں مجبور ہو کر انہیں ذرا احساس نہ ہوا کہ وہ ایک یتیم بے سہارا لڑکی کے ساتھ کتنا غلط کر رہی ہیں۔" اور غلط تو عرشمان داؤد نے بھی کچھ کم نہ کیا تھا اس کے ساتھ۔ اسے لگا جیسے وہ ساری زندگی اس کے سامنے سر نہ اٹھا سکے گا۔ پچھتاوے ایسے تھے کہ کسی زہریلے ناگ کی طرح اسے ایک ایک پل میں ہزار ہزار بار ڈس رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ پردے برابر کرنے کے ارادے سے ابھی کھڑکی کی طرف بڑھی ہی تھی جب اسے لان میں کوئی ہیولا سا نظر آیا۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ ڈر سی گئی۔ رات کے اس پہر آخر وہاں کون ہو سکتا ہے۔ اس نے انٹر کام پر چوکیدار کو مطلع کرنا چاہا تھا' مگر پھر جو کچھ چوکیدار نے کہا وہ اسے حیران کر گیا۔ عرشمان... اس وقت' یہ کب آئے... دل میں سوچتے اس کی نظر بڑی تیزی سے وال کلاک کی طرف اٹھی تھی جو رات کے گیارہ بجا رہا تھا۔

وہ لان میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے ٹہل رہا تھا کہ پھر تھک کر وہاں پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ کتنی دیر تو تشویش و پیچ میں مبتلا وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی' مگر جب دل کو کسی صورت سکون نہ ملا تو لان میں چلی آئی۔

"عرشمان..." قریب پہنچ کر اس نے دھیرے سے پکارا تھا جب آنکھیں موندے کرسی کی بیک سے سر ٹکائے عرشمان داؤد نے سرعت سے آنکھیں کھولیں اور پھر یک ٹک کتنی دیر اس کے معصوم صبیح چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

"عرشمان چلیں اندر..." اس کے گم صم بے اختیار انداز نے عانیہ کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔

"عانیہ..." اس نے زیر لب پکارا' مگر آواز اتنی آہستہ تھی کہ عانیہ تک نہ پہنچ سکی۔ اس کی آنکھوں کے سرخ کونے غیر محسوس سی نمی کی لپیٹ میں آنے لگے۔ اس نے گزرے چار مہینوں میں اتنی اس سے محبت نہ کی تھی جتنی ان تین مہینوں میں اس سے نفرت کی تھی جو صرف محبت کے قابل تھی۔ ملال' دکھ' تکلیف' ندامت کا احساس تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"چلیں اندر چلتے ہیں۔" اس کا ہاتھ پکڑے ہی وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ عرشمان داؤد نے اپنا ہاتھ کھینچنے کی ذرا کوشش نہ کی۔ کمرے میں آتے اس نے اسے بیڈ پر بٹھایا' مگر پھر جیسے ہی اس کے چہرے پر اس کی نظر پڑی تو وہ پریشان ہو گئی اور بولی...

"اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں اگر ایک کپ کافی مل جائے تو..." عانیہ سعید حیران حیران سی کمرے سے باہر نکلی تھی اور پھر کافی بناتے ہوئے بھی اس کی حیرت کم نہ ہوئی تھی۔ وہ کافی بنا کر جیسے ہی کمرے میں آئی عرشمان داؤد گہری نیند میں جا چکا تھا۔ اتنے کم وقت میں اتنی گہری نیند' وہ حیرت سے سوچ کر رہ گئی' پھر کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے وہ تکیہ اٹھا کر صوفے پر آ کر لیٹ گئی۔ عرشمان داؤد کی کمرے میں موجودگی اسے عجیب سا سکون اور تحفظ فراہم کر رہی تھی۔ وہ آج ہر طرح کے ڈر' خوف کو پس پشت ڈالتے بہت سکون کی نیند سوئی تھی۔

صبح حسب معمول فجر کی اذان کے وقت ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ ابھی اٹھ کر بیٹھی ہی تھی جب دائیں طرف عرشمان کو جائے نماز پر بیٹھے اور ہاتھ دعا کی صورت اٹھائے دیکھ کر حیران ہوئی' مگر پھر اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر وہ بے ساختہ ٹھٹکی۔ وہ کیا مانگ رہا تھا' وہ نہیں جانتی تھی' مگر وہ جو بھی مانگ رہا تھا بڑی لگن اور شدت سے مانگ رہا تھا۔

"یا اللہ تیرا بندہ جو بھی مانگ رہا ہے اسے دے دے۔ میں اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔" اس نے دل ہی دل میں دعا کی اور پھر دوپٹا اوڑھتی وضو کی نیت سے واش روم میں گھس گئی۔ وضو کر کے جب وہ باہر آئی تو عرشمان داؤد اسے کہیں نظر نہ آیا' ہاں جاء

نماز کو پتہ نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی وہ جانتا تھا کہ اس نے بھی نماز ادا کرنی ہے۔ وہ جاء نماز پر آکر کھڑی ہو گئی۔ نماز ادا کرنے کے بعد اس کی تمام تر دعاؤں کا دارومدار عرشمان داؤد کے ہی اردگرد گھومتا رہا۔ دعا کے بعد اس نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی تھی، مگر پھر دھیان جیسے ہی عرشمان داؤد کی طرف گیا تو وہ کچھ بے چین سی ہو گئی۔ باہر آگئی، مگر پورے گھر میں اس کا کوئی پتا نہ تھا۔ انٹر کام پر چوکیدار سے پوچھنے پر ہی معلوم ہوا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔ وہ افسردہ اور بوجھل سے دل کے ساتھ کمرے میں لوٹی، نہ جانے اب وہ دوبارہ کب آئے۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب سائیڈ ٹیبل پر پڑے کاغذ پر اس کی نظر پڑی۔ وہ ہینڈ رائٹنگ عرشمان داؤد کی تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اسے تھام گئی۔

اگر تم جان جاؤ تو
محبت تم ہی ہو میری
میرے دل پر
میرے دل میں
جو پہلا عکس ابھرا تھا
وہ تیرا چاند چہرہ تھا
محبت تم ہی ہو میری
کہ چاہت تم ہی ہو میری

اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگی تھیں۔ بھیگی بھیگی پلکوں سے وہ کتنی دیر ان لفظوں کو دیکھتی رہی، پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ دراز سے قلم نکال کر لکھنے لگی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
بھکاری بن بھی جائے من
محبت پھر نہیں ملتی
اندھیری رات میں اکثر
جھپک کر بھیگی پلکوں کو
وہ پہروں چاند کو تکنا
وہ چاند جیسے دائروں میں
تمہارا ذکر رکھ لینا
تمہاری فکر رکھ لینا
تمہیں کیسے بتاؤں میں
تمہارا نام ہونٹوں پر
ہنسی بن کر مہکتا ہے
تمہارا ذکر راتوں میں
خوشی بن کر چمکتا ہے
دھڑکتے دل کی
ہر دھڑکن
تمہارا نام لیتی ہے
تمہارا ورد کرتی ہے
محبت روشنی بن کر
میری آنکھوں میں رہتی ہے

اس نے وہ صفحہ دوبارہ اسی ٹیبل پر رکھ دیا اور خود آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔ اسے اپنے اعصاب کچھ تھکے تھکے سے لگے، آنکھیں موند کر اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی اور پھر کب اس کی آنکھ لگی اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ پھر تقریباً" نو بجے کے قریب جا کر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اتنی بھرپور نیند نے اس کی طبیعت کو ایک دم ہشاش بشاش کر دیا۔ دوپٹا اوڑھتے وہ بیڈ سے نیچے اترنے لگی تھی، جب اس کی نظر صوفے پر بیٹھے عرشمان داؤد کے وجود سے ٹکرائی۔ اس کے ہاتھ میں وہی صفحہ تھا وہ گھبرا سی گئی۔ ان بدلتے موسموں سے وہ ابھی تک اچھی طرح آگاہ نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اس کے ردعمل کے حوالے سے کسی بھی قسم کا اندازہ ٹھیک سے نہیں لگا سکتی تھی۔

وہ اٹھا... عانیہ کا دل بے ساختہ دھڑکا... نہ جانے اب کیا کہہ دے۔ وہ بیڈ پر اس کے قریب ہی آ بیٹھا۔

"تھینکس..." عانیہ نے نظریں اٹھائیں۔ وہ تھینکس کی وجہ نہ سمجھ پائی تھی۔ "میری فیلنگز کو کمپلیٹ کرنے کے لیے۔" وہ مسکرایا، آج کتنے عرصے کے بعد اس نے ان ہونٹوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا، نظر جیسے ٹھہر سی گئی۔ "یہ نظم نہیں، یہ ہماری فیلنگز ہیں۔ اس میں ہم دونوں کے احساسات و جذبات چھپے ہیں۔ یہ میرے لیے بہت انمول ہے۔"

کسی قیمتی خزانے کی طرح سنبھال کر رکھوں گا میں اسے... نہیں، بلکہ ایسا کروں گا اس کا بہت خوب صورت فریم بنا کر اپنے بیڈ روم میں لگا دوں گا' تاکہ یہ ہر پل ہم دونوں کی نظروں کی گرفت کے سامنے رہے۔"

وہ دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے کہہ رہا تھا اور عانیہ کی سماعتوں پر حیرتوں کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ یہ انداز' یہ لب و لہجہ عرصہ گزرا جیسے اس کے لیے اجنبی ہو چکا تھا۔

"عانیہ..." اس نے دھیرے سے پکارا تھا۔

"اگر صبح کا بھولا لوٹ آئے تو... کیا تم اسے معاف کرو گی۔" اس نے عانیہ کا کپکپاتا ہاتھ تھاما جو ابھی تک بے یقین نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "انسان تو خطا کا پتلا ہے نا' غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور غلط فہمیاں بھی۔" عانیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ چونکا گئی۔

"آئی ایم سوری عانیہ! رئیلی ویری سوری۔ میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا ہے' مگر میرا یقین کرو ان دنوں میں ایسی کیفیت کے زیر اثر تھا کہ پوری دنیا کو آگ لگا دینا چاہتا تھا۔"

اس کی حالت دیکھتے عانیہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ آنکھوں کے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ ہونٹوں سے ہلکا سا شکوہ بھی پھسل آیا۔ "اتنی سنگ دلی عرشمان"

"جانتا ہوں میں نے بہت ظلم کیے ہیں تم پر... میں معافی کے قابل تو نہیں ہوں' لیکن اگر تم معاف کردو تو... میں دنیا بھر کی خوشیاں لا کر تمہارے قدموں میں ڈھیر کردوں گا' تمہیں اپنے پیار' اپنی محبت کی بارش میں اس طرح سے بھگو دوں گا کہ تمہارے تمام دکھوں کا مداوا ہو جائے۔ جانتی ہو اگر ابھی بھی مجھے سچائی کا پتا نہ چلتا تو یہ جنون' یہ وحشت مجھے نہ جانے اور کہاں تک لے جاتی۔"

"سچائی... کیسی سچائی..." عانیہ نے کم فہمی سے اس کی طرف دیکھا۔ جب وہ اشنا سے ملاقات کی ساری باتیں آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر بتانے لگا۔ عانیہ کے چہرے نے ایک ایک پل میں کئی کئی رنگ بدلے تھے۔ اسے جیسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ حیران پریشان چہرے اور بے یقینی کے احساس سے پھیلی آنکھوں سے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

آنٹی سائرہ جسے اس نے اپنی ماں کا درجہ دیا تھا' ان کا اتنا بھیانک روپ وہ کسی صورت برداشت نہ کرپائی تھی۔ عرشمان داؤد نے اس کے ہچکولے کھاتے وجود کو بہت نرمی سے اپنے ساتھ لگالیا۔ اس کی اندرونی کیفیت کو وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"میں اشنا کی اس اتنی بڑی نیکی کی خاطر ہی اس کی ماں کو معاف کرتی ہوں' میرا اللہ بھی انہیں معاف کرے۔" اور عرشمان داؤد تو جیسے متحیر سا رہ گیا۔ آخر کیا تھی وہ جس کی وجہ سے اسے اتنی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا اسے' اس نے پل میں معاف کردیا تھا۔ اس کے دل میں اس کے لیے محبت کے ساتھ ساتھ تفاخر بھی بلند ہوا۔ ایک دم کچھ یاد آنے پر وہ بولی۔ "آپ اتنی صبح صبح کہاں گئے تھے اور وہ بھی بارش میں؟" وہ کچھ بھی کہے بغیر اٹھا اور پھر الماری کے نیچے جانے والے خانے سے بڑا سا پیکٹ نکالتے دوبارہ اس کے قریب چلا آیا۔ "یہ لیجئے۔"

"یہ کیا ہے؟" اتنے بڑے بوری نما پیکٹ کو دیکھتے وہ حیرانی سے بولی۔

"خود ہی دیکھ لو..." اس نے سارا پیکٹ بیڈ پر الٹ دیا۔ عانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بہت خوب صورت ڈریس' جوتا' جیولری' چوڑیاں' پرفیوم' میک اپ اور بھی نہ جانے کیا کچھ نکلا تھا اس پیکٹ سے۔

"یہ ساری شاپنگ میں نے کل کی تھی تمہارے لیے' یہ سب ادھر والے گھر میں تھا' آج صبح یہ ہی لینے گیا تھا۔"

"عرشمان..." عانیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"جو ہو گیا اسے ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ عانیہ' آگے تمہاری راہوں میں پھول ہی پھول ہوں گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ کبھی بھول سے بھی

کسی دکھ کو تمہارے قریب نہیں آنے دوں گا اور اب پلیز جلدی سے تیار ہو جاؤ' کیونکہ تمہارے اصل گھر میں تمہارے اپنے تمہارا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔"

"بی جی اور انکل کیا وہ سب جانتے ہیں' کیا وہ مجھے ایکسپٹ کرلیں گے؟" اس نے نامعلوم سے کسی ڈر کے زیر اثر پوچھا۔

"بی جی سے تو آج صبح ہی خاصی ڈانٹ کھا کر آیا ہوں' بہت مشکلوں سے منایا ہے انہیں' اس وعدے کے ساتھ کہ آج تم ان کے روبرو ہوگی۔ خاصی بے چینی سے ویٹ کر رہی ہوں گی تمہارا اور پاپا کے ساتھ تو نکاح سے اگلی صبح ہی کافی جھڑپ ہوئی تھی میری۔ آنٹی نے کافی نمک مرچ لگا کر پاپا کے میرے خلاف کان بھرے تھے۔"

"اور اب کیا وہ مجھے قبول کرلیں گے؟" وہی خدشہ۔

"پاگل۔ ایک ہفتے بعد ہی انہوں نے مجھے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں گھر لے آؤں' کیونکہ وہ ولیمہ کی دعوت کرنا چاہتے تھے' مگر پھر میری خود سری اور ضد کے آگے وہ کافی مایوس اور ناراض ہوئے تھے۔ میں تو انتقام کی آگ میں ایسا اندھا ہو چکا تھا کہ کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ پاپا نے مجھے کافی سمجھایا تھا' مگر پھر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا اور اس وقت بی جی اور پاپا دونوں ہی بڑے بے چینی سے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تم انہیں ان کا ولی عہد دینے والی ہو۔"

"کیا۔ آپ نے انہیں یہ بھی بتا دیا۔" اس کا چہرہ شرم سے ایک دم سرخ پڑ گیا۔

"اور اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" وہ اس کی ننھی سی ناک دباتے مسکراتے ہوئے بولا۔ جھینپتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ وہ آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گئی۔

ریڈ کلر کی نیٹ کی فراک پہنے ساتھ میچنگ جیولری' جوتی پہنے اور ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ اس وقت

انتہائی خوب صورت لگ رہی تھی۔ ڈریسنگ روم سے
وہ جیسے ہی باہر آئی عرشمان داؤد کی نظر واپس پلٹنا بھول
گئی۔

"ایسے لگتا ہے جیسے آج چاند زمین پر اتر آیا ہو۔"
اس کی طرف بڑھتے وہ بے خود سا بڑبڑایا تھا۔ عانیہ سعید
کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہونے لگیں۔ رخساروں پر
لالی چھلکنے لگی۔ عرشمان داؤد کے دیکھنے کا انداز
آنکھوں سے پھوٹتی روشنیاں، ہاتھوں سے لپکتے
استحقاق کے جگنو، ہونٹوں پر مچلتی بے تاب حسرتیں
عانیہ سعید کو سر سے لے کر پاؤں تک محبت کی بارش
میں بھگوتی چلی گئیں۔ لاج کے مارے اس کی آنکھیں
بند ہونے کے قریب تر ہوگئیں۔ اس نے کبھی خواب
میں بھی نہ سوچا تھا کہ عرشمان داؤد زندگی کے کسی موڑ پر
اس پر اس طرح بن بادل برسات کی طرح برس کر اسے
اندر تک معتبر کردے گا۔ وہ معصوم سی لڑکی اپنی بے
ربط دھڑکنوں کو سنبھالتے خود پر جھکے اپنے سائبان تلے
جیسے مکمل طور پر چھپتی جارہی تھی۔ فقط کچھ ہی لمحے
سرکے تھے، مگر ان لمحوں نے عانیہ سعید کو انمول کردیا
تھا۔

"چلیں۔۔۔ اس حسن و رعنائی کے پیکر کو دیکھتے
عرشمان داؤد نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ آنکھیں
تھیں کہ سیر ہی نہ ہورہی تھیں۔ عانیہ سعید نے جھکی
جھکی پلکوں سے اپنا ٹھنڈا کپکپاتا ہاتھ اس کی مضبوط
مردانہ ہتھیلی پر رکھ دیا۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہی کمرے
سے نکلے تھے۔ سامنے ہی زینی ہونٹوں پر مسکراہٹ
سجائے کھڑی تھی۔ عرشمان داؤد کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ
نکالتے وہ تقریباً" دوڑتے ہوئے اس کے قریب گئی اور
پھر بڑی شدت سے اس کے گلے لگی تھی۔

"تم مجھے بہت عزیز ہو زینی، کیونکہ تم میرے دکھ
سکھ کی ساتھی ہو، میری سکھی ہو۔"

"میں جانتی ہوں، مگر کیا آپ یہ جانتی ہیں کہ یہ
عرشمان صاحب بھی جانتے ہیں، اسی لیے تو وہ مجھے بھی
اپنے ساتھ لے کر جارہے ہیں، صرف اور صرف آپ
کے لیے، آپ کی خوشی کی خاطر۔"

"کیا۔۔۔ واقعی۔۔۔" عانیہ کو خوش گوار حیرت ہوئی
تھی، اسی لیے تیزی سے پلٹ کر اس نے عرشمان داؤد
سے پوچھا جس نے مسکراتے ہوئے تائیدی انداز میں
سر اثبات میں ہلا دیا اور عانیہ سعید کے اندر تک
اطمینان پھیلتا چلا گیا۔

"تھینک یو عرشمان! تھینک یو سو مچ۔۔۔ یہ بہت
اچھا تحفہ ہے میرے لیے۔" اس کے قریب آتے
عانیہ نے سرشاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔ عرشمان
داؤد کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

عانیہ سعید کا استقبال اس انداز میں ہوا کہ کیا ہی
کبھی کسی نے کسی کا کیا ہو۔ ان کی گاڑی کو گیٹ سے
باہر ہی روک دیا گیا تھا۔ پورا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اندر کا
سارا منظر واضح نظر آرہا تھا۔ عانیہ تو گاڑی سے نکلتے
جیسے دم بخود سی رہ گئی۔ گھر تو بہت خوب صورت
طریقے سے سجایا گیا تھا۔ پوری روش سرخ گلابوں سے
ڈھکی ہوئی تھی۔ دائیں طرف بہت سے لوگ ہاتھوں
میں مختلف قسم کے قیمتی تحفے تھامے اس کے استقبال
کے لیے کھڑے تھے، جبکہ بائیں جانب ایک میوزیکل
گروپ اپنی دلکش آواز کے جادو جگاتا اسے ویل کم کہہ
رہا تھا۔ گھیردار سرخ نیٹ کی بے تحاشا قیمتی فراک
دونوں ہاتھوں سے تھامے عرشمان داؤد کے قدموں سے
قدم ملا کر چلتی وہ کسی ریاست کی شہزادی ہی لگ رہی
تھی۔ اس کے ایک قدم پیچھے چلتی زینی تمام تحفے تھام
کر ساتھ چلتے ملازموں کو پکڑاتے جارہی تھی۔ روش
کے سرے پر ہی بی جی اپنی باہیں کھولے بھیگی پلکوں
سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ بھاگی اور پھر ان
کی کھلی بانہوں میں آسمائی۔ وہ جیسے ہی بی جی کے گلے
لگی بہت تالیوں کی گونج میں بہت سے پھولوں کی
برسات ان پر ہوئی تھی۔

"میری دھی۔۔۔" انہوں نے فرط مسرت سے اس
کی مہکتی پیشانی چوم لی۔ عانیہ سعید کے اندر تک
ٹھنڈک اترنے لگی۔ آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔
ان سے مل کر وہ آہستہ سے چلتے داؤد انکل کی طرف
بڑھی۔ جنہوں نے اک خوب صورت سی مسکراہٹ

کے ساتھ دست شفقت اس کے سر پر رکھا۔

"ویل کم ٹو مائے پیلس مائے سویٹ ڈاٹر۔ آپ ہم سب کے لیے بہت اہم ہو عانیہ' جو ہو گیا اسے بھول کر اب اس حقیقت کو ایکسیپٹ کرلیں کہ آپ اسی گھر کا ایک حصہ ہیں۔ میں اکثر بیٹی کی بہت کمی محسوس کرتا تھا' مگر اب آپ کے آنے سے وہ کمی دور ہو گئی ہے۔" داؤد صاحب کے کہنے پر بڑی تیزی سے اس کے آنسو چمکے تھے۔

"نہ... نہ... رونا نہیں بچے... اب آپ کے خوشی کے دن شروع ہو چکے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک ہم سب آپ کو خوش ہی دیکھنا چاہیں گے۔" داؤد صاحب نے اس کے سر کو سہلایا۔

اتنی محبت' اتنی چاہت... اس کی نظر بے اختیار دائیں طرف کھڑے عرشمان داؤد کے چمکتے چہرے پر ٹھہر سی گئیں۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ اے میرے دل کے مسیحا۔ واقعی تم نے اپنا کہا سچ ثابت کردیا ہے۔ میرے تمام دکھوں کا مداوا ہو گیا ہے۔ میرا دل اندر تک پر سکون ہو گیا ہے۔ ان خوب صورت لمحوں کے عوض تو میں اپنے تمام دکھ بھول چکی ہوں۔ تم نے میری زندگی کو مسرتوں سے بھر دیا ہے۔" دھیمی مسکراہٹ سجائے ہونٹوں اور نمکین بھیگی پلکوں سے اس کی طرف دیکھتے عانیہ سعید نے آنکھوں کے رستے اسے پیغام پہنچایا تھا اس خاموش پیغام کو عرشمان داؤد نے بڑی تفصیل سے پڑھتے اسی تفصیل سے جواب دیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے اے میری زندگی میں جب تک جیوں گا میری سوچوں کے دائرے میں تمہاری فکر' تمہارا ذکر اور تم سے وابستہ ہر خوشی کا خیال ہو گا۔ تم نے مجھے معاف کر کے میری زندگی میں لوٹ کر جو مجھ پر احسان کیا ہے میں زندگی کی آخری سانس تک اس کا قرض ہی اتارتا رہوں گا۔ تمہارے دامن میں اتنی خوشیاں ڈالوں گا کہ وہ کم پڑ جائیں گی' مگر خوشیاں کم نہ ہوں گی۔ تم میری زندگی ہو' میرا دل ہو' میرے سب سے خوب صورت اور قیمتی خواب کی تعبیر ہو۔

میری چاہت

میری محبت

میری وفا

میرا یقین

میرا جنون

میری دیوانگی ہو

تمہارے لیے تو میں جتنا بھی کروں کم ہے۔ میں تمہارا اسیر ہوں اور اس اسیری میں تمام عمر قید رہنا چاہوں۔ اسی میں میری اور میرے دل کی خوشی ہے۔"

دونوں کی آنکھیں محبت کے معتبر احساس سے چمک رہی تھیں اور محبت بہت شاداں و فرحاں ان کے درمیان موجود دھیمے دھیمے مسکرا رہی تھی' محبت نے ہارنا کب سیکھا ہے اور یہاں بھی جیت آخر محبت کی ہی ہوئی تھی۔

☆☆

نظیر فاطمہ

"اماں! اماں! وڈے ملک صاحب قربانی لئی دو گاواں تے پانچ تین بکرے لے آئے ہیں۔" طیفے نے سائیکل چھوٹے سے صحن کی مغربی دیوار کے ساتھ کھڑی کی اور سبزی بناتی اماں کے پاس بیٹھ گیا۔

طیفے کا ابا بھی آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ دونوں باپ بیٹا قصبے کے قریب ٹیکسٹائل مل میں دہاڑی دار ملازم تھے۔ دونوں صبح اکٹھے جاتے اور شام کو اکٹھے واپس آجاتے۔ طیفے کے فیکٹری جانے سے ابے کو ایک فائدہ ہو گیا تھا کہ صبح شام سائیکل چلانے کی مشقت سے جان چھوٹ گئی تھی۔ طیفا انہیں پیچھے بٹھا کر لاتا لے جاتا تھا۔

دونوں باپ بیٹا ابھی ابھی فیکٹری سے واپس آئے تھے اور آتے ہوئے گلی میں ملک صاحب کے گھر کے سامنے لگے شامیانے میں بندھے جانور دیکھ آئے تھے۔ ہر سال قصبے میں سب سے پہلے قربانی کے جانور، ملک صاحب کے ہاں ہی آتے تھے اور بقول طیفے کے "رج کے سوہنے اور ستھرے جانور" تو ملک صاحب ہی خریدتے تھے۔

"اماں تجھے بتا رہا ہوں۔ پر تو میری بات کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہی۔" طیفے کی بات سن کر اماں بغیر کوئی جواب دیے سبزی بنانے میں مصروف رہی تو طیفا برا مان گیا۔

"ہاں تو تو کیوں باولا ہو رہا ہے۔ قربانی کے جانور ملک ہوراں نے خریدے ہیں، تیرے ابے نے نئیں۔" اماں نے جل کر جواب دیا۔

"لے ابا تو ہی دس بھلا ملک ہوراں کے جانور ہوئے تے سمجھو، ہمارے ہی ہوئے نا۔ ان کا چارا پانی اور ٹہل سیوہ تے سب میں نے ہی کرنی ہے نا۔" طیفے نے ابے کو مخاطب کر کے گویا اماں کی شکایت لگائی۔

"ہاں مفت کا نوکر جو ہتھ آجاتا ہے اونہاں دے۔" اماں نے سر جھٹکا۔

"اماں! ایسی باتیں نہ کریا کر۔ کیا ہوا جو اللہ نے ہمیں قربانی کی توفیق نہیں دی تو وہ ہر سال ہمیں قربانی کے جانوروں کی خدمت کرن کا موقع تو دیتا ہے نا اور تجھے پتا ہے جو قربانی کے جانوروں کی خدمت کرتا ہے نا اللہ اوس سے بھی خوش ہوتا ہے۔ چلو اتنا خوش نئیں ہوتا ہو گا، جناں قربانی کرنے والوں سے ہوتا ہے پر خوش ہوتا ضرور ہے۔" طیفے نے اماں کا گھٹنا دبایا۔

"چل ہٹ وے پاگلاں، تیریاں گلاں وی وکھریاں ای ہوندیاں نے۔ نا، مجھے بتا تجھے ملک صاحب ہوراں کے جانوروں کے پیچھے اپنی جان مارنے کا کیا فیدہ ہوتا ہے۔ ڈھنگ کی دو بوٹیاں تک تو تجھے دیتے نئیں وہ لوگ۔" اماں نے اس کا ہاتھ اپنے گھٹنے سے ہٹایا۔

"ابا دیکھ یہ اماں وی نہ ایویں بولتی رہتی ہے۔ ہر سال دو بکروں کے کھروڑے اور سریاں ملک ہوراں مینوں ہی دیتے ہیں۔ ساتھ میں گوشت الگ اور پنج سو روپے وی۔ فیروی اماں کہہ رہی ہے کہ مجھے دیتے ہی کیا ہیں؟" طیفا برا مان گیا۔

"ہاں یہ دونوں چیزیں ان کے گھر وچ کوئی کھاتا

جونئیں، تو وہ تمہیں پکا دیتے ہیں اور وہ آدھا کلو گوشت جس میں ڈیڑھ پاؤ تو چربی ہی ہوتی ہے۔ اور پنج سو روپے، دس دنوں کی محنت کے حساب سے کچھ وی نئیں۔" اماں نے منٹوں میں حساب کر دیا۔ ابا، دونوں ماں بیٹے کی باتیں خاموشی سے سن رہا تھا۔

"چل پتر! جا کے ٹھنڈا پانی لے آ گلاں فیر کر لینا۔"
ابے نے دونوں کی بحث ختم کی۔
"اچھا ابا" طیفا ٹھنڈے پانی کے کولر کی طرف گیا، جس میں محلے کے فریج والے گھروں سے برف مانگ کر ڈالی جاتی تھی۔ ابھی، یہ بھی شکر تھا کہ اس محلے کے

لوگ اس حوالے سے ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے' ورنہ اس منہگائی کے دور میں جو برف خرید کر پانی ٹھنڈا کرنا پڑتا تو طیفے کے خاندان جیسے لوگ اس سے بھی محروم ہوتے۔

طیفے اور اس کے ابے کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے کبھی دہاڑی لگ جاتی اور کبھی نہیں۔ گھر کا دال دلیا مشکل سے ہی سہی' پر چل رہا تھا۔ اس کی وجہ' طیفے کی محنتی فطرت تھی۔ جن دنوں فیکٹری میں دہاڑی نہ لگتی' طیفے کو جو کام مل جاتا کر لیتا۔ کبھی ٹھیکیدار کے ساتھ مزدور کی حیثیت سے کام کر لیتا' کبھی فرنیچر بنانے والوں کے ساتھ فرنیچر کی پالش وغیرہ کروا دیتا اس طرح اسے اتنے پیسے مل جاتے تھے کہ دو وقت کی روٹی پوری ہو جاتی تھی۔ طیفے کی ایک ہی بہن تھی جو کسی گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی۔ اس دو کمروں کے کچے گھر میں تینوں ماں بیٹا رہتے تھے۔ اماں نے دو تین بکریاں پال رکھی تھیں جن کے دودھ سے چائے وغیرہ بن جاتی تھی۔ طیفا اور اس کا باپ درویش منش لوگ تھے۔ جو ہر حال میں خوش رہتے تھے۔ اماں بھی کوئی لالچی عورت نہیں تھی' پر جب کئی کئی روز مل میں دہاڑی نہ لگتی اور خرچے منہ کھولے کھڑے ہوتے تو وہ چڑچڑی ہو جاتی تھی۔

✡ ✡ ✡

ملک صاحب کے گھر جانور آتے تو سمجھو طیفے کی عید ہو جاتی۔ وہ دن رات کی تمیز بھلائے ان کی دیکھ ریکھ میں مصروف رہتا۔ ملک صاحب بھی طیفے کی وجہ سے جانوروں کی طرف سے بے فکر رہتے تھے۔

"او طیفے پتر! جانوروں کی دیکھ بھال وچ کوئی کمی نئیں رہنی چاہی دی۔" شام کو ملک صاحب شامیانے میں کرسی ڈالے بیٹھے تھے اور طیفا جانوروں کو چارا ڈال رہا تھا۔

"او ملک صاحب تسی بے فکر رہو۔ میں سب کچھ صحیح سے کر لواں گا۔" طیفے نے اپنا پٹکا جھاڑ کر ملک صاحب کی تسلی کروائی۔

"ہاں شاواں بھئی شاواں۔" ملک صاحب نے اس کو شاباش دی۔

طیفا صبح فجر کی اذان کے بعد سے فیکٹری جانے تک اور فیکٹری سے آنے کے بعد' رات گئے تک کا سارا وقت ملک صاحب کے گزار رہا تھا۔ وہ جانوروں کی حفاظت اس کے مالکوں سے بھی بڑھ کر کرتا۔ محلے کے لوگ اکثر اس کا مذاق اڑاتے۔

"او طیفے صاحب کے جانور دیکھو' کتنے تگڑے ہیں۔" طیفا مسکرا کر یوں جانوروں کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگتا جیسے واقعی ان کا مالک ہو۔

✡ ✡ ✡

عید کے روز نماز کے بعد طیفا کپڑے بدل کر ملک صاحب کے گھر چلا گیا۔ اب اسے قربانی کی تیاری سے لے کر آخر میں ساری صاف صفائی کرنے تک وہیں رہنا تھا۔

ملک صاحب کی قربانی بھی زیادہ تر لوگوں کی طرح معاشرتی تعلقات بنانے کا ذریعہ تھی۔ ان کے قربانی کے جانوروں کا اچھا اچھا گوشت یا تو ان کے ہم پلہ دوستوں اور رشتہ داروں کو جاتا تھا یا ان کے گھر کے دو ڈیپ فریزرز میں۔ غریبوں کے حصے میں' تین حصے چربی اور ایک حصہ گوشت ملا جلا کر' محلے کے چند غریب گھروں کو دے کر ہاتھ جھاڑ لیے جاتے۔ باقی شام تک آنے والے فقیروں کو جھاڑ پلا کر رخصت کر دیا جاتا۔ جس سے اصل ضرورت مند محروم رہ جاتے اور سارا سال پیٹ بھر کر گوشت کھانے والوں کے ہاں ڈھیر لگ جاتے۔

آج بھی اس ساری کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد طیفے کی محنت کے صلے میں اس کو دو بکروں کے پائے' سریاں اور ایک کلو کے قریب چربی ملا گوشت دیا گیا۔ ساتھ میں پانچ سو روپے الگ کہ جتنا کام طیفا اکیلا کرتا تھا اس کے لیے دو مزدور بھی کم ہی تھے۔

طیفا اپنی محنت کا صلہ لے کر خوشی خوشی گھر جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ اپنی گلی کی نکڑ مڑا۔ وہاں پر ایک ہنستا

بیچنے والا کمزور سا بوڑھا شخص کھڑا تھا۔ وہ آواز لگاتے لگاتے طیفے کے ہاتھ میں پکڑے شاپروں کو دیکھنے لگا۔ طیفا اپنی دھن میں آگے بڑھ گیا۔ پھر کچھ قدم چل کر رکا اور واپس مڑا۔ وہ آدمی اپنے میلے سے پٹکے سے اپنی آنکھیں صاف کر رہا تھا۔

"چاچا! کیا بات ہے آج عید کا دیہاڑا ہے اور تو رو رہا ہے۔" طیفے نے سارے تھیلے نیچے زمین پر رکھ دیے۔

"پتر! عید بھی پیسے والوں کی ہوتی ہے۔ ہم غریبوں کی بھلا کیا عید ہونی ہے۔" بوڑھے کے لہجے میں اداسی تھی۔

"نا چاچا! ایسے نئیں کہی دا۔" طیفے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"فیر کی کراں پتر۔ آج کا دن جب اللہ سوہنے کی راہ میں لکھاں جانور قربان ہوتے ہیں ہم غریبوں کے لیے دو بوٹیاں وی نئیں ہوتیں۔ صبح سے ہر اس گلی میں پتیسا بیچنے کے لیے آواز لگا رہا ہوں جہاں قربانی ہوئی ہے مگر کسی نے ایک بوٹی وی مجھے دینا گوارا نئیں کیا۔ پتر کیا میری شکل سے پتا نئیں چل رہا کہ میں وی ضرورت مند ہوں۔ قربانی کے گوشت وچ ضرورت مندوں کا حصہ وی ہوتا ہے پر مجھے ابھی تک یہ حصہ نئیں ملیا پتر۔ ہتھ میں پھیلا نئیں سکدا۔ اے سوچ کے رونا آ گیا سی کہ شام کو خالی ہاتھ گھر جاواں گا تے میرے یتیم پوتے پوتیاں جو آج بوٹی کھانے کی آس لگا کر بیٹھے ہیں ان کی آس ٹٹ جائے گی۔" بوڑھے کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔

"او چاچا! لے پھڑ یار اے چار کھڑوڑے تے اے گوشت تو لے جا۔ چار کھڑوڑے تے اے سریاں میں لے جاتا ہوں۔ چل لے یہ سب اور گھر جا کے پکا کر سب مل کر کھاؤ۔" طیفے نے دو شاپر اس کی طرف بڑھا دیے۔ بوڑھا دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"لے اماں! پکڑ سب کچھ۔" اماں خوشی خوشی آگے بڑھی مگر شاپر کھولتے ہی طیفے کے پاس واپس آئی جو اپنے باپ کے پاس بیٹھ کر پانی پی رہا تھا۔

"وے طیفے! یہ کیا صرف چار کھڑوڑے تے دو سریاں" اماں نے غصے سے پوچھا۔ وہ تو گوشت کے لیے مسالا بھی چڑھا چکی تھی اور یہاں گوشت سرے سے تھا ہی نہیں سو اس کا غصہ بجا تھا۔

"اماں! وہ نہ راستے میں ایک غریب آدمی ملا تو چار کھڑوڑے اور گوشت اس کو دے دیا۔" اس نے مسکرا کر اماں کو جواب دیا۔

"ہاں وہ غریب تھا اور تو کے نواب دی اولاد ہے، جو سخاوت کر دی۔" اماں کو پتنگے لگ گئے۔

"اماں! کوئی گل نئیں ہم تو ہر سال ہی بڑی عید پر گوشت کھاتے ہیں اس دفعہ نئیں کھائیں گے تو کیا ہوا۔ کسی اور کا بھلا ہو جائے گا۔" طیفے نے ابا کی طرف مدد کے لیے دیکھا۔

"چل بھلیے لو کے جا، جو کچھ ہے وہی پکا لے۔ اللہ مالک ہے۔" ابے کی بات سن کر اماں بڑبڑاتے ہوئے چلی گئی۔

"ابا! میں ٹھیک کیتا ہے نا۔" طیفے نے ابا کو دیکھا۔

"بالکل پتر آج اللہ نے تجھے وی قربانی کرنے کی توفیق دی ہے۔ بس فرق صرف اینا ہے کہ لوگ آج اللہ کی راہ میں جانوروں کی قربانی کر رہے ہیں اور تو نے آج اپنی ضرورت کی قربانی کر کے اللہ کو خوش کر دیتا ہے۔ تجھے پتا ہے اپنی ضرورت چھڈ کے کسی دوسرے کی ضرورت پوری کرنا وڈی قربانی ہوندی ہے اور آج تو نے وہ وڈی قربانی دی ہے۔ شاباش میرا پتر، جا، جا کے نہا دھو کے کپڑے بدل فیر روٹی کھانے آں۔" ابے نے اس کے کندھے پر تھپکی دی تو طیفا مطمئن دل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

☼ ☼

ناولٹ

صدف آصف
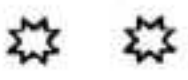
آسمان پر چھائے بادلوں کی اوٹ سے سورج سرخی مائل گولے کی مانند دہک رہا تھا۔ اس نے ٹشو سے ماتھے پر آنے والا پسینہ پونچھا۔ گاڑی ذرا آہستہ ہوئی' وہ کالج کی بڑی سی عمارت کے سامنے پہنچ کر رک گیا' بے چینی سے کئی بار بڑے سے سیاہ گیٹ کی جانب دیکھا' دوسری لڑکیاں ہنستی مسکراتی باتیں کرتی ٹولیوں کی شکل میں باہر آرہی تھیں' مگر شہوار کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ گاڑی کا اے سی کل ہی خراب ہوا تھا' آج ٹھیک کروانے کا ارادہ تھا' حبس اور گرمی سے اس کا برا حال ہونے لگا۔

"حبس تو بس گھر جا کر لمبی تان کر سونا ہے۔ آفس سے چھٹی کا کچھ تو فائدہ ہونا چاہیے۔" عکرمہ منظور نے سوچا اور طویل انگڑائی لینا چاہی' مگر ہاتھ چھت سے جا ٹکرائے وہ ہنس دیا۔ ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد ایک بار پھر نگاہ اٹھا کر کالج کے گیٹ کی طرف دیکھا تو ایسا لگا جیسے زمین و آسمان کی گردش تھم سی گئی ہو' سماں بدل گیا۔ وہ سحر زدہ سا ہونے لگا' شہوار کے ساتھ باہر آنے والی وہ لڑکی تھی یا حسن و نزاکت کا مجسمہ۔ نکھری نکھری مومی رنگت' چہرے سے چھلکتی شادابی' بڑی بڑی بھوری آنکھیں' جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ہوں' وہ ایک ٹک دیکھتا رہ گیا۔

"بھائی۔ کیا ہوا چلیں۔؟" شہوار نے کب گاڑی کا دروازہ کھولا اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر زور سے چٹکی بجائی گسے پتا ہی نہیں چلا۔

"وہ۔ لڑکی۔ جو ابھی تم سے باتیں کررہی تھی۔ کون ہے؟" عکرمہ نے کھوئے کھوئے انداز میں سوال کیا اور گلاسز آنکھوں پر چڑھائے۔

"وہ۔ میری بیسٹ فرینڈ ہے' مگر آپ۔ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" شہوار نے الجھی نگاہوں سے بڑے بھائی کی جانب دیکھا۔

"واؤ۔ شی۔ از۔ امیزنگ۔" عکرمہ نے مسکرا کر تعریف کی' وہ ابھی تک سحر زدہ سا تھا' اس کا حسن اتنا مکمل اور معصوم تھا کہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی نقص نہیں مل پایا۔

"ارے بھائی۔ پلیز۔ اس معاملے میں کوئی مذاق نہیں۔ چلے گا۔ ویسے بھی بشمہ آپ کے مزاج کی لڑکی نہیں۔ بہت معصوم ہے۔ لڑکوں سے سوفٹ دور بھاگتی ہے۔" شہوار نے زور زور سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے اس پر بڑی صفائی سے چوٹ کی۔

"مذاق۔ کیا مطلب ہے؟ میں۔ مذاق۔ نہیں اس کے ساتھ شادی کرنے والا ہوں۔" وہ چہکا۔ تو شہوار بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"اور۔ سنو۔ یہ۔ میرے مزاج کو کیا ہوا؟" عکرمہ نے مصنوعی غصے سے کہا اور بہن کا حیرت سے کھلا ہوا منہ بند کردیا۔

"بھائی۔ پلیز۔" شہوار اس کی ضد سے واقف تھی' دوسرے لمحے ہی سر تھام کر بیٹھ گئی۔

"پیاری بہنا پریشان نہ ہو۔ میں اس معاملے میں واقعی سنجیدہ ہوں۔ تم یقین کرو' مجھے بشمہ کی شکل میں۔ آج وہ گوہر نایاب مل گیا جس کی مجھے کب سے تلاش تھی۔ اب تو بس دادی جان کو جا کر خوش خبری سنانی ہے۔" عکرمہ کی تیز رفتاری سے چلتی زبان پر شہوار ہول اٹھی۔

"بھائی۔ پہلے مما سے تو بات کرلیں۔ ایسی جلدی

نہ مچائیں۔ پتا ہے نہ دادی نے گھر میں آپ کی شادی کے لیے بقر عید تک کا الٹی میٹم دیا ہوا ہے۔ وہ تو اڑ جائیں گی۔" شہوار نے رسانیت سے سمجھایا۔

"میری محبت کی گاڑی کو تمہیں ہی دھکا لگا کر اسٹارٹ کروانا ہے۔" وہ سن کہاں رہا تھا بس' اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔ جان جان کر اسے چھیڑ رہا تھا۔

"فی الحال.... یہ والی گاڑی کو اسٹارٹ کریں تاکہ گھر جا سکیں۔ محبت کی گاڑی کو بعد میں دھکا لگوائیے گا۔" شہوار نے جل کر دانت پیسے اور اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھا۔

"ہونہہ...." عکرمہ نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی' مگر وہ گھرر.... گھرر کی آواز نکال کر بند ہو گئی۔

"کیا ہوا....؟" شہوار نے گرمی سے پریشان ہو کر ہاتھ سے خود کو پنکھا جھلتے ہوئے پوچھا۔

"یہ گاڑی بھی لگتا ہے تم سے دھکا لگوا کر اسٹارٹ ہوگی۔" عکرمہ نے برابر میں بیٹھی بہن کو دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

"کیا۔۔۔ نہیں۔۔۔" وہ بھائی کے مضبوط شانوں پر مکا مارتے ہوئے چیخی۔

"ہا۔۔۔ ہا۔۔۔" عکرمہ نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ہنس پڑا۔ شہوار بھائی کی شرارت پر جل بھن گئی، مگر سفر شروع ہونے پر شکر ادا کیا۔ عکرمہ بہن کو نئی فکر میں مبتلا کر کے بے فکری سے سیٹی پر ایک پیاری سی دھن بجاتے ہوئے بشمہ کے خیالوں میں گم ہو گیا۔

شہوار اس وقت کو کوسنے لگی جب اس نے عکرمہ کو کال کر کے کالج سے پک کرنے کے لیے کہا۔ اصل میں آج ڈرائیور نے طبیعت خرابی کی وجہ سے اچانک چھٹی کر لی اور عکرمہ بہن کو مستعدی سے لینے پہنچ گیا۔ شہوار بھی خوش اور اسی بہانے پیاری پیاری لڑکیوں کا دیدار بھی ہو جاتا، اپنے طور پر ایک تیر سے دو شکار کرنے نکلا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود کیوپڈ کے تیر کا ہدف بن گیا۔

☆ ☆ ☆

"میں عید پر یہ سوٹ نہیں پہنوں گی۔۔۔ بس۔۔۔ آپ کسی کو بھی گفٹ کر دیں۔" بشمہ نے بے رخی سے کہا۔ تاب دار ابھی بیٹی کو کوئی کرارا سا جواب دینے والی تھیں کہ چھوٹی نند اور اس کی بیٹی کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر چپ رہ گئیں۔

"ہائے کتنا زبردست لگ رہا ہے۔ ممانی۔ آپ واقعی میں بہت آرٹسٹک مائنڈ ہیں۔" سمعیہ نے کھلے دل سے تاب دار کے ہاتھوں میں تھامی ہوئی انار کلی فراک کی تعریف کی تو حمیرا نے برا سا منہ بنا کر بیٹی کو گھورا۔

"شکر ہے۔۔۔ تمہیں تو پسند آیا۔۔۔ اب ذرا اپنی دوست کو بھی سمجھاؤ جس نے صبح سے رونا دھونا مچایا ہوا ہے کہ یہ سوٹ نہیں پہننا۔" تاب دار نے مسکرا کر کہا اور ان لوگوں کو کمرے میں بٹھایا۔

"یہ تو جلی ہے" سمعیہ نے اپنی پیاری سی کزن کو چھیڑا، مگر ادھر سے کوئی جوابی کارروائی نہ ہوئی جس کا صاف مطلب تھا کہ بشمہ کا موڈ واقعی بہت خراب ہے۔

"اوہو۔ ابھی تو۔ بقر عید میں دیر ہے پھر یہ بلاوجہ کی بحث و تکرار کیوں ہو رہی ہے؟" حمیرا کی برداشت ختم ہونے لگی تو چڑ کر پوچھا، مگر سب نے انہیں اگنور کیا۔

"میری جان۔۔۔ ایک نظر دیکھو تو صحیح۔" تاب دار نے محبت سے بیٹی کو پکارا اور بڑی احتیاط سے عنابی سبز رنگ کے بنارسی اور شیفون کے امتزاج سے بنائے گئے انار کلی سوٹ کو ہینگر میں لٹکایا۔

"ہائے بشمہ تم واقعی ناشکری ہو۔ سچ میں نے مال میں بالکل اسی اسٹائل اور کامبینیشن کا سوٹ دیکھا تھا، ممی سے لینے کی ضد بھی کی، مگر پرائس ٹیگ دیکھتے ہی جان نکل گئی مجبوراً" دوسرا سوٹ خریدا۔" سمعیہ نے ایک بار پھر للچائی ہوئی نگاہوں سے فراک کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھایا۔

"ہاں۔۔۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو، یہ ڈریس بھی مشہور ڈیزائنر کی کاپی ہے۔ میں ان لوگوں کے کپڑے سینے سے پہلے، کسی بھی مشہور بوتیک میں جا کر ڈیزائن دیکھ کر دماغ میں بٹھاتی ہوں اگر موقع مل جائے تو سیل فون سے اس کی تصویر بھی لے لیتی ہوں، پھر ویسا ہی کپڑا اور لیس وغیرہ بازار سے خرید کر سلائی شروع کرتی ہوں۔ اسی وجہ سے ہو بہو ڈیزائن بنانے میں آسانی رہتی ہے۔" تاب دار نے نند کی بیٹی کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے سادہ سے انداز میں تفصیل بتائی۔

"امی۔ پلیز۔ میں بقر عید پر کوئی اچھا سا ڈیزائنر سوٹ پہنوں گی، میری فرینڈز کا باربی کیو پارٹی کرنے کا ارادہ ہے میں وہاں پر یہ سوٹ پہن کر ہرگز نہیں جاؤں گی۔" بشمہ ماں سے کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ تاب دار کو بیٹی پر حیرت ہوئی، وہ ایسی ضدی تو نہیں تھی انہیں اس کا انداز برا بھی لگا مگر سب کی موجودگی میں کچھ کہنے سے گریز کیا۔ حمیرا کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ چھا گئی جبکہ سمعیہ نے حیرت سے

پشمینہ کو جاتے دیکھا۔

☼ ☼ ☼

"پھوپھو۔ یہ ڈرنک لیں۔۔۔ اتنی گرمی سے آئی ہیں۔" تاب دار کی منجھلی بیٹی وشمہ کو کچن کے کاموں سے بہت لگاؤ تھا' وہ مہمانوں کی تواضع کے لیے فوراً گلاسوں میں ڈرنک اور پلیٹ میں نمکو نکال کر لے آئی۔

"شعاع بیٹا۔۔۔ فریزر سے چکن کا پیکٹ نکال کر سنک میں رکھنا میں آتی ہوں۔" تاب دار جانتی تھیں کہ نند اب رات کا کھانا کھائے بغیر واپس نہیں جانے والی۔

"میں تو پشمینہ کو لے کر آتی ہوں۔ بلاوجہ ایک سوٹ کو لے کر اپنا موڈ خراب کر رہی ہے۔" سمعیہ نے مسکرا کر کہا اور اندر چلی گئی۔

"اف۔۔۔ بھابی کیا ہو گیا جو بیٹی سے اتنی ضد باندھ لی۔ جب بازار میں اتنی اچھی چیزیں بنی بنائی مل رہی ہیں تو پھر ایسے جھنجھٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟" حمیرا نے عادت کے مطابق ہنستے ہوئے طنز کیا اور ڈرنک کا سپ لیا۔

"حمیرا۔۔۔ میں کسی کو مجبور تو نہیں کر رہی ہوں جس کو جیسا مناسب لگے' وہ ویسا ہی کرے' مگر جب میں بچیوں کے ایک سے ایک کپڑے سی سکتی ہوں تو کیا ضرورت ہے کہ بلاوجہ مارکیٹ جا کر ہزاروں روپے ایک وقت کی شاپنگ میں پھونک آؤں۔" تاب دار نے شفون کے عنابی دوپٹے پر سلور ڈوری پائپنگ لگاتے ہوئے پل بھر مشین روک کر رک کر انہیں جواب دیا۔

"ممی۔۔۔ ڈیزائننگ۔۔۔ بھی ایک آرٹ ہے اور ممانی اس میں ماہر ہیں۔ اسی وجہ سے تو ان کا سلائی کڑھائی کا سینٹر بھی دن بہ دن ترقی کر رہا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں چھٹیوں میں یہاں آکر سلائی سیکھوں۔" سمعیہ کو ماں کا انداز برا لگا تو دل رکھنے کے لیے حمایت میں بولی' حالانکہ اسے سوئی پکڑنے سے بھی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ابھی واپس لوٹی تھی اور پشمینہ کا ہاتھ پکڑ کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ممی۔ تم بڑوں کے بیچ میں نہ بولو۔ ویسے بھی اس دور میں کسی کو شوق نہیں جو اپنی آنکھیں پھوڑے' آج کی لڑکیوں کے پاس نہ تو اتنا وقت ہے نہ ہی جان کر۔۔۔" حمیرا نے دال موٹھ پھانکتے ہوئے بھاوج کا مذاق اڑایا۔

سمعیہ نے منہ بنا کر ماں کو دیکھا۔

"حمیرا۔۔۔ کمال ہے۔ تم بیٹی کی اچھی بات کی حوصلہ افزائی کرنے کی جگہ مذاق اڑا رہی ہو۔" تاب دار نے بھنویں اچکا کر نند کو گھورا۔ وشمہ اور شعاع نے بھی پھوپھو کو ناگواری سے دیکھا وہ جب بھی آتیں کوئی چھوٹی سی بات نکال کر ان کی ماں کے پیچھے پڑ جاتیں۔

"میری لڑکی کی تو رہنے ہی دیں۔ ایسے ہی ہر چیز پر جان دینے لگتی ہے' مگر آپ تو سمجھ دار ہیں۔ آج کل مقابلے بازی کا دور ہے۔ لڑکیاں تو ایک سے بڑھ کر ایک مہنگے ڈیزائنر سوٹ پہنتی ہیں۔ آپ جو کپڑوں کو جوڑ توڑ کر کے اپنی سلیقہ مندی کا ڈنکا پیٹنے کے لیے بچیوں کو ایسے کپڑے پہننے پر مجبور کرتی ہیں تو یہ بات کچھ جچتی نہیں۔" حمیرا ابھی سینہ ٹھوک کر میدان میں اتر آئیں۔

"حمیرا۔۔۔ میں کفایت شعاری کو برا نہیں سمجھتی' نہ ہی تمہارے فلسفے کو مانتی ہوں۔" تاب دار نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"لو۔ ان کی سنو۔ بھئی یہ شو۔ شا کا دور ہے۔ پیٹ میں کیا ہے لوگ نہیں دیکھتے' مگر تن پر کیا ہے وہ سب کی نگاہوں میں چبھتا ہے۔ اب بھلا۔ اتنی سادگی دیکھ کر کون ان لڑکیوں کے لیے رشتے بھیجے گا۔" حمیرا نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"لڑکیوں کو ہر حال میں گزارا کرنا چاہیے' اللہ میری بچیوں کی قسمت اچھی کرے۔ وقت آنے پر ساری آرزوئیں پوری ہو جائیں گی اور جہاں تک رشتے کی بات ہے تو وہ نصیب سے جڑتے ہیں۔ چیزوں سے نہیں۔ بس نیت اچھی ہو تو سارے کام اپنے وقت پر صحیح طریقے سے ہوتے چلے جاتے ہیں۔" تاب دار کو

نند کی بات سخت بری لگی۔ منہ بنا کر جواب دیا۔
"اللہ۔۔۔ توبہ۔۔۔ بھابھی۔۔۔ میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو آپ بھڑک اٹھیں' انسان کماتا کس کے لیے ہے' اولاد کے لیے' اب اگر وہ ہی خوش نہیں تو کیا فائدہ' بھائی اتنی اچھی پوسٹ پر کام کرتے ہیں۔۔۔ اب ایسا بھی نہیں کہ یشمہ عید پر ایک ڈھنگ کا جوڑا نہ خرید سکے' مگر آپ کی منطق ہی نرالی ہوتی ہیں اور یہ سمعی جو مسنی بنی ممانی کی حمایت میں ماں سے لڑ رہی ہے نا' اس نے خود اپنے پاپا سے ضد کر کے بقر عید کے لیے پورے دس ہزار کا سوٹ خریدا ہے۔" حمیرا کے تو جیسے آگ لگ گئی' ہاتھ نچا نچا کر بولیں' یشمہ نے ماں کو بڑی جتاتی نگاہوں سے دیکھا۔
"کوئی بات نہیں۔ سب کی اپنی مرضی ہے' مگر میں تو وہ ہی کروں گی جو مجھے مناسب لگے گا۔ ویسے بھی ابھی میٹھی عید پر ان کے پاپا کو بونس ملا تو تینوں کی پسند کے سوٹ دلائے تھے اس بار سب سے اہم قربانی کا فریضہ ہوتا ہے۔" تاب دار نے سلائی مشین کو کور کرتے ہوئے اتنے فیصلہ کن انداز میں اپنی بات دہرائی کہ سب کی بولتی بند ہو گئی۔ تاہم یشمہ کو ماں کی سختی ایک آنکھ نہیں بھائی۔

☆ ☆ ☆

"تمہاری بیٹی کا چہرہ اتنا اترا ہوا کیوں ہے؟" رمض احمد دفتر سے لوٹے تو خلاف معمول یشمہ کو چپ چپ صوفے پر بیٹھا دیکھ کر سوال کیا۔
"کچھ نہیں۔۔۔ بس اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" تاب دار نے بات بنائی' ان کی عادت تھی کہ وہ شوہر سے گھر کے مسائل حتی الامکان چھپائے رکھتیں' رمض لباس تبدیل کرنے اندر کی جانب بڑھ گئے۔
"میں جانتی ہوں کہ پیسہ کمانا آسان نہیں' تمہارے پاپا باہر سے کتنی مشکلوں کو جھیل کر گھر لوٹتے ہیں' اگر یہاں بھی چخ چخ لگی رہے تو ان کا سکون برباد ہو جائے گا کہ نہیں؟" انہوں نے بظاہر وشمہ سے کہا' مگر مخاطب بڑی بیٹی تھی۔ وہ فریش ہو کر لوٹے تو موضوع گفتگو بدل دیا گیا۔
"وشمہ میرا پیارا سا بچہ۔۔۔ ذرا ادھر تو آؤ۔" رمض نے منجھلی بیٹی کو لاڈ سے بلایا اور کرسی پر بیٹھ کر پاؤں پھیلا لیے۔
"جی پاپا۔۔۔ کیا ہوا؟" وشمہ کے ساتھ چھوٹی شعاع بھی چلی آئی۔
"یہ لو چاٹ۔۔۔ اسے پلیٹ میں نکال کر لاؤ' چائے کے ساتھ سب مل کر کھائیں گے۔" رمض نے بیٹی کو شاپر تھمایا۔ وہ خوش خوش کچن کی طرف چل دی۔ تاب دار ان کے برابر میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔
"اوپر والے پورشن کا کتنا کام رہ گیا ہے؟" انہوں نے شوہر کو ریلیکس دیکھا تو فکر مندی سے پوچھا۔
"ارشاد ٹھیکیدار' دن بہ دن نئے نئے کام نکالتا ہے' میں نے تو اس کام کے لیے جتنا بجٹ رکھا تھا' وہ بھی ختم ہو گیا' مگر کام ہے کہ ختم ہی نہیں ہو پا رہا۔" رمض نے اوپر والی منزل کو بغور دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا۔
"جی۔۔۔ میں بھی یہ ہی سوچ رہی تھی' بقر عید سر پر ہے' اس پر گھر کا پھیلاوہ ہے کہ سمٹ ہی نہیں رہا۔ ارشاد بھائی سے کہیں بس ایک ہفتے میں اپنا سارا کام ختم کر دیں۔ ہم تو ان کو ٹھیکہ دے کر پھنس گئے ہیں۔" تاب دار نے جذباتی پن کا مظاہرہ کیا تو رمض مسکرا اٹھے۔
"پاپا۔۔۔ یہ آپ کی گرما گرم چائے اور یہ سب کے لیے مزے دار چاٹ۔" وشمہ نے ٹرے ٹیبل پر رکھ کر چٹخارا بھرا' شعاع بھی چمچہ پیالہ ہاتھ میں تھامے اس کے پیچھے وہیں آگئی' مگر یشمہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔
"یشمہ۔۔۔ آجاؤ۔ بیٹی۔۔۔ میں نے تمہاری پسند کی پارٹی الگ سے ڈلوائی ہے۔" انہوں نے چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد بڑی کو آواز لگائی' اس کی مسلسل خاموشی اب رمض کو پریشان کر رہی تھی۔
"پاپا۔۔۔ بعد میں کھالوں گی۔ ابھی موڈ نہیں۔" یشمہ نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں وہیں سے جواب دیا۔
"تاب۔۔۔ ہوا کیا ہے؟" رمض نے چونک کر

بیوی کو دیکھا' وہ بیٹی کے مزاج آشنا تھے' سمجھ گئے کہ کوئی بات ہوئی ہے۔

"اوفوہ... کچھ نہیں... بس بیگم صاحبہ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" انہوں نے پشمینہ کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"پاپا... مما نے ہم تینوں کے لیے بہت پیاری انار کلی فراک سی ہیں' مگر آپی کو اپنا سوٹ پسند نہیں آرہا' وہ بقرعید میں سمعیہ باجی کی طرح کا سوٹ لینا چاہ رہی ہیں۔" شعاع نے ماں کی آنکھیں دکھانے کے باوجود پول کھول دی۔

"اچھا... تو تاب... اگر... بچی کا دل نہیں تو اسے بازار سے دلا دو۔" رمیض نے پشمینہ کو محبت سے دیکھ کر بیوی سے سفارش کردی۔

"کہاں سے دلا دوں... ؟ ہزار... پانچ سو کی بات نہیں ہے۔" تاب دار نے دانت پیس کر کہا۔

"اس... کیوں بھئی۔ کتنے کا سوٹ ہے؟" رمیض نے آنکھیں سکیڑیں اور پوچھا' انہیں خواتین کے کپڑوں کی قیمتوں کا بھلا کیا اندازہ۔

"پورے دس ہزار کا... آج ہی تو پھوپھو اور سمعیہ آپی آئے تھے تو بتا رہے تھے۔" وشمہ نے ہاتھوں کی پانچوں انگلیاں کھڑی کردیں۔

"او... حمیرا آئی تھی... چلی گئی کیا...؟" رمیض نے پوچھا۔

"جی... وہ اچانک رفاقت بھائی کا فون آگیا۔ ان لوگوں کو کہیں اور جانا تھا۔ اس لیے وہ جلدی چلی گئی۔" تاب دار نے وشمہ کو گھورتے ہوئے شوہر کو جواب دیا جس نے سارا بھانڈا پھوڑا۔

"بیٹا... اداس نہ ہو... کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔" رمیض سے بیٹی کی اداس صورت دیکھی نہ گئی اس وقت تو ہاتھ ویسے ہی بہت تنگ تھا۔ ورنہ کچھ نہ کچھ ضرور کرتے۔ مجبوراً" چائے چھوڑ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"بس... خوش ہو گئیں... باپ بے چارہ باہر سے کما کر تھکا ہارا آیا' مگر تم لوگوں کو کیا فکر' اپنے دکھڑے سنانے بیٹھ گئیں۔" تاب دار جو جوش میں شروع ہوئیں تو انہیں چپ کرانا مشکل ہو گیا۔ پشمینہ کو بھی اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔

رمیض نے سیدھی سڑک پر چلتے ہوئے بچیوں کے بارے میں سوچا اور ان کے اچھے نصیب کے لیے اوپر والے سے دل سے دعا مانگی۔ رمیض جانتے تھے کہ چھوٹی بہن حمیرا کے شوہر رفاقت علی کا اچھا خاصا چلتا ہوا بزنس تھا ان کے لیے دس بیس ہزار معمولی رقم تھی' اسی لیے سمعیہ کی ہر فرمائش پوری ہو جاتی جبکہ وہ خود نوکری پیشہ آدمی تھے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے کمر توڑ کر رکھ دی۔ ایک تنخواہ میں گزارا مشکل ہونے لگا تھا۔ اس پر تین لڑکیوں کو بیاہنے کی فکر الگ' یہ تو تاب دار کی سلیقہ مندی تھی جو اس نے گھر بیٹھے سلائی کڑھائی کا چھوٹا سا اسکول کھول لیا۔ وہاں سے ملنے والے پیسوں سے کمیٹیاں ڈال کر اوپر والا پورشن بنوانا شروع کیا تاکہ کرائے پر دے کر مزید آمدنی کی سبیل کی جاسکے۔ تاب دار کی وجہ سے ہی آج تک پوری برادری میں ان کا بھرم قائم تھا۔

☆ ☆ ☆

عکرمہ نے آہستہ سے گاڑی چلاتے ہوئے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا' آج اس نے دانستہ طور پر وہ ہی راستہ اختیار کیا' جہاں اسے اپنی منزل کا نشاں ملا تھا' مگر مما پپا سے بات کرنے سے پہلے وہ ایک بار خود پر یقین کرنا چاہتا تھا۔

"میں... اس معاملے میں کچھ نہیں کروں گی۔" شہوار نے جل کر آج کالج کی چھٹی کی۔ بھائی کی متلون مزاجی سے بخوبی واقف تھی' اسی لیے پشمینہ والے معاملے میں ہری جھنڈی دکھا دی۔ وہ بھی اپنی مدد آپ کے تحت چھٹی کے ٹائم پر کالج جا پہنچا۔

پشمینہ نے سیاہ گیٹ سے نکل کر اوائے بے نیازی سے ادھر ادھر دیکھے بنا بس اسٹاپ کی جانب قدم بڑھا دیے۔ چاند سے چہرے پر اداسیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے' اسے اپنی ضد پر افسوس ہونے لگا جس کی

وجہ سے باپ کو فکر میں مبتلا دیکھا۔

"نہیں۔۔۔ امی کا سیا ہوا سوٹ پہن کر ہی باربی کیو پارٹی میں چلی جاؤں گی۔" پشمینہ نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا اور مسکرا دی۔ گرمی کی حدت سے چہرے پر چھائی لالی' وہ مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ عکرمہ نے اسے ایک ٹک دیکھا۔

"تمہارا۔۔۔ تو۔۔۔ ہر روپ بے مثل ہے۔" عکرمہ نے پیار سے سراہا' مگر پشمینہ نے گاڑی کے پاس سے گزرتے ہوئے بھی اس پر اچٹتی سی نگاہ نہ ڈالی۔ وہ ایک لمحے کے لیے شاک رہ گیا۔

"سمجھ میں نہیں آیا۔ تم سے۔۔۔ ایسے ایک دم سے کیوں کر دل لگا بیٹھا؟ واقعی۔۔۔ تم میں کچھ تو ہے' جو من کی اتھاہ گہرائیوں تک بغیر رکے اترتی چلی گئیں۔" عکرمہ نے سر جھٹک کر اس کی بے اعتنائی کا لطف اٹھایا' وہ اپنے سارے پلس پوائنٹ کو بے کار جاتے دیکھ کر بھی بے مزا نہیں ہوا' ورنہ چمکتی گاڑی' مہنگا لباس' زبردست پرسنالٹی' لڑکیوں کو فوراً" ہی اپنی جانب کھینچ لیتی تھی۔

"تمہیں جلد از جلد اپنانا پڑے گا' کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ دن رات تمہیں پانے' کھونے تم سے ملنے یا بچھڑنے کے اندیشوں میں مبتلا رہ کر خود کو تباہ کر لوں۔" عکرمہ نے پشمینہ کو دیکھتے سنجیدگی سے عہد کیا اور گھر روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

سمیرا اور شہوار کے کئی دفعہ لگائے جانے والے پھیروں اور تقاضوں کا یہ اثر ہوا کہ پشمینہ کے گھر میں عکرمہ کے رشتے کے لیے سنجیدگی سے بات چیت شروع ہو گئی' ورنہ وہ معاشی مشکلات کی وجہ سے ابھی بیٹی کا رشتہ طے کرنا نہیں چاہتے تھے' دونوں میاں بیوی میں یہ طے پایا کہ لڑکے والوں سے تیاری کے لیے دو سال کا وقت لیا جائے۔ تاب دار کے کہنے پر رمیض نے عکرمہ کے آفس جا کر ایک ملاقات بھی کر لی' وہاں سے وہ کافی مطمئن ہو کر لوٹے اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ شہر کا اتنا معزز گھرانا بیٹی کا طلب گار بنا ہوا ہے۔

ہر طرف سے مثبت اشارے ملنے پر ان لوگوں نے ہاں کرنے کا سوچا۔ کیوں کہ وہ فوری طور پر پشمینہ کی شادی کے متحمل نہ تھے اس لیے شادی کے لیے وقت مانگ لیا۔

"اف۔ دو سال۔۔۔ میری ساس تو پورے گھر کا جینا حرام کر دیں گی۔" سمیرا نے دو سال کا سنا تو ہول اٹھیں' سینے پر ہاتھ رکھ کر درد بھری آواز نکالی۔

"مسز رمیض۔۔۔ ہم تو بقر عید کے دوسرے ہفتے میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔" سمیرا نے انہیں فون پر اپنی بے تابی سنائی۔

"یہ۔۔۔ بات۔۔۔ تو مشکل ہو جائے گی۔" تاب دار نے صاف لہجے میں انہیں جتایا اور فون رکھ دیا۔

"اب کیا کروں۔۔۔ اتنی مشکل سے تو کوئی لڑکی پسند آئی ہے۔" سمیرا سوچ میں پڑ گئیں۔ دراصل ان کی ساس مہتاب خانم کا آج کل بس نہیں چل رہا تھا کہ پوتے کو سہرا باندھ کر بارات لے کر پشمینہ کے گھر جا پہنچیں' صحت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی' اس لیے چاہتی تھیں کہ زندگی میں ہی عکرمہ کو اپنے گھر میں شاد و آباد دیکھ لیں۔

"آئے۔ لڑکی تو بہت ہی پیاری ہے۔" انہوں نے چشمہ لگا کر جیسے ہی پشمینہ کی تصویر دیکھی واری صدقے جانے لگیں۔

"سمیرا۔۔۔ آپ جا کر بات پکی کر لیں۔ تاکہ شادی کے انتظامات شروع کیے جا سکیں۔" منظور علی نے بھی ماں کی طبیعت کی وجہ سے بیٹے کی جلد شادی پر زور دیا' وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے دل میں کوئی خلش رہ جائے۔ سمیرا گم سم بیٹھی رہ گئیں۔

"آئے۔۔۔ دلہن۔۔۔ پہلے تو عکرمہ کو کوئی لڑکی پسند نہیں آتی تھی' اب جو وہ شہوار کی سہیلی سے شادی پر تیار ہوا ہے تو تم لوگ دیر لگا رہے ہو۔" انہوں نے آنکھوں پر ہاتھوں کا چھجا بنا کر بہو کو گھورتے ہوئے تاکید کی۔ ستر سالہ مہتاب خانم آج کل بچوں کی طرح ہر بات پر ٹھنکنے لگتیں۔

"اچھا۔ اماں جی۔ ان لوگوں سے۔ دوبارہ۔ بات کرتی ہوں۔" سمیرا نے انہیں تسلی دی۔
"صرف بات نہیں کرنی۔ پکی بات کرنی ہے۔ کیوں عکرمہ؟" مہتاب خانم نے مسکرا کر پوپلے منہ سے پوتے کو دیکھتے ہوئے ہنس کر کہا تو وہ زور زور سے سر ہلا کر تائید کرنے لگا۔ سمیرا گھبرا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

دوسرے دن شام کو وہ پشمینہ کے گھر جا کر بات کرنے کا سوچ ہی رہی تھیں کہ وہاں سے تاب دار کا معذرت بھرا فون آ گیا۔
"ہم نے بہت سوچا مگر کوئی راستہ نہ پا کر مجبوراً اس بات کو یہیں ختم کر رہے ہیں۔" تاب دار نے دبی زبان میں افسردگی سے کہا۔ انہیں عکرمہ اور اس کی فیملی دل سے پسند آ گئی تھی، مگر اتنی جلدی شادی جیسا بڑا کام کرنا ناممکن تھا۔
"مسز رمیض۔ ایسی بھی کیا بات ہو گئی ہماری فیملی پسند نہیں آئی؟" سمیرا نے لجاجت سے پوچھا انکار کا سنتے ہی ان کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔
"ارے۔ نہیں۔ آپ کا خاندان تو واقعی بہت اچھا ہے۔ میری بیٹی کی خوش قسمتی ہوتی اگر اتنے قدر دان لوگوں کا ساتھ مل جاتا۔ مگر ہر انسان کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔" تاب دار نے ٹھنڈی آہ بھر کر دکھی لہجے میں بتایا۔
"مجھے اپنا سمجھ کر ساری پریشانی کہہ ڈالیں۔ سمجھیں بات صرف ہم دونوں تک ہی محدود رہے گی۔" سمیرا نے بے حد پرخلوص انداز میں ان پر دباؤ ڈالا۔
"دیکھیں۔ ہم۔ اتنی جلدی شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ پھر۔ گھر بنانے کی وجہ سے قرضے کی لپیٹ میں بھی آ گئے ہیں۔" تاب دار نے دبے لفظوں میں اپنا بھرم رکھتے ہوئے مختصراً بتایا، اور مزید بحث سے بچنے کے لیے عجلت میں فون رکھ دیا۔

شہوار جو وہیں بیٹھی تھی، یہ سب سن کر رونے بیٹھ گئی۔
"بالکل چپ۔ منہ سے بھاپ بھی نہیں نکلنا۔ گھر میں کسی کو انکار والی بات کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔ ورنہ عکرمہ سے پہلے اماں جی نے سوگ ڈال دینا ہے۔" سمیرا نے اسے سختی سے چپ کرایا۔
"ڈرائیور سے گاڑی نکلواؤ، ہم ابھی مسز رمیض کے گھر جائیں گے۔" انہوں نے کچھ دیر سوچا اور فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں شہوار ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"اتنی جلدی۔ میرا مطلب ہے۔ سب کچھ اچانک کیسے ہو گا؟" سمیرا کی بات پر تاب دار کے دماغ میں ایک فکر لاحق ہو گئی، عکرمہ کے گھر والے تو ہاتھ پاؤں پھیلانے میں ماہر دکھائی دے رہے تھے۔
"آپ لوگ کن باتوں میں پڑ گئے ہیں۔ اگر جہیز کی وجہ سے پریشان ہیں۔ تو بے کار ہے۔ یہ مسئلہ نہ بھی ہو تب بھی میں اس قسم کے لین دین کے حق میں نہیں ہوں۔ ویسے بھی۔ میرا عکرمہ بہت چوزی ہے۔ اس نے ابھی اپنے روم کو نئے سرے سے فرنشڈ کروایا ہے۔ آپ کا جہیز میں دیا ہوا سارا سامان بلاوجہ بیس منٹ میں خراب ہوتا رہے گا۔" سمیرا ان کی مشکل سمجھتی تھیں، اسی لیے ہلکے پھلکے انداز میں سمجھانے لگیں۔
"آپ۔ کیوں نہیں سمجھ رہی۔ ایسا کہاں ہوتا ہے۔ دنیا کیا کہے گی؟" تاب دار بڑی تذبذب میں پڑ گئیں۔
"واہ۔ بھئی۔ رشتہ ہم دو خاندانوں کے بیچ میں ہو رہا ہے۔ یہاں دنیا کہاں سے آ گئی؟" سمیرا ایک دم کھلکھلائیں۔
"وہ تو ٹھیک ہے مگر۔ بہن۔" کمرے میں موجود رمیض نے بھی منہ کھولا، مگر سمیرا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا۔
"بس۔ جب۔ بہن۔ بول دیا۔ تو مجھ پر اعتماد بھی

کریں۔ یہ روایتی باتیں نہیں۔ حیثمنا"۔ ہمیں ہشمہ تین کپڑوں میں قبول ہے۔" سمیرا نے قطعیت سے بات ختم کی اور چائے کا کپ لیا۔

"اچھا مگر۔ ایسے خالی ہاتھ کیسے؟" تاب دار کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دیں گھبرا کر شوہر کو دیکھا۔

"خالی ہاتھ تو نہیں جائیں گے۔ ہم اس گھر کی سب سے مہنگی اور قیمتی چیز لے کر جانے والے ہیں۔ آپ ہشمہ کا موازنہ بے جان چیزوں سے کیوں کر رہی ہیں۔" انہوں نے شہوار کے ساتھ اندر داخل ہوتی ہشمہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ سوچنے تو دیں۔" تاب دار نے گھبرا کر کہا۔

"مسز رمیض۔ جتنا چاہے سوچ لیں۔ مگر۔ اس رشتے کے لیے۔ ہماری بس ایک شرط پوری کردیں۔" سمیرا منظور نے اچانک سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔

"جی۔ وہ کیا۔؟" تاب دار نے حیرانی سے پہلے انہیں پھر برابر میں بیٹھے شوہر کی جانب دیکھا۔

"اگلے ہفتے میں نکاح کی تقریب سادگی سے ادا کی جائے گی اور بقرعید کے بعد رخصتی۔" تاب دار کی سانس بحال ہوئی' ورنہ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اتنا بڑا گھرانہ ہے' جانے سمدھن جہیز لینے سے منع کرنے کے بعد کون سی فرمائش کرنے والی ہیں۔ مگر دوسری فکر پڑ گئی۔

"اگلے ہفتے نکاح؟" دونوں میاں بیوی چونک کر بولے۔

"جی ہاں۔" سمیرا تو جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمانے پر تلی بیٹھی تھیں۔ ماں کے کہنے پر شہوار نے دوست کو چٹکی کاٹی۔ ہشمہ کے ہونٹوں پر تھرکتی مسکراہٹ چھا گئی۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ نکاح بہت آسانی سے ہو جائے گا' ہماری طرف سے میرے اور منظور صاحب کے بہن بھائی۔ سمجھیں کل ملا کر پچیس لوگ ہوں گے۔ آپ بھی اپنی سہولت سے قریبی عزیزوں کو مدعو کرلیے گا' باقی دھوم دھڑکا ہم رخصتی پر کرلیں گے۔" سمیرا نے ان کے چہرے کی اڑتی رنگت دیکھی اور گھر کے بنے ہوئے گرما گرم سموسوں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے مزے سے صلاح دی۔

"یہ تو ہاں کروا کر ہی دم لیں گی۔" تاب دار نے ٹھنڈی سانس بھر کر شوہر سے سرگوشی میں کہا۔

"ایسے اچھے رشتے کو لوٹانا کفران نعمت ہوگا۔" رمیض نے سوچا اور بیوی کو اشارے سے رضامندی دے دی' تاب دار نے بھی مسکرا کر ہاں کر دی۔

"بھائی۔ آپ کی محبت کی گاڑی چل پڑی ہے۔" شہوار نے بھائی کو فوراً" ہی ٹیکسٹ کیا تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ وہ دادی کو خوش خبری سنانے بھاگا۔

✡ ✡ ✡

"آئی لو یو مما۔" شہوار ہشمہ کے گھر سے واپسی پر ماں سے چمٹ گئی۔

"اچھا ہوا بتا دیا۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔" سمیرا نے شگفتگی سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

"سیریسلی مما۔ آپ تو چھا گئیں" شہوار نے ہاتھ اٹھا کر داد دی۔

"وہ کیوں بھئی۔" سمیرا نے اسے نہ سمجھ میں آنے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"آپ کی۔ ہشمہ کو سادگی سے بہو بنانے والی بات نے انکل آنٹی کی کتنی بڑی پریشانی دور کردی نا۔" شہوار خوشی سے چہکی۔ اسے بہرحال عکرمہ سے بہت محبت تھی' بھائی کی دل کی مراد بر آئی تو وہ کیوں کر خوش نہ ہوتی۔

"وہ تو میں نے ایک پرانا قرض لوٹایا ہے۔" سمیرا کے مسکراتے چہرے پر اداسی کا رنگ غالب ہوا۔

"کیا مطلب۔ میں سمجھی نہیں؟" شہوار نے ماں کو مڑ کر دیکھا۔

"بس بیٹا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب' میری اور تمہارے پاپا کی منگنی کے بعد ابا جی کا اچانک انتقال ہو گیا' میں اور اماں' ایک بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئے'

تمہاری دو خالاؤں اور تین ماموؤں کی اس وقت تک شادی ہو چکی تھی۔ میں ہی چھوٹی اولاد ہونے کی وجہ سے باقی بچی تھی' ابا جی کا جو بھی فنڈ وغیرہ ملا' اماں نے اس میں سے بڑا حصہ میری شادی کے لیے مختص کرنا چاہا' مگر اس وقت تمہارے تینوں ماموں اس بات پر اڑ گئے کہ وہ پیسہ فی الحال ان میں بانٹ دیا جائے' اور جب سمیرا کی شادی ہو گی تو ہم بھائی مل کر یہ کام کریں گے' کیوں کہ وہ سب اچھی نوکریوں پر لگے ہوئے تھے تو اماں نے ان پر یقین کر کے سارا پیسہ فیاض بھائی کے حوالے کر دیا' جو ابا جی کے بعد گھر کے سربراہ بن گئے تھے' انہوں نے سارا پیسہ پانی کی طرح بہا کر تین الگ الگ پورشن بنوائے ایک دو کمروں کا چھوٹا پورشن میرا اور اماں کا بھی بنا دیا گیا' اس کے بعد سب الگ الگ شفٹ ہو گئے۔" سمیرا کی آنکھیں ماضی کو یاد کر کے نم ہوئیں۔

"اوہ تو نانی کا گھر پہلے ایک تھا۔" شہوار نے پوچھا۔

"ہونہہ۔ اس کے بعد سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہو گئے' وقت گزرتا چلا گیا' مگر میری کسی کو فکر ہی نہیں۔ اماں جب بھی ان تینوں کو بٹھا کر میری شادی کی بات کرتیں' وہ سب بہانے بناتے۔ اتنی جلدی کیا ہے؟ کون سی عمر نکلی جا رہی ہے۔ اپنے مسئلے مسائل کا رونا روتے ہوئے وہاں سے اٹھ جاتے' ادھر تمہاری دادی کو بھی اب فکر لگ گئی' وہ اماں کو فون کر کے شادی کا کہتیں۔ اماں مجبور ہو کر رہ گئیں۔ تمہاری خالائیں اپنے سسرالوں میں بزی تھیں' بھائیوں کو فون کر کے سناتیں۔ میری شادی کا بولتیں مگر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

تین سال اسی کشمکش میں گزر گئے' اماں ان کو کوئی مثبت جواب ہی نہیں دے پا رہی تھیں۔ ہر دفعہ ایک نیا بہانہ۔ ان لوگوں کی آمد و رفت گھٹنے لگی۔ فون بھی آنا کم ہو گئے۔ تمہاری نانی کو فکروں نے بیمار کر ڈال دیا۔ مگر بھائی اپنی بیویوں کے کہنے میں آ کر ہمیں فراموش کرتے چلے گئے۔" سمیرا نے دکھ بھری سانس لی' شہوار بڑی توجہ سے ماں کی داستان سننے میں مگن تھی۔

"پھر کیا ہوا۔ میرا مطلب۔ پاپا کچھ نہیں بولتے تھے؟" شہوار نے بے چینی سے سوال کیا۔

"تمہاری دادی نے مایوس ہو کر ان کے لیے دوسری لڑکی تلاش کرنا شروع کر دی۔ آخر پوری برادری میں یہ خبر پھیل گئی کہ منظور کے لیے دوسرا رشتہ ڈھونڈا جا رہا ہے۔ اماں کے کانوں تک بھی یہ باتیں پہنچیں۔ انہوں نے بیٹوں کو بلا کر فائنل بات کی مگر وہ ایک بار پھر ٹال گئے۔" سمیرا نے پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

"او مائی گاڈ۔۔۔ پھر؟" شہوار نے پوچھا۔

"ایک دن اچانک تمہارے پاپا۔ اماں سے ملنے آ گئے۔ اور بڑی رسانیت سے شادی نہ کرنے کی وجہ معلوم کرنے لگے' میری ماں کی وضع داری منہ سے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دیتی تھی' مگر انہوں نے اماں کے چہرے پر رقم کرب اور مجبوری کی داستان پڑھ لی۔ بس واپس گھر جاتے ہی تمہاری دادی سے جانے کس انداز میں بات کی کہ وہ مجھے ایک ہفتے میں سادگی سے رخصت کرا کر اس گھر میں لے آئیں بھائیوں کو بعد میں شرم محسوس ہوئی تو میرے اکاؤنٹ میں کچھ پیسے ٹرانسفر کروا دیئے۔ مگر میں تمہارے پاپا کی آج تک شکر گزار ہوں جنہوں نے ایک بیوہ اور مجبور عورت کا بھرم رکھا۔" وہ افسردہ ہو کر بولتی رہیں۔

"اوہ پھر کیا ہوا؟" شہوار کے دل میں ماں کا درد اترنے لگا۔

"میرے سسرال میں قدم رکھنے کے بعد جیسے قسمت کی دیوی اس فیملی پر مہربان ہوتی چلی گئی' یوں ہن برسنے لگا کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ اس بات کا کریڈٹ آج تک تمہارے پاپا اور دادی مجھے دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو اوپر والے کی دین ہے۔" سمیرا نے سکون سے آنکھیں موندیں۔

"واؤ یعنی میری دادی بالکل بھی روایتی ساس نہیں بنیں۔" شہوار کی آنکھیں چمک اٹھیں' دل میں مہتاب خانم کے لیے موجود محبت میں بے انتہا اضافہ ہو گیا۔

"نہیں یہ بات سچ ہے کہ اماں جی۔ بہت نیک روح

ہیں۔ میں ان کی اچھائی کبھی نہیں بھول سکتی۔ اسی لیے تم نے دیکھا ہوگا۔ گھر میں ان کی ہر بات کو کتنی اہمیت دی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عکرمہ کی شادی بقرعید کے بعد ہوگی تو میں نے اس بات کو ممکن بنانے کے لیے اپنا سارا زور لگادیا۔" سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

"واؤ۔ مما۔ یہ بات تو ہے۔" شہوار ہنس دی۔

"اچھا ہوا۔ آپ نے جذبات میں آکر۔ مجھے امی اور پاپا کی محبت کی داستان سنادی۔ ورنہ میں تو ان باتوں سے محروم ہی رہ جاتی۔" شہوار نے شوخی دکھائی تو سمیرا نے ایک دھپ لگائی۔

"کون سی محبت کی داستان۔ میں تو ان سے اس وقت بات بھی نہیں کرتی تھی' اصل میں منظور نے سوچا کہ ایک لڑکی جو اتنے سالوں سے ان کے نام پر بیٹھی ہے۔ یہ رشتہ ختم ہوجانے کے بعد اس کی کتنی بدنامی ہوگی۔ وہ ایک خاندانی آدمی نکلے اور مجھے تین کپڑوں میں خوشی خوشی رخصت کرا کر لے گئے' بس میں نے اسی دن دل میں عہد کیا کہ عکرمہ کی شادی کروں گی تو بیٹی والوں کو زیربار نہیں کروں گی' تاب دار کی ہچکچاہٹ دیکھ کر میرے سامنے تمہاری نانی کا چہرہ آگیا اور میں نے فوراً فیصلہ کرلیا۔" سمیرا نے بات ختم کی تو شہوار نے ماں پر فخریہ نگاہ ڈالی۔

"آپ نے یہ بات تو بہت اچھی کی مگر پاپا والی بات میں پھر بھی جھول رہ گیا۔" شہوار نے شرارت سے نچلا لب دبایا۔

"جھول۔ کیا مطلب کون سا جھول؟" سمیرا نے حیرت سے پوچھا۔

"میری مما۔ اتنی پیاری ہیں۔ وہ کیسے اتنی حسین لڑکی کو ہاتھ سے جانے دیتے۔ رشتہ ختم ہونے کا تو بہانہ بنایا۔ ورنہ شادی تو انہوں نے آپ سے ہی کرنی تھی۔" شہوار نے ماں کو یوں چھیڑا کہ ان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

واہ۔ بھائی۔ بھابھی تو غیر سہی' سگے بھائی کا بھی خون سفید ہوگیا" وہ دونوں حمیرا کے ڈرائنگ روم میں سر جھکائے بیٹھے ان کی بری بھلی سن رہے تھے۔

"حمیرا۔ یقین کرو۔ سب کچھ بہت جلدی میں طے ہوا' جیسے ہی ہاں کی سب سے پہلے تمہارے پاس آیا ہوں۔" رمیض نے بہن کے برابر میں جاکر بیٹھتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

"بس.... بس۔ یہ کہانیاں کسی اور کو سنایئے گا۔ وہاں نکاح کی ڈیٹ تک فکس ہوگئی' کسی کو مجھ غریب کا خیال نہیں آیا کہ ایک فون کرکے بلالیتے۔" حمیرا نے باکس سے ٹشو نکال کر بلاوجہ آنکھیں پونچھیں۔

تاب دار نند کو دیکھ کر ان کے دل پر گزرنے والی کیفیت کا اندازہ کررہی تھیں' وہ جو ہمیشہ ان کی بیٹیوں کو حقیر سمجھتی آئیں' اتنی اچھی جگہ رشتہ طے ہوجانے کی خبر ہضم کرنا مشکل ہورہا تھا۔

"آپ تم جو بھی سمجھو۔ مگر میں نے پوری بات سچائی سے بیان کردی ہے' بقرعید کے بعد رخصتی ہے' اگر تمہیں سچ مچ میری اولاد سے محبت ہوگی تو چلی آنا ورنہ تمہاری مرضی۔" رمیض نے زندگی میں پہلی بار بہن کی ناجائز بات کے آگے مزاحمت کی' تاب دار منہ بھول کر شوہر کو دیکھنے لگیں۔ حمیرا تو ایسی ہوگئیں جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"تاب۔ چلو۔ اور جگہ بھی بلاوا دینے جانا ہے۔" رمیض جھٹکے سے کھڑے ہوئے تو وہ بھی ہوش میں آئیں اور میاں کے پیچھے سر جھکائے باہر نکل گئیں۔

حمیرا نے ہمیشہ سے بھائی کے گھر پر اپنا تسلط قائم رکھا' چھوٹی ہوکر بھی بڑے بھائی کو دبایا۔ رمیض نے بھی بہن کے مان سمان میں کوئی کمی آنے نہ دی' مگر شاید آج ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ حمیرا اپنی جگہ بیٹھی سوچتی رہ گئیں۔

"بس ٹھیک ہے۔ تو سب طے پاگیا۔ اب آپ لوگ پشمہ کو بھول جائیں۔" سمیرا نے چمچے سے پلاؤ پر رائتہ ڈالتے ہوئے مزے سے کہا۔ وہ آج یہاں لنچ

ٹائم میں پہنچی تو تاب دار نے جلدی جلدی تھوڑا اہتمام کر ڈالا۔

"ک۔۔ کیا۔ مطلب؟" تاب دار نے حیرت سے پوچھا اس بات پر ان کے چھکے چھوٹ گئے۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج سے پشمہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اب آپ لوگ اسے بھول کر باقی دو بیٹیوں کی فکر کریں' یہ تو میری بیٹی بن گئی ہے۔" سمیرا نے اتنے خلوص سے پشمہ کو ساتھ لگا کر کہا کہ ان دونوں کی آنکھیں بھیگ گئیں' پاس بیٹھی شہوار نے بھی دوست کو خود سے لپٹا لیا۔

"او کے پشمہ تم۔ جا کر تیار ہو جاؤ۔" انہوں نے ہاتھ دھونے کے بعد لیمن ٹی پیتے ہوئے لحہ بھر ٹھہر کر کہا۔

"کیوں۔۔ کہاں جانا ہے؟" تاب دار نے چونک کر پوچھا' پشمہ نے بھی شہوار کو دیکھا۔ اتنی جلدی بیٹی کا رشتہ ہو جانے کے بعد سے وہ منظور فیملی کی اپنائیت کے مظاہروں پر یا تو حیران یا پریشان ہو اٹھتیں۔

"او مائی گاڈ۔ منظور صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ میں واقعی بوڑھی ہو گئی ہوں۔ مسز رمضی میں بتانا بھول گئی۔ ہمارا آج شاپنگ کا پروگرام ہے۔ شہوار اور پشمہ کو نکاح کے ڈریسز اور جیولری وغیرہ دلانی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی بہو کو بقر عید کا اچھا سا سوٹ بھی تو دلانا ہے۔" سمیرا نے سر پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا تو تاب دار انہیں دیکھتی چلی گئیں' ان کے چہرے پر خاص قسم کی ملاحت تھی' شاید ان کی اچھائیوں کی وجہ سے ایسا تھا۔

"اچھا۔۔ ٹھیک ہے۔" تاب دار نے بیٹی کی سوالیہ نگاہوں پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میڈم جلدی کرو۔ بھائی کی فرمائش ہے کہ پشمہ کے سارے ڈریس شہر کے سب سے مشہور ڈیزائنر سے بنوائے جائیں۔ مما نے اسی لیے آج کا ٹائم لیا ہوا ہے۔ اب ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔" شہوار نے پشمہ کو بے تکلفی سے بتاتے ہوئے اس کے روم کی جانب دھکیلا تو تاب دار اوپر والے کی عنایتوں پر حیران رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"تم یہاں بیٹھو۔ میں آدھے گھنٹے میں آ رہی ہوں۔" شہوار پشمہ کا ہاتھ تھامے ایک بڑے آئس کریم پارلر میں داخل ہوئی اور عکرمہ کے سامنے والی چیئر پر بٹھا کر خود نو دو گیارہ ہو گئی۔ پشمہ اس صورت حال پر حیران رہ گئی۔

"پلیز۔ میں نے ہی شہوار کو کہا تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ کچھ باتیں سن لو پھر چلی جانا۔" وہ غصے میں واپس جانے کے لیے مڑی تو عکرمہ کی بھاری آواز نے رکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"پشمہ' میری چاہت پر ہمیشہ بھروسا رکھنا۔ عکرمہ منظور اس دن سے صرف آپ کا ہو گیا جس دن پہلی بار دیکھا اور ہمیشہ آپ کا ہی رہے گا۔" وہ اسے اپنی محبتوں کا مان دیتے ہوئے وفا کا یقین دلانے لگا۔

"آپ۔۔ کیا کہہ رہے ہیں؟" پشمہ ایک دم ششدر رہ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ رشتہ شہوار کے بجائے عکرمہ کی پسند پر طے پایا ہے۔

"ہاں۔ میں نے جب آپ پر پہلی نگاہ ڈالی تو اسی وقت دل نے گواہی دی کہ بس یہ وہ لڑکی ہو جسے میری زندگی میں شامل ہونا ہے۔" عکرمہ نے مسکرا کر اقرار کیا۔ جھکی جھکی پلکوں سمیت وہ سامنے بیٹھی دل میں اترتی جا رہی تھی۔

"اچھا۔ مجھے تو ان باتوں کی کچھ خبر نہیں۔" پشمہ نے دھیرے سے لب کھولے۔

"ہاں۔ مجھے آپ کی عزت کا بہت پاس تھا اس لیے میں نے ہی یہ بات کسی کو نہیں بتائی اور شہوار کو بھی ڈس کلوز کرنے سے منع کر دیا' کیوں کہ آپ کا ساتھ تا عمر کے لیے پانا تھا۔ اس لیے کورٹ شپ چلانے کی جگہ سچا اور ستھرا راستہ اپنایا۔" اس کا شرارتی لہجہ اندر کی سچائی کا مکمل ساتھ دے رہا تھا۔

"سامنے بیٹھا یہ شخص کتنا خالص ہے۔ جس نے میری معمولی سی ذات کو ایک دم سے اتنا معتبر کر دیا۔"

بشمہ نے گہرائی میں جا کر سوچا اور اس کا دل اپنے رب کے حضور سربہ سجود ہونے کے لیے بے قرار ہونے لگا۔

"آپ۔ کبھی بھی میرا ساتھ نہ چھوڑیے گا۔" عکرمہ نے اسے سوچوں میں گم دیکھا تو خوف زدہ ہو کر یقین دہانی چاہی۔

"نہیں کبھی آپ سے دور نہیں جاؤں گی۔" بشمہ نے اس کے اصرار پر سر ہلا کر یقین دہانی کروائی۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں۔ جو آپ جیسی پیاری اور معصوم سی لڑکی میری شریک حیات بننے جا رہی ہے۔" اس کے چہرے کو تکتے ہوئے عکرمہ کی آنکھیں لو دینے لگی۔ وہ شرمانے لگی۔

"بشمہ! کبھی مجھ سے جدا نہ ہونا۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو' آپ سے بچھڑ کر عکرمہ کے لیے جینا مشکل ہو جائے گا۔" گمبھیر لہجے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا عکرمہ اس کے ہاتھ پاؤں پھلائے جو رہا تھا۔

"جی۔ کبھی۔ نہیں۔" بشمہ نے بڑی فرمانبرداری سے اقرار کیا۔ عکرمہ کو لگا گویا سکون کی ایک لہر اس کی روح کے اندر تک سرائیت کر گئی ہو۔ عکرمہ کی بڑی خواہش تھی کہ نکاح سے پہلے ایک بار بشمہ سے مل کر اپنے دل کا حال بیان کرے اس نے بہن کی اتنی منت سماجت کی کہ وہ پگھل ہی گئی۔ یہاں آنے سے پہلے بشمہ کو بالکل نہیں پتا تھا کہ ایسی سچویشن سے پالا پڑے گا۔ وہ تو شہوار کے کہنے پر شاپنگ کے لیے گھر سے نکلی۔ جس نے اچانک گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا۔

☼ ☼ ☼

عید الاضحیٰ کا چاند دکھائی دے گیا اور علاقے بھر میں جانوروں کی بولیاں سنائی دینے لگی۔ شعاع کے سارے فرینڈز روزانہ رات کو اپنے جانوروں کو لے کر واک پر نکلتے تو اس کا دل بھی مچل مچل جاتا۔ بکروں کو زیور وغیرہ پہنا کر تیار کیا جاتا پھر ان کا بیوٹی کونٹسٹ ہوتا' جیتنے والے جانور کو انعام میں اسپیشل قسم کا چارہ کھلانے کو دیا جاتا۔ شعاع یہ سب دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتی کہ ابھی تک ان کا بکرا کیوں نہیں آیا۔

"امی۔ ہمارا جانور کب آئے گا؟" وہ بڑی آس لے کر ماں کے پاس پہنچی' جو تخت پوش سینے میں مگن تھیں۔

"بیٹا۔ آپی کے نکاح کی تقریب اچانک کھڑی ہو گئی ہے۔ خرچے اتنے بڑھ گئے ہیں۔ اس بار تو لگتا ہے مسجد میں گائے کا حصہ ڈالنا بھی مشکل ہو گا۔ بکرا خریدنے کی تو سکت ہی نہیں رہی۔" تاب دار نے چھوٹی بیٹی کے بال سنوارتے ہوئے رسانیت سے سمجھایا۔ وہ صابر بچی تھی ضد کیے بنا چپ چاپ سر جھکائے کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔ تاب دار کے دل کو دھچکا پہنچا' مگر وہ اس معاملے میں کیا کر سکتی تھیں۔

"بھاں۔ بھاں۔ بھاں۔" تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں بکرے کی صداؤں پر چونکے' جو گھر کے دروازے کے باہر سے آ رہی تھی۔ اتنے میں کسی نے بار بار اطلاع گھنٹی بجائی۔ شعاع نے دوڑ کر دروازہ کھولا اور حیران رہ گئی۔

"تاب۔ یہ بکرا کہاں بندھوانا ہے؟" رمیض نے گھر میں گھستے ہی پوچھا' تاب دار نے حیرت سے شوہر کے پیچھے جھانکا تو سفید رنگ کا بڑا پیارا بکرا دکھائی دیا۔

"یہ۔ کیا۔ میرا مطلب ہے۔ بکرا۔ کیوں؟" تاب دار کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"ہاں۔ یہ بکرا ہے۔ مگر آپ کا نہیں۔ میری شعاع کا ہے۔" رمیض کی شگفتگی عروج پر تھی انہوں نے جانور کو اندر لا کر رسی چھوٹی کے ہاتھ میں پکڑائی۔ وہ صحن میں کھڑے ہو کر بہنوں کو جوش سے آوازیں دینے لگی۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ابھی آگے کتنے خرچے پڑے ہیں۔" وہ جھجک کر بولیں۔

"یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔" رمیض نے بڑی شوخ نگاہوں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

"سمیرا بہن نے جو کہا وہ ان کی بڑائی ہے۔ مگر ہم بیٹی کو یوں خالی ہاتھ گھر سے وداع نہیں کر سکتے' میں چاہتی ہوں کہ بشمہ کی شادی میں کوئی کمی نہ ہو کے بعد میں سسرال میں میری بیٹی کا کسی مقام پر بھی سر جھکے۔"

تاب دار نے خود پر ان دیکھا بوجھ محسوس کیا تو آزردگی سے دل کا حال سنایا۔

"اس کی فکر مت کرو' سب ہو جائے گا۔ ادھر آؤ۔ آج میں تم سے ایک بڑی اہم بات شیئر کرنا چاہتا ہوں۔" رمیض تاب دار کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئے اور اپنے قریب بٹھاتے ہوئے تسلی دی۔

"جی کیا بات ہے؟" تاب دار نے شوہر کو کافی پرسکون پایا تو پوچھا۔

"کافی عرصے قبل آفس میں پلاٹ کی ایک اسکیم آئی تھی' قیمت بہت کم تھی میں نے فارم بھر دیا۔ اتفاق سے قرعہ اندازی میں میرا نام نکل آیا' میں نے خرید لیا۔ پلاٹ جس جگہ واقع ہے' وہ کافی غیر آباد علاقہ تھا' میں نے فائل اٹھا کر ایک جانب رکھ دی اور بھول گیا۔ اور جب کہ تم پشمہ کی شادی کے انتظامات کے لیے پریشان ہو رہی تھیں تو میں نے اس علاقے کے بروکر سے پلاٹ کی قیمت کا تخمینہ لگایا' تم سن کر حیران رہ جاؤ گی کہ اب اس جگہ کی قیمت تین گنا بڑھ گئی ہے۔" رمیض کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔

"او۔ میرے اللہ۔ یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے۔" تاب دار اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔

"ہمیں اب اس کے اتنے اچھے دام مل رہے ہیں کہ نہ صرف پشمہ کی شادی بہت اچھے طریقے سے ہو جائے گی۔ بلکہ سارا قرضہ بھی اتر جائے گا۔" رمیض نے بیوی کو پکڑ کر بٹھایا اور کاندھے کے گرد ہاتھوں کا گھیرا بناتے ہوئے اپنی خوشی بانٹی۔

"کیا۔۔۔ سچ۔ شکر ہے۔ میرے مالک۔ تو نے ہماری لاج رکھ لی۔ مگر قیمت اچانک کیسے بڑھ گئی؟" تاب دار نے پہلے تو ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کیا' پھر تجسس سے پوچھا۔

"اس کے نزدیکی علاقے میں۔ کافی سارے کمپلیکس بنا دیئے گئے۔ لوگ وہاں آکر بس گئے۔ آبادی میں دکانیں بھی کھل گئیں۔ دو سال کے اندر اندر وہ علاقہ اتنا کمرشل ہو گیا کہ آس پاس کی زمینوں کی قیمت ایک دم اوپر چلی گئیں۔" رمیض نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے بتایا۔

"چلو۔ ایک بڑی فکر سر سے اتری۔" تاب دار نے اندر داخل ہوتی بیٹی کو دیکھ کر کہا۔

"بس۔ اوپر والا تو نیت دیکھتا ہے۔ اس نے ہماری عزت رکھنی تھی تو یہ طریقہ ڈھونڈ نکالا۔ آج پلاٹ کا بیعانہ ملا تو میں نے سب سے پہلے قربانی کے لیے بکرا خریدا۔" رمیض نے پشمہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھامتے ہوئے بتایا۔

"آپ نے یہ تو سب سے اچھا کام کیا۔" تاب دار نے صحن میں بکرے کے پاس کھڑی شعاع کو دیکھتے ہوئے کہا جو بکرے کو چارہ کھلانے میں مصروف تھی۔ اس کی ساری فرینڈز صحن میں جمع ہو چکی تھیں۔

نکاح کے بعد ہشمہ کی بہنیں اور کزنز اسے دونوں طرف سے تھامے، چھیڑ چھاڑ کرتی، اپنے جلو میں لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ جہاں مہمانوں کو بٹھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ عکرمہ کی پیاسی نگاہیں اپنی دلہن پر رک گئیں۔ چہرے پر گویا خوشیوں کے عکس جھلملا اٹھے۔ وہ جب بھی ہشمہ کو دیکھتا، ہر بار وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت دکھائی دیتی مگر آج تو جیسے اگلی پچھلی ساری کسر نکل گئی۔ پرپل، سلور ماتھا پٹی والے دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ بڑی لو دے رہا تھا، ہلکا سا میک اپ، ایک سائیڈ پر بنا بالوں کا اسٹائل جس کو گلاب اور موتیے کے پھولوں سے سجایا گیا۔ مہندی کے نقش و نگار سے سجائے گئے جگمگاتی انگوٹھیوں والے نرم ہاتھ۔ ستواں ناک پر سجی، سونے کی بالی جس میں ہیرا جڑا تھا۔ عکرمہ نے ایک سانس بھری۔ وہ مزید جھک گئی۔ اب چہرہ صحیح سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"آپ کے وجود سے اٹھنے والی مہک گلابوں کو ناشاد کیے دے رہی ہے۔" ہشمہ کو پہلو میں بیٹھا دیکھ کر عکرمہ کے دل سے خود بخود صدا نکلی۔ خوشیوں کا عکس جیسے اس کے ماتھے پر سجے ٹیکے میں جھلملانے لگا۔ عجیب سحر انگیز کیفیت تھی۔ عکرمہ نے سب کی پروا کیے بغیر بڑے استحقاق سے جھک کر اپنی منکوحہ کا بغور جائزہ لیا، تو اس کے کزنز نے سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر دلہا میاں کا ریکارڈ لگانا شروع کر دیا۔ ہشمہ پر لجاہٹ سوار ہوئی اس کے مومی ہاتھ کپکپانے لگے۔

عکرمہ اس کے حیا کے رنگوں میں کھو کر، پلکیں جھپکانا ہی بھول گیا۔ سب نے دل کھول کر تعریف کی۔ سمیرا کا خوشی سے برا حال تھا، شہوار الگ بھائی بھاوج کو دیکھ دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

مہتاب خانم نے لرزتے ہوئے کھڑے ہو کر کئی بار دلہا دلہن کے پاس جانے کی فرمائش کی مگر نرم خدوخال والے، کالی شیروانی سوٹ میں ملبوس منظور احمد ماں کو پکڑ کر آرام دہ کرسی پر بٹھانے لگ جاتے۔ رمضی اور تابع دار مہمانوں کی خاطر تواضع میں لگے ہوئے تھے، تابع دار کاموں میں مصروف ہونے کے باوجود بیٹی کو نم آنکھوں سے بار بار دیکھ رہی تھیں۔

ڈنر کا انتظام ان کے گھر کے لان میں کیا گیا تھا، طعام کھل گیا تو مہمان وہاں جا کر کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ان دونوں کو تھوڑی دیر کے لیے تنہائی میں بات چیت کا موقع میسر آگیا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟ آج ہی رخصتی لے لوں؟" عکرمہ نے دھیرے سے ہشمہ کو چھیڑا جو ٹھہر ٹھہر کر اس پر حاوی ہو رہی تھی۔ وہ شرما گئی۔

"جانے آج موسم نے آپ سے رنگ ادھار لیے ہیں یا آپ پر موسم کی خوب صورتی کا اثر ہو چلا ہے۔" عکرمہ نے قدرے جھک کر کہا تو وہ مزید سمٹ گئی۔ دونوں کی آنکھوں میں مستقبل کے خواب سجنے لگے۔

"سب کہہ رہے تھے کہ مجھ پہ یہ کرتا بالکل سوٹ نہیں کر رہا۔ آپ کا کیا خیال ہے۔" عکرمہ نے تھوڑی دیر بعد پریشانی سے کہا تو ہشمہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پہلی بار دونوں کی نگاہوں کا ٹکراؤ ہوا، وہ اس کی شرارت سمجھ گئی، ورنہ براؤن کڑھائی والے کرتے میں عکرمہ بہت خوبرو دکھائی دے رہا تھا، ہشمہ کی محویت پر عکرمہ کے بھرے بھرے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر لوگوں کی موجودگی کے خیال سے ہشمہ نے جلدی سے آنکھیں جھکالیں، وہ اپنی پھوپھی حمیرا کو باتیں بنانے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھی، جو بھتیجی کا اتنی بڑی جگہ رشتہ ہونے پر بڑی مایوس دکھائی دے رہی تھیں، مگر ہشمہ کو آج اپنی ماں کی تمام باتوں پر یقین آگیا۔

"جن کی نیت صاف ہو، جیت ان کا ہی مقدر ٹھہرتی ہے۔" وہ سچ کہتی تھیں۔ بند دروازوں کے آگے کھڑے ہو کر مایوسی سے عمر گزارنے کے بجائے کھلے دریچوں سے آتی روشنی کی جانب رخ پھیرنے کا مثبت ہنر سیکھنے والوں کو ہی جیت نصیب ہوتی ہے۔

عابدہ احمد
من کے عید منائیں
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

سرخ صاف شفاف اینٹوں کا فرش آوارہ ہوا کے بگولوں سے چکراتے قدموں میں بکھرتے سوکھے پتوں سے بھر چکا تھا۔ کئی پتے اس کے قدموں کے نیچے آکر چرمرا گئے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کا نرم و نازک دل کسی بے درد کے ہاتھوں میں آکر چرمرا گیا تھا۔ وہ مزید اداس ہوئی اسے اپنی قسمت بھی بالکل ایسے ہی محسوس ہوئی۔ ٹوٹتے پتوں کی طرح ڈولتی۔ بکھرتی۔

وہ بے قرار ہو کر یہاں سے وہاں چکراتی اپنے الٹے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی انگوٹھی گھمانے لگی۔ کبھی اتارتی چڑھاتی، کتنے خیالات اس کے ذہن کی چوکھٹ پار کرکے اس کے دماغ میں اودھم مچانے لگے۔ اس کا سر دھم دھم بجنے لگا۔ اسے لگا وہ گر جائے گی۔ صحن میں نیچے کو جاتی ہی چار سیڑھیوں میں سے دوسری پہ وہ تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

"شاید آندھی آنے والی ہے۔" سر اٹھا کر گدلے سے آسمان کو دیکھا کچھ دیر یونہی گردن پیچھے گرائے آسمان کو تکتی رہی۔ ذہن میں جانے کیا چل رہا تھا۔ وہ تو یہ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی کہ وہ سوچ کیا رہی ہے؟ وہ تھک چکی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے اس کے اندر جاری جنگ نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ اسے کہیں دل قرار نہیں آیا تھا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کسے رازداں بنائے کسے، وحشتوں کا ساتھی۔ وہ جو زندگی بھر کا ساتھی تھا اسی کی تو دان کی ہوئی یہ سوغات تھی۔ بے چینی کی سوئیاں بھی تو اسی نے جسم میں چبھوئی تھیں جن کی اذیت وہ روح تک میں محسوس کر رہی تھی۔ وہ کیسے یہ سوئیاں بدن سے نکالتا۔ اک آہ سی اس کے لبوں سے بے آواز نکلی تھی۔ اچانک اس کی نظر گھر کی چھت کی طرف اٹھی تھی۔ گھر کے چاروں طرف گولائی میں بنی چھت پہ وہ دونوں بازو ٹکائے اس پہ نظریں جمائے جانے کب سے کھڑا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اس کے دل میں درد کا ایک نیا طوفان سر اٹھانے لگا۔

"محبت جب درد بن جائے تو بہت اذیت دیتی ہے۔" اس کی تو روح تک میں اذیت گھس گئی تھی۔

چند لمحے وہ یونہی ایک دوسرے کو تکتے رہے اور جب اس کا درد (محبت) غصے میں ڈھلنے لگا تو وہ اک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پاؤں پٹختے ہوئے اندر کو جاتی روش مضبوط قدموں سے پار کر گئی۔ چھت پہ کھڑے وجود نے بہت ضبط سے یہ منظر دیکھا تھا اس کا خیال تھا روٹھنا، غصہ کرنا صرف اسی کا حق ہے، لیکن اس محبت سے گندمی لڑکی کا ایسا ری ایکشن دینا اسے نئے سرے سے تو ڑ ڈالا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ چلی گئی تھی اور وہ یونہی چھت پہ جما کھڑا کتنی دیر تک اس جگہ کو تکتا رہا جہاں سے وہ اندر غائب ہوئی تھی۔ وہ جو اسے کئی دنوں سے اگنور کر رہا تھا۔ اسے خود کو روکے جانا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ "وہ سارے وعدے کیا ہوئے؟ دعوے۔ پیمان۔ چاہت" سوچوں کا تعفن اس کے دماغ میں پھیلنے لگا۔

"جس ایک خواہش تو تم پوری نہ کر سکیں۔ پوری زندگی کیا خاک ساتھ نبھاؤ گی؟" اپنے اندر عدالت لگائے منصفی کے منصب پہ فائز سارے گناہ ہی اس کے کھاتے میں ڈال کر وہ خود بری الزمہ تھا۔

"چلو پھر یہی یوں تو یوں ہی سہی۔" پتا نہیں کیا سوچ کے کیا سوچنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس نے سینے میں عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ دیر یونہی ادھر سے ادھر چکراتا چھت پہ پڑے پتھروں کو ٹھوکروں سے اڑاتا رہا۔ پھر بھی بے قراری میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا۔ یکایک اس کے سر میں شدید درد اٹھا تھا۔ چائے کی طلب نے اسے زیادہ دیر چھت پہ ٹہلنے نہ دیا۔ سر کو دباتا، دھڑادھڑ سیڑھیاں اترتا، وہ نائلہ (چھوٹی بہن) کے کمرے کی طرف آگیا۔ اس کا دروازہ دھکیل کر کھولنے کو اٹھا ہاتھ اندر سے آنے والی آوازوں نے روک دیا۔

"تو پھر اب کیا کرو گی۔" یہ صائمہ (سائرہ کی چھوٹی بہن جو کہ نائلہ کی ہم عمر ہی تھی) کی آواز تھی۔

وہ چہرے پہ ناسمجھی کے تاثرات لیے دروازے سے

بالکل لگ کر کھڑا ہو گیا۔ تھی تو انتہائی زنانہ اور غیر اخلاقی حرکت لیکن اسے جانے کیوں صائمہ کی آواز میں ایک غیر معمولی پن محسوس ہوا تھا اس لیے وہ متجسس ہو گیا تھا جاننے کے لیے۔

"تم جانتی ہو کہ میں ناصر کی یہ فرمائش پوری نہیں کر سکتی۔" نائلہ کی بھرائی آواز سے اس کے کان مزید کھڑے ہوئے۔ یہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔؟ الجھن کے آثار اس کے چہرے پر نمودار ہوئے۔ ناصر اس کے ماموں کا بیٹا اور نائلہ کا بچپن کا منگیتر تھا اچھا خاصا سمجھ دار لڑکا تھا اس کی نظر میں۔

"اگر وہ ناراض ہو گیا تو...." صائمہ کی آواز میں ایک رازداں سہیلی کی سی فکر مندی تھی۔

"ناراض تو وہ ہو گیا۔" اس کی آواز میں پھیکا پن تھا۔

"مطلب وہ ناراض ہے اور تم یونہی بیٹھی آنسو بہاتی رہو گی بجائے اس کے کہ اسے مناؤ۔" اب شاید صائمہ اس کی بیوقوفی پر جھنجلائی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں نے نہیں منایا اسے۔ اتنی منتیں کیں۔ سمجھایا مگر نہیں وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ مجھ سے ملو۔ عید پہ کوئی بہانہ کر کے گھر سے نکلو۔ دماغ کی دہی کر دی اس ناصر کے بچے نے۔" اب کہ نائلہ نے اصل بات انتہائی چڑے ہوئے انداز میں اگلی جو کہ باہر دروازے سے لگے کھڑے توقیر کے گلے میں ہڈی بن کر پھنس گئی اسے ایک دم سے اپنے کزن ناصر پہ ڈھیر سارا غصہ آیا۔

"شکل کتنی شریفوں والی ہے اور کرتوت۔" اس کا دماغ کھولنے لگا۔

کیا سوچ کر اس نے میری بہن کو یوں ورغلانے کی کوشش کی۔ جب گھر میں آنے جانے کی کوئی روک ٹوک نہیں تو پھر اکیلے میں ملنے۔؟ اسے تو میں پوچھتا ہوں۔" روایتی بھائی کی غیرت بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ اندر جانے وہ دونوں اور کیا باتیں کر رہی تھیں۔ اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ دروازہ زور سے دھکیل کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ بیڈ پہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھی باتیں کرتی وہ دونوں چونکی تھیں۔

"بھائی آپ" دونوں نے اس کے غصیلے چہرے پہ چسپاں عبارت کو جیسے پڑھ لیا تھا۔ اس کے تیور انہیں ڈرانے کو کافی تھے۔ ویسے بھی اس گھر کا اکلوتا لڑکا ہونے کی وجہ سے ساری نئی پود اس کے رعب تلے دبی رہتی تھی۔ اپنی دو بہنیں اور چچا (سائرہ کے ابو) کی سائرہ سمیت تین بیٹیاں سب اس سے چھوٹی اور ڈرنے والوں میں سے تھیں۔ نائلہ کے سہمے چہرے میں اسے کسی کی مانوس سی جھلک دکھائی دی۔ کس کی جھلک تھی یہ؟ اسے یاد آیا ابھی کچھ دن پہلے بالکل یہی سراسیمگی سائرہ کے چہرے پہ بھی ابھری تھی۔ جب اس نے "ہاں، تو کیا فرق ہوا؟ مجھ میں اور ناصر میں" اندر کوئی ایک دم سے آئینہ لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس سے اپنا چہرہ اس آئینے میں دیکھا نہ گیا۔ وہ نظریں چرانے لگا۔ سارا غصہ شرمندگی میں ڈھل چکا تھا۔

"بھائی۔" نائلہ کی کانپتی آواز میں بھائی کی پکار نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ اس کا دل ایک دم موم ہوا تھا۔ ورنہ تو وہ نائلہ سے سخت باز پرس کے ارادے سے ہی اندر داخل ہوا تھا۔

"ہاں! وہ میں.... میں" اسے مناسب الفاظ نہ سوجھے یوں دندناتے بہن کے کمرے میں گھس آنے کے لیے۔ بھائی کو تذبذب میں پا کر نائلہ نے "شاید بھائی نے نہ سنا ہو۔" کی امید کا سرا تھاما۔

"کچھ چاہیے تھا بھائی۔" ہچکچاتے ہوئے اس کے الفاظ نے توقیر کی مشکل آسان کر دی۔

"ہاں نا! سر میں درد تھا اگر میری گڑیا چائے بنا دے تو۔" دو قدم چل کر بیڈ کی طرف آیا اور اس کے بال بکھیر ڈالے۔ دونوں کی اٹکی سانسیں بحال ہوئی تھیں اس کا بحال ہوتا موڈ دیکھ کر۔ اس نے مسکراتے ہوئے سہلا دیا تھا اور بیڈ پر سے اترنے لگی کہ اس نے روک دیا۔

"چلو چھوڑو! یوں کرو یہ رکھو۔" اس نے کچھ سوچ کر اپنی جینز کی پاکٹ سے والٹ نکال کر ہزار کے دو نوٹ نکال کر نائلہ اور صائمہ کی ہتھیلی پر رکھے۔ دونوں

کی آنکھیں بھائی کی کمال سخاوت پہ چمک اٹھیں۔
"تھینک یو بھائی" کوئی کام ہے ہم سے۔" صائمہ آنکھیں گول گول گھماتے ہوئے شوخ ہوئی۔
"انڈر اسٹڈ سی بات ہے کہ اس دنیا میں کچھ بھی فری نہیں۔ اب جیسے کہ اس نوٹ کی قیمت آپ دونوں ناریوں کو ابھی کے ابھی چکانی ہے۔" وہ بھی اسی کے انداز میں شوخی سے بولا تو دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔
"آپ بے فکر ہو کر چھت پر چلے جائیں۔ آپ کا چاند وہاں طلوع ہو چکا ہے۔" نائلہ اس رشوت کا کارن سمجھ گئی تھی اس لیے اس کی طرف جھک کر رازداری سے بولی تو اس نے مصنوعی گھوری ڈالتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگادی۔ اب کی بار وہ تینوں ہنس دیے تھے۔
"اور ہاں! ناصر کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا بھائی اسے سنبھال لے گا۔" وہ جاتے جاتے مڑا تھا۔ ایک پل کو نائلہ کی سانسیں رکی تھیں۔ لیکن پھر جیسے بھائی کے الفاظ نے اس کا منوں بوجھ اتارا تھا۔ وہ گیلی آنکھوں سے ہلا گئی۔

☆ ☆ ☆

کچھ ماہ پہلے ہی محلے میں آنے والی صداقت راؤ کی فیملی سے یونہی سرسری سی ہونے والی ہیلو ہائے کچھ ہی دنوں میں اچھی خاصی دوستی میں بدل چکی تھی۔ توقیر اور سمیع راؤ اب تقریباً" ہمہ وقت ساتھ ہی پائے جاتے۔ بڑا فرینڈلی اور ہنس مکھ بندہ تھا یہ سمیع راؤ۔ ہمیشہ گھسیٹ کر توقیر کو اپنے گھر اور یار دوستوں کی محفل میں لے جاتا۔ حتی کہ اپنی منگیتر سے بھی اسے زبردستی ملوا کر اور دوستی کروا چکا تھا۔ اس کی منگیتر کہاں کسی سے پیچھے تھی جب سمیع کی لائن بزی ہوتی تو اسے فون کردیتی اور گھنٹوں اس کا سر کھاتی رہتی۔ اس کی بے وقت کالز کی وجہ سے تو اسے گھر میں بھی کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ امی (توقیر کی امی) کو تو یقین ہو گیا تھا کہ لڑکا کسی دوسری کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ وہ تو اس کے سر ہو گئیں۔
"کیوں اپنے باپ اور پورے خاندان سے ماں کی تربیت کے بارے میں گوہر افشانیاں کروانی ہیں۔ جو بھی چڑیل ہے سچ سچ بتادے مجھے۔"
سو اس نے بڑی مشکل سے سمیع سے بات کر کے اس کی منگیتر کی بے وقت کالز کا سلسلہ بند کروایا تھا۔ ابھی تو صرف اماں کو شک ہوا تھا۔ ایک ہی گھر ہونے کی وجہ سے اس کی سسرال چھوڑ اگر اس کی منکوحہ سائرہ کے دماغ میں بھی اگر شک کا کیڑا گھس جاتا تو اس کی ناک میں دم آجاتا۔
سائرہ جو اس کے اکلوتے چچا کی دو بیٹیوں میں سب سے بڑی تھی۔ اس کی پہلی محبت' کزن اور منکوحہ تھی۔ جانے کب بچپن میں ہی دونوں کا نکاح کردیا گیا تھا۔ دونوں ہی اپنے اپنے ماں باپ کی پہلی اولادیں۔ سارے چاؤ ان ہی پہ پورے کیے گئے حتی کہ نکاح کا ارمان بھی ان کے بچپن میں ہی نکال لیا گیا تھا اور اب ان کے بڑے ہونے پہ سب ٹھنڈے ہو کے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ہی راگ ملہار سائرہ سمیت دونوں کے والدین کے منہ پہ چڑھا رہتا "پہلے تعلیم پھر شادی کی بین" وہ بہت تاؤ دکھاتا تھا کہ جب ہوش نہیں تھا اس وقت پکڑ کر نکاح کروادیا اور اب جب وہ روندو سی لڑکی ایک ہی گھر میں ہمہ وقت سامنے رہتے ہوئے ہوش اڑائے رکھتی تھی اس کی کسی کو پروا نہیں تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ملنے بات کرنے پہ پابندی تھی۔ لیکن ویسی آزادی بھی نہیں تھی جو اس نے سمیع کے قریب رہ کر اس کے اور اس کی منگیتر کے مابین محسوس کی تھی۔ جہاں وہ جسمانی طور پر بڑا ہوا تھا وہیں "خواہشوں" کا آتش بھی تو اس کے ساتھ پل کر جوان ہوا تھا' وہ کیا کرتا۔ سب یار دوست اپنی اپنی گرلز فرینڈز اور منگیتروں کو کسی اعزاز کی طرح ساتھ لیے گھومتے اور وہ ایسی کسی بھی گیدرینگ میں تکو بن کے رہ جاتا۔ شروع شروع میں تو اس نے اتنا خیال نہیں کیا۔ اس کے گھر کا ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ لحاظ تمام رشتوں میں موجود تھا اب چاہے وہ اس کی منکوحہ کیوں نہ ہو؟ کھلی

چھوٹ آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ گھر کے چیدہ چیدہ معاملات کی دیکھ ریکھ اور کلی فیصلوں کا اختیار اس کے ابو اور چچا جان کے پاس تھا۔ خواتین سے صلاح مشورہ ضرور کیا جاتا لیکن آخری حرف ان دونوں بھائیوں کا ہی ہوتا تھا۔

وہ اسے بالکل نارملی ایک کزن کے طور پر ہی لیتی تھی۔ وہ شروع دن کی ہچکچاہٹ' شرماہٹ تو کب کی قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ کیا خوب احساس تھا۔ جب بڑے ہونے پہ پتا چلا تھا کہ وہ اس کے نام لکھی جا چکی تھی۔ ان دنوں اسے اپنا آپ معتبر اور منفرد سا لگتا تھا۔ ساتھی لڑکوں میں ایک فخر سا اس کا سینہ پھیلائے رکھتا۔ اور وہ بھی تو لجائی سی سارے میں پھرا کرتی تھی۔ جانے پھر کیا ہوا کون سا انقلاب آیا کہ وہ چھوئی موئی سے کیکر کا درخت بن گئی۔ اول تو کوئی ذو معنی بات کرنے کی نوبت ہی نہ آتی اور اگر کبھی قسمت سے یہ موقع مل بھی جاتا تو وہ ایسی ہو جاتی جیسے کہ ٹیچر نالائق شاگرد کے ٹاپک سے ان ریلیونٹ سوال پوچھے جانے پہ گھورتا ہے۔ بڑی مصیبت تھی وہ اپنے جذبات اپنے محسوسات اس تک پہنچانا چاہتا تھا' لیکن وہ چکنی مٹی کا گھڑا بنی رہتی نہ پلکوں کی لرزش نہ گالوں کی لالی' نہ چٹختی انگلیاں بالکل کوری تھی وہ یا پھر ظاہر ایسے کرتی تھی۔۔۔ اسے تو اب یہ شک بھی ہو چلا تھا کہ اسے اس سے ویسی والہانہ محبت نہیں ہے جیسی کہ اس کی خواہش تھی' ورنہ لڑکیاں کیا کیا نہیں کر گزرتیں اپنے منگیتر کو خوش کرنے کے لیے اور یہاں تو معاملہ منگیتر سے بھی ایک درجہ اوپر کا تھا یعنی کہ شوہر کا۔۔۔ اسے بھی اب ضد ہو چلی تھی کہ ایک بار تو اس سے اپنی منوانی ہے۔۔۔ یہ کیا؟ ہمیشہ وہی بیبے شوہر کی ایکٹنگ کرتا رہے کبھی تو بی بی بھی نکلے نا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد سے۔ قربت کے کتنے مواقع صرف سائرہ کے ٹھس پنے سے وہ گنوا چکا تھا۔

''وہ مجھ سے دور کیوں ہے۔'' یہ سوال اس کا بلڈ پریشر بڑھا دیتا اور اس کا گھسا پٹا جواب

''کہ ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ ابھی تمہیں صرف اپنی تعلیم پہ توجہ دینی چاہیے۔'' لیکن اس کی تشفی ہونے کی بجائے مزید غصہ عود کر آتا۔

''تو اس کا مطلب کیا ہوا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں یا میں ہی تمہیں پسند نہیں۔'' الفاظ اس نے اپنے دانتوں تلے چبا ڈالے۔

''تمہارا آخر مسئلہ کیا ہے؟ کیوں ہر دوسرے دن یہ بے تکے سوالات پوچھ کر میرا دماغ چاٹ جاتے ہو۔'' وہ تو شاید پہلے ہی کسی بات پہ جلی بیٹھی تھی اس لیے ایک دم ہی چڑ گئی تھی۔

''مسئلہ میرا نہیں تمہارا ہے اور یہی میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم میری ہر بات کی نفی کیوں کرتی ہو۔'' اپنے غصے کو فی الوقت کنٹرول کرتے ہوئے اس نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''میں تمہاری ہر بات کی نفی نہیں کرتی صرف بے تکی باتوں کی۔۔۔'' اس کا جواب اسے جھلسا گیا۔

''کون سی بے تکی بات کر کے میں نے جنابہ کی شان میں گستاخی کر ڈالی؟''

''تمہیں پتا ہے میں کیا بات کر رہی ہوں۔۔۔ شادی سے پہلے میں تمہاری کوئی فرمائش پوری نہیں کروں گی۔ یہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے پھر بھی۔'' اس کا لہجہ دو ٹوک اور ہموار تھا اس نے بڑے ضبط سے اپنی مردانگی (اس کے خیال میں) کی نفی برداشت کی تھی۔

''میرے کچھ دوستوں نے عید کی رات کو کھلز کی گیٹ ٹوگیدر ارینج کی ہے۔۔۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں اس بار۔۔۔ گھر میں کیا بہانہ کرنا ہے اب یہ تم پر ہے۔'' سرد تر حتمی لہجے میں اس نے کہا۔ گو کہ یہ سچ تھا کہ سمیع لوگوں نے اس بار بھی عید کی رات کو میوزیکل شو کا پروگرام بنایا تھا اور اسے بھی اپنی منگیتر کے ہمراہ آنے کی دعوت دی تھی۔ ہر بار کی طرح اس نے ایسی کسی بھی محفل میں شمولیت سے معذرت کر لی تھی' لیکن جانے کیا سوچ کر اس نے یہ بات کر دی تھی اور جواب بھی وہ جانتا تھا' لیکن پھر بھی۔۔۔ کبھی کبھی ہم دوسروں سے زیادہ خود کا امتحان لینے کے لیے کچھ ایسی مانگیں کر بیٹھتے ہیں جو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

پوری نہ ہوں گی۔ وہ اس سے زیادہ خود کا ضبط آزمارہا تھا کہ کہاں جاکے یہ طنابیں ٹوٹتی ہیں۔ "ہرگز نہیں۔" تین حرفی جواب کو دینے میں اسے کئی سود و زیاں کے گوشوارے کھنگالنے پڑے تھے۔ اس کا جواب سن کر اس کا چہرہ کسی ربڑ کی طرح کھنچ گیا۔

"شرطوں پہ محبت نہیں تجارت ہوتی ہے۔ تم چاہے جتنے بھی ناراض ہو جاؤ میں ایسا کام کبھی بھی نہیں کروں گی جس کی وجہ سے ہمارے گھر والوں کی سبکی ہو۔" انگلی اٹھا کر خود کو گھورتے توقیر کی آنکھوں کے آگے لہرائی۔

"اچھا! اپنے شوہر سے زیادہ تمہیں سب کی فکر ہے۔ میری عزت کی کوئی پروا نہیں؟ میری کتنی انسلٹ ہوگی دوستوں میں۔" اس نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"بہت خوب! تمہاری عزت بنانے کے لیے میں اپنی عزت تمہارے ہاتھوں گروی رکھ دوں؟" اپنا بازو چھڑاتے ہوئے اس نے انتہائی دکھ سے کہا تھا۔

"کیوں اپنے ماتھے پر ذلت کی مہر لگوالوں... کیوں؟" وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگی تھی... اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیسے اس شخص کے دماغ میں سوراخ کر کے وہ سب کچھ انڈیل دے جس کے خدشے اسے لرزاتے تھے... وہ جو خود پہ بے نیازی کا خول چڑھائے رکھتی تھی اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے اس سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ راتوں کو بنے جانے والے اس کے سپنوں کا بے تاج بادشاہ تھا... گھر میں چلتے پھرتے اس کی ایک جھلک اس کے اندر طمانیت پھیلا دیتی تھی... وہ تو آنے والوں کی آہٹ اور دستک تک میں سے اس کا مخصوص انداز پہچان جاتی تھی... وہ نجانے کیوں ایک دم سے تنہائی میں ملنے... قربت کی چاہ میں مبتلا ہو گیا تھا... وہ تو اس کے سامنے رہتی تھی... سارا دن... پھر... کیا تھا؟

"اونہہ! ذلت... پتا بھی ہے یہ ذلت ہے کیا بلا؟ بس رسالوں سے دو چار لفظ پڑھ کر خود کو استانی جی ثابت کرنے پر تلی رہتی ہو۔" استہزائیہ لب و لہجہ وہ لب بھینچے اسے دیکھتی رہی۔

"ذلت تو میری ہوگی یار دوستوں میں... تمہارا کیا جائے گا۔ گھر اور کالج کے علاوہ تمہاری دنیا میں اور ہے کیا؟"

"لڑکیوں سے زیادہ ذلت کا مفہوم اور کون جانتا ہوگا۔ یہ ایک ایسی بلا ہے جس پہ کوئی دم درود اثر نہیں کرتا۔ یہ جس پہ سوار ہو جائے وہ ساری عمر اس لاشہ اٹھائے پھرتے ہیں۔ دفنانے کو دو گز زمین بھی نہیں ملتی۔" اس کی بات اور لہجہ بہت گہرائی لیے ہوئے تھا... سمجھنے والا سمجھ جاتا، لیکن وہ ایسی سمجھ پہ ہزار لعنت بھیجتا تھا جو اسے دل کی کرنے سے روکے۔

"رسالے ذرا کم پڑھا کرو بالکل میری ماں کی کاربن کاپی لگ رہی ہو ذلت پہ لیکچر دیتے ہوئے۔" وہ بے مزا ہوا تھا۔

"بہرحال عید آنے میں ابھی کچھ دن ہیں۔ سوچنا ضرور اس بارے میں جب تمہارا جذباتی پن کا دورہ ختم ہو جائے۔" اسے آگ لگا کر وہ پرسکون ہو گیا تھا۔

"بڑا بے نیازی کا گلیشیر بنتی تھیں... اب پگھلو۔" کمینی سی سوچ اس کے ذہن میں آئی تھی۔

"ابھی بیوی نہیں بنی ہوں... منکوحہ ہوں صرف منکوحہ۔" وہ چبا چبا کر منکوحہ پر زور دے کر بولی تھی۔

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ میں تمہاری ہاں کا منتظر رہوں گا۔ ورنہ رات کو نو بجے کے بعد صرف پانچ سو میں بیوی مل جاتی ہے ایک رات کے لیے۔" یہ تو کہنے کا اس کا بالکل ارادہ نہیں تھا، لیکن منہ سے نکل گیا تو وہ خود کو ازحد پرسکون ظاہر کرتا اس کا سارا سکون غارت کر کے چلتا بنا۔ پیچھے وہ کھلے منہ اور ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی پیٹھ تکتی اس کی آخری بات کا وزن ہی کرتی رہ گئی۔

وہ سوچ کے در پر پہروں بیٹھی رہتی، لیکن کوئی حل نظر نہ آیا۔ کالج میں بھی غائب دماغی سے لیکچر سنتی رہتی پوچھو چاہئے کی کہتی مصر کی... گھر آتی تو بھی گپ چپ سی کتابیں پھیلائے بیٹھی رہتی۔ وہ تو شکر تھا کہ سارے میں آج کل بقرعید کا غلغلہ اٹھا ہوا تھا اس لیے مرد

حضرات تو دکان کے بعد بکروں کے پیچھے بکرا منڈی میں ہی زیادہ وقت بتاتے اور گھر کی خواتین روز مرہ کے دھندوں میں الجھی رہتیں۔ وہ دو ہی بہنیں تھیں صائمہ اور وہ۔ بھائی کوئی تھا نہیں، سو اس طرف سے تو اسے سکون تھا ورنہ کسی کا بھی دھیان اس کے بجھے چہرے پہ پڑ جاتا تو سوالات نے اسے ناک تک عاجز کر دینا تھا۔

☆ ☆ ☆

زیادہ پرانی بات نہیں تھی جب ان دونوں کی اپنے درمیان موجود رشتے سے آشنائی ہوئی تھی۔ سنتے تو بچپن سے آئے تھے سمجھا اب تھا۔ محسوس اب ہوا تھا۔ ان دیدہ سی کشش دونوں کو ایک دوسرے سے تھوڑا قریب لے آئی تھی۔ لڑکپن کا خمار، کچھ وعدے، پیمان، ان دیکھی جذبوں کی زنجیریں ان کے پاؤں سے آلپٹی تھیں۔ وہ مرد تھا رقص بھی کرتا تو ان زنجیروں کا شور اس کی اپنی ذات کے اندر ہی گنبدوں میں گونجتا رہتا۔ پر وہ لڑکی تھی ایک پاؤں بھی ذرا زور سے اٹھاتی تو چھنا چھن سارے جہان کو سنائی دیتی اور سب سے پہلے سننے والوں میں سے اس کی تائی ہی تھیں گو کہ وہ کوئی روایتی کردار نہیں تھیں، لیکن کبھی کبھی روایتی پن ان کے لہجے میں جھلک ہی پڑتا۔

اس دن بھی تائی معمول کی طرح ان کے پورشن میں بیٹھی امی کے ساتھ پالک تڑوا رہی تھیں تو قیر کرکٹ میچ کھیلنے کے بعد ان کو ڈھونڈتا وہیں چلا آیا۔ امی نے فوراً ہی آواز لگا کر اسے اسکول کے کام سے اٹھا کر توقیر کے لیے مینگو شیک بنانے کو کہا۔ اندر کمرے میں پڑھتی سائرہ توقیر کے نام کی پکار سنتے ہی چھلانگ لگا کر اٹھی تھی اور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہو گئی جلدی جلدی درازیں کھنگالیں۔ میک اپ کے نام پہ صرف ایک کاجل ہی مل سکا کہ امی اسکول کالج جانے والی لڑکیوں کے میک اپ کی اشیا تک رسد کے مکمل خلاف تھیں اسی کو غنیمت جانتے ہوئے جلدی جلدی گہرا کاجل لگا اور چوٹی میں بندھے بالوں کے اوپر سے ہی برش پھیر کے باہر کو بھاگی کہ آوازوں پر آوازیں پڑ رہی تھیں جیسے ہی وہ لیونگ روم میں بیٹھی تائی کے پاس سے گزری تو انہوں نے بغور اس کی کاجل سے اور اپنے فرزند کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر در آنے والی چمک کو دیکھا تھا۔ وہ کچھ ہی دیر میں **مینگو شیک** کا ایک بڑا سا ٹھنڈا ٹھار گلاس لیے چلی آئی قبل اس کے کہ وہ گلاس توقیر کو پکڑاتی اس کے ساتھ بیٹھی تائی نے گلاس اچک لیا۔ توقیر کا بڑھا ہوا، امی کا پالک کے پتے توڑتا ہاتھ بیک وقت ساکت ہوا تھا۔

"چل تو گھر... کتابیں کھول کے بیٹھ اپنی سارا دن آوارہ گردیاں ہی ختم نہیں ہوتیں تیری۔" ملک شیک کی ٹھنڈک ان کے لہجے میں بھی اتر آئی تھی۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی ماں کا موڈ سمجھ گیا تھا اس لیے بلا حیل و حجت اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ لے جا۔" اسے قدم بڑھاتے دیکھ کر انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ بس "جی" ہی کہہ سکا۔ امی حیرانگی سے آپا کا بدلتا موڈ اور لہجہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ "یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا آپا کو" وہ حیرت میں گہری سوچ کر رہ گئیں۔

"سائرہ بیٹا! لڑکی کی آنکھ میں حیا کی سرخی سے زیادہ کوئی کاجل، سرمہ نہیں جچتا۔ جا کے منہ دھو اور ساتھ ہی ایسا کوئی خیال بھی اس نالائق کے لیے سجنے، لبھانے کا نہ لا۔ ابھی رخصتی میں بڑا ٹائم ہے۔ اتنا اچھی نہ لگ اسے کہ جب تمہارا ٹائم آئے اسے تم میں کچھ پسند نہ آئے۔"

زن... زن... زن... اس کے اوپر سے ریل گزر گئی تھی... وہ شرمندگی کے دریا میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ امی کی کٹیلی نگاہیں سمدھن کی خطرناک حد تک ہاں میں ہاں ملانے والی تھیں تائی تو کہہ کر پھر سے پالک چننے لگی تھیں اور وہ بولنے سے بھی قاصر تھی۔ بس اس دن سے وہ رک گئی تھی۔ وہیں اور وہ اندھا دھند بھاگتا بہت آگے نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

مرد فطری طور پر حاکمیت پسند اور جارح ہوتا ہے اور

بیوی سے بڑھ کر اس مشق ستم کا بہتر ہدف اور کوئی نہیں ہوتا۔۔۔ وہ بھی ایک مرد ہی تھا۔۔۔ عام مرد۔۔۔ خاص مرد بھی عام ہی بن جاتا ہے بیوی کے معاملے میں۔۔۔ خصوصیت صرف پسندیدہ بیوی کے حصے میں ہی آتی ہے وہ اسے۔ بہت پسند تھی۔ دل لبھاتی' دل ربائی کے گر سے نا آشنا۔۔۔ پہلے پہل وہ اس کے نقش جذبات سے عاری چہرے کو پھر بھی کسی طور برداشت کر لیتا تھا' لیکن جب سے سمیع کی سنگت ملی تھی وہ اس سے جانے کیسی کیسی امیدیں لگا بیٹھا تھا۔ کسی بھی خواہش کے جواب میں اس کے پاس ایک لمبا چوڑا اخلاقیات اور اس معاشرے کے اصولوں سے سمجھوتہ کرنے والا لیکچر موجود ہوتا تھا جو اس کا حلق تک کڑوا کر دیتا اور کتنے ہی دن وہ منہ پھلائے پھرتا رہتا' لیکن وہاں پروا کسے تھی؟ یہ اس کا محض خیال تھا وہ بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی تھی' لیکن لڑکی تھی یوں شتر بے مہار کی طرح "محبت" جیسے اڑیل گھوڑے کو نہیں چھوڑ سکتی تھی وہ ڈرتی تھی معمولی لغزش سے پاؤں کہیں گندگی میں نہ جا پڑے۔ چھینٹے تو اسی پہ پڑنے تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھی جو جسمانی صفائی اور روحانی بالیدگی پہ یقین رکھتے ہیں۔ اسی لیے کھورپنے کی سرحدوں پہ جا کھڑی ہوئی اور اس باؤنڈری لائن کے اس پار کھڑے توقیر کے دماغ سے عقل نامی شے بخارات بن کر ہوا میں تحلیل ہونے لگتی اور پیچھے بس غصہ۔۔۔ بہت غصہ' بے تحاشا غصہ رہ جاتا۔۔۔ اور اسی غصے میں اب کی بار وہ اسے آزمانے کو یہ چیلنج دے گیا تھا۔

ابھی تو اسے اور ستانے رلانے کا پروگرام تھا اس کا کہ یونہی اچانک بے دھیانی میں نائلہ اور صائمہ کی باتیں سن لیں۔ نائلہ کے منگیتر کا اکیلے میں ملنے کا مطالبہ اور اس کی پریشانی جان کر اس کی برادرانہ غیرت کا سویا ہوا شیر ایک دھاڑ سے بے دار ہوا تھا۔ وہیں اس کے اندر آئینوں کا جیسے شیش محل اگ آیا تھا اسے خود پہ ندامت محسوس ہوئی تھی۔ شرمندگی۔۔۔ پچھتاوا۔۔۔ نائلہ کی آواز کا دکھ اس کے دل میں اتر گیا تھا۔ وہ بھی تو کتنے دن سے ڈسٹرب تھی روئی روئی آنکھیں اور سرخ ناک لیے سارے میں پھرا کرتی' لیکن اس کے اندر خواہشات کی جلتی لکڑیوں پہ ایک دم سے ڈھیر سارا پانی آگرا تھا۔۔۔ یہی تو۔۔۔ یہی بے چینی۔۔۔ کسک۔۔۔ تکلیف۔۔۔ دھیمی دھیمی سلگتی آنچ اس تک بھی پہنچ ہی گئی تھی وہ پگھل رہی تھی۔۔۔ بس۔۔۔ اسے اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔ خواہش پوری ہوئی۔۔۔ مردانگی کا زعم بڑھا تھا' لیکن ابھی وہ صحیح سے اس کی یہ پل پل بدلتی کیفیات سے لطف اندوز بھی نہیں ہو پایا تھا کہ کسی کا ویسا ہی مطالبہ اپنی بہن کے لیے اس سے برداشت نہ ہوا۔ وہ اپنی خواہشوں کے اڑن کھٹولے میں اونچا اڑتا کیسے "فوراً" ہی نیچے آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ دماغ کی گرہیں بھی کھل گئی تھیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے منانا ہے۔ ہاں اس سے غلطی ہوئی تھی' لیکن اسے اپنی محبت پہ یقین تھا کہ وہ اس کی سنے نہ سنے محبت کی لاج ضرور رکھے گی۔۔۔ وہ بڑے شگفتہ موڈ میں چھت کو جاتی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ جہاں پہ باوثوق ذرائع (نائلہ اور صائمہ) سے کنفرم اس کی موجودگی کی اطلاع تھی۔

باہر کا موسم کتنا خوش گوار ہو چلا تھا آندھی آنے کے بعد بارش کی ہلکی پھوار سے گرد بیٹھ چکی تھی۔

"کاش کہ انسانی جذبوں اور ذہنوں پہ بھی جمی گردیوں صاف ہو جائے۔" ایک خاموش خود کلامی اس کے اندر ابھری تھی۔ وہ اک گہرا سانس بھرتے ہوئے یونہی چلتی گولائی میں بنی منڈیر سے نیچے جھانکنے لگی۔ اس کھلے سے بڑے صحن کے ایک طرف بنے باغیچے میں اس وقت اک رونق کا سا سماں تھا۔ ابو اور تایا موٹے تازے بکروں کو گھیرے کھڑے تھے۔ گھر کے جملہ افراد خانہ بھی چہروں پہ خوشی لیے بکروں کی سیوا کرنے میں مصروف تھے۔ وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا جس نے اس کے ہونٹوں سے ہنسی نوچ لی تھی۔ ایک بار پھر اسے سوچتے اس کا دل دکھ سے اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ وہ ہونٹ چباتے ہوئے منڈیر سے پیچھے ہٹتے ہوئے کسی سے ٹکرا گئی۔ وہ "فوراً" مڑی تھی۔ آنسوؤں سے دھندلائی آنکھوں کے

سامنے جو منظر تھا اسے دیکھ کر اس کے لب بھینچ گئے۔
اس سے پہلے کہ وہ اس کے پہلو سے نکل جاتی اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کا راستہ روکا تھا۔
"پلیز میری بات سن لو۔" اس نے جیسے التجا کی۔۔۔ رکنے کا نہ موقع تھا نہ موڈ۔۔۔ نیچے سب جمع تھے کسی کی بھی توجہ اس کی غیر موجودگی کی طرف جاتی تو اسی وقت ہر کارے دوڑا دیے جاتے وہ کسی بن بلائی بدنامی کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی اور اب اسے کیا بات کرنی تھی؟ اس دن تو ساری باتیں ختم کر کے گیا تھا۔۔۔ سارے تیر چلا کر۔۔۔ اب کیا زخم شمار کرنے تھے یا مزید آزار بڑھانے تھے اسے گھورتے جانے کیا کیا سوچ گئی۔۔۔ اتنا ہی تو زود رنج ہو رہی تھی وہ اس دن سے۔۔۔ آنکھوں کے آگے تنی دھند کی چادر دو آنسوؤں کے قطرے چھلک جانے سے صاف ہو گئی تھی۔
"یار! سوری۔۔۔ تمہیں ہرٹ کیا نا۔" اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے وہ جلدی سے بولا۔۔۔ مبادا وہ اسے دھکیل کر چلتی بنے۔
"کس بات کی سوری توقیر! مجھے بے توقیر کرنے کا یا۔۔۔" وہ تڑاخ سے بولی دونوں ہاتھ کمر پہ جمائے نظروں سے ہی اسے بھسم کر دینے والا انداز۔
"مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں نے ناحق تم سے زیادتی کی۔۔۔ تم اپنے نظریات میں بالکل درست ہو بس مجھے ہی ضد سوار ہو گئی تھی۔ تمہیں ستانے کی۔" نرم لہجے میں اسے پیار سے تکتے وہ ایک ہی سانس میں بولتا گیا۔
"ستانے کی یا جھکانے کی۔" وہ تن کر کھڑی اس کے معذرتی الفاظ کا پوسٹ مارٹم کرتی اس کے دل میں کھبنے لگی۔
"ہاں شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔ تمہیں جھکانا ہی میرا مقصد تھا۔ اٹھے سر والی عورت کسی مرد کو اچھی نہیں لگتی۔۔۔ میں بھی روایتی مرد بن گیا تھا لیکن آج ایک دم سے کسی میرے ہی جیسے مرد نے میرے مردانگی کے غبارے میں بھری ہوا نکال دی تو تمہارے کرب کا احساس مجھے جھنجوڑ گیا۔"

پچھتاوا اس کے ہر ہر لفظ سے چھلک رہا تھا۔ بہت غور سے اس کی باتیں سنتی سائرہ کا اندر دھلنے لگا اسے لگا کر وہ سرخرو ہو گئی تھی اپنی ہی نظروں میں۔
"مجھے فخر ہے کہ تمہاری فراست کی چادریں میں اگر میری لغزشیں چھپ جایا کریں گی۔۔۔ میری حماقتوں کو تمہاری نصیحتوں کا سہارا رہے گا۔۔۔ مجھے تمہاری ضرورت۔۔۔ تمہاری چاہت ہمیشہ چاہیے۔۔۔ ہر قدم پہ۔۔۔" وہ سارا ہی کھل کے اس کے سامنے آگیا۔ کیا بچا تھا مزید سنانے کو۔۔۔ وہ سچ بول رہا تھا۔۔۔ یہ اس کا من جیپ رہا تھا۔۔۔ وہ من گئی۔۔۔ مان گئی۔۔۔ سچی محبت کی طاقت کو خالص جذبوں کا بھار بڑا بھاری ہوتا ہے۔۔۔ اور یہ بھار دونوں فریقین اٹھائیں تب ہی مزا ہے ورنہ فریق واحد اس کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتا ہے' مطلع صاف ہو گیا تھا' وہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرا دی اور ہاں میں سر ہلا دیا۔
محبت معتبر ٹھہری تھی۔۔۔ ایک بار پھر سے آسمان سے پھوار برسنے لگی تھی۔۔۔ دونوں نے سر اٹھا کر ایک ساتھ اوپر اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔۔۔ اور ہنس دیے۔

☆ ☆

مکمل ناول

نبیلہ ابرراجہ

آٹھویں قسط

نمناں خراماں خراماں چلتی گیٹ سے باہر نکلی۔ آج اس کی آنکھ خاصی دیر سے کھلی تھی۔ اچھی خاصی دیر ہوچکی تھی۔ اس وقت تک تو وہ سلائی کڑھائی کے مرکز کے آفس میں بیٹھی ہوتی تھی ناشتا کیے بغیر وہ تیار ہوئی۔ گیٹ سے باہر گارڈ ایک نوجوان کے ساتھ باتیں کررہا تھا۔

"مجھے فوری طور پہ زیان سے ملنا ہے۔ آپ مجھے اندر جانے دیں۔" نوجوان کا انداز بے حد لجاجت بھرا اور التجائیہ تھا۔ نمناں کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ غور سے نووارد کو دیکھنے لگی۔ پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ نوجوان خاصا معقول اور مہذب نظر آرہا تھا' لیکن نمناں نے پہلے اسے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ گارڈ اسے اندر لے جانے میں متامل نظر آرہا تھا۔ ملک ارسلان کی طرف سے کسی اجنبی کے لیے ملک محل کا گیٹ کھولنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے گارڈ پس و پیش کررہا تھا پر وہ نوجوان بار بار بے تکلفی سے زیان کا نام لے رہا تھا' یہ بات نمناں کو چونکانے کا باعث بن رہی تھی۔

ملک ایبک تو صبح سویرے ہی شہر کے لیے نکل چکا تھا' ورنہ وہ اس نووارد کو ملک ایبک سے ملنے کا مشورہ دیتی' وہ زیان کا شوہر اس کے جملہ حقوق کا مالک تھا ایک اجنبی نوجوان کے منہ سے زیان کا نام سن کر جانے وہ کیا محسوس کرتا۔

"ملک صاحب کی طرف سے کسی اجنبی کو حویلی میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔" گارڈ کا لہجہ بدستور سخت تھا۔

"زیان میری خالہ کی بیٹی ہے میری منگیتر ہے۔ آخر مجھے سمجھ نہیں آرہا ہے کہ کیوں مجھے ملنے سے روکا جارہا ہے۔" نووارد جو کہ وہاب کے سوا کوئی بھی نہیں تھا جھنجلا سا گیا۔

"خدا بخش گیٹ کھولو میں خود ان کو اندر لے جاتی ہوں۔" وہ یکدم اضطراری انداز میں بولی۔

"لیکن ملک صاحب ناراض تو نہیں ہوں گے۔" گارڈ ابھی تک تذبذب میں تھا۔

"نہیں ناراض ہوتے' میں خود اس کی ذمہ داری لیتی ہوں۔" نمناں نے وہاب کی طرف اشارہ کیا تھا' ناچار اس نے گیٹ کھول کر وہاب کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہاب ادھر ادھر دیکھتا دل ہی دل میں خاصا مرعوب ہوچکا تھا۔ ملک محل کی شان و شوکت کا رعب اس پہ طاری ہوچکا تھا۔

"زیان کی تو شادی ہوچکی ہے ملک ایبک کے ساتھ اس حویلی کے مالک کے ساتھ۔" نمناں نے انکشاف کرتے ہوئے بغور اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھے۔ وہ ایک دم یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنگ مارا ہو۔

"یہ کیسے ممکن ہے' ہو ہی نہیں سکتا میں اور زیان ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں وہ بھلا کسی اور سے کیسے شادی کرسکتی ہے۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بول رہا تھا۔ اس دوران وہ دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ نمناں اسے بٹھانے کے بعد عنیزہ بیگم کو اطلاع کرنے چلی گئی۔

وہاب ڈرائنگ روم میں سجے قیمتی فرنیچر کا جائزہ لینے میں مصروف تھا' جب عنیزہ اندر داخل ہوئیں۔ وہاب انہیں دیکھتے ہی بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ موسم کے لحاظ سے اسکن کلر کے سوتی کپڑوں میں ملبوس چادر لیے وہ بے انتہا بارعب اور خوب صورت نظر آرہی تھیں۔ ان کے نقوش میں نمایاں طور پہ ذیان کی جھلک موجود تھی۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نہال صوفے کے پیچھے کھڑی باری باری ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کون ہو تم اور کس لیے یہاں آئے ہو؟" ان کی شخصیت کی طرح آواز میں بھی عجیب سا وقار اور نرمی تھی۔ "میرا نام وہاب ہے ذیان سے ملنے آیا ہوں۔" وہاب نے اعتماد کی کمزور پڑتی ڈور کو مضبوطی سے تھامنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ عنیزہ کے ماتھے پہ ناگواری کی شکنیں ظاہر ہوئیں جیسے انہیں اس کے منہ سے ذیان کا نام سننا اچھا نہ لگا ہو۔

"تم ہو کون کیا رشتہ ہے تمہارا زیان سے ؟"

"زیان میری خالہ زرینہ امیر علی کی بیٹی ہے' میری منگیتر ہے۔ پچھلے چند ماہ سے میں زیان کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہا ہوں۔ خالہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں اور زیان بھی۔ اس لیے مجھے بتائے بغیر یہاں آپ کے پاس چلی آئی ہے۔ آپ مجھے اس سے ملوا دیں میں بہت پریشان ہوں۔" وہاب کے لہجہ میں پریشانی اور اعتماد تھا۔ عنیزہ الجھی نگاہوں سے اسے تکنے لگیں۔

بوا رحمت نے ہی صغریٰ اور نواز کی معرفت ان سے رابطہ کیا تھا۔ پھر عنیزہ کی خود بوا رحمت سے بات ہوئی انہوں نے امیر علی کے انتقال اور زیان کی مشکلات کے حوالے سے کھل کر بات کی تھی۔ زیان کو فوراً" یہاں سے لے جانے کی درخواست کی تھی اور اب یہ وہاب جانے کیوں اس کی پرسکون زندگی میں ہلچل مچانے آیا تھا۔ عنیزہ کی سوچ تیزی سے کام کر رہی تھی۔

اس دوران انہیں نیناں کی یہاں موجودگی کا دھیان ہی نہیں رہا تھا۔ وہ تجسس آمیز دلچسپی سے وہاب کی سب باتیں سن رہی تھی۔

"زیان کی شادی ہو گئی ہے اور بوا مجھے سب حالات سے آگاہ کر چکی ہیں۔ میں بہت نرمی سے بات کر رہی ہوں۔ عزت سے واپس چلے جاؤ اور آئندہ تمہاری زبان پہ میری بیٹی کا نام نہیں آنا چاہیے۔"

"یہ کہتے ہی عنیزہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ صد شکر اس وقت حویلی میں ملک جہانگیر 'ملک ارسلان یا ملک ایبک میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں تھا۔

عنیزہ دروازے کی طرف مڑیں 'نیناں کو وہاں دیکھ کر انہیں پہلی بار اس پہ غصہ آیا مگر وہ مصلحتاً" پی گئیں۔

"انہیں باہر کا راستہ دکھاؤ۔" وہ تحکم آمیز لہجے میں بولتیں ڈرائنگ روم میں سے باہر نکل گئیں۔

نیناں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ گیٹ تک پہنچتے پہنچتے اس میں اور وہاب میں بہت سی معلومات کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ خاص طور پہ یہ معلومات نیناں کے لیے بہت مفید تھیں۔

☆ ☆ ☆

گھر لوٹتے ہی ملک ارسلان کو کسی غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہوا۔ کیونکہ عنیزہ کے چہرے پہ بے پناہ پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہوئی ہے میرے پیچھے۔ میں تمہیں اچھا خاصا چھوڑ کر گیا تھا صبح۔"

"واقعی میں بے حد پریشان ہوں آج وہاب آیا تھا زیان سے ملنے۔" وہ دونوں ہاتھ مسل رہی تھیں۔

"کون وہاب؟" فوری طور پہ ملک ارسلان کو یادداشت کا خانہ کھنگالنے کے باوجود بھی وہاب نامی شخص یاد نہ آسکا۔

"آپ کو سب بتایا تھا تو میں نے 'جب زیان کو آپ خود جا کر لائے تھے۔ بوا رحمت نے مجھے وہاں کے سب حالات بتائے تھے صغریٰ اور نواز آ کر ہم سے ملے تھے آپ کو یاد نہیں ہے؟" وہ اچنبھے سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ارسلان کو فوری طور پہ سب یاد آگیا۔

"میری بیٹی پہلے ہی ان کے ہاتھوں دکھی ہے اب وہ یہاں بھی پہنچ گیا ہے۔ جہانگیر بھائی اور ایبک کو زیان کے گزشتہ معاملات پتا نہیں ہیں اس لیے مجھے عجیب سا ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے وہاب کو فوراً" یہاں سے چلتا کیا ہے اگر اس کی ملاقات میری جگہ جہانگیر بھائی' افشاں بھابھی یا ایبک سے ہو جاتی تو کیا ہوتا۔۔!! وہ کیا سوچتے زیان کے بارے میں۔ کیونکہ وہ اس کے ماضی سے آگاہ نہیں ہیں اس کی مشکلات کا انہیں اندازہ نہیں ہے جو اپنے سگے باپ کے پاس رہتے ہوئے اس نے برداشت کی ہیں۔ میں پہلے ہی کرائسس میں ہوں ملک صاحب۔ زیان کا علاج کر رہے ہیں جلالی بابا۔ اس مرحلے پہ وہاب والی بات کھلتی ہے تو سوچیں کیا ہو گا۔" عنیزہ رو دینے کو تھیں۔

"سب سے پہلے تم یہ غلط فہمی دور کر لو کہ زیان صرف تمہاری بیٹی ہے۔ وہ اب ہماری بیٹی ہے۔ تمہیں کتنی بار کہا ہے خود کو مجھ سے الگ مت کیا کرو' نہ سمجھا

کرو۔ ہمارے دکھ سکھ ایک ہیں' خوشیاں سانجھی ہیں۔ رہی بات زیان کی تو میں اس کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے اپنی بیٹی پہ تم پہ پورا یقین ہے۔"

"زیان بوا رحمت سے بہت اٹیچ ہے اور دل ہی دل میں کافی پریشان بھی ہے' وہ شادی میں بھی تو شریک نہیں ہوئی ہیں۔ آپ بوا رحمت کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ یہ آپ کا میری ذات پہ ایک اور احسان ہوگا۔ کیونکہ بوا کے مجھ پہ بہت احسانات ہیں۔ میں ان احسانات کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔" وہ لجاجت سے گویا ہوئیں۔

"بیگم صاحبہ جو آپ کا حکم۔ بندہ انکار کی جرات نہیں کرسکتا۔" وہ انہیں ٹینشن سے نکالنے کے لیے قصداً" ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔ وہ اس میں کامیاب رہے۔ کیونکہ عنیزہ مسکرا رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

وہاب نمناں کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ نمناں انڈسٹریل ہوم میں تھی۔ "ملک محل" میں تو وہاب سے ملاقات کرنا مشکل تھا۔ اس لیے اس نے وہاب کو یہاں بلوایا تھا۔ وہ جس طرح مایوس و ناکام ہوکر ملک محل سے نکلا تھا' اس کے بعد نمناں سے ملاقات اس کے لیے امیدوں کا مرکز ثابت ہوئی تھی۔ نمناں اسے کرید کرید کر زیان' امیر علی' زرینہ بیگم اور اس کے بارے میں سوال کررہی تھی۔ وہاب نے بڑی تفصیل سے زیان کی گزشتہ زندگی کے ابواب ایک ایک کرکے اس کے سامنے کھولے تھے۔ نمناں کو زیان کے بارے میں کارآمد معلومات حاصل ہوئی تھی۔ وہاب سے ملاقات خاصی سودمند ثابت ہوئی تھی۔

"زیان اور میں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں۔ میری خالہ نے ہمارے بیچ غلط فہمیوں کی دیوار کھڑی کی ہے۔ ایک سازش کے تحت' خالہ نے زیان کو یہاں بھیجا ہے۔ اس کے بعد بوا رحمت کے ساتھ خود بھی روپوش ہوگئی ہیں۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں۔ زیان کو جب یہاں بھیجا گیا تو تب ہماری شادی کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

یہ انصاف نہیں ہے میری منگیتر کی شادی زبردستی میرے علم میں لائے بغیر کی گئی۔ میں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ امیر خالو کی مرضی سے سب کچھ ہوا تھا۔ دھوم دھام سے منگنی ہوئی تھی ہم دونوں کی۔" وہاب نے پوری طرح نمناں کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔

"میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گی۔ پر اس کے لیے تمہیں میری ہدایات پہ عمل کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔ زیان کو حاصل کرنے کے لیے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔" وہ جوش سے بولا۔

"اب تم جاؤ کل اس وقت ہم یہاں سے شہر کے لیے روانہ ہوں گے۔ ہم دونوں بہتر طور پہ ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔ تمہیں زیان اور میرا ایک مجھے مل جائے گا۔" آخری جملہ نمناں نے دل میں کہا۔

وہاب نے تو اس کی ساری پرابلمز ہی حل کردی تھیں۔ ورنہ ایک کا حصول اسے دنیا کا ناممکن ترین کام لگ رہا تھا۔ اندرونی ہیجان اور اضطراب سے اس کی رنگت سرخ ہورہی تھی۔ جانے سے پہلے اسے ایک کو کال کرنی تھی۔ آخر کو اسے وہاب کی آمد کی اطلاع دینی تھی۔ اس کے بعد ملک محل میں رکنا بے کار تھا۔ اسے اب ایک نئے نام اور نئے چہرے کے ساتھ ملک ایک سے ملنا تھا۔ نمناں نامی شخصیت کے ساتھ وہ ایک کو حاصل نہیں کرسکتی تھی۔ اس کا حصول دشوار تھا۔ ہاں رنم کو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا تھا۔ رنم جو خوب صورت دلکش و حسین تھی۔ دولت مند تھی۔ اسے کوئی کافر ہی انکار کرسکتا تھا۔ اسے اب واپس احمد سیال کے پاس جانا تھا۔ اسے دوبارا اپنے سامنے دیکھ کر انہوں نے اسے یقیناً" معاف کردینا تھا۔ کیونکہ وہ اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ نمناں کے لبادے اور چہرے سے ویسے بھی تنگ آچکی تھی۔ اسے اب نئی شخصیت کے ساتھ ملک محل میں دھوم دھام سے واپس آنا تھا۔ بس رنم کے چہرے کے ساتھ پھر سے ایک کی زندگی میں زوردار انٹری دینی تھی۔ وہاب ملک

محل سے نکل کر اس کے ساتھ ہی یہاں تک آیا تھا۔ اب کل اسے یہاں سے وہاب کے ساتھ ہی روانہ ہونا تھا وہ بہت خوش تھی۔

☼ ☼ ☼

جلالی بابا زیان کے علاج کے لیے کامیابی سے چلہ کاٹ رہے تھے۔ ایبک کے جانے کے بعد سے لے کر اب تک زیان بالکل ٹھیک رہی تھی۔

جلالی بابا کے ٹرانس میں آکر عنیزہ بیگم نے گھریلو باتیں بھی انہیں بتادی تھیں۔ اپنی امیر علی سے شادی کا احوال' زیان کی پیدائش' امیر علی سے علیحدگی' جوان ہونے کے بعد زیان کی خود سے نفرت سب کچھ ہی تو جلالی بابا کے علم میں آچکا تھا۔ جلالی بابا نفسیات انسانی کے ماہر تھے۔

زیان تو سونے کا انڈا دینے والی مرغی ثابت ہوئی تھی۔ چلے کے دوران انہوں نے عنیزہ بیگم کے ساتھ ساتھ افشاں بیگم سے بھی خوب مال پانی بٹورا تھا۔ محل میں آنے کی راہ ہموار ہوئی تھی۔ حالانکہ گھر کے تینوں مردوں کو جلالی بابا کے طریقہ علاج سے اختلاف تھا۔

ملک جہانگیر اور ملک ارسلان دونوں بھائی اپنی اپنی بیویوں کی وجہ سے خاموش تھے اور ملک ایبک افشاں بیگم کی وجہ سے چپ تھا۔ ورنہ اس نے جب رات کو زیان کو جلالی بابا کے کمرے میں دیکھا تھا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ مار مار کر بابا کا حلیہ ہی بگاڑ دے۔ بھلا زیان کو تنہائی میں آدھی رات کو بلا کر کون سا علاج ہوتا تھا۔ اس کی حساس حس شامہ نے جلالی بابا کے کمرے میں قدم رکھتے ہی ایک مخصوص بو فورا" محسوس کی تھی۔ اگرچہ یہ بہت ہی خفیف سی تھی لیکن اس نے جان لیا تھا کہ یہ شراب کی بو ہے۔ جلالی بابا نے قالین کے اس حصے پہ جہاں بوتل ٹوٹی تھی وہاں انگیٹھی کے انگارے پھینکے تھے تاکہ کسی کو شک نہ ہو لیکن اس احتیاط کے باوجود بھی ایبک کو معلوم ہو گیا تھا۔ تب ہی تو اسے شدید غصہ آیا تھا۔ جلالی بابا کی گھبراہٹ اور خوف و ہراس اس نے کمرے میں قدم رکھتے کے ساتھ ہی محسوس کیا تھا بعد ازاں زیان کے جن کی وجہ سے بابا کو خود کو سنبھالنے کا موقعہ مل گیا۔ ایبک زیان کی طرف سے بے خبر نہیں تھا اس نے حویلی میں کام کرنے والے اپنے ایک اعتماد کے بندے کی ڈیوٹی لگائی۔

ایبک کا یہ ملازم انور بہت سمجھدار تھا۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر جلالی بابا کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ اگر جلالی بابا زیان کو دوبارا تنہائی میں طلب کرتا تو اس موقعہ پہ اسے لازمی اپنی موجودگی ثابت کرنی تھی ایک طرح سے وہ زیان کی حفاظت کر رہا تھا۔

ایبک نے اپنے ایک پولیس ڈپارٹمنٹ میں موجود قریبی دوست کو عامل جلالی بابا کے بارے میں تفصیلات مہیا کردی تھیں اب باقی کام اس کا تھا' بہت جلد اس کے ہاتھ جلالی بابا کی موٹی چربیلی گردن کو ناپنے والے تھے۔

☼ ☼ ☼

عامل جلالی بابا زیان کے علاج کے آخری مرحلے میں تھے۔ اس نے شکر ادا کیا تھا کہ بابا جی نے پھر اسے اکیلے اپنی خلوت میں طلب نہیں کیا۔ اس رات زیان نے بابا جی کی آنکھوں میں ناچتی ہوس فورا" محسوس کرلی تھی۔ بابا جی نے جو مشروب اسے پینے کے لیے دیا تھا وہ اس نے پھینک دیا تھا' بوتل ٹوٹ گئی تھی۔ بابا جی کی نگاہوں کا سحر اسے بے بس کرتا جارہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا ذہن عامل جلالی بابا کے قبضے میں جارہا ہے کیونکہ وہ پلک جھپکائے بغیر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ انہوں نے اس کی چال اس پہ آزمانے کی سعی لاحاصل کی تھی۔ زیان کچھ دیر اور ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہتی تو وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو چکے ہوتے۔ وہ ویسے بھی انسانی نفسیات اور کمزوریوں سے پوری طرح واقف تھے پہلی بار ہی بھانپ گئے تھے کہ زیان ڈرامہ کررہی ہے۔

زیان نے وہ بوتل کیا توڑی گویا بابا جی کا ٹرانس توڑ دیا جس نے اس کے ذہن کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا تھا۔ بابا جی کے گال پہ لگنے والا تھپڑ اس بات کا ثبوت تھا کہ

وہ مکمل طور پر ٹرانس سے باہر آچکی ہے۔ اس کی عزت جلالی بابا جیسے لٹیرے سے بچ گئی تھی۔ جلالی بابا نے اس کی عقل کی آنکھیں کھول دی تھی۔ تب ہی تو اس رات ایبک کے سامنا ہونے کے بعد سے اس پہ آسیب توش نہیں آیا تھا۔ اس نے آخری بار ملک ایبک کو اپنا رنگ دکھایا تھا۔ عنیزہ بے پناہ خوش تھیں عامل جلالی بابا واقعی بہت پہنچے ہوئے تھے۔ زیان کے جن کو قابو کرلیا تھا۔ وہ اب نارمل طریقے سے معاملات زندگی میں حصہ لے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نمناں ملک محل سے غائب ہوگئی تھی۔ اس کے کمرے سے اس کے ہاتھ سے لکھا ہوا پرچہ ملا تھا۔ اس نے بغیر کسی القاب و آداب کے بطور خاص کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر لکھا تھا۔

"میں اپنی مرضی سے ملک محل چھوڑ کر جارہی ہوں۔ میں اپنی زندگی اور حالات سے تنگ آچکی ہوں۔ مجھے اب مزید جینے کی تمنا نہیں ہے۔ میں اپنے ہاتھوں زندگی کا خاتمہ کروں گی۔ میں گمنام موت مرنا چاہتی ہوں اس لیے برائے مہربانی مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ کیونکہ یہ کوشش بے کار ثابت ہوگی میں یہاں سے نکل کر پہلی فرصت میں اپنی زندگی ختم کروں گی۔"

فقط بد نصیب نمناں۔

خط پڑھ کر عنیزہ کا تو جو حال ہوا سو ہوا زیان بھی پریشان ہوگئی۔ افشاں بیگم بھی روہانسی ہو رہی تھیں۔ ملک ارسلان اور ملک جہانگیر نے اسے قریب کے علاقوں میں تلاش کروانے کی ناکام کوشش کی۔ وہ جس طرح ایک دن اچانک ملک محل میں آئی تھی اس طرح اچانک غائب بھی ہوگئی تھی۔ اس کا کوئی اتا پتا کسی کے پاس نہیں تھا۔ اس کی اصل حقیقت اس کی محسن عنیزہ تک کو معلوم نہ تھی جو اسے ہوٹل سے بچاکر اپنے ساتھ لائی تھیں۔ ملک محل میں کلئی دن نمناں کے جانے کے بعد سوگواری چھائی رہی۔ عنیزہ تو پورا دن ٹی وی دیکھتیں اخبار پڑھتیں کہ شاید کہیں سے نمناں کی خبر مل جائے۔

☆ ☆ ☆

احمد سیال کو اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ یقین تو رنم کو بھی اپنی آنکھوں پہ نہیں آرہا تھا۔ احمد سیال زندہ سلامت اس کے سامنے موجود تھے اور وہ اپنے گھر میں تھی۔ وہ بھاگ کر پوری شدت سے ان سے لپٹی تھی۔ منظر تو پہلے ہی اس کی آنکھوں میں دھندلا رہا تھا اب یہاں سے گلے مل کر آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔ اتنے ماہ کی دوری سخت زندگی اور اپنی ضد کے منفی نتائج نے اس کے سب کس بل نکال دیئے تھے۔ وہ پاپا سے بے حد شرمندہ تھی ان سے نگاہیں تک نہ ملا پارہی تھی۔ وہ اسے لپٹائے اس کا ماتھا ہاتھ بال بار بار چومتے اس کے ہونے کا یقین کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ واقعی ان کی لاڈلی رنم تھی ان کا جگر گوشہ، وہ تو تقریباً مایوس ہی ہوچکے تھے۔ اب ان پہ شادی مرگ کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ اتنے سارے دنوں کا احوال پل بھر میں معلوم کرلینا چاہ رہے تھے۔

"پاپا میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گی پہلے اپنا گھر تو دیکھ لوں۔ میں نے اپنا گھر بہت مس کیا ہے۔" وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سمیت مسکرائی۔ احمد سیال بھی مسکرا رہے تھے۔

"آؤ میں تمہیں گھر دکھاتا ہوں۔ تمہارے بغیر تو میں جیسے مردہ ہوگیا تھا۔" احمد سیال نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ چپہ چپہ گوشہ گوشہ دیکھ رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی۔ نمناں بن کر اس نے جو زندگی گزاری تھی وہ بہت قابل رحم اور مشکل تھی۔ وہ سوچ رہی تھی جیسی زندگی اس نے گزاری ہے ویسی زندگی گزارنا وہ بھی نمناں بن کر بہت مشکل ہے۔ جبکہ احمد سیال کی بیٹی کی حیثیت سے اس نے سپر لگژری لائف انجوائے کی تھی وہ اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ ملک محل میں نمناں کی حیثیت سے اس نے اچھی طرح جان لیا تھا۔

پاپا اس کی باتوں میں آکر کسی کے ساتھ اس کی شادی کر بھی دیتے تو یقیناً" اس کا انجام حسرت ناک ہوتا۔ یعنی وہ صرف اس کی سوچ تھی بچکانہ سوچ کہ وہ پاپا سے شادی کے بعد کچھ بھی نہیں لے گی۔ اب سوچتی تو جھرجھری آتی۔ سہولیات اور اختیار کے بغیر بھی زندگی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ اور اختیار دولت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ ملک محل میں خادمہ کی زندگی نہ گزارتی۔ اب وہ بھی ملک محل کے مکینوں کی ہم پلہ ہوگئی تھی۔

احمد سیال کو اس نے حرف بہ حرف سب داستان کہہ سنائی تھی۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنے ماہ وہ ملک جہانگیر کی حویلی میں رہی اور انہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ کاش دوست کی دعوت پہ وہ ایبک کی شادی میں چلے جاتے۔ معاذ کے پاکستان آنے پہ چلے جاتے تو انہیں اتنی اذیت نہ اٹھانا پڑتی۔ رنم ان کے اتنے پاس رہ کر بھی دور رہی تھی۔ وہ انہیں گزرے دنوں کا حسرت ناک احوال سنا رہی تھی۔

"پاپا آپ کی بیٹی نے وہاں خادمہ کی سی زندگی بسر کی ہے۔ ایک آواز پہ بھاگ بھاگ کے کام کیے ہیں۔ ملازموں کی نگرانی کی ہے دیکھ بھال کی ہے۔ پاپا وہ ایک خواب تھا بھیانک خواب۔ میں یہ خواب پھر کبھی نہیں دیکھنا چاہوں گی۔ پاپا یہاں ہمارے گھر میں اتنے ملازم ہیں جبکہ وہاں میں خود نوکرانی تھی۔ پاپا یہاں میں پانی مانگ کر پیتی تھی جبکہ وہاں۔۔۔" رندھی ہوئی آواز کی وجہ سے اس سے بات بھی مکمل نہ کی گئی۔ احمد سیال نے اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔ ان کا اپنا دل شدت غم سے پھٹا جارہا تھا۔

"میرے بچے ملک جہانگیر نے تمہارا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے ہی تو مانگا تھا۔ میں تمہیں عزت سے دھوم دھام سے رخصت کرکے ملک محل میں بھیجنا چاہ رہا تھا جبکہ تم ضد میں آکر غلط طریقے سے وہاں پہنچیں۔ ملک ایبک نے کسی بھی قسم کا جہیز نہیں لیا ہم کچھ چاہتی تھی ناں کہ تمہیں صرف تمہارے حوالے سے قبول کیا جائے۔ تم ایک بار میری بات مان لیتیں تو ایک مضبوط حوالہ لے کر ملک محل میں جاتیں۔ مگر تم نہنال بن کر گھر سے اپنی ضد کی خاطر نکلیں اور سب کچھ گنوادیا۔" احمد سیال جیسا مرد بیٹی کا دکھ سہہ نہیں پایا تھا۔ وہ رو رہے تھے۔ رنم بھی تو رو رہی تھی۔ اس کے دل کو جیسے کوئی سینے میں مسل رہا تھا۔ زیان کی جگہ وہ بھی تو ہوسکتی تھی ملک ایبک نے زیان کو ایسے ہی تو قبول کیا تھا۔ وہ بیوی جیسا مضبوط اور باعزت حوالہ لے کر اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اور رنم نے پاکر بھی سب کچھ گنوادیا تھا۔ دونوں باپ بیٹی اپنے نقصان پہ رو رہے تھے۔

بہت دن بعد رنم اپنے بیڈ روم میں اپنے بیڈ پہ تھی۔ اس کا جہازی سائز بیڈ، پردے کارپٹ ڈیکوریشن پیس کھڑکی سے باہر دکھائی دینے والے سرسبز مناظر۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ حتیٰ کہ اپنا سیل فون جو گھر سے جاتے وقت وہ آف کرگئی تھی ویسا ہی پڑا تھا۔ اس نے عنیزہ بیگم کا دیا ہوا سیل فون بیگ سے نکالا۔ سیل فون ہاتھ میں لیتے ہی اس کے لبوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ آگئی۔ اس میں ایبک، وہاب، زیان، عنیزہ اور دیگر ملک محل کے مکینوں کے فون نمبر تھے۔ ورنہ وہ یہ کبھی بھی اپنے ساتھ نہ لاتی۔ احمد سیال کی بیٹی کا ذوق ایسا غریبانہ اور تھرڈ کلاس تو ہو نہیں سکتا تھا۔ اس نے نمبر ڈائری میں نوٹ کرکے سیل فون کمرے میں پڑے آرائشی ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ اسے اب اس گھٹیا کم قیمت فون کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اپنے بیڈ روم میں بیڈ پہ لیٹتے ہی اسے چین آگیا۔ کل تک وہ ملک محل میں تھی سرونٹ کوارٹرز کے ایک کمرے میں زندگی بسر کررہی تھی۔ اب وہ اپنے اصل ٹھکانے پہ لوٹ آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

عنیزہ زیان کو لے کر افشاں بیگم کے پاس آئی تھیں۔ زیان نے اتنے ہفتے بعد سسرال میں قدم رکھا تھا وہ بھی بالکل تندرست و توانا ہوکر، وہ آتم توش کی قید

سے آزاد ہو چکی تھی۔ ان کے لیے یہ خوشی بہت بڑی تھی۔ انہوں نے شکرانے کے نوافل ادا کر کے بہو کی نظر اتاری اور صدقے کے بکرے ذبح کروائے۔ زیان بھی سنوری بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے رب کا شکر ادا کیا تھا۔

زیان سب کے ساتھ ہنس بول رہی تھی۔ گھر واپس آتے ساتھ ہی اس نے اپنے اور ایبک کے مشترکہ بیڈروم کی سیٹنگ تبدیل کروائی۔ اپنے سارے کپڑے الماری میں رکھے۔ زیر لب گنگناتے ہوئے وہ بے حد مسرور تھی۔

افشاں بیگم نے گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا۔ یہ وہی پہلے والی زیان تھی جسے انہوں نے ایبک کے لیے پسند کیا تھا۔ آتم توش اس کے اور ایبک کے درمیان سے ہٹ چکا تھا۔ دو دن بعد عنیزہ، ملک ارسلان، ملک جہانگیر اور افشاں بیگم کو دوسرے شہر ایک شادی میں جانا تھا۔ انہیں تین چار دن وہاں قیام بھی کرنا تھا۔ پہلے افشاں بیگم تذبذب میں تھیں جائیں کہ نہ جائیں۔ اب زیان ہنسی خوشی اپنے گھر واپس آچکی تھی تو انہوں نے تیاری شروع کر دی۔ ان کے جاتے ہی ایبک نے آجانا تھا اس لیے زیان کو ساتھ لے جانے کے لیے انہوں نے اصرار نہیں کیا۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر، ملک ارسلان، افشاں بیگم اور عنیزہ کے ہمراہ تیار ہو کر ملک محل سے جا چکے تھے۔ ملک ارسلان نے اپنے جانے کی اطلاع ملک ایبک کو کر دی تھی۔ اس نے یقین دہانی کروائی تھی کہ رات سے پہلے پہلے گھر زیان کے پاس پہنچ جائے گا۔

ملک ایبک اس پل، اس دن، اس ساعت کے انتظار میں تھا۔ زیان سے دو دو ہاتھ کرنے کا ٹائم آگیا تھا۔ سب کے سامنے ایبک کو دیکھتے ہی اس کا جن جلال میں آجاتا تھا۔ دوروں میں بھی جان اور شدت بڑھ جاتی۔ وہ زیان کو سب کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن آج اکیلے میں یہ کام اس نے آسانی سے انجام دے لیتا تھا۔ قدرت نے یہ موقعہ بن مانگے فراہم کر دیا تھا۔ اس موقعے سے فائدہ نہ اٹھانا کفران نعمت کے زمرے میں آتا۔ وہ جلد از جلد ملک محل پہنچنا چاہ رہا تھا۔

آنے سے پہلے اس نے اپنے ہوشیار ملازم انور کو فون کر کے کہا کہ آج رات سب ملازمین کو کسی بہانے رہائشی عمارت سے دور رکھے۔ انور بہت تیز تھا اس نے اسی وقت سوچ لیا کہ یہ کام کس طرح کرنا ہے۔ اس نے بیٹے کا عقیقہ کرنا تھا۔ ملک ارسلان اور ملک جہانگیر خود اس کے گھر جا کر نومولود کو تحفے تحائف دے آئے تھے آج شام کو اس نے خود بھی گاؤں جانا تھا۔ ملک ایبک کی کال آنے سے پہلے وہ چھوٹی بی بی زیان کے پاس اجازت لینے ہی جا رہا تھا۔ اب کال آنے کے بعد اس نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی ترمیم کر لی تھی۔ ملک محل میں کام کرنے والے سب ملازمین کو اس نے اپنے گھر ہونے والی دعوت میں شرکت کی دعوت دی انور کی سب کے ساتھ بہت بنتی تھی۔ اس لیے جب زیان سے اس نے بات کی تو اس نے بخوشی سب ملازمین کو دعوت میں شرکت کے لیے چھٹی دے دی۔ ایک رات ہی کی تو بات تھی۔

گیٹ پہ دو دو گارڈ تھے، خود عنیزہ کی طرف زیبو اور فریدہ تھیں جو گھر کی حفاظت کے نقطہ کے نظر سے انور کی دی جانے والی دعوت میں شریک نہیں ہوئیں۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھا کر اور بیڈروم میں آگئی تھی۔ زیبو اور فریدہ نے اسے پیش کش کی تھی وہاں اس کے ساتھ رکنے کی مگر اس نے انکار کر دیا کیونکہ گیٹ پہ چاق و چوبند گارڈ موجود تھے۔ فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔

رات دس بجے کا وقت تھا جب ملک محل کے گیٹ کے سامنے ملک ایبک کی گرے پجیرو رکی۔ گیٹ پہ موجود گارڈز نے اسے دیکھ کر زوردار سلام جھاڑا۔ گھر کا مالک آگیا تھا اب وہ دونوں مطمئن تھے۔ ملک ایبک نے گیٹ سے ہی ڈرائیور کو پجیرو سمیت ڈیرے کی طرف روانہ کر دیا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ رہائشی

اندرونی عمارت میں داخل ہوا۔ اس کی چال میں ہمیشہ کی طرح وقار اور اعتماد تھا۔ سب اندرونی لائٹیں آن تھیں۔

دوسری منزل بھی روشن تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر اپنے بیڈ روم کی طرف دیکھا۔ کھڑکیوں پہ پردے گرے ہوئے تھے۔ خوش آئند بات یہ تھی کہ اس کے بیڈ روم کا دروازہ ہلکا سا بھڑا ہوا تھا زیان نے ابھی تک لاک نہیں کیا تھا۔ وہ ابھی تک اندر نہیں گیا تھا۔ اس لیے زیان کی سرگرمیوں سے لاعلم ہی تھا۔

☆ ☆ ☆
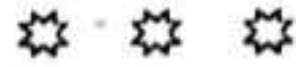
ایبک نے بہت آرام سے کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازہ کھولا۔ کمرے میں خوشگوار حرارت پھیلی ہوئی تھی باہر کے مقابلے میں اندر کا درجہ حرارت معتدل تھا۔ زیان بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے لیپ ٹاپ گود میں رکھے مصروف عمل تھی۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز بے تکلف آرام دہ حلیے میں تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس وقت ایبک آسکتا ہے۔ اس نے قدم بڑھائے اور اپنے پیچھے ہاتھ مار کر دروازہ بند کیا۔ آہٹ اور دروازہ بند ہونے کی آواز پہ زیان نے نگاہیں اٹھائیں۔

ملک ایبک مضبوط پر اعتماد قدموں سے چلتا اس کی طرف آرہا تھا۔ وہ بے انتہا خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اچانک اس طرح وہ اس کے سامنے ہوگا۔ وہ چیخ مارنا چاہتی تھی پر اسے دیر ہوگئی تھی۔ ایبک اس کے منہ پہ اپنا مضبوط ہاتھ رکھ چکا تھا۔ ایبک کا ایک ہاتھ بازو سمیت اس کے کندھے کے گرد لپٹا ہوا تھا اور دوسرا مضبوط ڈھکن کی مانند اس کے منہ پر جما تھا۔ نہ وہ بھاگ سکتی تھی نہ منہ سے آواز نکال سکتی تھی۔ غنیمت تھا کہ وہ ناک سے سانس لے رہی تھی ایبک کی مضبوط گرفت میں اس کا دم گھٹ رہا تھا اس کا نازک وجود گویا چرمرا کر رہ گیا تھا۔

شاید ایبک اسے مارنے آیا تھا۔ خوف کسمپرسی و بے چارگی درماندگی نے اس کی حالت قابل رحم بنادی تھی۔ اس وقت وہ یہی سوچ سکی تھی یقیناً"سب اس سازش میں شریک تھے تب ہی تو اسے گھر میں اکیلا چھوڑا گیا تھا تاکہ ملک ایبک کو اپنے منصوبے پہ عمل کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو۔ اس کی حالت غیر ہورہی تھی۔

"بعد میں جتنا مرضی چاہے چیخ لینا ڈرامہ بازی کرلینا ابھی مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔" ایبک اس کے کانوں کے قریب اپنے ہونٹ لاکر بولا۔ اس کی آواز اور الفاظ میں شدید قسم کا غصہ تھا۔ اسے یقین تھا اب وہ شور نہیں کرے گی کیونکہ ملک ایبک کے الفاظ اور تاثرات نے اسے سمجھادیا تھا کہ اب اداکاری سے کام نہیں چلے گا وہ اس کی ڈرامہ بازی سے واقف تھا۔ ایبک نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹالیا تھا وہ اب اس سے دور بیٹھا تھا۔ اس کے بولنے کے انتظار میں تھا جو اب ہاتھ پاؤں چھوڑ کر مرے مرے انداز میں بیٹھی تھی جیسے اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی معصوم لاچار اور قابل رحم دوسرا نہیں ہے۔ ایبک نے آج سے پہلے اسے تم کہہ کر کبھی بھی مخاطب نہیں کیا تھا آج اس کا ہر انداز بدلا ہوا تھا۔ یقینی طور پر وہ غیض و غضب میں بھرا ہوا آیا تھا۔

"میں وجہ جان سکتا ہوں کہ تم نے یہ سب کیوں کیا۔ کیوں ڈرامہ رچایا۔ ایسی کیا مشکل تھی جو تم نے ہم سب کو ذہنی عذاب میں ڈالا۔" وہ بڑی کوشش کے بعد اپنے لہجہ کو نارمل کرپایا تھا۔ جواباً"وہ خاموش رہی اس کا وہ حال تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ نگاہیں جھکی ہوئی۔ جیسے وہ اس کے بجائے دیواروں سے مخاطب ہو۔

"کچھ بھی کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ گھر میں اس وقت باہر گیٹ پہ موجود گارڈز کے علاوہ کوئی نہیں ہے میں نے سب کو چھٹی دے دی ہے۔ اور ویسے بھی تمہارے ڈرامے اور اداکاری سے متاثر ہونے والے یہاں نہیں ہیں۔" اس کا اشارہ افشاں بیگم اور ملک جہانگیر کی طرف تھا۔ زیان کٹ سی گئی۔

"اس لیے سچ بولنا اور کوئی الٹی حرکت مت کرنا۔"

ایک نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تو اس نے ہراساں رحم طلب نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا۔ ایک کی نگاہوں میں ترحم یا ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔

"شاباش بولو جلدی جو بھی ہے۔ میں نے سونا بھی ہے سخت تھکا ہوا ہوں۔" وہ جھنجلایا ہوا تھا۔

"میں نے سب کچھ مما اور آپ کی وجہ سے کیا۔" اس کے حلق سے مری مری آواز برآمد ہوئی۔

"گڈ آگے بولو۔" وہ اس کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

"مما مجھے چھوڑ کر آگئی تھیں میں نے اپنی عمر کا وہ حصہ بہت کرب اور اذیت میں بسر کیا ہے۔ مجھے مما اور مما سے وابستہ ایک ایک شے' ایک ایک رشتے سے چڑ تھی جن میں آپ بھی شامل ہیں۔" اب کی بار صاف لگ رہا تھا کہ وہ رو پڑے گی۔

"گڈ اور بھی بتاؤ۔" وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا۔

زیان بولتی چلی گئی' بے ربط ٹوٹے پھوٹے فقرے جس کا لب لباب یہی تھا کہ اس نے سب کچھ ماما اور ان کی تمام فیملی کو اذیت دینے کے لیے بدلہ لینے کے لیے انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر کیا ہے۔ اسے ملک محل کے سب افراد سے مما کی وجہ سے شدید چڑ ہے۔ ظاہر ہے ان میں ملک ایک بھی شامل تھا۔

زیان اپنا پول کھلنے پہ شرمندہ تھی۔ ویسے بھی عامل جلالی بابا کی اندرونی خباثت سے واقف ہونے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جلدی اس ڈرامے کا ڈراپ سین کرے گی اور کوئی نیا طریقہ سوچے گی مگر یہ جان کر کہ ایک شروع دن سے ہی واقف تھا وہ اب اس سے نگاہیں تک نہ ملا پا رہی تھی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی شرمندگی سے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ زمین میں گھس جائے۔ ملک ایک کی پیشانی پہ لکیروں کا جال سا بنا ہوا تھا' وہ گہری سوچوں میں گم تھا۔ وہ اسے انجان اور بے وقوف اور خود کو بہت بڑی چیز سمجھتی رہی' جو اپنی دانست میں سب کے جذبات سے کھیل کر انہیں بے وقوف بنا رہی تھی اور وہ خود انجانے میں نتائج سے لاپروا ہو کر اتنی بڑی بے وقوفی کر رہی تھی۔

ایک نے بہت دیر بعد سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ اپنی سوچوں کے حصار سے باہر آکر کسی نتیجے تک پہنچ چکا تھا۔

"زیان" آپ کو اب کوئی بھی ڈرامہ یا الٹی سیدھی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے میری وجہ سے' میری فیملی سے چڑ اور نفرت کی وجہ سے یہ سب کیا۔ جس وجہ سے بھی آپ نے یہ سب کیا اب آپ اس وجہ سے پریشان نہیں ہوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ کو مجھ سے بھاگنے کے لیے یا فیملی کو اذیت دینے کے لیے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں اپنے سے وابستہ کسی بھی رشتے یا شخص کو اذیت میں نہیں دیکھ سکتا۔ آپ پہلے بھی اپنی حماقت یا نفرت کی وجہ سے ہم سب کے جذبات سے کافی زیادہ کھیل چکی ہیں۔ میں آپ کو اور اس عمل کی اجازت نہیں دے سکتا۔

باقی' جہاں تک عنیزہ چچی سے نفرت کی بات ہے تو دلوں کے حال اللہ جانتا ہے' لیکن ہم نے شروع سے ہی انہیں اپنی بیٹی کی یاد میں روتے تڑپتے دیکھا۔ انہیں دکھی دیکھ کر ارسلان چچا بھی پریشان ہوتے یہی وجہ ہے کہ جب عنیزہ چچی نے آپ کے بارے میں بات کی تو وہ پوری خوشی اور آمادگی سے خود آپ کو لینے گئے۔

انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ چچی کی دل جوئی کرتے رہے کہ کچھ بھی ہو جائے زندگی میں ایک بار کسی طرح بھی سہی انہیں ان کی بیٹی سے ملا دیں گے۔ قدرت نے خود ہی آپ کو ملک محل میں پہنچا دیا۔ آپ کے آنے سے ہم سب نے سالوں بعد چچی کو خوش دیکھا' مسکراتے دیکھا۔ اس سے پہلے ایسے لگتا تھا جیسے وہ خوش نظر آنے کا ڈرامہ کرتی رہی ہیں۔ ارسلان چچا خوش ہوئے' انہوں نے بہت بار مجھے کہا کہ زیان مجھے اپنی اولاد کی طرح پیاری ہے اگر اللہ مجھے بیٹی دیتا تو وہ زیان جیسی ہوتی۔ یہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ان سچے رشتوں کی قدر کیجیے۔ ماضی پہ کڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نرم دھیمے پھوار برساتے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ ایک ایک لفظ دل پہ اثر کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں سچائی تھی۔

"باقی میں اپنی اور اپنی فیملی کے حوالے سے کوئی وضاحت نہیں دے سکتا نہ دینا چاہتا ہوں اس لیے میری باتوں کو ذہن میں رکھیے گا۔"

زیان بہت کچھ کہنا چاہتی تھی پر اب اس کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ ایک اپنی بات پوری کر کے جس طرح آیا تھا اس طرح جا چکا تھا۔ وہ نڈھال سے انداز میں بیڈ پہ اوندھی ہو کر گر پڑی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی اپنی جیت پہ ہنسے 'خوشی منائے یا اپنی ہار پہ سوگ منائے' ماتم کرے۔

☼ ☼ ☼

احمد سیال 'بیٹی کی پاکستان واپسی پہ سب دوست احباب کو ڈنر پہ انوائیٹ کر رہے تھے۔ انہوں نے اس کی گمشدگی کے دوران بہت کرائسس کو فیس کیا تھا' خاص طور پہ سب ایک ہی سوال کرتے تھے کہ رنم سیال اچانک کیوں باہر چلی گئی ہے جبکہ ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اس کا۔ احمد سیال اس دعوت کے ذریعے سب کی تسلی کروانا چاہ رہے تھے۔

یہ آئیڈیا رنم کا تھا۔ وہ ملک ایک کی پوری فیملی سے ایک نئی حیثیت میں ملاقات کرنا چاہ رہی تھی۔ اس لیے احمد سیال نے جب ملک جہانگیر کو فیملی سمیت انوائیٹ کیا تو انہیں یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ احمد کی بیٹی پاکستان واپس آئی ہے۔

رنم نے واپس آکر اپنی ایکٹوٹیز میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے بیوٹی سیلون کا رخ کیا تھا۔ ملک محل میں رہتے رہتے اس کی اسکن 'ہاتھ پاؤں کی نرمی اور بالوں کا بیڑہ غرق ہو گیا تھا۔ اسے اپنا آپ پرانی کنڈیشن میں واپس لانا تھا۔ بیوٹی سیلون کے بعد اس نے مارکیٹیں اور شاپنگ مالز کا رخ کیا۔ بیوٹی سیلون میں صرف کیا گیا ٹائم اس کے لیے اچھے نتائج لایا۔ وہ پرانی رنم نظر آنے لگی تھی۔ بالوں کی کٹنگ کروا کر اس نے انہیں نئی لک دی تھی۔ یہ اسٹائل پہلے سے بھی زیادہ اس پہ سوٹ کر رہا تھا۔ اس کی نرم چمکدار جلد کی شادابی 'گالوں کی سرخی' بالوں کا ریشمی ملائم پن 'ہاتھوں پاؤں کی نرمی سب کچھ لوٹ آئی تھی۔

احمد سیال نے ملک جہانگیر کی فیملی کو انوائیٹ کر لیا تھا۔ ان کے بیٹے کی شادی ہو گئی تھی وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ آرہا تھا۔ رنم بے پناہ خوش تھی۔ پاپا نے اس کا ملک محل میں نیناں والا روپ ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں دفن کر دیا تھا۔ یہ حقیقت صرف وہی دونوں جانتے تھے کہ رنم اتنے ماہ کہاں اور کیسے رہی ہے۔ وہ دونوں ہی نیناں نامی باب کو کھولنا نہیں چاہتے تھے۔ احمد سیال کو بس اتنا پتا تھا کہ رنم پڑھنے کے لیے باہر گئی تھی لیکن وہاں پاپا کے بغیر اس کا دل نہیں لگا تو واپس آگئی۔ انہیں رنم سے بڑھ کر دنیا میں کچھ بھی عزیز نہیں تھا۔

اور رنم جانتی تھی دنیا میں اس کے لیے سب سے بڑھ کر قابل اعتماد اور قابل بھروسا رشتہ صرف احمد سیال ہی کا ہے۔ رنم خوش تھی اور خوشی سے دعوت کی تیاری کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

زیان 'ملک جہانگیر کے پاس بیٹھی انہیں ایک کتاب سے مختلف اقتباسات پڑھ کر سنا رہی تھی۔ افشاں بیگم زیان کو نثار ہو جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں وہ اندرونی خوشی سے سرشار تھیں۔ اتنے دن سے زیان پہ جن نہیں آیا تھا اور نہ ہی دور دور تک کسی دورے کے آثار تھے۔ اس نے خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا تھا۔ سب سے بڑھ کر اس کی گم صم کیفیت ختم ہو گئی تھی۔ وہ ہنستی بولتی پہلے والی زیان سے الگ ہی لگتی اور تو اور اب وہ نوکرانیوں سے بھی بات چیت کرنے لگی تھی۔

"بابا جان کیا ہو رہا ہے؟" ایک کمرے میں داخل ہوا۔ ملک جہانگیر بستر پہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"پرسکون زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔" ملک جہانگیر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ پہلے سے کافی بہتر لگ رہے ہیں۔" ایک ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"میں بس اپنی آنکھوں کی وجہ سے پریشان ہوں ٹھیک طرح سے پڑھ ہی نہیں سکتا' ذیان کے ذریعے اپنا شوق پورا کرتا ہوں۔" انہوں نے بہت محبت سے ذیان کی سمت دیکھا تھا۔

"میں آپ کو شہر لے جاؤں گا اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کراؤں گا۔" ابیک نے انہیں تسلی دی۔

"اب ڈاکٹر کیا ٹھیک کریں گے مجھے۔ جب سے آنکھوں میں موتیا اترا ہے' یہ مسائل پیش آرہے ہیں۔ آپریشن کروانے کے باوجود بھی' کبھی کبھی تو سب کے چہرے ہی گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ رشتہ داروں کے علاوہ کسی کی شکل ہی نہیں پہچان پاتا میں۔ خیر بڑھاپے میں یہ سب تو چلتا ہی ہے' میں نے اسے جان کا روگ نہیں بنایا ہے۔ تمہاری شادی کی خوشی میں نے اپنے جیتے جی دیکھ لی ہے اب معاذ کی فکر ہے۔"

"بابا جان معاذ کا آخری سمسٹر ہے وہ جلد ہی آجائے گا۔" ابیک نے نرمی سے ان کے جھریوں بھرے ہاتھ کو تھپکا۔ ملک جہانگیر نے اپنے کڑیل جوان بیٹے کو بڑی محبت سے دیکھا۔

"تم نے ہمیشہ مجھے طاقت دی ہے اور ہاں احمد سیال کے ہاں دعوت پہ بھی جانا ہے۔ اس نے پورے گھر والوں کو بلایا ہے۔ اس کی بیٹی پاکستان واپس جو آگئی ہے۔" ملک جہانگیر نے ایک بار پھر یاددہانی کروائی۔

"ہاں بابا جان میں چلا جاؤں گا۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔

"تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔ ذیان بھی ساتھ جائے گی اور واپسی پہ تم سیدھے گھر آؤ گے۔ میں نے تم دونوں کو شادی کے بعد ایک بار بھی اکٹھے ہنستے بولتے نہیں دیکھا ہے۔ اب ٹکو کچھ دن گھر میں۔" افشاں بیگم نے ٹوکا تو وہ ہنسنے لگا۔

ذیان نے نظر بچا کر اسے دیکھا۔ کھدر کے کرتے شلوار میں ملبوس ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھے وہ مغرور لگ رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی ذیان کی سمت نہیں دیکھا تھا۔

"امی جان آپ کی بہو پہ اگر جن آگیا تو میرا کیا بنے گا۔" ذیان کو اچھی طرح علم تھا وہ اس پہ طنز کر رہا ہے تب ہی تو اس پہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

"چلو تم دونوں جاؤ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔" افشاں بیگم نے حاکمانہ انداز میں بول کر بات ختم کرنی چاہی۔ ابیک نے فوراً" سعادت مندی سے سر ہلایا۔ وہ ذیان سے پہلے اٹھ کر گیا۔

ذیان نے مرے مرے قدموں سے بیڈ روم کا رخ کیا۔ ابیک بیڈ کے بالکل کونے پہ لیٹا ہوا تھا۔ ذیان کو آتا دیکھ کر اس نے کروٹ بدل کر اس کی طرف پشت کرلی۔ ذیان کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ ٹوٹی کرچیوں کی چبھن ناقابل برداشت تھی۔ اس کی سسکیوں کی آواز فوراً" ابیک کے کانوں تک پہنچی تھی۔ وہ جو تکیہ منہ پہ لیے لیٹا ہوا تھا۔ تکیہ منہ سے ہٹا کر اس کی طرف آیا جھٹکے سے کمبل اس کے منہ سے سرکایا۔

"اب کیا پرابلم ہے سب کچھ آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے' میں آپ پہ کسی قسم کا کوئی شوہرانہ حق بھی نہیں جتا رہا ہوں جو آپ کو اس قسم کے ڈرامے کی ضرورت محسوس ہوئی۔" ابیک کا اشارہ اس کی لال آنکھوں کی طرف تھا۔ ذیان کو اس کی باتیں تیر کی طرح لگیں۔ اس کی باقی سسکیاں سینے میں ہی گھٹ گئیں۔

"میرے سر میں درد ہے اس لیے رونا آگیا تھا۔" اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

"تو کوئی پین کلر لے لیں یا میری موجودگی کی وجہ سے آپ کو پرابلم ہو رہی ہے۔ بتا دیں میں دوسرے روم میں سو جاؤں گا۔ آپ سے ویسے بھی ڈر لگنے لگا ہے جانے کس وقت آپ پہ جن آجائے اور میرا تماشا بن جائے۔" ابیک کا لہجہ نرم' مگر الفاظ بہت کاٹ دار تھے۔ ایک بار پھر ذیان کا دل چاہا کہ وہ غائب ہو جائے۔

وہ ابیک کی بات کا جواب دیے بغیر کمبل تان کر لیٹ گئی۔ ابیک بھی اپنی طرف آکر لیٹ گیا۔

"میں امی جان کی وجہ سے یہاں آنے اور سونے پہ مجبور ہوں کیوں کہ مجھے سب کی نظروں میں موضوع گفتگو بنا پسند نہیں ہے۔ پہلے ہی بہت تماشا اور مذاق

بن چکا ہے میرا۔ آپ کے جن کی وجہ سے۔" اندھیرے میں اس کی آواز برچھی کی مانند اس کے کانوں میں آکر لگی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

زیان بفیض احمد فیض کا نسخہ ہائے وفا ہاتھ میں پکڑے بیٹھی تھی۔ فیض کی شاعری اسے حد سے زیادہ پسند تھی۔ وہ کتاب میں پوری طرح کھوئی ہوئی تھی جب پاس پڑا اس کا سیل فون سریلے سر بکھیرنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھے بغیر فون آن کر کے کان سے لگالیا۔

"زیان فون بند مت کرنا ورنہ حد سے بھی زیادہ پچھتاؤ گی۔" اس کی ہیلو کی جواب میں دوسری طرف سے وہاب اپنی مخصوص سفاک آواز میں بول رہا تھا۔ زیان کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی لہر دوڑ گئی۔

"کیوں کیا ہے فون مجھے تم نے۔" اس نے اپنے لہجہ میں اعتماد سمونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو تمہارے گھر بھی آیا تھا کیا کسی نے بتایا نہیں تمہیں۔ تمہاری ماں سے مل کر گیا ہوں' باتیں کی ہیں ان سے۔ تم یہ سمجھ رہی تھیں کہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤ گی تو بچ جاؤ گی مجھ سے۔ میں تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتا۔ تم تو مل گئی ہو اب مجھے زرینہ خالہ کو تلاش کرنا ہے۔ بہت حساب ہیں تم دونوں کی طرف۔" حیرتوں کے بہت سے پہاڑ اکٹھے زیان کے سر پہ ٹوٹے تھے۔ وہاب یہاں ملک محل میں آیا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا۔ وہ مما سے ملا اور انہوں نے بھی اس سے یہ بات چھپائی۔

وہ ملک محل میں کیسے پہنچا؟ کس نے اسے یہاں کا پتا دیا تھا؟ اس کا پرسنل نمبر وہاب تک کیسے پہنچا...؟ اور اب وہ کس برتے پہ اسے اتنی بڑی بڑی دھمکیاں دے رہا تھا...؟ وہ ملک محل میں آگیا اور اسے ذرا بھی ڈر نہیں لگا۔ گارڈ تو کسی اجنبی شخص کو ملک محل کے گیٹ سے اندر تک نہیں داخل ہونے دیتے اور اس نے عنیزہ سے ملاقات بھی کرلی۔ وہ ان سوالوں کے جواب اپنے ذہن اور سوچ کے مطابق حاصل کرنے کی تگ و دو کررہی تھی۔

"آئندہ مجھے فون کرنے کی کوشش مت کرنا۔" زیان نے کمزور لہجہ میں اسے دھمکی دینے کی کوشش کی جیسے واقعی وہ ڈر جائے گا۔ اس کی توقع کے برخلاف وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی آج سے پہلے اسے کبھی اتنی مکروہ نہیں لگی تھی۔

"تمہیں فون کرنا کیسے چھوڑ دوں۔ تم میری زندگی کی ضمانت ہو' میری محبت ہو۔ کتنی مشکل سے تو تمہارا سراغ پایا ہے اور تم کہتی ہو کہ مجھے فون ہی نہ کرو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے ٹوٹ کر محبت کی ہے تم سے زیان۔ اور تم میری محبت' چاہت' وفا سب کچھ ٹھکرا کر مجھ سے دور یہاں آگئیں۔ تم سوچتی ہوگی کہ میں کبھی بھی تم تک نہیں پہنچ پاؤں گا' لیکن دنیا گول ہے اور میرے لیے اتنی بڑی نہیں ہوئی ہے کہ تمہیں تلاش نہ کرسکوں۔" اس بار وہ بڑی ملائمت سے بولا تھا۔

"دیکھو مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔ میری شادی ہوگئی ہے۔ میرے گھر میں سے کسی کو پتا چل گیا تو بہت برا ہوگا۔" وہ روہانسی ہورہی تھی۔ وہ وہاب کے ساتھ بات کرتے ہوئے پوری طرح چوکنا تھی اور ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھی۔ کوئی آتا تو اسے فوراً" پتا چل جاتا۔ وہاب لمبی بات کرنے کے موڈ میں تھا۔ زیان نے اچانک لائن کاٹ کر اپنا سیل فون ہی آف کردیا۔

سیل فون آف کرکے زیان' عنیزہ کی طرف چلی آئی۔ وہ عصر کی نماز میں مصروف تھیں۔ اس نے نوکرانی سے مما کے بارے میں پوچھا تھا۔ زیبو نے انہیں بتایا تھا اس لیے وہ فوراً" اس کی طرف آئیں۔ جہاں وہ بے قراری سے چکر کاٹ رہی تھی۔ زیان کے چہرے پہ پریشانی اور اضطراب تھا۔ عنیزہ کے دل میں خدشات سر اٹھانے لگے کہیں اس کے اور ایبک کے مابین کوئی جھگڑا یا تلخی تو نہیں ہوگئی ہے۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ آؤ میری پاس بیٹھو۔" انہوں نے محبت سے اپنی طرف بلایا۔ خلاف توقع وہ اعتراض اور انکار کیے بغیر ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ورنہ جب

سے زیان نے انہیں اپنی نفرت سے آگاہ کیا تھا اس کے بعد سے ان دونوں میں شاذو نادر ہی بات ہوتی تھی۔ ضرور کوئی نہ کوئی ایسی بات تھی جس نے زیان کی نفرت بھی بھلادی تھی۔

"مما یہاں وہاب آیا تھا؟" اس نے انگلیاں باہم ایک دوسرے میں پھنسائی ہوئی تھیں۔ وہ امید افزا نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی جیسے وہ انکار کردیں گی۔ پر ان کا سر اثبات میں ہلا جو اس کے خوف کو کئی گنا بڑھا گیا۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے؟" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ جلالی بابا تمہارا علاج کررہے تھے۔ میں بے حد پریشان ہوگئی تھی۔ تمہیں اپنے ساتھ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ بتاؤ تمہیں کس نے بتایا ہے۔ میرے علاوہ کوئی اس کا نام نہیں جانتا بلکہ ملک محل میں کوئی بھی اسے نہیں جانتا۔"

"مما ابھی اس کا فون آیا تھا۔"

"کیا۔۔۔!" عنیزہ شاکڈ تھیں۔

"کیسے فون آیا اس کا؟" وہ بدحواس ہوگئی تھیں۔

"مما میرے سیل فون پہ ابھی ابھی اس کی کال آئی تھی۔"

"تمہارا نمبر کس نے دیا ہے اسے؟"

"مما مجھے نہیں معلوم۔ میرا پرسنل نمبر کیسے اس کے پاس پہنچا۔ ملک محل سے باہر میرا نمبر کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہاں تک کہ میرا یہ نمبر ہوار حمت کے پاس بھی نہیں ہے۔" وہ بکھرے لہجے میں بولی۔

"پھر تمہارا نمبر اس نے کہاں سے لیا۔ پہلے وہ یہاں تک پہنچا پھر تمہارا نمبر حاصل کیا۔۔۔ پر یہ کیسے ہوا سب؟" عنیزہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"مما مجھے نہیں معلوم یہ سب۔ اس لیے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔" پریشانی سے اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"تم نے کسی اور سے تو بات نہیں کی۔"

"نہیں مما میں سیل فون آف کرکے آپ کے پاس آگئی ہوں۔"

"کسی سے فی الحال بات مت کرنا۔"

"مما وہاب یہاں آیا تھا یہ بات کس کس کو پتا ہے۔" اس نے رک رک کر پوچھا۔

"میں نے یہ بات صرف ملک صاحب کو بتائی ہے۔ ہم دونوں کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔"

"مما یہ بات ایک کو تو معلوم نہیں ہے نا؟" اس بار اس نے مما سے نظر چرائی تھی۔

"نہیں اسے یہ بات معلوم نہیں ہے اور نہ ہی جہانگیر بھائی کو۔ یہ مصیبت بھی تم پہ میری وجہ سے آئی ہے میرے ماضی کی وجہ سے آئی ہے۔ تمہاری نفرت میں کئی گنا اضافہ ہوچکا ہوگا۔" عنیزہ دل گرفتگی سے گویا ہوئیں تو زیان ان کی طرف بس دیکھ کر رہ گئی۔

"آج تک تم نے جو دیکھا سنا وہ ایک طرف کا موقف تھا۔ میں مانتی ہوں برسوں کی دوری نے بہت کچھ بدل دیا ہے، لیکن میں چاہتی ہوں تم ایک بار مجھ سے بھی حقیقت کے بارے میں جان لو پھر تمہیں نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہوگی۔"

عنیزہ کے چہرے پہ امید و بیم کی ملی جلی کیفیت تھی جیسے وہ آج ان کی بات سن لے گی۔ زیان ان کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں بولی تھی۔ اس کی خاموشی کو عنیزہ نے اس کا اثبات تصور کیا اور تکلیف دہ ماضی کی طرف کھلنے والے دریچے نیم وا کردیے۔

☆ ☆ ☆

عنیزہ طلاق لے کر ابو کے پاس لوٹ آئی تھی۔ امیر علی نے بچی اس سے چھین لی تھی۔ انہوں نے امیر علی کے خاندان کے بڑوں کو درمیان میں ڈال کر مصالحت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ وہ بچی عنیزہ کے سپرد کردے۔ پر امیر علی نے سب کو ٹکا سا جواب دیا۔ وہ تو بچی کی شکل تک ماں کو دکھانے کا روادار نہ تھا کجا کہ اس کے حوالے کردیتا۔ اسے عنیزہ سے شدید قسم کی نفرت تھی اس نفرت کا نشانہ زیان اور عنیزہ

دونوں ہی بنی تھیں۔ دونوں کو جیتے جی ایک دوسرے سے الگ کردیا تھا۔

عنیزہ کے سامنے عدالت سے مدد لینے کا راستہ بھی موجود تھا۔ پر ابو نے یہ تجویز مسترد کردی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے اگر انہوں نے بچی کی کسٹڈی کا کیس دائر کیا بھی تو جیت امیر علی کی ہوگی۔ اس کے پاس پیسے تھے وہ وکیل کو خرید سکتا تھا جھوٹے گواہ پیش کرسکتا تھا۔ ان کی رہی سہی عزت کو سرعام نیلام کرواسکتا تھا۔ وہ باپ بیٹی امیر علی کے مقابلے میں کمزور تھے۔ اس لیے چپ سادھ لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ عنیزہ کی مسلسل خاموشی قاسم صاحب کے دل پہ قیامت ڈھانے لگی۔ وہ خود کو بیٹی کا مجرم تصور کرنے لگے۔ انہوں نے ہی تو شادی کروائی تھی ایک بار بھی اس کی مرضی یا رضامندی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ چپ چاپ ان کے فیصلے کی بھینٹ چڑھ گئی پر اس قربانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوا سب رائگاں ہوگیا۔

راحت نے ملک ارسلان کو اس سانحے کی خبر کردی تھی۔ اس کے بجھے بجھے بے رونق چہرے پہ پھر سے خوشی نمودار ہونے لگی تھی۔ ادھر ملک جہانگیر کو بھی عنیزہ کے حالات سے آگاہی ہوگئی تھی۔ وہ پہلی بار جاکر قاسم صاحب اور عنیزہ سے ملے۔ ان کا چھوٹا سا گھر ایک عام متوسط علاقے میں تھا۔ مالی طور پہ وہ کسی طرح بھی ملک خاندان کے ہم پلہ نہیں تھے۔ پر یہاں ان کے چھوٹے بھائی کا دل اٹکا ہوا تھا اس کی خوشی اس چھوٹے سے گھر میں ہی موجود تھی۔ انہوں نے قاسم صاحب سے عنیزہ کا رشتہ اپنے چھوٹے بھائی کے لیے مانگا۔ خلاف توقع عنیزہ نے سختی سے انکار کردیا۔ وہ کسی صورت بھی دوسری شادی کے حق میں نہیں تھی وہ اس امید پہ بیٹھی تھی کہ امیر علی ذیان کو اس کے سپرد کردے گا۔ وہ باقی زندگی اپنی بیٹی کے ساتھ گزار سکتی تھی۔ اس کے انکار نے ملک ارسلان کو پھر سے مایوسی کے اتھاہ غار میں دھکیل دیا۔

امیر علی نے دھوم دھام سے دوسری شادی کرلی۔ عنیزہ نے قاسم صاحب کے ذریعے اپنی فریاد ایک بار پھر امیر علی تک پہنچانے کی کوشش کی۔ پر وہ ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ الٹا اس نے دھمکی دی کہ تم باپ بیٹی میں سے کوئی میرے گھر کے آس پاس بھی نظر آیا تو میں دونوں پہ جھوٹا مقدمہ بنوادوں گا۔

اسی غم میں قاسم صاحب نے ایک رات خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔ اب اس اکیلے گھر میں صرف عنیزہ اور اس کی تنہائی تھی۔ محلے والوں نے کچھ عرصہ ساتھ دیا، لیکن کوئی کب تک خبر گیری کرسکتا تھا۔ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اس کے سامنے تنہائی اور پہاڑ سی زندگی تھی۔ ملک جہانگیر ایک بار پھر اس کے پاس آئے۔ اس بار ان کے سمجھانے بجھانے پہ عنیزہ نے خاموشی سے ان کی بات مان لی۔ اس کے سوا اب کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

ملک محل میں سب نے کھلے دل سے اسے خوش آمدید کہا۔ ملک ایبک اور ملک معاذ چھوٹے چھوٹے تھے۔ انہیں دیکھ کر عنیزہ کو ذیان یاد آنے لگتی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس نے ایک بار پھر اسے ملنے کی سعی کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے بوا رحمت کو خط لکھا اور ذیان سے کسی بھی طرح چھپ کر ملاقات کروانے کو کہا۔ اس خط کے مندرجات الفاظ دل ہلا دینے والے تھے یہ صرف ایک خط نہیں تھا ماں کے دکھی دل کی فریاد تھی۔ اس نے جس جتن سے یہ خط بوا کو بھیجا یہ وہی جانتی تھی پر اسے خط کا کوئی جواب نہیں ملا۔

ملک ارسلان اس کی حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتے۔ وہ اسے گھمانے پھرانے کے لیے ورلڈ ٹور پہ لے گئے۔ پر عنیزہ کے دل کی بے کلی ختم نہ ہوئی۔ وہ کافی عرصہ نفسیاتی معالج کے زیر علاج رہیں، لیکن دل سے بیٹی کی یاد کو نہ نکال سکیں۔ ملک ارسلان نے انہیں اندھیری راتوں میں سب سے چھپ کر اللہ کے سامنے فریاد کرتے روتے گڑگڑاتے دعائیں مانگتے دیکھا۔ عنیزہ کی دعاؤں کی قبولیت میں سالوں لگ گئے۔ پھر ایک دن وہ معجزہ ہوگیا جس کی توقع وہ جانے کب سے کررہی تھیں۔ بوا رحمت نے خود ان سے رابطہ کیا اور ذیان کو

اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کہا۔ اٹھارہ برس بعد یہ انہونی ہوئی تھی۔ خوشی سے ان کے ہاتھ پاؤں پھولے جارہے تھے۔ ملک ارسلان عنمزہ کو خوش دیکھ کر خود بھی شادمان تھے۔ وہ بذات خود جاکر زیان کو لے کر آئے۔ عنمزہ جس بیٹی سے ملنے کی تمنا میں برسوں سے تڑپ رہی تھی یہ وہ نہیں تھی۔ زیان تو ان کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

"بس یہ تھی میری زندگی کی کہانی اور سچائی۔"
عنمزہ ماضی کا سفر کرکے حال میں لوٹ آئی تھیں۔ انہوں نے زیان کی طرف دیکھا دونوں بغیر پلک جھپکائے ایک دوسرے کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ اچانک زیان اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگ کر ان کے گلے سے آلگی۔ آنسوؤں کی جھڑی اس کی آنکھوں سے بہہ رہی تھی۔ اپنی غلط فہمیوں غلط سوچوں پہ وہ جی بھر کر شرمندہ تھی۔ اپنی ماں کی مجبوریوں کا ادراک اسے اب آکر ہوا تھا۔
زیان نے انہیں ہمیشہ قصور وار اور مستوجب سزا ہی تصور کیا۔ کتنا برا کرتی آئی تھی وہ ان کے ساتھ۔ پھر انہوں نے اپنی تکلیف کا اظہار بھی نہیں کیا۔ ذہنی اذیت، کرب، آنسو جو وہ انہیں دے چکی تھی کچھ بھی تو بھولنے کے قابل نہ تھا۔ زیان اپنی گزشتہ زندگی اور رشتوں سے بدگمان ہی رہی۔ امیر علی کی کمزوری اور نفرت کی بدولت زرینہ بیگم کے ہاتھ مضبوط ہوئے جس کی وجہ سے وہ زیان کو اذیت دیتی رہیں۔ امیر علی گھر کے سکون کو خراب ہونے سے بچانے کی خاطر خاموش رہے ان کی یہی خاموشی اور چشم پوشی زیان کو اذیت پرستی اور خود اذیتی کے گہرے اندھیروں میں لے جانے کا باعث بنی۔ وہ خود سے وابستہ خود سے چاہنے والوں کو اذیت دینے کی عادی ہوتی گئی۔
یہ بات بھی قابل غور تھی کہ وہ خود سے وابستہ بہت قریبی رشتوں کو ہی اذیت دیتی آئی تھی سب سے پہلے امیر علی ہی اس کا نشانہ بنے تھے نفرت کا جو بیج انہوں نے بویا تھا اب زیان کی صورت کاٹنا تو تھا۔ اسے انہیں بے سکون کرکے نظرانداز کرکے عجیب سے خوشی ملتی۔ امیر علی کے بعد عنمزہ اور پھر ایبک کا نام اس فہرست میں تھا۔ وہ ملک ارسلان سے بھی برگشتہ رہی تھی اس کے خیال میں وہ بھی برابر کے قصور وار تھے۔
اب وہ عنمزہ کی گود میں سر رکھے رو رہی تھی۔
ملک ارسلان اچانک اس طرف آئے تھے۔ دونوں ماں بیٹی کو دھواں دھار روتے دیکھ کر وہ بغیر کچھ پوچھے ہی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے ہی دونوں کو چپ کروایا۔ عنمزہ کے آنسو اب بھی نہیں رک رہے تھے۔ ملک ارسلان کا ایک ہاتھ زیان کے سر پہ تھا وہ اسے تسلی دے رہے تھے وہ ننھے بچے کی طرح ہمک کر ان کے دائیں بازو سے آلگی۔
"بابا... آئی ایم سوری بابا! میں آپ دونوں کو غلط سمجھتی رہی۔" ندامت سے اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ملک ارسلان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ عنمزہ زیان اور ارسلان۔ تینوں ایک ساتھ۔ روتی آنکھوں کے ساتھ چہرے پہ مسکراہٹ لیے یہ تصویر اب مکمل تھی۔

☆ ☆ ☆

احمد سیال کی طرف سے دی گئی دعوت میں ملک جہانگیر، افشاں بیگم ملک ایبک اور زیان چاروں ہی آئے تھے۔ زیان کا اس قسم کی دعوت میں آنے کا پہلا اتفاق تھا۔ احمد سیال کا تعلق بزنس کلاس سے تھا ان کے مدعو کیے گئے مہمان، اکثر ان کے سوشل سرکل سے تعلق رکھتے تھے۔
احمد سیال نے بڑی گرمجوشی سے ان سب کی اور خاص طور پہ زیان کی خیر خیریت دریافت کی تھی۔ اسے ایک ثانیے کے لیے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے انہوں نے اسے گہری نگاہ سے دیکھا ہو۔ بعد میں یہ احساس پوری تقریب کے دوران اس پہ حاوی رہا۔ احمد سیال نے اپنی اکلوتی صاحبزادی سے ان کا تعارف کروایا۔ ریڈ کلر کے

ماڈرن ڈریس میں ان کی بیٹی شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ ژیان بھی ڈیپ ریڈ کلر کے کامدار سوٹ میں ملبوس تھی، مگر نہ جانے احمد سیال کی بیٹی سے تعارف حاصل کرنے کے بعد ژیان کو اپنی تیاری، اپنا قیمتی ڈریس، میچنگ جیولری نفاست سے کیا گیا میک اپ سب کا سب ہی انتہائی فضول لگنے لگا۔ احمد سیال کی لاڈلی بیٹی پوری محفل پہ چھائی ہوئی تھی۔

ژیان اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ وہ احمد سیال کے گھر میں ان کی بیٹی کے روپ میں اس حلیے میں اسے نہ ملتی تو وہ کبھی بھی اسے رنم سیال ماننے پہ آمادہ نہ ہوتی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے یہ نمل کی شباہت لیے رنم سیال ہے، لیکن یہ سو فی صد احمد سیال کی بیٹی رنم تھی۔ بھلا کہاں نمل، ایک عام سی لڑکی اور کہاں رنم سیال، ایک بزنس ٹائیکون کی ماڈرن بیٹی جو پڑھنے کی غرض سے پاکستان سے باہر گئی ہوئی تھی۔

کچھ ایسا ہی حال ملک ایبک کا بھی تھا جب احمد سیال نے رنم کا تعارف ملک فیملی سے کروایا۔ وہ بے یقینی سے رنم سیال کو دیکھ رہا تھا جس کے ریڈ لپ اسٹک سے سجے ہونٹ بہت خوب صورتی سے مسکرا رہے تھے۔ اس نے انتہائی گرم جوشی سے ملک ایبک سے ہاتھ ملایا۔ خیر مقدمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ایبک بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ رنم کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق تک نہ تھی۔

ایبک اور ژیان تو اسے دیکھ کر چونک گئے تھے جبکہ افشاں بیگم کا رویہ نارمل رہا۔ کیوں کہ رنم سیال کی پوری لک ہی چینج تھی صرف ہلکی پھلکی نقوش کی مشابہت سے کیا ہوتا تھا۔ رہ گئے جہانگیر تو ملک محل میں بہت کم ان کا سامنا نمل سے ہوا تھا اور انہوں نے اس پہ خاص توجہ ہی نہیں دی تھی۔ ویسے بھی موتیے کے آپریشن کے بعد ان کے ساتھ بصارت کے مسائل ہو رہے تھے۔ ایبک اور ژیان دونوں رنم سیال کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اس کا ہر انداز نمل سے مختلف تھا۔

ڈنر کے بعد گاؤں واپسی کے لیے ٹائم نہیں رہا تھا۔ احمد سیال نے بڑی محبت کے ساتھ انہیں رکنے کی پیش کش کی۔ تقریب ختم ہو چکی تھی ان کے سوا باقی سب مہمان واپس جا چکے تھے۔ رنم نے اپنے کلاس فیلوز میں سے کسی کو بھی مدعو نہیں کیا تھا۔ انہیں اس کے آنے کی ابھی تک خبر بھی نہیں ملی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ان سے ناراض تھی، خاص طور پہ کومل اور فراز سے تو وہ انتہائی بدگمان اور برگشتہ تھی۔ اس لیے تو اس نے ان دونوں کو ابھی تک اپنی واپسی کا بھی نہیں بتایا تھا۔

رنم بہت خوش تھی ایبک پہلی بار اسے ملا تھا وہ رنم سیال کے چہرے کے ساتھ تھی اس کی حیرت دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔ یہی حال ژیان کا بھی تھا، پر رنم نے اسے خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کی پوری توجہ ملک ایبک کی طرف تھی۔ ملک جہانگیر، افشاں بیگم، احمد سیال اور ژیان ایک ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے بلکہ ژیان صرف سامع کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ جبکہ رنم ایک الگ صوفے پہ ملک ایبک کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے چکر میں تھی۔

"اچھا آپ شہر کے ساتھ ساتھ گاؤں میں بھی پراجیکٹ پہ کام کر رہے ہیں واؤ گریٹ۔" رنم نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"جی ہاں میں ایک اسکول بھی بنوا رہا ہوں تعمیر کے مراحل میں ہے وہ۔ اور انڈسٹریل ہوم مکمل ہو کر کام شروع کر چکا ہے۔"

"میں آپ کے گاؤں آؤں گی۔ اسکول اور انڈسٹریل ہوم دیکھنے۔ مجھے بھی گائیڈ لائن چاہیے جس پہ کام شروع کر سکوں۔"

"آپ آئیے گا میں آپ کا انتظار کروں گا۔" ملک ایبک بہت خوش ہوا۔ اس ماڈرن لڑکی کے منہ سے غریب اور غریب لوگوں کے مسائل سن کر اسے بہت اچھا محسوس ہوا۔

آہستہ آہستہ سب ہی سونے کے لیے جا چکے تھے

صرف ایبک اور رنم ہی وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ باتوں کے دوران انہیں تیزی سے گزرتے وقت کا احساس تک نہ ہوا۔ اچانک وال کلاک پہ ایبک کی نظر پڑی جو ڈھائی بجے کا وقت بتا رہا تھا۔ تب ایبک اسے گڈ نائٹ کہہ کر اٹھا۔

زیان صوفے پہ سکڑی سمٹی لیٹی ہوئی تھی پر وہ سو نہیں رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا۔ دوسری نظر اس نے وال کلاک پہ ڈالی۔ عام طور پہ وہ اتنی رات گئے جاگنے کا عادی نہیں تھا کیوں کہ اس کا پورا دن مصروف گزرتا تھا اس لیے وہ رات جلدی سے سوتا اور صبح جلدی بیدار ہوتا تھا' آج وہ اپنے معمول سے کافی لیٹ تھا۔ زیان کو نئی جگہ اور رنم سیال کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی۔ رنم سیال بالکل نمناک کی ہم شکل تھی۔ نمناک کی پراسرار گمشدگی اور رنم کا اسے مشابہت رکھنا دونوں باتیں اسے ناقابل یقین لگ رہی تھیں جتنا سوچتی الجھتی جاتی۔

"کیا بات ہے ابھی تک آپ سوئی نہیں ہیں؟" ایبک نے ایک دوستانہ نظر اس پہ ڈالی۔ ورنہ تنہائی میں وہ کم ہی اس سے مخاطب ہوتا۔ وہ شہر میں کافی مصروف ہوگیا تھا' ہفتے میں دو چکر گاؤں کے لگتے اور تب بھی وہ مصروف ہی ہوتا۔ سارا دن گھر سے باہر رہتا رات کو آتا تو پڑ کے سو جاتا۔

اس دن کے بعد سے وہ تو زیان کے لیے جیسے بالکل ہی اجنبی ہوگیا تھا۔ افشاں بیگم نے اس کی بے تحاشہ مصروفیت کی وجہ سے گھر میں ٹک کر بیٹھنے اور رہنے کی پابندی لگادی تھی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی مصروفیت کی وجہ سے زیان نظرانداز ہو رہی ہو۔ تب ہی انہوں نے کہا کہ کچھ دن گھر میں رہو زیان کو گھمانے پھرانے لے جاؤ اسے ٹائم دو۔ جواب میں اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار۔

ملک ارسلان نے ایبک کا مصروف ترین شیڈول دیکھتے ہوئے زیان کو آگے اپنی تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ گھر میں کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کرتی تو لامحالہ اسے شہر میں رہنا پڑتا۔ اور شہر میں ملک ایبک کے پاس اپنی رہائش تھی اس صورت میں دونوں زیادہ سے زیادہ اکٹھے رہ سکتے تھے۔ کیوں کہ ملک ایبک کا زیادہ وقت شہر میں ہی گزرتا تھا آج کل وہ گاؤں میں بھی مصروف تھا۔

"جی نیند نہیں آرہی ہے۔" زیان نے اس کی طرف حیرانی سے دیکھا کیوں کہ ایبک نے اسے خود سے مخاطب کیا تھا۔ وہ صوفے پہ بیٹھ کر شوز اتار رہا تھا۔ زیان نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اب ایبک پاؤں میں پہنی گئی جرابیں اتار رہا تھا۔ اس کے پاؤں بالکل صاف ستھرے ناخن شیپ میں تراشے ہوئے تھے اس کے پاؤں کی انگلیوں پہ ہلکے ہلکے بال موجود تھے جو بہت بھلے لگ رہے تھے۔ اب وہ اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھول رہا تھا کوٹ اس نے پہلے ہی اتار کر صوفے کی بیک پہ ڈال دیا تھا۔ اس کی شرٹ کی آستینیں فولڈ تھیں جو صوفے پہ بیٹھے بیٹھے اس نے ابھی ابھی کی تھیں۔ اس کی ہاتھ کی پشت اور بازوؤں پہ بھی گھنے بال تھے وہ غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے آپ کا جائزہ مکمل ہوچکا ہے' میں چینج کرلوں ذرا۔" ایبک نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا وہ باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔ زیان اس کی بات پہ جھینپ سی گئی۔ اس نے زیان کی نگاہوں کی چوری پکڑلی تھی۔ اسے شرمندگی ہونے لگی۔ اس نے منہ کمبل کے اندر کرلیا۔ ایبک شاور لے کر آیا تو وہ کمبل میں سر سے پاؤں تک ملفوف تھی یہاں تک کہ اس کی ایک انگلی یا بال تک بھی نظر نہ آرہا تھا۔ ایبک لائٹ بند کرکے بیڈ پہ آگیا۔ وہ اب فارغ تھا۔ زیان کی طرح وہ بھی نمناک اور رنم کی حیرت انگیز مشابہت پہ حیران تھا' لیکن اپنی حیرانی اس نے رنم سیال پہ ظاہر نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

گھر لوٹنے پہ زیان سب سے پہلے عنیزہ کی طرف گئی۔ وہ انہیں کچھ بتانے کے لیے بے چین تھی۔ عنیزہ لان میں بیٹھی خوش گوار دھوپ سے لطف اندوز

ہورہی تھیں۔ زیان بھاگنے والے انداز میں ان کے پاس آکر بیٹھی تھی۔ وہ فوراً" اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ زیان کے چہرے پہ جوش جھلک رہا تھا۔

"مما... مما میں نے نمناں سے ملتی جلتی لڑکی دیکھی ہے۔" اس نے دانستہ طور پہ اپنے لہجہ میں سسپنس سمویا تھا۔

"کہاں دیکھی ہے؟" عنیزہ فوراً" سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

"مما ہم جن کے گھر دعوت میں گئے تھے ان کی بیٹی بالکل نمناں کی ہم شکل ہے۔ وہ پاکستان سے باہر تھی حال ہی میں وہ واپس آئی ہے۔"

"اوہ تو تم سب جہانگیر کے دوست احمد سیال کی طرف گئے تھے۔" عنیزہ نے پرسکون سانس لی۔

"آپ کو جہانگیر انکل نے بتایا تو تھا کہ ہم سب ان کی طرف انوائٹ ہیں۔"

"ہاں میرے ذہن سے یہ بات نکل ہی گئی تھی۔ جہانگیر بھائی کو اپنے اس دوست کی بیٹی بہت پسند تھی ایبک کے لیے، جاکر دیکھ بھی آئے تھے۔ ہم سب نے بھی احمد سیال کی بیٹی دیکھنے کے لیے جانا تھا، لیکن پھر بعد میں پتا چلا کہ وہ پڑھنے کے لیے باہر چلی گئی ہے یوں بات آگے بڑھے بغیر ہی ختم ہو گئی۔" عنیزہ نے اپنی دھن میں بے ساختہ اسے بتایا۔ زیان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس سے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس سے پہلے بھی ایبک کے لیے کسی کو پسند کیا گیا ہے۔ ابھی مما کی زبانی اسے علم ہوا تھا اور جانے کیوں اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ بات مکمل کر کے عنیزہ نے اس کی طرف دیکھا تو انہیں اداسی نظر آئی۔ انہوں نے جیسے اس کا چہرہ اور نگاہیں پڑھ لی تھیں۔

"دراصل میں احمد سیال کی بیٹی جہانگیر بھائی کو معاذ کے لیے پسند تھی پر اس نے کہا کہ میں لڑکی دیکھے بغیر شادی نہیں کروں گا تم اس نے جہانگیر بھائی کو ٹال دیا تھا۔ معاذ نے کہا میں تو ابھی شادی کروں گا نہیں آپ کو اپنے دوست کی بیٹی اتنی ہی پسند ہے تو آپ ایبک بھائی کے لیے بات چلائیں۔ یہ بات جہانگیر بھائی کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ حالانکہ افشاں بھابھی اس کے لیے قطعی طور پہ راضی نہیں تھیں اور ایبک بھی خاموش خاموش سا رہنے لگا تھا۔ پھر بعد میں خود بہ خود ہی بات ختم ہو گئی۔ تم یہاں آئیں تو افشاں بھابھی کو پہلی نظر میں ہی بھا گئیں۔ جہانگیر بھائی کا بھی یہی حال تھا اور رہا ایبک تو اسے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اس نے خوشی سے تمہارے ساتھ شادی کے لیے رضامندی دی تھی۔"

عنیزہ کو ٹوٹ کر زیان پہ پیار آیا اس وقت وہ چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔

نہ جانے کیوں اسے رنم سیال سے حسد محسوس ہو رہا تھا اپنا آپ اسے کمتر لگ رہا تھا وہ اپنا اور اس کا موازنہ کر رہی تھی۔ رنم سیال ایک امیر باپ کی بیٹی تھی جبکہ وہ کربناک حالات سے گزر کر حویلی پہنچی تھی۔ رنم سیال کے ساتھ شادی کی صورت میں ایبک کو بے پناہ مالی فوائد حاصل ہوتے، لیکن اس نے زیان کو بغیر کسی لالچ کے اور جہیز کے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ جوں جوں وہ سوچتی جا رہی تھی احساس کمتری کے گہرے غار میں اترتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"پاپا مجھے گاؤں جانا ہے، ایبک کے ساتھ مجھے بھی وہاں ایک پراجیکٹ شروع کرنا ہے۔" وہ انہیں مطلع کر رہی تھی۔

احمد سیال نے اسے بے بسی سے دیکھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھے۔ جس طرح وہ ایبک میں کھلے عام دلچسپی لے رہی تھی وہ انہیں بہت کچھ بتانے کے لیے کافی تھا۔ جب وہ آئی تھی اس نے تفصیل سے پاپا کو ایک ایک بات سے مطلع کیا تھا۔ ایبک سے اپنا لگاؤ اور پسندیدگی ظاہر کرنے میں اسے کسی بھی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ایبک شادی شدہ ہے۔ وہ اسے بری طرح بھا گیا تھا۔ احمد سیال نے صرف اس کی خواہش پہ ملک جہانگیر کی فیملی کی خاطر اتنی بڑی تقریب منعقد کی تھی۔ وہ اس کی کوئی بات بھی نہیں ٹال سکتے

تھے۔ وہ ضدی تھی اس نے روتے ہوئے پاپا سے التجا کی تھی کہ وہ اسے کسی بھی طرح ایبک سے ملوادیں شادی کروادیں۔ وہ رو رہی تھی اور ان کا دل کٹ رہا تھا۔ پہلے بھی اپنی بات نہ ماننے پہ وہ گھر چھوڑ گئی تھی اس بار وہ کوئی انتہائی قدم اٹھالیتی تو وہ کیا کرتے۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں ایک نیا رنگ دیکھا تھا یہ جنون کا وحشت کا رنگ تھا۔

وہ ملک ایبک پہ صرف اور صرف اپنا حق سمجھ رہی تھی کیوں کہ ایبک کا رشتہ پہلے اسی کے لیے ہی تو آیا تھا۔ وہ گھر چھوڑ کر نہ جاتی تو آج ایبک کی بیوی بن کر ملک محل میں بیٹھی ہوتی۔ اس کی محبتوں پہ بلا شرکت غیرے صرف اور صرف اسی کا حق ہوتا۔ کاش یہ بات اسے ملک محل میں رہتے ہوئے ہی معلوم ہو جاتی تو وہ کسی صورت بھی ایبک اور زیان کی شادی نہ ہونے دیتی۔ بھلا زیان ہوتی کون ہے ایبک کی زندگی میں آنے والی۔ جہانگیر انکل نے اسے اپنے بیٹے کے لیے پسند کیا تھا۔ ایبک صرف اسی کا ہے۔

وہ گاؤں میں ایبک کے قریب رہنے کے لیے پلاننگ کر رہی تھی۔ احمد سیال نے اس مقصد کے لیے بھاری رقم اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروادی تھی۔

رنم سیال ملک محل آرہی تھی۔ ملک جہانگیر اس کے لیے گیسٹ روم از سر نو ڈیکوریٹ کروا رہے تھے۔ ملک جہانگیر، رنم سیال کی آمد پہ خوش تھے وہیں پہ زیان پریشان تھی۔ ایبک کے ساتھ صرف ایک ملاقات کے بعد ہی اس نے گاؤں آنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا جواباً" ملک ایبک نے بڑے خلوص سے اسے گاؤں آنے کی دعوت دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"معاذ ہم ان کے گھر گئے تھے دعوت پہ۔ یقین کرو وہ بالکل نمناں جیسی ہے۔ میں تو اسے دیکھ کر چونک گئی تھی وہ ہو بہو نمناں جیسی تھی شکل و صورت میں، صرف ڈریسنگ کا فرق تھا۔ حیرت انگیز مشابہت دیکھی ہے میں نے تو پہلی بار۔" وہ معاذ کے ساتھ اسکائپ پہ بات کرتے ہوئے جوش و خروش سے احمد سیال کے گھر جانے اور ان کی بیٹی سے ملنے کا احوال بتا رہی تھی۔

معاذ کو کچھ دن پہلے ہی نمناں کی گمشدگی کے بارے میں علم ہوا تھا۔ وہ اپنی پڑھائی کی وجہ سے مصروف تھا اس لیے اتنی توجہ نہ دے سکا تھا۔ آج فرصت سے زیان سے بات ہو رہی تھی تو وہ اسے نئی نئی باتیں بتا رہی تھی۔

"تو آپ سب سے وہ کیسے ملی؟" معاذ اندر سے چونک گیا تھا، لیکن زیان کے سامنے اس نے اظہار نہیں کیا۔

"ہم سب سے تو اچھے طریقے سے ملی تمہارے بھائی جان کو تو اس نے خاص طور پہ کمپنی دی ہے۔ پہلی ملاقات میں ہی بے تکلف ہو گئی اور اب وہ ہمارے گھر بھی آرہی ہے گیسٹ روم تیار ہے اس کے لیے۔" آخر میں زیان جل کر بولی تو معاذ ہنسنے لگا۔

"وہ ہمارے گھر کیوں آرہی ہے؟"

"گاؤں دیکھنے آرہی ہے اور کچھ سوشل ورک کرنے۔" زیان نے سادگی سے بتایا۔

"سوشل ورک کے لیے اسے شہر میں کچھ نظر نہیں آیا جو گاؤں آرہی ہیں وہ۔ اتنی دور۔" معاذ دل میں کچھ سوچ رہا تھا۔

وہ اسے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ رنم کی طرف سے ہوشیار ہو جائیں۔ زیان پریشان ہو جاتی۔ احمد سیال کے گھر جب اس نے ان کی بیٹی کے فوٹو دیکھے تو نہ جانے کیوں آپ ہی آپ اس کی سوچوں کا دھارا نمناں کے گرد مڑ گیا تھا۔ معاذ اسے جان کر تنگ کرتا تھا۔ بہت سے مواقع پہ معاذ کو ایسا محسوس ہوا کہ نمناں اصل میں وہ ہے نہیں، جو وہ خود کو ظاہر کرتی ہے اگرچہ اس نے خود کو ملک محل کے رنگ میں ڈھالنے کی پوری پوری کوشش کی تھی پھر بھی معاذ کی حساس اور زیرک نگاہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوتا رہا۔ وہ معاذ کے سوالوں سے ڈر جاتی۔ اس کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرتی۔

احمد سیال کی بیٹی اب اچانک بیرون ملک سے واپس آگئی تھی جس طرح اچانک گم ہو گئی تھی۔ نمناں غائب ہوئی

تو وہ منظر عام پہ آگئی۔ جانے کیا گورکھ دھندا تھا۔ پہلی ملاقات میں ہی ایبک سے بے تکلفی بھی معنی خیز تھی۔ معاذ اس کے بارے میں شاید کبھی بھی ایسے تجسس کا شکار نہ ہوتا اگر وہ اسے اتفاقاً "زیان بھابھی کی طرف عجیب حسد سے بھری نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نہ پکڑتا۔ وہ کیسی عجیب مبہم نگاہیں تھیں جن کی نفرت کا جواز پیش کرنا مشکل تھا۔

معاذ کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے نمل اور اب رنم سیال ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ اس نے اپنے اندازے اور محسوسات سے زیان کو لاعلم ہی رکھا تھا۔ وہ بے پناہ حساس طبیعت کی مالک تھی پریشان ہو جاتی۔

☼ ☼ ☼

ملک ایبک تیار ہو کر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔ سلمی ادھر ہی پاس بیٹھی اس کے جوتے پالش کر رہی تھی۔ زیان سیل فون ہاتھ میں تھامے خوامخواہ ہی مصروف نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایبک پرفیوم اسپرے کر کے بیٹھ گیا تھا۔ زیان نے گردن موڑ کر ایبک کی طرف دیکھا وہ صاف دھلی ہوئی جرابیں پہن رہا تھا اس کی ظاہری حالت بھی بہت منظم تھی اس کی شخصیت کی طرح۔ وہ اسے مجبور کر رہا تھا کہ زیان اس کی طرف دیکھے کچھ ایسا سحر تھا اس کی شخصیت میں۔ سلمیٰ نے آخری بار اپنے دوپٹے کے کونے سے ایبک کے شوز پہ لگی نادیدہ گرد جھاڑی۔ اس سے اس کی نگاہوں میں ایبک کے لیے خاموش سی عقیدت تھی کیوں کہ وہ بغیر اس کے کہے اس کی ضرورتوں کو سمجھ کر اکثر و بیشتر اس کی مدد کرتا تھا اس لیے وہ اس کا بے پناہ ادب کرتی تھی۔ زیان کے اندر تک جلن اور کڑواہٹ پھیلی تھی۔

"سلمیٰ جاؤ میرے لیے پانی لے کر آؤ۔" اس کی آواز اس سے غراہٹ سے مشابہ تھی۔ سلمی نے دہل کر چھوٹی بی بی کی طرف دیکھا وہ بہت تیزی سے وہاں سے بھاگی۔ چھوٹی بی بی کے جن سے وہ بھی ڈرتی تھی۔

"آپ سلمیٰ سے آرام سے بھی یہ بات کہہ سکتی تھی۔" ایبک نے خاصے رسان سے زیان کو اس کے رویے کی بد صورتی کا احساس دلایا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" زیان کے انداز میں حیرت آمیز رنج تھا جیسے اسے ایبک کی بات سے تکلیف پہنچی ہو۔

"سلمی کو ہم نے کبھی بھی نوکر نہیں سمجھا ہے۔ ان لوگوں کی بھی عزت نفس ہوتی ہے آپ نرمی سے تحمل سے بات کیا کریں سب کو وہم ہی رہتا ہے آپ کے بارے میں... نہ جانے آپ بول رہی ہیں یا آپ کا جن...!" وہ مسکراہٹ لبوں میں دبا گیا تھا۔ وہ آرام سے بول کر اس کے پاس گزر تا جا چکا تھا۔ زیان کو شدید غصہ آرہا تھا، لیکن وہ ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے جن کی آڑ میں وہ خوب چیخ چلا سکتی تھی، لیکن ایبک جن کی حقیقت سے واقف ہو چکا تھا اب وہ صبر اور جبر ہی کر سکتی تھی خود پہ۔

☼ ☼ ☼

رنم سیال ملک محل آگئی تھی۔ نوکرانیاں اسے دیکھ کر ششدر تھیں ایسے لگ رہا تھا نمل کپڑے بدل کر ماڈرن سوانگ بھر کر پھر سے آگئی ہے۔ حیرت انگیز مشابہت تھی دونوں کی۔ عنیزہ بھی اسے دیکھ کر چونک گئی تھیں پر رنم سیال کی نگاہوں میں شناسائی کی کوئی بھی رمق نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا ملک محل میں اسے ایسے رد عمل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اس لیے وہ ذہنی طور پہ خود کو سمجھا بجھا کر لائی تھی۔ اپنی اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب تھی۔ کیونکہ نوکرانیاں اور ملک محل میں رہنے بسنے والے اللہ کی شان کے گن گا رہے تھے وہ چاہے تو کیا نہیں بنا سکتا پھر ایک جیسی شکل کے دو انسان کیوں نہیں بنا سکتا۔

عنیزہ افشاں بیگم خاصی محبت سے ملی تھیں اس سے۔ ایبک اسکول کی طرف تھا۔ وہ بھی رنم سیال کی وجہ سے جلدی گھر آگیا تھا۔ کھانے میں خاصا اہتمام تھا۔ ڈائننگ ہال میں سب کے ساتھ کھانا کھا کر رنم کو اپنی انا اور عزت نفس کے سرخرو ہونے کا احساس

ہوا۔ اس ملک محل میں وہ نمناں کی عام حیثیت میں رہی تھی اب رنم سیال کی حیثیت میں سب کیسی عزت اور وقار کے ساتھ پیش آرہے تھے۔ اس کے جلتے دل پہ پھوار پڑ رہی تھی۔

کھانے کے بعد وہ آرام کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ جھٹ ملک ایبک سے اسکول اور انڈسٹریل ہوم دیکھنے کی فرمائش کردی۔ ایبک اسے اپنی گاڑی میں پہلے انڈسٹریل ہوم دکھانے لایا۔ یہاں آکر رنم کو طاقت اور اختیار کا احساس ہوا۔ یہاں وہ میڈم کی حیثیت میں بیٹھا کرتی تھی۔ چھٹی ہوچکی تھی ورنہ سب عورتیں اسے دیکھ کر حیران ہوتیں۔ اس نے اشتیاق سے ایک ایک حصہ دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ یہاں اچھا خاصا ٹائم لگ گیا تھا۔ اسکول دیکھنے جاتے تو رات کا اندھیرا پھیل جاتا۔ سو ایبک نے اسے واپسی کا کہا۔ اس نے فوراً" مان لیا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ کافی دیر ایبک کے ساتھ سٹنگ ایریا میں بیٹھی رہی۔

زیان 'بیڈروم میں معاذ کے ساتھ بات کرتے ہوئے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کررہی تھی۔ ایبک اٹھ کر آیا تو زیان اور معاذ میں رنم سیال کی باتیں چھڑی ہوئی تھیں۔ ایبک کے آتے ہی زیان نے فوراً" موضوع تبدیل کردیا۔ ویب کیم میں معاذ ایبک کو دیکھ کر اس تبدیلی کی وجہ جان چکا تھا۔ زیان نے جلدی بات ختم کردی۔ وہ نہا کر آیا تو زیان کمرے میں نہیں تھی۔ ایبک نے تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے دروازے سے باہر نظر دوڑائی وہ سخت سردی میں ٹیرس کی دیوار پہ کہنیاں ٹکائے کھڑی تھی۔

"باہر ٹھنڈ ہے زیان آپ بیڈروم میں آجائیں۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے آگیا تھا۔ ایبک ہلکی سی شرٹ میں بغیر کسی گرم کپڑے کے تھا۔

"میں چاند کو دیکھ رہی ہوں" آجاؤں گی۔" وہ قدرے رکھائی سے بولی تو ایبک سرہلاتا پلٹ گیا۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا نے اندر کی حرارت کو سردپنے میں تبدیل کردیا تھا گو پہ سے زیان نے ہیٹر بھی آن نہیں کیا تھا۔ ایبک نے ہیٹر آن کیا اور بک شیلف سے ایک کتاب نکال کر بیڈ پہ آگیا۔

آدھے گھنٹے بعد زیان بھی آگئی۔ دروازہ بند کرکے اس نے اپنا کمبل اٹھایا اور صوفے پہ لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایبک نے اس کی طرف دیکھا وہ سوچکی تھی۔ اس نے کتاب رکھ دی۔

آج سردی کافی زیادہ تھی اس نے فالتو کمبل لاکر صوفے پہ دراز زیان کے اوپر ڈالا۔ کچھ بھی سہی وہ اس کی ذمہ داری تھی۔ زیان ہلکی نیند میں تھی۔ ایبک نے اس کے اوپر کمبل ڈالا تو وہ پوری طرح بے دار ہوئی۔ ایبک اس پہ کمبل ڈال کر جاچکا تھا۔ وہ اس دن کے بعد سے بیڈ پہ نہیں سوئی تھی "آخر کو وہ بھی عزت نفس رکھتی تھی۔ اتنی گری پڑی نہیں تھی۔ جب وہ اسے اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا تو اسے بھی زبردستی پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سوچوں سے پیچھا چھڑاتے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

(آئندہ ماہ آخری قسط ملاحظہ فرمائیں)

شبانہ شوکت

آج کام بہت زیادہ تھا' ہانیہ کے ہاتھ بہت تیزی سے کی بورڈ پر چل رہے تھے' وہ کسی طرح سے بھی پانچ بجے تک کام نمٹا لینا چاہتی تھی کہ ٹائم سے گھر پہنچ سکے' پچھلے دو دن سے کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ لیٹ پہنچ رہی تھی اور اس کے نتیجے میں' تائی امی کی سخت سست بھی سننا پڑی تھیں۔ آج وہ کام جلدی کرنے کے چکر میں لنچ بھی نہیں کرپائی تھی۔ اب بھی چائے کی شدید طلب کو دبائے وہ مصروف تھی۔

"ٹھک ٹھک" دو انگلیوں سے اس کی ٹیبل بجائی

ناولٹ

گئی' اس نے حیرت سے انگلیوں سے چہرے تک کا سفر طے کیا اور گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔ "جی سر"

"بیٹھیے پلیز۔"

ایک۔ اس کا باس' ہاتھوں میں چند پیپرز لیے کھڑا تھا اسے متوجہ پاکر وہ پیپرز اس کی طرف بڑھا دیے۔

"انہیں بھی فیڈ کردیجیے۔"

"یس سر۔" وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ یعنی مزید دیر۔۔۔۔

"کیا بات ہے' آپ تھک گئی ہیں یا۔۔۔۔"

"نہیں سر' میں کرلیتی ہوں۔"

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر واپس اپنے آفس چلا گیا۔ "توبہ آنکھیں ہیں یا ایکسرے' اندر باہر دیکھ لیتے ہیں۔" وہ پھر سے مصروف ہوگئی' پھر جیسے ہی کام ختم ہوا وہ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرکے' پیپرز سمیٹ کر فائل میں لگا کر' باس کے آفس میں آگئی۔ وہ فون پر مصروف تھا' اسے بیٹھنے کا اشارہ کرکے اس نے فون پر اختتامی کلمات کہے اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے فائل آگے بڑھائی۔ وہ اسے پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔ ہانیہ نے وال کلاک میں دیکھا' پانچ پینتیس ہوچکے تھے' اس کے ہونٹ بھنچ گئے' آج بے عزتی سے بچ جانا' ناممکنات میں سے تھا۔

اس نے ایبک کی طرف دیکھا جو فائل کے بجائے خود اس کے مطالعے میں محو تھا۔ ٹیبل پر کہنی ٹکائے' ہاتھ کی مٹھی بنا کر اس پر تھوڑی رکھے' اپنی طلسمی نگاہیں ہانیہ پر جمائے' بڑی دلجمعی سے اسے دیکھ رہا تھا' وہ سٹپٹا سی گئی' اسے متوجہ دیکھ کر اس نے اپنی پوزیشن تبدیل کی اور کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر بازو سینے پر باندھ لیے نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں جاؤں سر۔" اس نے اجازت طلب کی۔

"بیٹھیں میں نے چائے منگوائی ہے۔"

"نہیں سر' پلیز' میں آل ریڈی بہت لیٹ ہوچکی ہوں۔"

"ہوچکی ہیں نا' تو کچھ دیر اور سہی' چائے پی کر کچھ فریش ہوجائیں گی۔"

"ساری فریش نیس نکال دیں گی تائی امی۔"

وہ بے بسی سے سوچ کر رہ گئی تھی' اسی اثنا میں چائے آچکی تھی' اس نے اتنی تیزی سے چائے ختم کی کہ اس کا آخری گھونٹ بھی بہت گرم تھا' مگر وہ اس کے ٹھنڈی ہونے کے انتظار میں مزید دیر کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی' سو فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے اٹھتے ہی ایبک بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا' اس نے اپنا کپ

وہیں چھوڑ دیا جو آدھا چائے سے بھرا ہوا تھا کیوں کہ وہ بہت آرام سے پی رہا تھا۔

"او کے سر میں اب جاؤں۔"

"چلیں۔" اس نے اس کے لیے دروازہ کھولا' وہ تیزی سے اس کے قریب سے گزر کر باہر نکلی' اس کی مسحور کن خوشبو اس کے ساتھ ساتھ آئی تھی' اس نے ایک لمبا سانس لے کر اس خوشبو کو اپنے اندر محفوظ کر لینا چاہا تھا۔

"یہ اتنے لمبے' لمبے سانس آپ عادتاً" لیتی ہیں یا جب تھکی ہوئی ہوتی ہیں تب ہی لیتی ہیں۔" اپنے اتنے قریب سر ایبک کی آواز سن کر وہ اچھل ہی پڑی۔

"سر' آپ۔" وہ ہکلا سی گئی۔

"جی میں۔" وہ اسی طرح اس کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی اور وہ پارکنگ کی طرف' ابھی وہ گیٹ سے باہر نکلی ہی تھی کہ اس کی کار اس کے قریب آکر رکی' ساتھ ہی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا تھا۔

"آیئے مس ہانیہ"

وہ چکرا سی گئی۔ "سر پلیز' میں چلی جاؤں گی۔"

"تو فارملیٹی، آیئے، ویسے بھی آپ لیٹ ہو چکی ہیں۔"

اس کے حتمی لہجے پر وہ بے بس ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

وہ پاس تھا شوفروں کی طرح اس کے انتظار میں رکا نہیں رہ سکتا تھا۔ کار میں وہی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو اس کے حواس سلب کرتی تھی۔ اس کے اتنے پاس بیٹھنا، اس کی خوشبو کو محسوس کرنا، یہ سب کوئی خواب لگ رہا تھا اور وہ ہمیشہ کے لیے اس خواب میں رہنا چاہتی تھی، اس نے چور نظروں سے اسے دیکھا، وہ مکمل طور پر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ تھا، گہری سیاہ آنکھیں سامنے فوکس تھیں۔ ہانیہ نے کبھی کسی کی اتنی سیاہ آنکھیں نہیں دیکھی تھیں، اتنی کالی اور چمکدار آنکھیں، مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی تھیں، سیاہ گھنی پلکیں، جڑے ہوئے ابرو، اس کی آنکھوں کی خوب صورتی کو بڑھاتے تھے، وہ بہت شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ نظر جرا کر ہی بات کرتی تھی۔

"پتا نہیں کون خوش نصیب اس عالیشان بندے کی بیوی بنے گی۔" اس نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔

"ویسے گاڑی میں اے سی تو چل رہا ہے۔" یہ اس کی ٹھنڈی سانس پر کمنٹ آیا تھا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"جی، جی سر۔"

"اچھا میں ایک بات کلیئر کر دوں، مجھے کراچی کے سارے راستوں کا علم ہے، لیکن میں کسی کو اس کے گھر تک بغیر ایڈریس معلوم کیے نہیں پہنچا سکتا۔"

اس کے میٹھے طنز پر ہانیہ کا شرمندگی سے برا حال ہو گیا تھا۔

"میں ایڈریس بتاتی ہوں سر۔"

ایبک نے مسکراہٹ چھپانے کو ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ وہ ایڈریس بتاتی گئی اور گاڑی کو اس کے بتائے ہوئے ایڈریس کے مطابق گھماتا مطلوبہ روڈ تک لے آیا۔

"بس سر، یہ روڈ کراس کر کے آگے گلی میں ہمارا گھر ہے۔"

اس نے گاڑی روکی۔ وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے اتر آئی۔

"آیئے سر، ہمارے گھر تشریف لایئے۔"

اس نے اخلاقاً دعوت دی، لیکن اس وقت حیران رہ گئی جب اس کے گاڑی سے اترتے دیکھا۔

"چلیے"

"جی، جی۔" وہ اتنی تیزی سے مڑی کہ اس کے ہونٹوں پر پھیلتی مسکراہٹ دیکھ ہی نہ پائی تھی۔ گھر کی بیل بجاتے ہوئے وہ خوف زدہ تھی۔ ایبک البتہ حیران سا اس عالیشان عمارت کو دیکھ رہا تھا۔ گیٹ پر تایا جان نمودار ہوئے تھے۔

"اتنی دیر۔" ایبک پر نگاہ پڑتے ہی انہیں بریک لگ گئی۔

"یہ میرے باس ہیں سر ایبک تیمور صاحب، آج زیادہ دیر ہو گئی تو سر مجھے چھوڑنے کے لیے آ گئے۔"

اس نے جلدی سے وضاحت کی، مبادا تایا جان مشکوک ہو کر کچھ اور نہ سمجھ بیٹھیں۔ باس کا سن کر تایا جان کا رویہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ "آیئے تشریف لایئے۔"

"نہیں، اب میں چلتا ہوں۔ او کے مس ہانیہ۔" وہ روڈ سے لہجے میں معذرت کرتا واپس چلا گیا۔ وہ تایا جان کے پیچھے چلتی لاؤنج میں آئی تھی۔

"یہ تمہارے آنے کا ٹائم ہے، اور یہ مالکان کب سے اپنے ورکرز کو گھروں تک چھوڑ کر آنے لگے؟"

"نہیں تایا جان، سر کبھی کسی کو چھوڑنے نہیں جاتے، آج بہت دیر ہو گئی تو شاید اس لیے مجھے بھی اپنی گاڑی میں بٹھا لیا، آج کل کام بہت ہے۔ میں کتنی ہی کوشش کر لوں، مگر ٹائم پر ختم نہیں کر پاتی۔" اس نے بے بسی سے انگلیاں چٹخائیں۔

"اچھا۔ جاؤ اپنے کمرے میں، آج شیریں گھر پر نہیں ہے ثمنہ کے ساتھ اپنی فرینڈ کی بیٹی کے انگیج منٹ فنکشن میں گئی ہوئی ہے، ورنہ تمہاری اتنی تاخیر پر بہت غصہ کرتی۔"

اس کی تو آدھی تھکن ہی اتر گئی تھی۔ تائی امی کے

گھر پر موجود نہ ہونے کا سن کر، ورنہ تو آتے ہی ان کی عدالت میں حاضر ہوتا اور ان کے فضیحتے سنتا۔

ہانیہ کے امی، ابو ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال کر چکے تھے۔ تایا جان کو مجبوراً اسے اپنے پاس لانا پڑا تھا۔ تائی جان تو بہت مجبوری میں اسے برداشت کر رہی تھیں۔ اس کا بے پناہ حسن انہیں ہولائے دیتا تھا۔ ان کے چار بچے تھے۔ دو بیٹے، دو بیٹیاں، عاصم بھائی سب سے بڑے تھے، انگلینڈ گئے تھے پڑھنے کے لیے پھر وہیں جاب کرلی اور وہیں شادی کرکے وہیں کے ہوگئے۔ رومانہ شادی کے بعد دبئی چلی گئیں۔ پیچھے عرصم اور سمانہ تھے۔ بے حد لاڈ و پیار سے پلے ہوئے۔ تائی امی کو خطرہ اس کے حسن بے مثال سے تھا، وہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتی تھیں کہ وہ ان کی بھانجی زرش کو چھوڑ کر ہانیہ کا نام ان کے سامنے پیش کرے، حالانکہ عرصم بہت لاابالی سا لڑکا تھا جو اپنی ہی دلچسپیوں میں مشغول رہتا تھا اور سمانہ اپنے حسن کی تابناکیوں میں اضافہ کے لیے پارلروں کے چکر لگانے کے علاوہ جو ٹائم بچتا اس میں اسی حسن میں گرفتار اپنے پروانوں سے فون پر بالمشافہ ملاقاتوں میں مصروف رہتی تھی۔ اب ایک وہی فالتو بچتی تھی۔ جس پر تائی امی اپنے ستم آزماتی رہتی تھیں۔ اگر وہ جاب نہ کررہی ہوتی تو ہر وقت تائی امی کی طنز و تشنیع سن کر پاگل ہوگئی ہوتی۔

✡ ✡ ✡
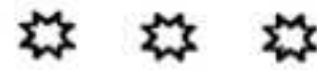
"ہانیہ لگتا ہے سر، تمہارے لیے "کچھ کچھ" محسوس کرنے لگے ہیں۔" مومنہ بڑے شرارتی لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

وہ گڑبڑا گئی۔ "کیا مطلب؟ فضول مت بولو۔"

"خیر فضول تو ہرگز نہیں ہے، یہ تمہاری ٹیبل کے پاس آکر رک جانا، کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی۔ بلاوجہ تمہیں مخاطب کرنا اور کتنی کتنی دیر تک تمہیں دیکھنا بلکہ دیکھتے ہی رہنا۔"

"مومنہ پلیز۔" وہ شرم سے سرخ پڑ گئی تھی۔

مومنہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"او ہو، ہانیہ صاحبہ کے دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں اور کیوں نہ پھوٹیں، سر ایک کوئی عام انسان تو نہیں، اگر وہ تمہارے ساتھ سیریس ہیں تو یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے۔"

"بس کرو مومنہ پلیز، کسی نے سن لیا تو کتنی سبکی ہوگی۔ ضروری نہیں جو تم سمجھ رہی ہو وہی بات ہو اور اگر یہی بات ہو تب بھی اتنا آگے کا سوچنا ٹھیک نہیں ہے، میں ہوں تو ان کی ملازم ہی نا۔"

"یار ایسے تو نہ کہو۔" مومنہ نے خفگی سے کہا۔

"کیسے نہ کہوں مومنہ، میری تائی عرصم بھائی کو مجھ سے یوں بچا بچا کر رکھتی ہیں کہ کسی طرح میں انہیں متاثر نہ کرلوں تو سر ایک کی والدہ نے اپنے اسٹینڈرڈ کی لڑکی نہیں ڈھونڈی ہوگی ان کے لیے، ایک آفس ورکر ان کی چوائس کبھی نہیں ہوسکتی۔"

"شاید" مومنہ اب ڈھیلی پڑ چکی تھی۔

"میں اسی لیے اتنے اونچے خواب ہی نہیں دیکھتی۔" وہ افسردگی سے کہہ کر سر کرسی کی بیک پر رکھ کر آنکھیں موند کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرنے لگی، مگر دل بھر آیا۔ کتنے ہی آنسو دائیں، بائیں کنپٹیوں میں جذب ہوتے رہے۔ مومنہ خاموشی سے اپنی جگہ پر چلی گئی تھی۔ کافی دیر بعد جب دل ہلکا ہوگیا تو وہ چہرہ پونچھتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی سامنے نظر پڑی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بالکل سامنے کھڑا تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے، بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے متوجہ پاکر دو قدم آگے بڑھ آیا۔ "اینی پرابلم مس ہانیہ؟"

"نو سر، کچھ نہیں۔" وہ ہکلا سی گئی۔

"تو آپ رو کیوں رہی تھیں ابھی؟"

"وہ، مجھے ممی، پاپا یاد آگئے تھے۔" اسے بہانہ سوجھ ہی گیا۔

"تو رونے کی کیا بات ہے مل آئیں ان سے، کہاں ہیں وہ؟" وہ حیران سا تھا۔

"ان کی تو وفات ہوچکی ہے۔" ہانیہ کی آنکھیں لبالب بھر گئیں۔ ایک تو لب بستہ سا کھڑا رہ گیا تھا۔

"او، سو سیڈ" پھر وہ ہلکے سے کھنکارا۔

"آپ اب اٹھ جائیں۔ ہاتھ منہ دھو کر فریش ہو جائیں' میں چائے منگواتا ہوں۔" وہ منع کرنے لگی' لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ وہ اٹھ کر واش روم چلی آئی۔ تھوڑی دیر بعد آئی تو وہ اپنے آفس جا چکا تھا۔ مومنہ نے بتایا کہ وہ اسے بھی وہیں آنے کا کہہ گیا ہے۔

وہ اندر آ گئی جہاں پیون چائے ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

"بیٹھیں۔" وہ بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں سوج سی گئی تھیں اور ناک اور گال سرخ ہو رہے تھے۔ وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ ایبک مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے چائے پی رہی تھی کہ ایبک کی نظروں کے ارتکاز نے چونکا دیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ ہانیہ کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ رخ موڑ کر سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "یا حیرت" ہانیہ کو جھٹکا سا لگا تھا۔ پہلی ملاقات سے لے کر اس دن تک اس نے کبھی اپنی نظروں کا رخ نہیں موڑا تھا جب بھی دیکھتا تھا۔ نظر جما کر دیکھتا تھا وہ کنفیوژ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگ جاتی پر وہ یونہی دیکھتا رہتا۔ اب اسے اس تبدیلی سے جھٹکا نہ لگتا تو کیا ہوتا۔ بغیر دیکھے ایبک نے اس کی حیرت کو محسوس کر لیا تھا اور لبوں پر بے ساختہ در آنے والی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے چائے کا کپ منہ سے لگا لیا تھا۔ چائے ختم کر کے وہ اٹھ گئی۔ "میں جاؤں سر؟"

ایبک نے سر کی جنبش سے اجازت دی تھی' فائل میں اس کا انہماک قابل دید تھا' حیران پریشان ہانیہ جیسے کسی جادو کے اثر میں اپنی کرسی پر آ کر بیٹھی تھی۔ وہ یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا تھا تو شرم آمیز گھبراہٹ اسے گھیر لیتی تھی اور جب بے نیاز بنا فائل دیکھتا رہا تو الجھن ہونے لگی۔

"ہانیہ! سر نے کچھ کہا تم سے؟" وہ آ کر بیٹھی ہی تھی کہ مومنہ آ ٹپکی۔

"کیا مطلب کچھ کہا؟"

"میرا مطلب ہے کہ وہ ہمارے بالکل پیچھے ہی کھڑے تھے جب ہم ان ہی سے متعلق باتیں کر رہے تھے تو سن لینے کے بعد کوئی رسپانس تو نہیں دیا۔"

"نہیں' بس چائے منگوائی تھی پی کر میں آ گئی۔" اس نے مومنہ کو ٹال دیا' لیکن سچ تو یہ تھا کہ اسے ایبک کے رویے میں موجود تبدیلی کا سراغ مل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سر ایبک کے بڑے بھائی کی شادی تھی' سارے آفس کو کارڈز بانٹے گئے تھے۔

"تم چلو گی ہانیہ؟" مومنہ نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتی' اگر پرمیشن ملی تو۔" اس نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

"کارڈ کتنا شاندار ہے۔" مومنہ نے توصیفی نظروں سے کارڈ کو دیکھا۔

"ظاہر ہے جیسا پیسہ ہو گا' ویسی ہی چیز ہو گی۔"

"صحیح بات ہے۔ ویسے نام تو دیکھو کیسے شاہانہ ہیں۔ ببرک تیمور' سن آف زرک تیمور اور ہمارے سر ہیں ایبک تیمور اور ایک بہن ہے ان کی سبک تیمور' ایک دفعہ سر کے فادر کے ساتھ آئی تھی' اسکول کی اسٹوڈنٹ ہے۔"

"اتنی چھوٹی؟" ہانیہ حیران ہوئی۔

"ہاں' چودہ پندرہ سال کی ہو گی' چلو پھر تم گھر سے پوچھ کر بتاؤ تو ذرا تیاری تو کریں۔"

"ٹھیک ہے میں بتا دوں گی۔"

☆ ☆ ☆

ہانیہ کی توقع کے برعکس اسے بہت آرام سے اجازت مل گئی تھی۔ بارات والے دن وہ ہال میں کچھ لیٹ ہی پہنچی تھی۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا' اتنے ہجوم میں کسی شناسا' چہرے کو ڈھونڈنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ اتنے میں اس کے سیل پر کال آنے لگی۔ اس نے دیکھا مومنہ کا نام بلنک کر رہا تھا۔ "ہاں مومنہ! کہاں ہو؟"

"لیفٹ روسے تیسری ٹیبل پر۔" اس نے بائیں طرف دیکھا' مومنہ کھڑی ہو کر دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر اسے متوجہ کر رہی تھی۔ وہ تیزی سے وہاں پہنچی' مومنہ کے ساتھ تین اور آفس کی خواتین بھی تھیں۔ مل کر وہ بھی

ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

"اللہ ہانیہ' کتنی پیاری لگ رہی ہو' ماشاء اللہ سے۔" مومنہ نے بے اختیار اس کی تعریف کی۔ وہ مسکرا دی تھی۔ میجنٹا Majenta 'پرپل اور شاکنگ پنک 'کنٹراسٹ کے لباس میں میچنگ جیولری اور میک اپ نے اس کے حسن کو وہ نکھار دیا تھا کہ مومنہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ اس پورے ہال میں کوئی بھی اس کے مقابلے کی حسین لڑکی نہیں تھی۔

"ہیلو ہانیہ۔" اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور سمانہ کو دیکھ کر اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ سمانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"حیران ہو گئی ہو نا۔ ایکچوئلی پاپا بھی انوائٹڈ تھے' لیکن تمہیں سرپرائز دینے کے لیے نہیں بتایا۔" ہانیہ مسکرا دی۔ اس نے مومنہ اور سمانہ کا آپس میں تعارف کروایا۔ مومنہ سمانہ سے متاثر نظر آرہی تھی اور کیوں نہ ہوتی' سمانہ ایلیٹ کلاس کی نمائندہ جو بنی کھڑی تھی۔ مہنگا ترین سوٹ' مہنگے پارلر سے کروایا گیا میک اوور' وہ بہت متاثر کن نظر آرہی تھی۔

"تائی امی بھی آئی ہیں؟"

"ہاں' وہ اپنی جاننے والیوں کے ساتھ بیٹھی ہیں۔"

اتنے میں دولہا' دلہن اسٹیج پر آگئے' شوخ و شرارتی رسمیں ہونے لگیں' ہر طرف قہقہے بکھر رہے تھے' ہیرک بھی ایبک ہی کی طرح بہت خوب صورت تھا' دلہن بھی بہت حسین تھی۔ ایبک بلیک کرتے اور سفید شلوار میں بہت مختلف اور بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہنستا' مسکراتا' چھیڑ چھاڑ کرتا ہانیہ مسلسل اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ معاً اسے اس کی نظروں کا احساس ہوا تھا وہ ایک دم مڑا اور ہال میں نظریں دوڑانے لگا۔ ہانیہ نے گھبرا کر رخ موڑا اور سمانہ اور مومنہ کی طرف توجہ کرلی تھی۔

"ہیلو۔" اس کے بالکل نزدیک ایبک کی آواز آئی تھی۔ وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ "السلام علیکم سر۔"

"بیٹھیں پلیز' یہ آفس نہیں ہے۔" وہ بڑی دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔ مومنہ و دیگر بھی احتراماً کھڑی ہو چکی تھیں' اس کے کہنے پر پھر سے بیٹھ گئیں' مگر ہانیہ اسی طرح کھڑی رہی۔ ایبک کے سامنے اس کے حواس یونہی گم ہوجاتے تھے' یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔

"وہ ابھی ڈارلنگ' آپ کے ڈیڈ بلا رہے ہیں۔" ایک بہت ہی خوب صورت اور ماڈ خاتون ایبک کے پاس آئیں اس کے بازو سے پکڑ کر ساتھ لے جانا چاہا۔

"یس مام' میں چلتا ہوں' آپ ان سے ملیے۔" وہ فرداً فرداً سب کا تعارف کرواتے سمانہ پر آکر رک گیا۔

"یہ میری کزن ہیں سمانہ بلال۔" ہانیہ نے تعارف کروایا۔

"آنٹی میں مسز شیریں بلال کی بیٹی ہوں۔" سمانہ نے بتایا۔

"اوہ یس' میں پہچان گئی' آئی ہیں نا شیریں' میں ملتی ہوں ان سے۔" پھر وہ ہانیہ کی طرف مڑیں۔ "آپ کیا نام بتایا آپ نے؟"

"ہانیہ منصور۔"

"ہاں' ہانیہ بیٹا' میں آپ سے دوبارہ ملنا چاہوں گی کبھی فرصت میں' آج تو ٹائم کی بہت کمی ہے۔ بہت اچھا لگا آپ سے مل کر' سو کیوٹ اینڈ پریٹی۔" انہوں نے پیار سے اس کا گال چھوا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ ہنس پڑیں' اسی پل ایک کم عمر سی پیاری سی لڑکی انہیں پکارتی ہوئی پاس چلی آئی۔

"مام اینڈ بھائی' ڈیڈ آپ کو بلا رہے ہیں۔ اوہ مائے گڈنیس۔" اس کی نظر ہانیہ پر پڑی تو وہ بات ہی بھول گئی۔

"ہاؤ بیوٹی فل شی از" وہ ہانیہ کے پاس آئی اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ آئی ایم سبک۔

"ہانیہ۔" اس نے تعارف مکمل کیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ کا تو نام بھی آپ ہی کی طرح خوب صورت ہے۔"

"آپ بھی بہت پیاری ہیں۔" وہ حقیقتاً" بہت کنفیوژ ہو رہی تھی۔ اس کی کیفیت سمجھ کر ہی ایبک

نے اپنا رخ موڑ لیا تھا۔

"آپ ولیمہ فنکشن میں بھی آئیے گا' میں آپ سے فرینڈ شپ کروں گی اور آپ ہمارے گھر بھی آئیے گا ابی بھائی۔"

"اب آپ کو دیر نہیں ہو رہی' آپ تو ہمیں بلانے آئی تھیں۔" ایبک نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

وہ تینوں کے چلے جانے کے بعد گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھی تھی۔ اتنی تعریف اور وہ بھی ایبک کی موجودگی میں جس کے لبوں پر مسلسل مسکراہٹ رقص کر رہی تھی' ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد پھر وہ اسے دیکھ ہی نہیں پائی تھی' بن دیکھے اسے سب محسوس ہو رہا تھا اور صرف اس کے ہی نہیں' مومنہ اور سمانہ کو بھی سب کچھ نظر آیا تھا۔

"آپ نے دیکھا سمانہ' لوگ کیسے اس کے حسن سے امپریس ہوتے ہیں؟" مومنہ نے شرارت سے ہانیہ کو دیکھا۔

"یہ ایبک صاحب آفس میں بھی یونہی مسکرا مسکرا کر ہانیہ کو دیکھتے ہیں۔" سمانہ نے ایک کنیلی نظر اس پر ڈالی تھی۔ ہانیہ کا رنگ سفید پڑ گیا تھا' مومنہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے' آفس میں تو بہت سخت باس ہیں' یہ تو ظاہر ہے ان کے بھائی کی شادی کا فنکشن ہے تو وہ اتنے خوش ہیں۔" اس نے سنبھل کر محتاط الفاظ کا انتخاب کیا۔ سمانہ کندھے اچکا کر اٹھ گئی۔ "میں مما کے پاس جا رہی ہوں۔"

"توبہ ہے' کتنی تیز ہے' اتنی سی دیر میں کیسے ٹھیک اندازے لگا لیے۔" اس کے جانے کے بعد مومنہ نے لمبی سانس آزاد کی تھی۔ اتنے میں کھانا سرو ہونا شروع ہو گیا چونکہ ٹیبل سروس تھی اس لیے وہ بھی خاموشی سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ کھانا آخری مراحل میں تھا کہ سبک اور اس کی مام آ گئیں' کھانا ٹھیک سے لینے کی ہدایت کر کے وہ تو مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئیں' مگر سبک اس کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔ وہ اتنی پیاری اور معصوم سی باتیں کر رہی تھی کہ کچھ دیر پہلے کی ساری کوفت جاتی رہی تھی۔

"میں نے ابی بھائی سے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ آپ کے آفس میں اتنی پیاری لڑکی آتی ہے میں ان سے ضرور ملتی۔"

"تو انہوں نے کیا کہا؟" مومنہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"Silly girl" اس نے بھاری آواز بنا کر ایبک کی نقل اتاری۔ تینوں ہی ہنس پڑی تھیں۔

"ڈیڈ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر آواز دی۔ زرک صاحب مسکراتے ہوئے پاس آئے۔ "یس؟"

"ڈیڈ ان سے ملیں یہ ہانیہ ہیں۔ ابی بھائی کے آفس میں ہوتی ہیں۔ کتنی کیوٹ ہیں نا۔ میں نے ان کو اپنی فرینڈ بنا لیا ہے۔" وہ تیز تیز بول رہی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے اسے سن رہے تھے۔ ہانیہ اور مومنہ نے اٹھ کر انہیں سلام کیا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اب میں جا سکتا ہوں؟"

"جسٹ آمنٹ" وہ اٹھ کر ان کے پاس گئی اور پنجوں کے بل اونچی ہو کر ان کے کان میں کچھ کہنے لگی' وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکے ہوئے تھے' اس کی بات سن کر انہوں نے باقاعدہ ہانیہ کو دیکھا تھا اور ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ پھر انہوں نے بھی اس سے سرگوشی میں کچھ کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئے تھے۔ سبک بھی ان کے پیچھے ہی گئی اور کچھ ہی دیر میں ایبک کا ہاتھ پکڑ کر آتی دکھائی دی' ہانیہ تو ویسے ہی نروس ہو رہی تھی' اب تو سچ مچ پزل ہو گئی' جلدی سے سیدھی ہو کر بیٹھی اور کولڈ ڈرنک بھی سائیڈ پر رکھ دی۔ مومنہ ایبک کو آتے دیکھ کر واش روم کے بہانے کھسک گئی اور دیگر خواتین آپس میں مصروف تھیں۔

"ابی بھائی' آپ ہانیہ کو بولیں کہ ولیمہ میں بھی ضرور آئیں اور ہمارے گھر بھی۔"

"گھر پر تو آپ انوائٹ کریں' ولیمہ سرمنی کے لیے میں آپ کو پرسنل انوائٹ کر رہا ہوں کہ آپ ضرور آئیں۔" وہ سبک سے اور ہانیہ سے بیک وقت مخاطب ہوا تھا۔

"ویس سر' میں ضرور آؤں گی۔" اس نے نظریں جھکائے جھکائے کہا تھا۔ سبک نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "اور ہمارے گھر؟"

"وہاں بھی آؤں گی ان شاء اللہ۔" اتنے میں سیل پر تایا جی کی کال آنے لگی' وہ اسے باہر بلا رہے تھے۔

"تو کے۔ میں اب چلوں۔"

"ہانیہ میں آپ کے ساتھ ایک Snap بنوالوں؟" اب وہ سٹپٹائی تھی۔ "مجھے دیر ہو جائیں گی۔"

"نہیں' بس فیو منٹس بھائی جلدی کریں۔" وہ ہانیہ کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ ایبک نے اپنا سیل نکالا اور اس میں ان دونوں کی تصویر کھینچ لی تھی۔ اس نے اپنے چہرے کے تاثرات بالکل نارمل رکھے تھے کیوں کہ ہانیہ کی کیفیت دیکھ کر تو یہی لگ رہا تھا کہ وہ بے ہوش ہونے والی ہے۔

"اچھا اب تو جاؤں نا؟" وہ مری مری آواز میں بولی تھی سبک اس سے لپٹ گئی۔ "آئی لو یو ہانیہ اینڈ مس یو۔"

اس نے مسکرا کر اس کے گال پر پیار کیا۔ بہت ہی پرخلوص بچی تھی۔ اسے واقعی بہت پیاری لگی۔ ایبک کے ساتھ باہر تک اسے چھوڑنے آئی تھی۔

✡ ✡ ✡

ولیمہ فنکشن میں اس کا سوٹ گرین اور بلیک کنٹراسٹ میں تھا۔ وہ بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ اس بار اسے کچھ اور ہی طرح سے ویلکم کیا گیا تھا۔ زرک تیمور اور ان کی مسز بہت پیار سے اس سے ملے تھے اور رومیصہ تیمور نے اسے اپنی چند دوستوں سے بھی ملوایا تھا۔ ایبک بلیک سوٹ میں اپنی شان دار لک کے ساتھ موجود تھا۔ اس سے سرسری سامنے کے بعد اسٹیج پر ہی مصروف رہا تھا' سبک البتہ اسے پورا ٹائم دے رہی تھی۔ آج اس کی دو دوست بھی اس کے ساتھ تھیں' جن سے اس نے ہانیہ کا تعارف کروایا تھا۔ وہ گفٹ دینے کے لیے اسٹیج پر آئی تو ایبک آکر اس کے بالکل ساتھ کھڑا ہو گیا تھا۔ "بوبی! یہ مس ہانیہ ہیں۔" ببرک نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"تھینک یو۔" اس نے مسکرا کر گفٹ اور بکے باری باری دونوں کے حوالے کیے۔

"آئیں' بیٹھیں نا۔" علیشا نے اپنے برابر ہاتھ رکھا۔

"نہیں' میں اب چلتی ہوں' لیٹ ہو جاؤں گی۔"

"یہ ہمیشہ لیٹ ہونے کے ڈر سے لیٹ ہو جاتی ہیں۔" ایبک کے تبصرے پر وہ دونوں ہنس پڑے تھے جبکہ ہانیہ خفت سے سرخ پڑ گئی تھی۔ وہ مڑی تو علیشا کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ "کتنی خوب صورت ہے یہ' ابھی بھی ٹھیک...." آگے وہ سن نہیں پائی' تیز تیز قدم اٹھاتی وہ ہال سے باہر جا رہی تھی۔

"کیا ہال میں بم بلاسٹ ہونے کی اطلاع آئی ہے' جو آپ یوں اسپیڈ سے یہاں سے نکلنا چاہ رہی ہیں۔" اپنے بالکل پاس ایبک کی آواز سن کر یوں اچھلی کہ گرتے گرتے بچی تھی۔

"ریلیکس" وہ اس کے بالکل ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"سر پلیز' میں چلی جاؤں گی۔" اس نے اسے منع کرنا چاہا۔

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ ہمیشہ یہیں رہیں گی۔" وہ ہمیشہ کی طرح لاجواب ہو گئی۔

"آئیے۔" وہ اسے ساتھ لیے اپنی گاڑی تک آیا اور دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سر آپ زحمت نہیں کریں' میرے تایا جی آئے ہوئے ہیں انہوں نے کہا تھا میں گفٹ دے کر آجاؤں' وہ یہیں ہوں گے۔" اس نے سر گھما کر چاروں طرف دیکھا۔

"وہ جا چکے ہیں۔" وہ بہت رسان سے بولا تھا' ہانیہ کی متلاشی نگاہیں تھک کر ایبک کے چہرے پر آٹکیں جو بہت اطمینان سے اسے دیکھنے میں مصروف تھا' اس نے رخ موڑ لیا تھا اس کے موبائل پر رنگ بیل ہونے

لگی۔ تایا جی تھے۔

"ہانیہ بیٹا میں تمہیں بتا نہیں سکا' مجھے ایمرجنسی میں اسپتال آنا پڑا ہے' میرے دوست شفاعت کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے' تم آجاؤ گی یا میں عرصم سے کہہ دوں۔"

"میں آرہی ہوں تایا جی۔" اس نے فون بند کردیا۔ ہمیشہ وہ نئے سرے سے دکھ محسوس کرتی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ عادی ہوجاتی پر وہ نہیں ہوتی تھی۔ اب بھی دل میں یہی خیال آرہا تھا کہ اگر سمانہ یہاں اس کی جگہ ہوتی تو کیا تب بھی تایا جی یونہی چلے جاتے اس کا کھلا ہوا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ ایک بہت غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ "چلیں آئیں' میں آپ کو پہنچا دوں۔"

"آپ کو زحمت ہوگی۔"

" Don't mention " وہ اپنی گاڑی نکال کر روش پر لے آیا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کو ہماری فیملی' آئی مین۔ میرے بہن بھائی' مام ڈیڈ سب کیسے لگے۔"

"بہت اچھے بہت ہی اچھے ہیں سب۔"

"اور میں' میں کیسا ہوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ہانیہ کے چہرے پر سرخی لہرائی "آپ بھی بہت اچھے ہیں سر۔"

"اپنی تعریف تو میں نے زبردستی کروائی ہے' پھر بھی تھینکس۔" اس کے شرارت سے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور یہی ایک چاہ رہا تھا کہ وہ افسردگی جو اس پر چھاگئی ہے وہ دور ہوجائے۔

☼ ☼ ☼
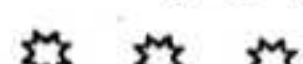
ببرک کی شادی کے بعد وہ لندن چلا گیا تھا۔ تقریباً" دو ہفتوں کے بعد واپس آیا تھا۔ آتے ہی اس نے فون کرکے ہانیہ کو اندر بلایا تھا۔

"اوہ۔ بہت دن ہوگئے دیکھے ہوئے' آتے ہی بلالیا۔" مومنہ شرارت سے کھنکاری تھی۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئی۔ دروازہ ناک کرکے آئی تو وہ فون پر مصروف تھا۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرکے اس نے فون نمٹایا تو سیل فون گنگنانے لگا تقریباً" دس منٹ وہ بات کرتا رہا' اسے بند ہی کیا تھا کہ اکرام صاحب آگئے۔ ظاہر ہے وہ اتنے دن بعد آیا تھا تو کام بھی پیچھے ٹھیک ٹھاک جمع ہوگیا تھا۔ ان سے ڈسکشن کرتے ہوئے پندرہ منٹس مزید گزر گئے' وہ رخصت ہوئے تو وہ لمبی سانس لیتا اس کی طرف متوجہ ہوا جو کب سے چپ چاپ بیٹھی اپنے بلوائے جانے کی وجہ جاننے کی منتظر تھی۔

"کیسی ہیں آپ اور کام کیسا چل رہا ہے؟"

"سب ٹھیک ہے سر۔"

"آپ سے کچھ پرسنل سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

"پرسنل سوال؟" اس کا دل دھڑک گیا۔ "جی سر"

"آپ جاب کیوں کرتی ہیں؟"

"جی سر؟" وہ حیران رہ گئی تھی اس سوال پر۔

"آپ کے انکل تو ویل آف ہیں' ان کی اپنی بیٹی بھی کوئی جاب وغیرہ نہیں کرتی تو آپ کیوں کررہی ہیں' کیا وہ آپ کو سپورٹ نہیں کرتے؟"

"میرے خیال میں یہ بہت زیادہ پرسنل ہے۔" وہ خشک لہجے میں اپنی طرف سے بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"آپ گھر بیٹھنے کو قید سمجھتی ہیں؟"

"پلیز سر' یہ میرا اپنا پرسنل میٹر ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ "میں جاسکتی ہوں اب۔"

وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ وہ الجھی الجھی سی باہر آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

دن بہ دن ایبک کا رویہ بدلنے لگا تھا' وہ بلاوجہ ہی ہانیہ کو جھڑک دیتا تھا' اس کے کاموں میں نقص نکالنے لگا۔

"یہ کیا کیا ہے آپ نے۔ یہ دیکھی ہیں آپ نے اپنی غلطیاں۔ میں کیا یہی ٹھیک کرتا ہوں گا' پھر آپ کیا کرنے آتی ہیں۔ دماغ کہاں ہوتا ہے آپ کا؟" اس

نے فائل زور سے سامنے ٹیبل پر پٹخی تھی۔ ہانیہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ کھڑی کیا دیکھ رہی ہیں' جائیں یہ سب ٹھیک کر کے آئیں۔" وہ فائل لے کر آئی' اس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں اور چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا' اس کے پوائنٹ کیے ہوئے الفاظ کو دوبارہ سے صحیح کیا۔ اندر آئی تو اکرام صاحب اور اسرار صاحب کو بیٹھے دیکھ کر اسے مزید گھبراہٹ نے آن گھیرا۔ ان کے سامنے بھی اگر سر نے کچھ کہہ دیا تو وہ تو مارے شرمندگی کے مر جائے گی۔ اس نے فائل ایک کے سامنے رکھی۔ اس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور فائل کھول کر دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے' آپ جائیں۔" اس بار لہجے میں نرماہٹ تھی۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر تیزی سے باہر آئی تھی۔ مومنہ اس کے پاس آئی۔

"کیا ہوا ہانیہ! کیا سر نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں' بس کچھ غلطیاں ہو گئی تھیں' وہ ٹھیک کی ہیں۔"

"مجھے تو تم ٹھیک نہیں لگ رہیں' کیا بات ہے؟"

"طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" اس نے ہینڈ بیگ اٹھایا اور مسز جنید سے اجازت لے کر گھر آ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ بری طرح سے رو پڑی تھی۔ پتا نہیں وہ کیوں اتنا بدل گیا تھا۔ کیوں اس کی اس طرح انسلٹ کر دیتا تھا۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر میں خاصی چہل پہل سی تھی۔ تائی جی کا موڈ بھی خاصا اچھا رہنے لگ گیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ہنس بول لیتی تھیں۔ یہ راز اس دن کھلا جب انہوں نے اسے بتایا کہ اس اتوار کو سمانہ کی منگنی ہے۔ "کہاں اور کس کے ساتھ" یہ نہ انہوں نے بتایا نہ اس نے پوچھا۔ اسے شریک کیا جا رہا تھا یہی بڑی بات تھی۔

منگنی کا فنکشن بڑے پیمانے پر ہو رہا تھا' اس لیے ہوٹل میں ارینجمنٹ کی گئی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ لڑکے والے کوئی زوردار پارٹی تھے۔ اسے بھی ظاہر ہے شرکت کے لیے اچھی طرح ڈریس اپ ہونا تھا' تو وہ عرصم کے ساتھ بازار آئی تھی' وہ گاڑی سے اتر رہی تھی جب اس کی نظر ایک پر پڑی۔ وہ اس شاپنگ مال سے باہر آ رہا تھا۔ عرصم گاڑی پارکنگ میں لے گیا تھا۔ وہ اکیلی ہی آگے آئی۔

"السلام علیکم سر"

"وعلیکم السلام یہ کون تھے آپ کے ساتھ؟"

"سر۔ وہ میرے کزن ہیں عرصم بھائی۔"

"بھائی؟" اس نے طنزیہ اسے دیکھا۔ "اور کتنے بھائی ہیں آپ کے؟"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں سر؟" اس بار اس کا لہجہ بھی تیز ہو گیا تھا۔

"آپ اچھی طرح سمجھ چکی ہیں۔" وہ تلخی سے کہتا تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ وہ سن سی کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ اس پر شک کر رہا تھا۔ اس کی کس بات' کس حرکت سے اسے' اس پر شک ہوا تھا۔ وہ اپنے چکراتے دماغ کے ساتھ سوچ رہی تھی اور مزید الجھ رہی تھی کہ عرصم نے اسے چونکایا۔ "ہانیہ' کیا یہیں کھڑی رہو گی۔"

☼ ☼ ☼

وہ سب تیار ہو کر ہوٹل پہنچے تو تائی جی نے اسے اپنی بہن کے پاس بٹھا دیا' وہ ان کے ساتھ باتوں میں ایسی الجھی کہ لڑکے والوں کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

"لڑکا تو ماشاء اللہ سے بہت ہی پیارا ہے۔ بہت اچھا کپل بنا ہے دونوں کا۔" آنٹی کے کہنے پر اس نے چونک کر اسٹیج کی طرف دیکھا اور ایک لمحے کو تو آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا۔ سمانہ کے ساتھ ایک بیٹھا ہوا تھا۔

"تو یہ وجہ تھی اس کے بدلنے کی۔"

اس نے دکھ سے سوچا۔ اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ چہرے کا رنگ خطرناک حد تک سفید ہو چکا تھا۔ ابھی تو اس نے اس کے حوالے سے خواب دیکھنے ہی شروع کیے تھے' ابھی تو اسے اپنا سمجھنے کی خوشی کو

محسوس بھی نہیں کر پائی تھی کہ وہ پرایا بھی ہو گیا تھا۔ اسے خود پر قابو پانا بہت مشکل لگ رہا تھا، مگر یہاں کوئی ایسی جگہ بھی نہیں تھی جہاں وہ چھپ سکتی۔ اتنے میں عرصم اسے بلانے آگیا۔ "ممی بلا رہی ہیں۔"

وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ عرصم اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، کچھ باتیں بھی کر رہا تھا جو اس کے سر پر سے گزر رہی تھیں، اپنی کپکپاتی ٹانگوں پر قابو پا کر وہ اسٹیج پر پہنچی جہاں تائی جی اور رومیصہ آنٹی موجود تھیں۔ بہت پیار سے اس سے ملیں۔

"آؤ ہانیہ، بہن کے ساتھ مووی بنواؤ، تصویر کھنچواؤ۔" کیسا شہد جیسا لہجہ تھا، لیکن وہ اس کی لذت سے بے بہرہ ہو چکی تھی۔ حالانکہ وہ بہت کوشش کر رہی تھی خود پر قابو پانے کی، مگر دل و دماغ میں کوئی ربط ہی نہیں تھا۔ وہ سمانہ کے ساتھ بیٹھی اور کچھ ہی دیر میں اٹھ گئی۔ کھانا شروع ہوا تو وہ پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈال کر چمچہ سے ادھر ادھر کرتی رہی۔ کھانے کے لیے جس خواہش کی ضرورت تھی، وہ اسے تھی ہی نہیں۔

"ہانیہ میں آپ کو جوائن کر سکتی ہوں۔" رومیصہ کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"جی جی آنٹی" وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں، اس نے پلیٹ ان کی طرف بڑھائی انہوں نے مسکرا کر تھامی۔

"آپ سبک کا نہیں پوچھیں گی؟" اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"وہ امریکا گئی ہوئی ہے، ببرک اور علیشا کے ساتھ، وہاں اپنی آنٹی کے پاس ایک مہینے تک کے لیے گئی ہے، ایبک نے اتنی جلدی مچائی کہ ان کی غیر موجودگی میں ہی یہ فنکشن کرنا پڑ گیا۔ اب اسے پتا چلے گا تو بہت شور کرے گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔ وہ بہت مشکل سے ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟" انہوں نے اب غور سے اسے دیکھا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں۔" وہ سنبھل کر بیٹھی۔

"مجھے تو کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہیں۔"

"نہیں، ٹھیک ہوں، بس کچھ سست ہو رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر ٹالنے کی کوشش کی تھی، وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں، پھر کھانے کی طرف توجہ کر لی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ دو دن آفس نہیں جا پائی تھی، اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے دو دن کافی تو نہیں، پھر بھی بہت حد تک اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ ایبک نے اس سے کوئی وعدے نہیں کیے تھے حتیٰ کہ محبت کا اظہار تک نہیں کیا تھا پھر وہ خوش فہمیوں میں گھری تو اس کی اپنی غلطی۔ اس نے اپنے لیے بہر حال اپنے اسٹینڈرڈ کی لڑکی ہی چنی تھی۔ یہ ایک حقیقت تھی جسے تسلیم کرنا ہی وقت کا تقاضا تھا۔ ایبک اور سمانہ اکثر باہر ملنے لگے تھے سمانہ کی توجہ خود پر بہت بڑھ گئی تھی۔

اس دن بھی وہ ڈنر پر اس کے ساتھ باہر گئی ہوئی تھی۔ ہانیہ اپنے آفس کے لیے کپڑے پریس کر کے ہینگ کر رہی تھی جب کال بیل کی آواز گونجی۔ گھر پر کوئی بھی نہیں تھا۔ تایا جان اور تائی جی کسی کے انتقال پر گئے ہوئے تھے اور عرصم اپنے دوستوں کے ساتھ سی ڈی لو گیا ہوا تھا سو ہانیہ ہی کو گیٹ پر آنا پڑا تھا۔ "کون؟"

"ہانی، میں ہوں سمانہ۔" اس نے گیٹ کھولا، سمانہ کے پیچھے ایبک بھی تھا، وہ پیچھے ہٹ گئی۔ وہ لاؤنج میں آگئے۔

"ہانیہ کافی پلوا دو یار۔" وہ سر ہلاتی ہوئی کچن میں آگئی۔ دودھ بوائل کرتے، کافی پھینٹتے ہوئے کتنے ہی آنسو اس کے گالوں کو بھگوتے رہے۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔ کافی تیار کر کے اس نے چینی الگ سے رکھی اور اچھی طرح سے منہ صاف کر کے ٹرے لے کر لاؤنج میں آگئی۔ سمانہ نہیں تھی، وہ اکیلا بیٹھا اپنے سیل کو چیک کر رہا تھا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی۔ "کتنی چینی سر؟"

وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ "ایک چمچہ" اس نے ایک چمچہ چینی ملا کر کپ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے کپ یوں تھاما کہ ہانیہ کی انگلیاں بھی

اس کی گرفت میں چلی گئیں' اس کے تو پورے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچا اور کھڑی ہو گئی۔
"آپ کے چھو لینے سے کیا دھواں بھی نکلتا ہے؟"
"جی؟" اس نے حیرت سے ایبک کو دیکھا۔
"آپ کی آنکھیں اتنی ریڈ کیوں ہو رہی ہیں؟"
ہانیہ کے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس کی آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی ہیں۔ اتنے میں سمانہ اندر داخل ہوئی۔
"سوری ایبک' میری فرینڈ کی کال آ گئی تو دیر ہو گئی۔"
"میں بھی اب چلتا ہوں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔
"کیوں؟ ابھی کچھ دیر تو بیٹھو۔" سمانہ نے اصرار کیا۔
"مجھے کچھ کام ہے ڈیڈ بھی ویٹ کر رہے ہیں۔"
ہانیہ جاتے جاتے رک گئی۔ "سر آپ نے کافی تو پی ہی نہیں۔"
"بہت کڑوی ہے۔ شاید چینی کی جگہ نمک ڈال دیا آپ نے۔" اسے تو ہانیہ کو دیکھنے کا بہانہ مل گیا تھا۔ بغیر سمانہ کا خیال کیے وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ ہانیہ نے گھبرا کر سمانہ کو دیکھا' وہ کافی کا سپ لے رہی تھی۔
"کافی تو ٹھیک ہے۔" وہ کچھ حیرت سے بولی۔
ایبک نے کندھے اچکائے۔ "مجھے تو یوں لگا جیسے دودھ کے بجائے آنسو استعمال کیے ہوں۔ اینی وے' میں چلتا ہوں' بائے۔"
وہ پلٹ گیا۔ سمانہ اس کے پیچھے گئی تھی۔ ہانیہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ تکیے پر سر رکھ کر اس نے سارے آنسو بہا دیے تھے۔ ہر بار ایبک اور سمانہ کو ساتھ دیکھ کر اس کی یہی حالت ہوتی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ وہ اس کی کیفیت سمجھ لیتا تھا اور پھر بھی اسے دکھ پہنچاتا تھا۔ کتنا بدل گیا تھا وہ' کاش اسے بھی صبر آ جائے۔

☼ ☼ ☼

علشا کی طرف سے خوشخبری سننے کو ملی تو روما صبا نے ایک چھوٹی سی تقریب رکھی تھی اور ان سب کو بھی انوائٹ کیا تھا' سب گئے تھے سوائے ہانیہ کے اس کے نہ جانے سے کسی کو کوئی فرق پڑتا بھی نہیں تھا۔ وہ کھانا کھا کر چائے لے کر کمرے میں آئی تو اس کے سیل پر بیل ہو رہی تھی۔ اس نے بغیر دیکھے آن کر لیا۔ "ہیلو"
"ہیلو ہانیہ! میں ایبک بات کر رہا ہوں۔"
ہانیہ کو جھٹکا سا لگا اور وہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔
"جی سر؟"
"آپ کیوں نہیں آئیں؟"
"جنہیں جانا چاہیے تھا' وہ تو چلے گئے' میرا جانا کوئی ایسا ضروری تو نہیں تھا۔"
"عرصم تو آئے ہیں۔"
"تو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"تو آپ کو بھی تو آنا چاہیے تھا۔"
"اچھا عرصم بھائی جہاں جائیں گے' مجھے بھی وہاں جانا ہو گا۔ کیوں' میری تو سمجھ میں نہیں آیا۔ اب ان کی بہن کی سسرال میں پارٹی ہے تو انہوں نے جانا ہی تھا۔"
"آپ کا کوئی ریلیشن نہیں۔ ان سے' ہم سے؟"
وہ کچھ دیر کے لیے چپ رہ گئی تھی۔ اس نے بھی بات بدل دی۔
"چلیں جانے دیں' یہ بتائیں آپ آ رہی ہیں تو میں ڈرائیور کو بھیج دوں۔"
"نہیں سر بہت بہت شکریہ آپ کے پوچھنے کا۔ میں اب سونے لگی ہوں۔"
"نیند آ جاتی ہے آپ کو؟" اس کا لہجہ بہت عجیب تھا۔
"جی۔" وہ اچنبھے سے بولی تھی۔ "کیا مطلب؟"
"کچھ نہیں۔ چھوڑیں' گڈ بائے اینڈ گڈ نائٹ۔"
اس نے فون بند کر دیا۔ وہ حیران پریشان فون ہاتھ میں لیے کتنی ہی دیر بیٹھی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ دن سے سمانہ نہ صرف گھر پر تھی بلکہ اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ "ہانی' ایبک مجھ سے ناراض ہو گیا

ہے پلیز تم میری طرف سے اس سے معذرت کرو اور اسے منا دو۔" وہ تو بدک ہی گئی۔

"میں کیوں مناؤں' تم دونوں کا آپس کا معاملہ ہے' تم خود مناؤ۔"

"پلیز ہانی' وہ نہ تو مجھ سے مل رہا ہے نہ میرا فون ہی اٹینڈ کر رہا ہے' تم تو اس کے پاس کام کرتی ہو' تمہاری تو وہ بہت ریسپکٹ کرتا ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ مجھے اپنے اتنے ذاتی معاملے میں بولنے کی اجازت دیں گے۔"

"وہ کچھ نہیں کہے گا' مجھے پتا ہے نا وہ تم سے کتنی..." وہ یک دم رکی تھی۔ ہانیہ نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"آئی مین وہ تمہاری بہت عزت کرتا ہے' تمہارے متعلق کوئی بات بھی کرتا ہے تو بڑے احترام سے۔"

ہانیہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"کیا ہوا' ایسے کیوں دیکھ رہی ہو' بات کرو گی نا۔"

"دو دن سے سر آفس بھی نہیں آرہے' میں کیسے بات کروں۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"تم اس کے گھر چلی جاؤ' وہاں بات کرلو۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے سمانہ' میں کیوں وہاں جاؤں گی؟"

"تو وہ تمہاری بہن کا سسرال بھی ہے' تم کیوں نہیں جاسکتیں۔" (آج وہ بہن ہو گئی) "تم ...... آنٹی سے بات کرلو' وہ سمجھالیں گی۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئی۔ یہ میرا اور ایبک کا ایشو ہے' اسے میں ان سے کیسے ڈسکس کر سکتی ہوں۔"

"تو میں بھی تو تھرڈ پرسن ہوں' میں کیسے بات کر سکتی ہوں۔"

"نہیں تمہارے لیے تو ایبک بہت کنسرنس شو کرتا ہے۔ تمہاری بات وہ آرام سے سن لے گا۔"

ایک تیر ہانیہ کے سینے میں پیوست ہوا تھا' کسی نہ کسی طرح دباؤ ڈال کر سمانہ نے اسے رضامند کر ہی لیا تھا اگرچہ دل تو چاہتا تھا کہ دے میری بلا سے' مگر دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر بھی تو نہیں رکھا جاسکتا نا۔ سمانہ اچھی اپنے مطلب کے لیے بنی ہوئی تھی۔ وہ اس کی ناراضی سے بچنے کے لیے ناچار اس کے ساتھ ایبک کے محل جیسے گھر میں چلی آئی۔ سمانہ اسے ڈراپ کر کے چلی گئی تھی۔ وہ پہلی بار وہاں آئی تھی۔ ملازم اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ایبک کو اطلاع دینے چلا گیا تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگی۔

"چھوٹے صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔" وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔ "کیوں' انہیں یہاں بلائیں نا آپ۔"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اس لیے وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔" وہ کچھ دیر گومگو کی کیفیت میں کھڑی رہی پھر اثبات میں سر ہلا کر ملازم کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"اور لوگ کہاں ہیں۔"

"جی وہ سب تو امریکا گئے ہوئے ہیں اپنے بڑے بیٹے کے پاس۔" وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ "گھر پر صرف سر ایبک ہیں۔"

"ہم سب بھی ہیں جی۔" وہ اس کی کم علمی پر مسکرایا۔ ساتھ ہی طویل کاریڈور کے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ "یس' کم ان۔"

ملازم نے دروازہ کھول کر ہانیہ کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا' وہ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ بہت شاندار بیڈ روم' اس کے بیچوں بیچ کھڑا وہ شاندار بندہ' ایک دم پرفیکٹ۔

"السلام علیکم سر۔"

"وعلیکم السلام۔ آئیے مس ہانیہ۔"

"آپ کی طبیعت کیسی ہے سر۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اب تو ٹھیک ہوں۔" وہ بھی سامنے بیٹھ گیا تھا۔

ہانیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ آگے کیا بات کرے۔ ڈائریکٹ موضوع پر آنا تو بہت مشکل تھا۔ پچھلے دنوں ایبک کا جو اس سے رویہ رہا تھا وہ بھی حوصلہ شکن تھا اور سمانہ سے منگنی کے بعد تو اس نے خود بھی اس سے کترانا شروع کر دیا تھا' وہ بھی شاید قسم کھا

کر بیٹھا تھا کہ وہ بولے گی تو ٹھیک ورنہ یونہی چپ چاپ بیٹھے رہنا ہے۔

"آنٹی اور سبک کہاں ہیں؟" اب کچھ تو کہنا تھا ورنہ ملازم بتا چکا تھا۔

"سب امریکا گئے ہوئے ہیں۔" اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی' وہ یقیناً" محظوظ ہو رہا تھا۔

"کب تک آئیں گے؟"

"شاید...اگلے ہفتے تک" پچھلے دنوں کی بنسبت موڈ خاصا خوش گوار تھا۔ ہانیہ کا حوصلہ بڑھا۔

"سر سمانہ بہت پریشان ہے' اس سے شاید کچھ غلط ہو گیا ہے' وہ آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتی ہے' مگر آپ شاید اس کا فون اٹینڈ نہیں کر رہے تو اس نے مجھے بھیجا ہے۔"

"تو اس لیے آئی ہیں آپ" اس کے ماتھے پر بل پڑا۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ آپ اس سے ناراض ہو گئے ہیں تو..."

"تو اس نے آپ کو بھیجا منانے کے لیے۔ اسے کیسے پتا تھا کہ آپ منا لیں گی۔" اس کے لہجے میں سختی آ گئی تھی۔ ہانیہ کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔ مارے شرمندگی کے وہ اٹھ گئی۔

"سوری سر' اس نے کہا تھا کہ میں آپ سے اس کی طرف سے سوری کروں' آپ اس کا فون اٹینڈ کر لیں تو وہ خود..."

"یہ میرا اور اس کا مسئلہ ہے۔" وہ سرد مہری سے بولا۔

"ٹھیک ہے سر' میں چلتی ہوں۔"

وہ مڑنے لگی تھی کہ ایبک نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ہانیہ کو لگا جیسے انگارہ اس کے ہاتھ سے آ لگا ہو۔ اسے یقیناً" سخت بخار ہو رہا تھا۔ ہانیہ نے سر اٹھا کر دیکھا اس کا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی ساری شرمندگی و غصہ بھاپ بن کر اڑ گیا۔

"آپ میڈیسن لے کر آرام کریں' آپ کو تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔"

"آپ فرسٹ ٹائم آئی ہیں تو ایسے کیسے جا رہی ہیں۔"

"نہیں سر کوئی تکلف نہیں' پھر سمانہ کے آنے کے بعد تو آنا جانا لگا ہی رہے گا نا' آپ پلیز میڈیسن لیں۔"

"میں چائے منگواتا ہوں' پھر میڈیسن لے لوں گا' بیٹھیں۔" اس نے انٹر کام پر ہدایات دیں۔ جب تک وہ بیٹھ چکی تھی۔ وہ بھی آ کر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ ہانیہ نے گھبرا کر پیچھے کھسکنا چاہا' لیکن ایبک نے اس کے کندھوں پر بازو پھیلا کر اس کی یہ کوشش ناکام کر دی تھی۔ "ریلیکس ہانیہ۔"

ہانیہ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی' اس کا لمس' اس کی خوشبو اس کے حواسوں پر غالب ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے کانپتے ہاتھ گود میں رکھ لیے۔ ایبک نے اس کا ہاتھ تھام کر سامنے کیا۔

"آپ کے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں' ہونے بھی چاہئیں' آپ خود جو اتنی خوب صورت ہیں کہ کسی کا ایمان بھی خراب کر سکتی ہیں۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑی دلکشی سے مسکرایا۔ ہانیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے ہوا کیا ہے' کہاں تو وہ اس سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا تھا اور کہاں یہ رویہ۔ وہ کسمسا کر پیچھے ہونا چاہتی تھی' مگر ایبک پوری طرح متوجہ تھا' اس کی گھور سیاہ آنکھوں میں ستارے سے چمک رہے تھے' ایک انوکھا جذبہ' کوئی الگ سا تاثر تھا ان میں۔ اسی وقت دستک ہوئی۔ وہ گہری سانس لیتا ہوا اٹھ گیا۔ ملازمہ چائے کی ٹرالی لائی تھی۔

"اوکے اب جائیں آپ۔"

دروازہ بند کر کے وہ دوبارہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"چائے آپ بنائیں گی یا میں بناؤں؟"

"جی سر' میں بناتی ہوں۔" اس نے دو کپوں میں چائے بنائی اور اپنا کپ لے کر چائے کے دو تین سپ لیے۔

"یہ بھی لیں نا' یہ سب دیکھنے کے لیے تو نہیں رکھا۔" ایبک نے ٹیبل پر موجود لوازمات کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں‘ میں صرف چائے لوں گی۔“ وہ جلد از جلد چائے پی کر یہاں سے جانا چاہتی تھی۔
”میں بھی صرف چائے پیوں گا۔“ اس نے آرام سے ہانیہ کے ہاتھ میں موجود کپ خود لے لیا اور اسی میں سے پینے لگا۔ وہ بھونچکا رہ گئی تھی۔ تھوڑی سی پی کر کپ دوبارہ ہانیہ کو پکڑا دیا۔
”پئیں۔“
”نہیں سر میں نے بس کردی۔“
”کیوں‘ کپ تو ختم کریں اور جھوٹا کھانے پینے سے محبت بڑھتی ہے۔“ اس نے کپ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ہانیہ نے بمشکل ایک گھونٹ حلق سے اتارا۔
”سر۔“
”جی سر کی جان؟“ وہ مزید سٹپٹا گئی۔ سر کو کیا ہو گیا تھا۔ کیسی بہکی بہکی باتیں اور حرکتیں کررہے تھے۔
”آپ کچھ کھالیں پھر میڈیسن....“
”اف آپ ڈاکٹر کیوں نہیں بنیں۔ جب سے آئی ہیں میڈیسن‘ میڈیسن‘ آپ بھی تو کچھ لیں پھر میں بھی لیتا ہوں۔“ وہ تو ہرگز یہ رسک نہیں لے سکتی تھی‘ چائے والا عمل اگر کباب‘ بسکٹ کے ساتھ دہرایا جاتا‘ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
”میں اب جاؤں سر کافی دیر ہو گئی ہے۔“
”سمانہ کو کیا بتائیں گی‘ مجھے منایا تو نہیں آپ نے۔“ ہانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا‘ وہ تو سمجھی تھی کہ وہ ناراضگی ختم کر چکا ہے۔
”چلیں مجھے منائیں۔“ وہ ڈٹ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔ ہانیہ بھی بے اختیار مسکرادی۔
”میں آپ سے سمانہ کی طرف سے معافی مانگتی ہوں‘ پلیز سر اس سے جو بھی گستاخی ہوئی ہے اس کے لیے اسے معاف کردیں۔“
”او نہوں‘ یہ تو اپلیکیشن ہے‘ جیسے اسکول میں دی جاتی ہے۔“
”تو آپ ہی بتادیں۔“ اب وہ زچ ہو گئی تھی۔
”بڑے افسوس کی بات ہے ویسے کہ آپ کو منانا بھی نہیں آتا‘ آپ سے ناراض بھی سوچ سمجھ کر ہونا چاہیے‘ خیر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ کس طریقے سے آپ کو مجھے منانا چاہیے تھا۔“
بڑے آرام سے اس نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ہانیہ کو تو 440 والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔
”یہ آپ کیا کررہے ہیں۔“
”ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔“ وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ہانیہ کو اب صورت حال کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی‘ مگر اس نے اپنی گرفت مزید سخت کردی تھی۔
”آپ بہت غلط کررہے ہیں سر۔“
”محبت اور جنگ میں کچھ بھی غلط نہیں ہوتا۔“ اس کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔
”محبت تو آپ سمانہ سے کرتے ہیں نا؟“
”آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ میں کس سے محبت کرتا ہوں۔“ وہ اس کی اس بات پر اتنی حیران ہوئی کہ سب کچھ بھول کر ہکا بکا سی اسے دیکھنے لگی۔ وہ دلکشی سے مسکراتے ہوئے اس پر جھکا اور اس کی حیرت سے کھلی آنکھوں میں جھانکا۔ ”آپ اتنی سرپرائزڈ کیوں ہیں۔ کیا نہیں جانتیں کہ مجھے کس سے محبت ہے؟“
ہانیہ نے بے اختیار نظریں پھیر لی تھیں۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اتنی غیر متوقع بات نے اس کی مزاحمت کو کمزور کردیا تھا۔ اسے ڈھیلا پڑتے دیکھ کر ایبک کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں میں لگا کیچو کھول دیا۔ گھنے‘ لمبے بال آبشار کی طرح اس کی پشت پر موجود ایبک کے بازو پر گرے تھے۔ اس نے نرمی سے انہیں سہلایا۔ ”بیوٹی فل“ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا‘ ہانیہ کو جھرجھریاں سی آرہی تھیں۔ بہت مشکل سے اس نے کہا۔
”سر پلیز مجھے جانے دیں‘ بہت دیر ہو گئی ہے‘ سمانہ انتظار کررہی ہو گی۔“ اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے جھکا اور اس کے گال کو

چھولیا۔ ہانیہ تڑپ کر پیچھے ہوئی، مگر کتنی پیچھے؟ اس نے دوسرا ہاتھ اس کے سر کے نیچے رکھ کر اسے مزید نزدیک کرلیا۔ ہانیہ اس کے بازوؤں میں پھڑپھڑا رہی تھی، مگر رہائی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اچانک اس کا سیل فون بجنے لگا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ایبک کا دھیان بٹ گیا تھا۔ ہانیہ نے مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دانت اس کے بازو میں گاڑ دیے تھے۔ وہ سی کرکے پیچھے ہٹا تھا۔ ہانیہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی، لیکن اس نے بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے اسے پھر سے اپنی گرفت میں لے لیا اور کھینچتا ہوا اپنے بیڈ پر لے آیا تھا۔ وہ بری طرح مزاحمت کررہی تھی، اس نے چیخنے کے لیے بھی منہ کھولا تھا، مگر ایبک کا ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس کی ہر مزاحمت دم توڑ گئی۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب اتنا دباؤ برداشت نہ کرسکے اور وہ بے ہوش ہوکر اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ صرف بے ہوش نہیں ہوئی تھی، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا۔ پندرہ دن اسے ہاسپٹلائزڈ رکھا گیا۔ گھر آنے کے بعد بھی اس کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں تھی۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں پڑی رہتی۔ کسی نے بات کی تو دل چاہا۔ جواب دے دیا ورنہ خاموشی، لیکن جہاں کہیں بات کرتے ہوئے کسی نے اسے ہاتھ بھی لگا دیا تو وہ چیخنا شروع کردیتی تھی۔

"چھوڑو مجھے، دور ہوجاؤ، مت چھوؤ مجھے۔"

"توبہ ہے، یہ تو اودھم مچا دیتی ہے۔" تائی امی بڑبڑائیں۔

"خدا کا خوف کرو شیریں، پتا نہیں بچی کس کیفیت سے گزر رہی ہے، کیا ہوا ہے، جو ایسی ہوگئی ہے۔"

تایا جی کی آواز اندیشوں سے لرز گئی۔ انہیں ایبک نے اس کی بے ہوشی کی اطلاع دی تھی اور اسپتال والوں کے مطابق اسے اسپتال بھی وہی لایا تھا۔ سمانہ نے بتایا کہ وہ اسی کے پاس گئی ہوئی تھی۔ ان کی اطلاع کے مطابق تو ساری فیملی امریکا گئی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب وہ گھر میں اکیلا تھا، خدانخواستہ اس نے اسے کوئی نقصان..... وہ کانپ سے گئے۔ ہونے والے داماد کا ان کی بھتیجی کے ساتھ کوئی بھی غلط حرکت کرنے کا مطلب دو طرفہ تباہی تھا۔

"یا اللہ، کوئی غلطی ہوئی ہے تو معافی دے دے۔ مجھے میرے بھائی کے سامنے روز آخرت سرخرو رکھنا۔"

سمانہ نے البتہ ایبک سے پوچھا تھا کہ ہانیہ تو اس کی طرف آئی تھی پھر اس کے ساتھ کیا ہوا کہ وہ ان حالوں کو پہنچ گئی۔ اس نے سردمہری سے یہ کہہ کر فون بند کردیا کہ "میں آپ کے سوالوں کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔"

☆ ☆ ☆

"ہی ڈارلنگ، آپ مجھے تھوڑا سا ٹائم دے سکتے ہیں۔" وہ ڈنر کے بعد ٹیبل سے اٹھا تو مام نے پکارا۔

"شیور مام۔"

"او کے، میرے کمرے میں آجائیں۔" وہ ان کے ساتھ، ان کے بیڈروم میں آگیا، ڈیڈ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ ماں کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ کی اور سمانہ کی کیا مس انڈر اسٹینڈنگ چل رہی ہے۔"

"بس یونہی، اس نے مجھے تھوڑا ڈس ہارٹ کیا تھا۔" اس نے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دی تھی۔

"اس نے آپ سے سوری نہیں کہا؟"

"میں نے موقع ہی نہیں دیا۔"

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں۔ "سمانہ سے میری بات ہوئی تھی اس نے مجھے بتایا کہ ہانیہ سے متعلق کسی بات پر آپ اتنے ناراض ہوگئے۔ آپ کا ریلیشن تو سمانہ سے ہے نا، ہانیہ سے تو نہیں، پھر ہانیہ کی وجہ سے سمانہ سے ناراض ہونا کچھ ٹھیک تو نہیں ہے۔" وہ بالکل خاموش تھا۔ وہ کچھ دیر اس کے بغور دیکھتی رہیں۔

"آپ کو اور سمانہ۔ دونوں کو اپنا ٹمپرامنٹ انکریز کرنا چاہیے تب اگر ہانیہ اتنی بیمار نہ ہوتی تو آج کل میں

آپ دونوں کی شادی کے دن طے ہو رہے ہوتے۔"
اس بات اس نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ بولا مگر اب بھی نہیں تھا۔

"اور سمانہ بتا رہی تھی کہ ہانیہ کے بیمار ہونے کا بھی آپ سے کوئی تعلق ہے' وہ سمانہ کی طرف سے معذرت کرنے یہاں آئی تھی اور اس کے بعد اسپتال پہنچ گئی۔"

ایک بم تھا جو انہوں نے ایبک کے اعصاب پر دے مارا تھا۔ "آپ نے اسے ٹارچر کیا تھا مینٹلی یا فزیکلی؟"

"سمانہ نے کیسے یہ سب کہہ دیا۔ اس نے ہانیہ سے پوچھا ہے یا اسے میرے ساتھ دیکھا ہے؟" وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"رضیہ اور شاہد نے تو دیکھا ہے' اسے یہاں آتے آپ کے بیڈ روم میں جاتے اور اسے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر باہر لے جاتے' سب دیکھا ہے۔"

اس کے ڈیڈ ہمیشہ سے مام کی صلاحیتوں کے معترف تھے کہ وہ بہت ٹھنڈے مزاج کے ساتھ یوں معاملات کو ہینڈل کرتی تھیں کہ آہستہ آہستہ گھیر کر اس پوائنٹ پر لے آتی تھیں کہ کوئی راہ فرار نہیں چھوڑتی تھیں۔ ایبک تو سانس لینا بھی بھول گیا تھا۔

"کیا کیا تھا آپ نے اس کے ساتھ کہ وہ بچی ابنارمیلٹی کی لمٹس کو پہنچ گئی ہے۔" اس بار ان کے لہجے سے برہمی چھلک رہی تھی۔

"میں ہمیشہ پراؤڈ فیل کرتی رہی کہ میرے بچے آج کل کی کسی برائی میں ملوث نہیں ہیں' نہ اسموکنگ کرتے ہیں' نہ ڈرنک' کسی قسم کی گرل فرینڈز بھی نہیں۔ لیکن یہ سب تو ظاہر کر رہا ہے کہ آپ نے ہر لمٹ کو کراس کیا ہے۔ میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں جو اپنے بچوں کی غلطیوں پر پردے ڈال کر انہیں شہہ دیتی ہیں۔ آپ نے یہ غلطی نہیں گناہ کیا ہے اور اس کے لیے آپ کو پے کرنا پڑے گا۔"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں مام' ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔"

ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "او کے' تو پھر وہ بے ہوش کیوں ہوئی' اسے نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا؟" وہ خاموش ہو گیا۔

"اس بار' بار کی خاموشی سے میں کیا سمجھوں؟"

"آپ ہرٹ ہوئیں اس کے لیے سوری مام' لیکن میں نے اس کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ ٹرسٹ می مام' میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا' جس کی وجہ سے آپ شرمندگی محسوس کریں ورنہ مجھے اس پر اتنا غصہ تھا کہ۔۔۔"

"ہانیہ پر غصہ۔" وہ حیران رہ گئیں "کس بات کا غصہ۔" وہ جھجک سا گیا۔

"وہ مجھے شروع سے ہی بہت اچھی لگتی تھی۔ میں نے آپ کو اس کے بارے میں بتانے کا سوچا لیکن بوبی کی شادی میں آپ سب کو ایک ساتھ اتنی پسند آئی کہ سب نے فردا" فردا" مجھے اس کے ساتھ شادی کا مشورہ دیا۔ ان ہی دنوں سمانہ اور اس کی ممی نے مجھ سے مل کر اس کی بے راہ روی کا بتایا کہ اس کے تو بہت سارے بوائے فرینڈز ہیں۔ اپنے حسن سے وہ ہر کسی کو دیوانہ بنا لیتی ہے' وہ جاب بھی اسی لیے کرتی ہے کہ نئے نئے شکار پھانس سکے۔ سمانہ کا بھائی عرصم بھی اس کے ساتھ انوالو ہے بلکہ عرصم کے ساتھ تو بہت زیادہ انوالو ہے۔ میں نے اپنے آپ کو بہت روک کے رکھا ہوا تھا ورنہ اپنے جذبات کی توہین پر میں اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اس دن سمانہ کی طرف سے معذرت کرنے کے لیے خود ہی آ گئی۔ اسے نہیں آنا چاہیے تھا۔ مجھے اس پر اتنا غصہ تھا کہ اگر وہ بے ہوش نہ ہو جاتی تو میں واقعی آپ کے سامنے آنے کے قابل بھی نہ رہتا۔ غصے نے میری عقل بھی چھین لی تھی اور آپ کا سامنا کرنے کا خیال بھی' آئی ایم رئیلی ویری سوری مام۔"

"اور اس کا سامنا کرنے کا کوئی خیال نہیں آیا کہ خدانا خواستہ اسے کچھ ہو جاتا یا وہ جس کیفیت میں اب ہے۔ اس میں ہوتی تو کیسے فیس کرتے یا کہیں غائب ہو جاتے۔" وہ مصمم کے چبھتے لہجے پر اس نے سر

جھکا لیا۔ کتنی ہی دیر یہ اذیت ناک خاموشی چھائی رہی جسے رومیصہ نے ہی توڑا تھا۔

"یہ کس قسم کی پسندیدگی تھی کہ کسی نے بہکایا اور آپ بہک بھی گئے۔ آپ کے دل نے کوئی گواہی نہیں دی کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔ میں نے ایک نظر میں دیکھ لیا تھا کہ وہ بہت معصوم ہے۔ بوبی کی بارات والے دن اس نے صرف ایک دفعہ میرے سامنے آپ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے جھلکتی محبت نے مجھے اس کا دیوانہ بنا دیا۔ اتنی حسین بچی اور میرے بیٹے سے اتنی محبت کرے اور میرے دل میں نہ اترے۔ آپ کے ڈیڈ نے مجھ سے کہا اس بچی کو ابھی کے لیے ریزرو کرلیں' ابھی بھی اس میں انٹرسٹڈ ہے۔ محبت تو خود ایک گواہی ہے۔ اپنے وجود کا خود پتا دیتی ہے یہ محبت تو تھی ہی نہیں' یہ تو وقتی جذبات تھے۔ اگر وہ خدانخواستہ ایسی لڑکی ہوتی بھی تو وہ آپ کے ساتھ کسی رشتے میں جڑی ہوئی تو نہیں تھی ناکہ آپ اس سے بے وفائی کا انتقام لیتے پھرتے' صرف شک کی بنیاد پر آپ نے اپنا اعتماد بھی کھو دیا۔ وہ اعتماد جس کے سہارے وہ آپ کے بیڈ روم تک چلی آئی تھی۔ وہ اعتماد ٹوٹا تو وہ خود بھی ٹوٹ گئی۔ بلال صاحب بتا رہے تھے کہ سوتے میں سے چیختی ہوئی اٹھ جاتی ہے' کوئی کندھے پر ہاتھ رکھ دے تو اتنا چیختی چلاتی ہے کہ وہ لوگ بلاوجہ اس کے پاس بھی نہیں جاتے' اسے ٹرنکولائزرز پر رکھا جا رہا ہے۔ اس کی سو کالڈ بے وفائی پر آپ کو زیادہ اذیت ہوئی تھی یا وہ زیادہ اذیت میں ہے؟" وہ سخت ملال میں گھری ہوئی تھیں۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں۔ بلال صاحب اور ان کی فیملی کو کچھ معلوم نہیں ہوا' انہیں سب پتا چل گیا ہے کہ اس دن آپ اکیلے گھر میں تھے اور اسے اسپتال بھی آپ نے پہنچایا ہے تو اس کی حالت کی وجہ بھی خود بخود معلوم ہو چکی ہے۔ وہ حفظ مراتب میں چپ ہیں۔ ورنہ ایسے لڑکے کو داماد بنا کر انہیں کون سی خوشی مل جائے گی جو ان کے ہی گھر کی دوسری لڑکی کے ساتھ زیادتی کی کوشش کر چکا ہو۔" ایبک کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

"اب صرف ایک صورت ہے" اس کی طبیعت کے بحال ہو جانے کے بعد آپ میرے ساتھ چلیں گے ان کے گھر" اور سب کی موجودگی میں ہانیہ سے معافی مانگیں گے' نہ صرف معافی بلکہ اعتراف بھی کریں گے کہ اس سارے معاملے میں صرف آپ قصوروار ہیں' وہ بچی بالکل بے گناہ ہے۔" ایبک دم بخود ماں کی شکل دیکھ رہا تھا" اتنی سخت سزا۔

"اگر منظور کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں سمجھوں گی میرا ایک ہی بیٹا ہے بوبی۔ آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"مام" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

"آپ مجھے ڈس اون کر رہی ہیں؟"

"نہیں۔ ابھی مجھے آپ کے جواب کا انتظار ہے۔" وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں سخت بات کہتی تھیں۔

"اوکے' آپ جب کہیں' میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" اس کے ایک دم کہنے پر ان کے دل کو کچھ ہوا مگر یہ وقت کمزوری دکھانے کا نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے اب آپ جائیں آرام کریں۔ گڈ نائٹ"

"گڈ نائٹ مام۔" وہ چلا گیا تو کتنے ہی آنسو ان کی آنکھوں سے چھلک گئے تھے۔ کتنی مشکل صورت حال سے دوچار کر دیا تھا ایبک نے انہیں اور خود کو۔

☆ ☆ ☆

اپنے کمرے میں آخر وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ دل پر رکھا بوجھ مزید بڑھ گیا تھا۔ ندامت و شرمندگی کا بوجھ۔ وہ تو پہلے ہی ضمیر کی ملامت کا شکار رہتا تھا' مام کی باتوں نے اسے مزید نادم کیا تھا۔ اپنی ہی الجھنوں میں اسے علم ہی نہیں ہوا کہ مام کس طرح ان سے رابطے میں ہیں اور ہر چیز ان کے علم میں ہے۔ اس شام وہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے بستر میں ہی تھا جب شاہد نے آکر اسے ہانیہ کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ حیران رہ گیا" کون؟"

"سر میں ہانیہ ہیں' آپ سے ملنا چاہتی ہیں؟" کتنی ہی دیر اسے یقین نہیں آیا۔ وہ کیسے یہاں آسکتی ہے۔ پھر اس نے کمبل اتارا اور بستر سے نکل آیا۔

"آپ انہیں یہیں لے آئیں' میں جب تک فریش ہو جاؤں۔"

شلبہ کے چہرے پر اترتی حیرت کو نظرانداز کرتا وہ واش روم چلا گیا تھا۔ فریش ہو کر آیا تو دستک دے کر وہ اندر آئی تھی۔ گلابی لباس' خود بھی گلابی گلابی سی' کتنی پیاری کتنی معصوم نظر آنے والی' اندر سے کتنے کالے دل والی' ایسی ایکٹنگ کرتی تھی کہ شبہ نہیں ہوپاتا تھا کہ وہ کس کریکٹر کی مالک ہے۔ اس کے بخار کا علم ہونے کے بعد تو وہ اتنی بے چین ہوئی کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے گولیاں اسے کھلا کر ہی جاتی۔ وہ دل ہی دل میں اس کی اداکاری کو سراہ رہا تھا۔

وہ اس کے پاس آکر بیٹھا تو اس کی خوب صورت قربت اسے بہکانے لگی۔ وہ جو چاہ رہا تھا اس کا ماحول تو خود بخود بن رہا تھا سو وہ مزید بہکتا گیا۔ وہ ہراساں ہو کر خود کو چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی مگر تھی تو ایک نازک سی لڑکی' تھک کر ہار گئی۔ وہ جیسے ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئی۔ اس کا سارا نشہ بھی ہرن ہو گیا۔ اس کے گال تھپتھپائے۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے لیکن بے سود۔۔۔ بے اختیار اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور اسپتال لے آیا۔

جب ڈاکٹر نے اس کے نروس بریک ڈاؤن کا بتایا تو اس کے اپنے حواس جاتے رہے۔ اس نے بلال صاحب کو اطلاع دی اور جب تک وہ آنہیں گئے۔ وہ وہیں رکا رہا۔ وہ بار بار یہی پوچھتے رہے کہ اسے ہوا کیا ہے؟ آپ ان ہی سے پوچھئے گا۔

وہ وہاں سے آگیا۔ جب تک وہ ہوش میں نہیں آئی وہ عرصم سے اس کی خیریت پوچھتا رہا۔ زندگی اتنی بری اور اتنی مشکل ہو گئی کہ اسے گزارنا ایک عذاب بن گیا تھا' جو سزا ہانیہ کو دینے لگا تھا وہ خود اس کے اپنے لیے سزا بن گئی تھی۔ ماہ نے صحیح کہا تھا کہ اس نے اس کے بعد کا نہیں سوچا تھا وہ اسے دور سے دیکھتا تھا تو بے خود ہو جاتا تھا' اسے چھو کر تو اس نے اپنے آپ کو ایک امتحان میں مبتلا کر لیا تھا' اپنا کمرہ جو اسے جنت لگتا تھا' وہاں آنا ہی ایک اذیت بن گیا تھا۔ ہر طرف ہانیہ ہی نظر آتی تھی' مسکراتی' جھجکتی' روتی' تڑپتی' ایک دم بے جان ہو کر اس کی بانہوں میں جھولتی ہوئی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں کتنی بے یقینی تھی' ایک اس حد تک جا سکتا ہے' اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ اسی بے یقینی نے اسے بے ہوشی کے غار میں اتار دیا تھا۔ ایک کا سارا غصہ' ساری نفرت اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ ایک پچھتاوا تھا جو اسے جینے نہیں دیتا تھا۔

اس نے جیب میں سے اپنا سیل نکالا اور گیلری کے آپشن میں جا کر اس کی تصویر اپنے سامنے کرلی۔ جھینپی سی' شرمائی سی لیکن بہت خوب صورت بھی' وہ روز رات کو اس تصویر کو دیکھا کرتا تھا۔ وہ انتہائی دلفریب نقوش جنہیں اس نے چھو کر محسوس کیا تھا اور اب؟ اس نے فون بند کیا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز سے نیند کی گولیاں نکالیں اور دو گولیاں ایک ساتھ پانی کے ساتھ نگل لیں۔

"تمہیں ٹرنکولائزر پر رکھا جا رہا ہے۔" ماہ کی آواز اس کے کانوں میں پھر سے گونجی' ایک حزیں مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی تھی۔ وہ تین ہفتوں سے ٹرنکولائزر ہی لے رہا تھا ورنہ اسے لگتا تھا اس کے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔ اس نے نائٹ سوٹ پہنا اور آکر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ جب تک نیند سے آنکھیں بوجھل نہیں ہو جاتی تھیں' وہ بیڈ پر نہیں جاتا تھا۔ بیڈ کی طرف تو دیکھتا بھی نہیں تھا ورنہ ہانیہ پھر سے اس کے حواسوں پر سوار ہو جاتی۔ اس نے اپنی آستین پلٹی' بازو پر ابھی بھی ہلکا سا نشان تھا' اس نے انگلی سے اس نشان کو چھوا تھا۔

"مائی لو' مائی سوئٹ ہارٹ آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور دونوں ہاتھوں سے بالوں کو پیچھے کیا اور ہاتھ پیچھے گدی سے باندھ لیے۔ صوفے کی پشت پر سر ٹکائے وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو سب کے سامنے معافی مانگنی ہوگی۔" وہ جھری جھری سی لے کر سیدھا ہو گیا۔ "یا اللہ! مجھے حوصلہ دے اور معافی بھی۔"

دعا مانگتے' مانگتے اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور وہ وہیں صوفے پر ہی سو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بہت آہستہ آہستہ' مگر بتدریج ہانیہ کی ذہنی حالت بہتر ہونے لگی۔ دوبار اس سے ملنے کے لیے رومیصہ آنٹی آئی تھیں' نرمی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور وہ بھی بہل سی گئی۔ ان کی وہ بہت عزت کرتی تھی' وہ بہت اچھی تھیں' اس میں کوئی شک نہ تھا' مگر وہ ایبک کی ماں بھی تھیں' بے شک ایبک نے اسے پاگل پن کی سرحدوں تک پہنچا دیا تھا' لیکن اس نے تو اس سے سچ مچ محبت کی تھی۔ اس سے وابستہ ہر رشتہ اسے بہت عزیز تھا۔

مومنہ بھی آئی تھی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے اچانک کہا۔ "سر ایبک اسکاٹ لینڈ گئے ہوئے ہیں۔ جانے سے پہلے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھنے آئے تھے۔ اب تو تم کافی بہتر ہو' آفس آؤ گی نا' میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں اور......" وہ شرارت سے بولی۔ "سر ایبک بھی۔"

"شٹ اپ مومنہ۔ وہ سمانہ کے فیانسی ہیں۔"

"اوہ سوری یار' میں بھول ہی گئی تھی۔" مومنہ نے فوراً" معذرت کی تھی۔

"اٹس اوکے۔" وہ آہستہ سے بولی' سر پر جیسے کوئی وزن آگرا تھا وہ آنکھیں موند کر لیٹ گئی مومنہ کو شاید کبھی اپنے کہے پر اتنا افسوس ہوا ہو۔ جتنا اب ہوا تھا' وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے ہانیہ کے کچے زخم کرید دیے تھے۔ وہ اس کے تصور کو جھٹک جھٹک کر تھک چکی تھی' مگر وہ تو اس کے اعصاب پر اتنا حاوی تھا کہ سوتی تو خواب میں اور جاگتی تو سوچوں میں' ارد گرد وہی نظر آتا تھا' وہی محسوس ہوتا تھا' اپنا آپ اس کے بازوؤں کے حصار میں' اس کے وجود کی خوشبو میں گھیرا ہوا لگتا۔

اپنے چہرے کے ہر نقش پر اس کے ہونٹوں کا دہکتا ہوا لمس' اس کی بے چینی کو سوا کر دیتا' وہ رگڑ رگڑ کر منہ دھوتی' مگر اس احساس سے پیچھا نہ چھڑا پاتی۔

وہ تو سمانہ کی امانت تھا پھر اتنی بڑی بددیانتی' وہ خود کو سمانہ کی مجرم سمجھتی تھی۔ نماز پہلے بھی پڑھتی تھی' مگر اتنی باقاعدگی سے اب ہی پڑھنے لگی تھی' بس وہی لمحات تو ہوتے تھے جب وہ اس کیفیت سے آزاد ہو پاتی تھی ورنہ تو اسے لگتا تھا اس کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔ اس وقت بھی وہ عصر کی نماز پڑھ کر تسبیح ہاتھ میں لیے استغفراللہ پڑھ رہی تھی' جب اس کے سیل پر بیل ہونے لگی' نیا نمبر تھا' اس نے کچھ دیر سوچا پھر اٹینڈ کر لیا۔ "ہیلو۔" جواباً" خاموشی تھی۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر حیرت سے دیکھا' پھر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔"

"کیسی ہیں آپ ہانیہ؟" وہ ایبک تھا۔ ہانیہ کو جیسے فون نے کرنٹ مارا تھا۔ اس نے فون دور پھینک دیا' ایک ماہ بعد اس کی آواز نے اس پر وہی اثر کیا تھا جو ایک ماہ قبل اس کے عمل نے کیا تھا۔ وہ پوری کی پوری کانپنے لگی۔ اس نے تو سم ہی چینج کر دی تھی۔ پھر اس نے یہ نیا نمبر کس سے لیا' وہ کچھ دیر خود پر قابو پاتی رہی' پھر فون اٹھا کر اسے آف ہی کر دیا۔

☼ ☼ ☼

یہ اس کے کچھ دن بعد کی بات تھی جب رومیصہ ان کے گھر آئیں اور بہت محبت سے اسے اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کرنے لگیں۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ "نہیں آنٹی پلیز' میں نہیں جا سکتی۔"

"بیٹا پارک تک چلنا ہے' سبک بہت اصرار کر رہی ہے' چلیں بیٹا ذرا دل بہل جائے گا۔"

"چلی جاؤ ہانیہ' بیٹا فریش ہو جاؤ گی۔" تایا جی نے بھی کہا تو کپڑے تبدیل کر کے ان کے ساتھ چلی آئی۔ پارک میں بنچ پر بیٹھ کر رومیصہ نے اپنے سیل پر نمبر پش کیے۔

"اوہ' سبک نے فون ہی بند کیا ہوا ہے' میں اسے بلا

کرلاتی ہوں' وہ کینٹین میں ہوگی۔"
ان کے جانے کے بعد اس نے بنچ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلی تھیں۔ معاً" اسے اپنے برابر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ساتوں آسمان اس کی نگاہوں میں گھوم گئے تھے۔ ایبک اس کے برابر بیٹھا اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ وہ جھٹکے سے اٹھی 'مگر ایبک نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے دوبارہ بٹھالیا تھا۔ "کیسی ہیں آپ؟" ہانیہ نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"بہت ناراض ہیں مجھ سے؟" وہ بہت نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ ہانیہ نے رخ پھیرلیا۔
"میں آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں۔"
"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی نہ سنی ہے۔"
"پلیز ہانیہ' میں اس سب کے لیے سوری کررہا ہوں' میں نے مام سے ریکویسٹ کی کہ وہ میری کسی طرح آپ سے بات کروادیں تاکہ میں آپ سے ایکسکیوز کرسکوں۔"
"آپ لوگوں کو تو دھوکا دینے کی عادت ہے۔ آپ ہوں یا آپ کی والدہ' دماغ تو میرا خراب ہے جو ہر بار یقین کرکے ساتھ چلی آتی ہوں۔" اس کا لہجہ اگر تلخ تھا تو الفاظ اس سے بھی سوا تر' ایبک کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوگیا۔
"آپ سب کچھ کہہ سکتی ہیں' لیکن صرف مجھے' مام میری نہیں' آپ کی وجہ سے ہمیں ملوانا چاہتی تھیں۔ وہ مجھ سے ناراض ہیں' ٹھیک سے بات بھی نہیں کرتیں۔ ان کا خیال ہے کہ میں آپ سے معذرت کروں تاکہ آپ کا کانفیڈنس بحال ہوجائے تو میں آپ سے سوری کررہا ہوں۔"
یعنی وہ ماں کی ناراضی دور کرنے کے لیے اسے منا رہا تھا۔ ہانیہ کے دل پہ لگے زخموں میں ایک نیا زخم یہ بھی سہی۔ اس نے اٹھ کر تھکے تھکے قدموں سے باہر جانے کے لیے قدم آگے کو بڑھائے۔
"رکیں ہانیہ۔"
وہ رک گئی 'اب وہ کون سا چرکا لگانا چاہتا تھا وہ یہ بھی دیکھ لینا چاہتی تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔
"میں نے آپ سے کہا تھا ناکہ آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ میں کس سے محبت کرتا ہوں' جس سے محبت ہوجائے' اسے تو یہ علم ضرور ہوتا ہے' بہرحال میں آپ سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں آپ سے کل بھی محبت کرتا تھا' آج بھی کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔"

پہلی دفعہ اظہار کیا بھی تو کس طرح' ہانیہ کی آنکھیں جھلملا سی گئیں' وہ تو کہہ کر ایک دم پلٹ کر وہاں سے چلا گیا' لیکن ہانیہ وہیں بنچ پر دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ جب وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھا کرتا تھا یا جب دیر ہوجانے کے احساس سے اسے گھر چھوڑ کر آتا' تب اس کا دل کتنا خوش امید ہوگیا تھا۔ ہبرک کی شادی میں ایبک کی والہانہ نظروں نے اسے یقین دلایا تھا کہ جذبات دونوں طرف یکساں ہیں۔
پھر کیا ہوا کہ وہ دن بہ دن بدلتا چلا گیا۔ دکھ تو اسے ہوا تھا تو شکوہ بھی اسے ہونا چاہیے تھا' مگر اسے تو صبر کی عادت تھی سو اپنے سارے جذبات کا خون ہوتے دیکھ کر بھی چپ ہوگئی۔ شکایت کرتی بھی تو کیا کرتی۔ ایبک نے کون سا اس سے کوئی وعدے کیے تھے۔ حالانکہ یہ تو وہ جذبات تھے جن کے لیے اظہار کی ضرورت نہیں تھی۔
وہ سمانہ کے ساتھ منگنی کے بندھن میں بندھ گیا۔ آئے دن اس کے ساتھ گھر آتا یا اسے ساتھ لے کر ہوٹلنگ' آؤٹنگ کرنے جاتا' وہ کس اذیت میں مبتلا ہوجاتی تھی' یہ تو وہی جانتی تھی اور اس دن جب وہ سمانہ کے کہنے پر ایبک کے گھر گئی اور جو کچھ ہوا اس میں وہ خود کو ہی قصوروار گردانتی تھی۔ وہ ایک غیر مرد کے بیڈ روم میں کیا سوچ کر چلی گئی جبکہ گھر میں کوئی دوسرا فرد موجود بھی نہ تھا۔ سوائے ملازمین کے جو اپنے مالکوں کے کسی کام میں مداخلت نہیں کرسکتے۔ ایبک نے جو کچھ کہا' وہ تنہائی میں مرد عورت کے درمیان موجود شیطان لعین کرواتا ہے۔ اب جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کی طلب گار تھی تو ایبک نے اسے پھر سے

ڈسٹرب کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہانیہ ڈارلنگ' کچھ ریفرشمنٹ لیں گی۔"
رومیصہ کی آمد کا اسے علم ہی نہیں ہو پایا تھا' سبک بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔
"نہیں آنٹی' مجھے گھر جانا ہے۔"
"آج میرے ساتھ' میرے گھر چلیں۔"
"نہیں۔" وہ ایک دم اٹھ گئی۔ "میں گھر جاؤں گی۔"
"مجھ پر بھی اعتماد نہیں ہے؟" ان کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ چپ رہ گئی اور انہوں نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلایا اور باہر لے آئیں۔ سبک بھی چپ چپ سی تھی۔ ان کے گھر کو دیکھتے ہی ہانیہ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔
"میرے روم میں چلتے ہیں' سبک آپ اپنے کمرے میں جائیں' ابھی ہانیہ یہیں ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ "ریلیکس ہو کر بیٹھیں' میں چائے منگوالوں۔" انہوں نے انٹر کام پر چائے کا آرڈر دیا اور پھر اپنے فون سے مختصر بات کی۔ "میرے روم میں آیئے گا۔" پھر مسکراتی ہوئیں اس کے پاس آبیٹھیں۔
"ان کے ڈیڈ تو رات تک نہیں آنے والے' آپ ایزی ہو کر بیٹھیں۔" اسی اثنا میں دستک ہوئی۔ "یس"
دروازہ کھلا اور ایبک اندر داخل ہوا' ہانیہ کا رنگ متغیر ہو گیا' ظاہری بات تھی کہ فون انہوں نے ایبک کو ہی کیا تھا۔
"ہانیہ' ایبک آپ کے سامنے ہے' آپ کا جو دل چاہے وہ سلوک اس کے ساتھ کر سکتی ہیں' اگر آپ چاہیں تو میں یہاں سے چلی جاتی ہوں آپ۔۔۔"
"نہیں آنٹی پلیز۔" اس نے رومیصہ کا بازو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ وہ ایبک کے ساتھ کمرے میں تنہا رہنے کے خیال سے ہی لرز گئی تھی۔ رومیصہ نے انتہائی ملامت بھری نظروں سے ایبک کو دیکھا تھا۔ اپنا بازو اس کے ہاتھوں سے چھڑا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ دروازہ ناک کر کے ملازمہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں آئی۔
"چائے دوں آپ کو؟"
"میں بناتی ہوں آنٹی۔" ہانیہ نے پہلے چائے بنا کر انہیں دی' دوسرا کپ ایبک کے سامنے رکھا اور اپنا کپ لے کر رومیصہ کے پاس بیٹھ گئی۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔
میں جب آپ کو دیکھنے گئی تو مجھے خدشہ تھا کہ آپ مجھ سے ملیں گی بھی نہیں۔ ایبک کی ماں ہونے کے ناطے میں بھی برابر کی شریک جرم نہ سمجھی جاؤں' لیکن آپ نے مجھے حیران کر دیا۔ ایبک کے سامنے میں نے ایک شرط رکھی ہے کہ یہ آپ سے سب کے سامنے ایکسکیوز کرے گا تاکہ سب پر آپ کی بے گناہی ثابت ہو جائے۔ اب آپ ڈیسائیڈ کریں کہ کب' آج' کل یا کسی اور دن' جب آپ کہیں یہ سب کے سامنے۔"
"نہیں آنٹی۔" وہ گھبرا گئی تھی۔ "پلیز نہیں۔"
"کیوں' اس نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا اس کے بعد یہ اسی کا مستحق ہے۔"
"انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کے لیے انہیں یہ کرنا پڑے۔ بلیو می آنٹی' سر نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔"
"پھر آپ اپ سیٹ۔۔۔"
"پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا' اس میں سر کا کوئی قصور نہیں ہے' سر نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کیا۔"
جلدی جلدی وضاحتیں دیتی' گھبرائی ہوئی رومیصہ کے دل میں اترتی چلی گئی۔ انہوں کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ انہوں نے اسے ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔ "آئی لو یو ہانیہ' آئی رئیلی ویری مچ لو یو۔"
"اب میں جاؤں۔"
"پھر آئیں گی نا؟" وہ کچھ دیر چپ رہی پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"ایبک آپ کو چھوڑ آئے؟" وہ خاموش ہی رہی۔
وہ اسے ساتھ لیے پورچ میں آئیں۔ ایبک بالکل خاموش تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے فرنٹ ڈور کھولا۔ ہانیہ بیٹھ گئی تو رومیصہ نے تھوڑا اندر ہو کر ایبک سے کہا۔ "اب مجھے آپ کی شکایت نہیں ملنی چاہیے۔" اس نے ایک نظر ماں پر ڈالی اور خاموشی سے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتا رہا۔
"اوکے' اللہ حافظ۔" انہوں نے دروازہ بند کیا تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جب گاڑی رکنے پر چونکی۔ حیرت سے ایبک کو دیکھا جو بہت سکون سے اس کی طرف متوجہ تھا۔ "اگر اجازت ہو تو کچھ باتیں کرنی ہیں آپ سے۔"
"کون سی باتیں؟" اس کا لہجہ تلخ تھا۔ وہ مسکرا دیا۔
"میں نے جب فرسٹ ٹائم آپ کو دیکھا تو آپ مجھے بہت اچھی لگیں' لو ان فرسٹ سائٹ والا معاملہ تھا۔ دن بہ دن میں اور سے اور آپ کی محبت میں مبتلا ہونے لگا بہت جلد مجھے احساس ہوا کہ معاملہ یکطرفہ نہیں ہے' میں خوامخواہ کے اظہار محبت سے آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا تھا ماما سے بات کر کے' انہیں آپ سے ملواؤں گا اور تھرو پراپر آپ کو حاصل کروں گا' ماما سے بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور یونی کی شادی میں سب ہی آپ کے دیوانے ہو گئے' اس کی شادی کے دوسرے دن ان سب نے مل کر میرا وہ ریکارڈ لگایا کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔
آپ کی آنٹی اور سمانہ نے بھی سب محسوس کر لیا تھا۔ وہ کئی بار مجھ سے ملیں اور آپ کی بے راہ روی کے قصے سنائے کہ آپ کی بہت سے لڑکوں کے ساتھ فرینڈ شپ ہے' ان کے بھائی عرصم کے ساتھ تو معاملہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے ان کی باتوں پر یقین آنے لگا۔ میں نے غصے سے' آپ کو اذیت دینے کے لیے سمانہ سے انگیجمنٹ کی تھی ورنہ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں ان دنوں بہت زیادہ ڈسٹرب تھا یہ دکھ کہ میں نے دل کی گہرائیوں سے جسے چاہا' وہ ایسی کیریکٹرلیس لڑکی تھی۔ مجھے چین نہیں لینے دیتا تھا۔ جب آپ کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تو عرصم سمانہ کو ساتھ لے کر میرے پاس آیا۔ اس نے سب کچھ بتا دیا۔ سمانہ بھی بہت رو رہی تھی۔ اسے آپ کی کنڈیشن سے بہت دکھ پہنچا تھا۔ وہ اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھی۔ اسی نے ماما کو بھی کلیئر کیا ورنہ وہ مجھ سے بہت زیادہ ناراض تھیں اتنی کہ میں نے پہلے کبھی انہیں کسی سے بھی ایسے ناراض ہوتے نہیں دیکھا تھا۔" ہانیہ ساکت بیٹھی تھی۔
"سمانہ نے میرے متعلق یہ سب کہا' کیوں' میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟" اس کے دماغ میں زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ اب اسے ایبک کے پل پل بدلتے رویے اور عرصم کے متعلق طنزیہ باتوں کی سمجھ آ رہی تھی۔ اس نے سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا۔ کتنے ہی آنسو اس کے گال بھگو رہے تھے۔ اسے پتا ہی نہیں تھا۔ وہ تو جب ایبک نے ٹشو سے اس کے آنسو صاف کرنے چاہے تو وہ ہوش میں آئی۔ اس کے ہاتھ سے ٹشو لے کر اس نے خود اپنا چہرہ صاف کیا۔
"میرا خیال ہے' مجھے آپ کو یہ سب نہیں بتانا چاہیے تھا۔"
"نہیں اچھا کیا آپ نے بتا دیا۔ ورنہ میں تو ساری عمر یہ معمہ حل نہ کر پاتی کہ آپ کے یکایک بدلنے کی وجہ کیا تھی؟"
"اچھا یعنی ٹینشن تھی میرے بدلنے کی۔" وہ شرارت سے بولا۔ جواباً" ہانیہ نے اسے باقاعدہ گھورا تھا۔ ایبک نے مسکراتے ہوئے کانوں کی لووں کو چھوا۔ وہ بھی ہنس پڑی تھی۔
"اب تو دوستی ہے نا؟" ایبک نے ہاتھ بڑھایا۔ ہانیہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
وہ سمجھ کر ہنس پڑا۔
"ماما کو بتا دوں تاکہ آپ کی ناراضی ختم ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ یہ لاسٹ چانس ہے اگر آپ آج ہانیہ کو نہ منا سکے تو پھر ہمیشہ کے لیے اسے کھو دیں گے

اور میں آپ کو کھو نہیں سکتا تھا۔" وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ "اور میں آپ کا بہت تھینک فل ہوں کہ آپ نے مجھے اس شرمندگی سے بچالیا جو سب کے سامنے ایکسکیوز کرنے سے مجھے ہوتی' میں تو یہ سوچ کر بھی پسینے میں ڈوب جاتا تھا۔" اس نے جھرجھری سی لی۔

"میں آپ کو شرمندہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"تو پھر اتنی ناراض کیوں تھیں؟"

"جو کچھ آپ نے کیا اس پر مجھے ناراض بھی نہیں ہونا چاہیے تھا؟" اس نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"حالانکہ میں نے کیا کیا تھا؟" وہ اتنی معصومیت سے بولا کہ ہانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔ یہ اچانک کیسی قلابازی کھائی تھی اس نے۔

"پیار ہی تو کیا تھا آپ کو اور میرا تو پھر سے وہ سب کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔"

وہ سرگوشی میں کہتا اس کے قریب ہوا۔ اس بار ہانیہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکا دیا تھا اور تیزی سے مڑ کر دروازہ کھولنے لگی۔ ایبک نے اس کا بازو پکڑ کر واپس کھینچ لیا۔ وہ جس طرح ہنس رہا تھا۔ ہانیہ سمجھ گئی کہ وہ شرارت کر رہا تھا' اس کے اڑتے ہوئے حواس واپس آنے لگے۔ ایبک نے اسے سچ مچ ڈرا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"مام کو بھیجوں پرپوزل کے لیے؟" وہ خاموش ہی رہی۔

"ایکچوئلی میں چاہتا ہوں اب کسی غلط فہمی کے امکان کو ختم کرنے کے لیے آپ کو اپنے پاس لے آؤں اور دوسری بات یہ کہ......" وہ ہلکے سے کھنکارا۔ "جس چیز کا ذائقہ معلوم نہ ہو اس کے بغیر تو گزارہ ہو جاتا ہے' لیکن جس کے ذائقے کو چکھ لیا جائے' اس کے بغیر رہنا بہت مشکل ہے۔"

ہانیہ نے حیرت سے اس کا فلسفہ سنا' نا سمجھی سے اسے دیکھا تو وہ بہت معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔

اس کی بات اب ہانیہ کی سمجھ میں آئی تھی۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹی اور دروازے کے ساتھ لگ گئی۔ اس کی رنگت دیکھ کر ایبک کے حلق سے بے اختیار قہقہہ برآمد ہوا تھا۔ ہانیہ نے اسے کبھی اتنا کھل کر ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے محویت سے اپنی طرف دیکھتے پا کر اس نے شرارت سے بائیں آنکھ دبائی۔ وہ گڑبڑا گئی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے' پلیز مجھے چھوڑ آئیں۔"

"آپ کو چھوڑنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔" اس نے ہانیہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"سنیں' میرے دل کی ہر دھڑکن 'ہانیہ' ہانیہ' پکار رہی ہے' کان لگا کر سنیں۔" ایبک نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس پر اپنی ٹھوڑی ٹکا دی اور دھیرے سے گنگنایا۔

ہانیہ نے سکون سے آنکھیں موند لی تھیں' محبت کا آئینہ' جو بدگمانی کی دھول نے دھندلا دیا' اب صاف ہو کر کتنے خوب صورت منظر دکھا رہا تھا' آنکھیں سہانے خواب بن رہی تھیں' محبت کی شاہراہ پر ان دونوں کی زندگی کی گاڑی اب بہت رواں رہنی تھی۔ اس کا دونوں کو ہی یقین تھا۔

☆ ☆

دیا شیرازی

"لائیں آپا جی میں کردیتی ہوں۔" صفیہ نے خدیجہ کے ہاتھ سے چاول کی پرات لے لی۔

"ارے رہنے دو صفیہ میں کرلوں گی ابھی تو تم آئی ہو۔ کرتی رہنا کام بھی۔" خدیجہ شرمندہ ہو کر کہنے لگیں۔

"تو بھلا ابھی کرنا یا بعد میں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سچ پوچھیں تو آپا مجھ سے فارغ بیٹھا نہیں جاتا۔" صفیہ چاول چنتے ہوئے فخر سے بتانے لگی۔

"یہ تو بہت اچھا ہے صفیہ تم خوش نصیب ہو جو کام کرنا مشکل نہیں لگتا اور پھر تمہاری اسپیڈ بھی اچھی ہے جو کام میں ایک گھنٹے میں کروں گی تم جھٹ پٹ کرلیتی ہو۔ میں تو وقار سے بھی کہتی ہوں۔ اپنی صفیہ جس گھر میں جائے گی اس کی قسمت کھل جائے گی۔" خدیجہ کی تعریف سے صفیہ پھولی نہیں سمارہی تھی۔

"یہ لیں آپا جی چاول صاف کرکے میں نے چڑھا بھی دیے ہیں اور کوئی کام تو نہیں۔" صفیہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں بس چاول ہی پکانے رہتے تھے۔ باقی سالن تو میں نے دوپہر کا ہی بچا کے رکھا تھا وہ ہی گرم کرلوں گی۔ قیمہ بنایا تھا آج دوپہر کو ویسے کا ویسا رکھا ہے' یہاں ہوتا ہی کون ہے کھانے والا ہم دو ہی تو میاں بیوی ہیں' بچے تو اپنے اپنے روزگار سے لگے پردیس چلے گئے۔" خدیجہ بچوں کو یاد کرکے اداس ہو گئیں۔

ان کے دو بیٹے ایک سعودیہ اور ایک دبئی میں نوکری کرتے تھے اور اپنے بال بچوں کے ساتھ وہیں سیٹل تھے۔ سال دو سال میں ایک چکر لگاتے بہت ساری مجبوریاں بتاتے ڈھیر سارا پیار جتاتے اور پھر چلے جاتے۔ اب تو ان کے بغیر رہنے کی عادت سی ہو گئی تھی۔ خدیجہ آپا اور وقار صاحب یہیں رہتے تھے۔ خاندان والے چکر لگاتے رہتے تھے خیریت معلوم کرنے کے لیے۔ صفیہ بھی ان ہی میں سے ایک تھی گھر قریب ہونے کی وجہ سے وہ روز ہی چکر لگاتی تھی اور چھوٹے بڑے کئی کام نمٹا کے جاتی۔

صفیہ ان کی نند کی بیٹی تھی بہت سادہ دل اور پرخلوص۔ چھبیس برس کی ہوچکی تھی۔ ابھی تک کہیں رشتہ طے نہیں ہوا تھا اس سے چھوٹی بہنیں کب کی گھربار کی ہوچکی تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کے رشتے نہیں آئے تھے' لیکن خدا جانے ہر بار ایسا کیا ہوتا کہ رشتہ ہوتے ہوتے رہ جاتا۔ رضیہ بھابھی نے تو صاف کہہ دیا تھا۔

"صفیہ تیرے رشتے میں کسی نے بندش کرادی ہے اس لیے کہیں بات نہیں بنتی۔" بات کیوں نہیں بنتی تھی اور یہ بندش کیسی تھی۔ سب ہی کو معلوم تھا سوائے صفیہ کے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سگھڑ تھی اور یہی بات اس کی بدقسمتی بن گئی تھی۔ ہر چیز قرینے سے رکھی سارا گھر دھو دھلا کے رکھتی۔

"ہائے صفیہ تمہارا گھر تو ایسے لشکارے مار رہا ہے جیسے ابھی بنوایا ہو۔" مدحت اس کی خالہ کی بہو نے سراہتی نظروں سے گھر کو دیکھا۔

"ہاں تو کیوں نا لگے سارا دن جان کھپاتی ہے۔ دو پل چین سے نہیں بیٹھتی۔ آج کل ایسی لڑکیاں کہاں ملتی ہیں۔ سارا دن چارپائیاں توڑتے رہنے سے تو گھر صاف ہونے سے رہا۔" خالہ نے لگے ہاتھوں بہو کو بھی سنا ڈالی اور صفیہ کو مزید پانی پہ چڑھایا۔ مدحت سمجھ تو خوب گئی ساس کا اشارہ کس طرف ہے، لیکن خون کا گھونٹ بھر کے رہ گئی پرائے گھر میں کھل کے بول نہیں سکتی تھی۔ بات منٹوں میں پورے محلے میں پھیل جاتی۔

"ہاں اماں! واقعی آج کل کے دور میں ایسی لڑکیاں کہاں۔ بہت سادہ ہے صفیہ، سارا دن خود کو ہلکان کیے رکھتی ہے، دوسروں کے سکھ کی خاطر۔" مدحت نے بظاہر ہمدردی جتاتے ہوئے چوٹ کی۔

"ارے نہیں نہیں بھابھی میں تو خود ہی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہوں اپنی مرضی سے، مجھے ہاتھ پے ہاتھ دھر کے بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ جانے لوگ کیسے بیٹھ جاتے ہیں مجھے تو الجھن ہونے لگتی ہے۔" صفیہ اس خیال سے کہ گھر میں کسی کو برا نہ لگ جائے الٹا صفائیاں دینے لگی۔ مدحت نے ترحم بھری نظروں سے

اسے دیکھا کاش سگھڑاپے کے ساتھ تھوڑی عقل بھی ہوتی تو کب کی اپنے گھر کی ہو چکی ہوتی۔ صفیہ نے چائے کے ساتھ پکوڑے اور دہی بھلے بھی بنائے تھے۔ ساتھ میں بیسن کا گرم گرم حلوہ بھی تھا خالہ تو نہال ہی ہو گئیں۔

"میری بچی اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔ سچ بتاؤں سلمی میرا اگر توقیر کے علاوہ دوسرا کوئی بیٹا ہوتا تو میں صفیہ کو اس کی دلہن بناتی۔" رضیہ خالہ نے حسرت سے کہا۔ اتنا تو سب ہی سمجھ چکے تھے کہ اگر توقیر کے علاوہ ان کے چار اور بیٹے بھی ہوتے تو وہ قبول صورت سفید پوش صفیہ کو کبھی بہو نہ بناتیں۔ وہ ہمیشہ پیسہ اور حیثیت دونوں دیکھ کر بہو ڈھونڈ رہی تھیں۔ ورنہ جوڑ تو توقیر کے ساتھ بھی اس کا خوب بنتا۔ سلمی نے بہن کی بات پر بدمزا ہو کر پہلو بدلا۔

"بس بہن یہ تو قسمت کے کھیل ہیں جس کا جہاں نصیب لکھا ہوگا وہیں رشتہ ہوگا۔ نکاح تو اوپر والے کے پاس طے ہوتے ہیں۔" سلمی نے مفاہمتی انداز میں بات کو سمیٹا۔

رفیعہ کو اچانک کچھ یاد آیا وہ چائے کا بڑا سا گھونٹ نگل کے جو بولیں۔

"ارے لو میں تو بھول ہی گئی۔ صفیہ بیٹی تم کل شام تک فارغ ہو کر مجھے کال کرنا میں توقیر کو بھیجوں گی تمہیں لینے کے لیے۔ تھوڑا سلائی کا کام رہتا ہے وہ مجھے پورا کر کے دو مجھ سے تو اب سوئی میں دھاگہ ڈالنا مشکل ہو رہا ہے۔ نظر کی کمزوری کی وجہ سے۔ کتنے دنوں سے لحافوں کے کور بنانے کے لیے کپڑا لا کر رکھا ہے وہ ہی سی کے دینے ہیں۔" رفیعہ خالہ شکر گھلے لہجے میں بولیں تو صفیہ انکار نہ کر پائی۔

"اچھا خالہ میں سی دوں گی۔ آپ بھیجیے گا کل توقیر بھائی کو۔" سلمی بیٹی کے اس سیدھے پن سے عاجز آ چکی تھیں۔

"ارے کل کیسے جاؤ گی تمہارے آسرے سارے بستر کھلوائے ہیں دھوپ دینی ہے۔" تکیے کھول کے روئی دھنکنی ہے۔ پتا نہیں کتنے دن لگیں۔

رفیعہ جب یہ فارغ ہو گی تو میں خود توقیر کو بلوا لوں گی۔ فی الحال چند دن ٹھہر جاؤ۔" سلمی نے گویا ہری جھنڈی دکھائی۔

رفیعہ بہن کی بات سے بدمزا ہو گئیں اور پلیٹ سے پکوڑا اٹھا کے خفگی سے بولیں۔

"اچھا بتا دینا پھر۔" ان کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھ کر صفیہ خود کو مجرم سمجھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"صفیہ یار پرسوں میلاد ہے اور میں نے ابھی تک کوئی تیاری نہیں کی۔ ٹائم اتنا کم ہے اور کام بہت زیادہ سو کے قریب لوگ ہوں گے میں تو سچ میں بوکھلا کے رہ گئی ہوں کیسے ہو گا سب؟" عفت تایا کی بہو فون پہ میلاد کی دعوت دینے کے بعد اپنی پریشانی شیئر کرنے لگی تو صفیہ کا دل ہمدردی سے لبریز ہو گیا۔

"ارے بھابھی یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ کریں گے مل جل کے یہ کوئی پہلی دعوت تو نہیں خاندان میں ایسی کتنی ہی تقریبات تن تنہا بھگتا چکی ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیں میں سنبھال لوں گی۔"

"صفیہ تمہاری یہی بات مجھے اچھی لگتی ہے۔ میری آدھی سے زیادہ فکر تم نے کم کر دی۔ میرے تو سوچ سوچ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے کہ کیسے ہو گا یہ سب پھر عاطف نے ہی مجھے کہا کہ صفیہ ہے نا وہ مدد کر دے گی تمہاری۔ آج کل کے دور میں اپنی سگی نندوں سے بھی مجھے مدد کا آسرا نہیں تھا۔ اگر تم نا ہوتیں تو میں یہ سب کچھ کبھی نا کر پاتی۔" الفاظ تھے یا تمغے۔ جو صفیہ کو پے در پے اپنے شانوں پہ سجے محسوس ہوئے۔ وہ ہواؤں میں اڑنے لگی۔ لوگ کتنا مجھے چاہتے ہیں کتنی قدر کرتے ہیں۔ وہیں میلاد میں جب وہ منتظم بنی ادھر سے ادھر سب کو سروس دیتی پھر رہی تھی۔ اور کھانے کے تھال بھر بھر کے ڈشوں میں الٹ رہی تھی۔ میمونہ بیگم نے اسے اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا۔ صفیہ اس بات سے بے خبر تھی میمونہ بیگم، عفت کی ممانی کیوں بار بار اس سے ہم کلام ہونے کی

کوشش کر رہی تھیں مارے خلوص کے ان کو اپنے ہاں آنے کی دعوت بھی دے آئی۔

بہت ذمہ داری سے اور بھرپور طریقے سے اس نے میلاد کی پوری تقریب نمٹائی تھی۔ تھکن سے اس کا بدن چور چور ہو رہا تھا لیکن چہرے پہ سجی مسکراہٹ ایک لمحے کو ہونٹوں سے الگ نا ہو پائی تھی۔ مہمان چلے گئے وہ عفت بھابھی کے ساتھ بیٹھی آج کی تقریب کو ڈسکس کر رہی تھی۔ جب عاطف اندر آیا۔

"بہت تھک گیا یار آج مہمانوں کو نمٹاتے نمٹاتے۔" اس نے زور سے انگڑائی لی اور صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"میرا تو سر دکھ رہا ہے بول بول کے مسلسل اتنے لوگوں کو ڈیل کرنا آسان نہیں ہے۔" عفت نے اپنی ناسازی طبیعت کا اعلان کرتے ہوئے عاطف کو کسی بھی مزید فرمائش سے روکا۔ بیوی تھی خوب جانتی تھی آگے کیا کہا جانے والا ہے۔ دوسری طرف صفیہ تھی پوری تقریب تن تنہا شانوں پہ اٹھائے رہی پورا دن اور اب بھی بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اسے اچھا نہیں لگتا تھا واویلا مچانا۔ تھکن تو سب کو ہوتی ہے کام کرنے سے یہ اوئی۔ آ۔ اوچھ۔ کیا ہوتا ہے وہ نہیں جانتی تھی اور اس بے خبری کا نتیجہ اسے اگلے پل ہی مل گیا عفت اور عاطف دونوں کی نظروں میں ابھی وہ تازہ دم تھی یا پھر وہ جان بوجھ کر آنکھیں چرا رہے تھے۔ مال مفت دل بے رحم۔

"صفیہ یار چائے پلاؤ میرا تو سر درد سے لگتا ہے پھٹ جائے گا۔" عفت کنپٹیوں کو دباتے ہوئے بولی۔

"جیو بیگم جیتی رہو میرا بھی یہی دل چاہ رہا تھا۔" کام کوئی اور کرے اپریسیشن ملے کسی اور کو یہی دستور زمانہ تھا۔ عفت نے مسکرا کے شوہر کو دیکھا۔

"اچھا میں بنا دیتی ہوں۔" سدا کی موڑ کی صفیہ کمر کس کے کھڑی ہو گئی حالانکہ تھکن سے اس کا بھی برا حال تھا۔

"سنو صفیہ تھوڑا گاجر کا حلوہ بھی گرم کر کے لے آنا۔" عاطف نے پیچھے سے آواز لگائی۔

✡ ✡ ✡

کہتے ہیں جو دن نکاح کا لکھا ہو اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ سمیر کے رشتے میں گھر بھر نے جتنے کیڑے نکالنے تھے خوب نکالے۔ کسی کو وہ عمر میں زیادہ لگا تھا۔ کسی کو بولنے میں تلخ۔ حالانکہ وہ ذرا اسٹریٹ فارورڈ تھا، جو بات ہوتی صاف صاف کرتا۔ لگی لپٹی رکھنے والا نہیں تھا اور سات آٹھ سال کا فرق کچھ خاص بھی نہیں تھا۔ لیکن مفت کی سہولت کون اٹھا کے دوسرے کی جھولی میں ڈالنا چاہے گا۔ بھابھیوں نے جو جو روڑے اٹکانے تھے وہ اٹکائے غصے کی تیز ہے، گھنی ہے، لیکن سب بے کار گیا۔ میمونہ بیگم بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔ انہوں نے جو ہیرا تلاش کیا تھا اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھیں۔ لڑکی والوں نے جو جو اعتراض کیے سب پورے کیے۔ جہاندیدہ خاتون تھیں خوب سمجھتی تھیں سب کی چالیں۔ گھر بھر کو مفت کی نوکرانی ملی ہوئی تھی کوئی بھی اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

دکھ تو اس بات کا تھا کہ سگی ماں کو بھی اپنے بڑھاپے کی فکر تھی۔ صفیہ کے بعد ان کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ کھانا کھلانا نہلانا دھلانا سب صفیہ کرتی تھی بھابھیوں کو تو ابھی سے ہول اٹھ رہے تھے پتا نہیں ساس کس کے حصے میں آئیں گی۔

سارا گھر ان دنوں بھانت بھانت کے مشوروں کا گڑھ بن چکا تھا۔ کوئی کسی کی بات سے متفق نہیں ہو پا رہا تھا۔ میمونہ بیگم نے بھی چوکھٹ پکڑ لی۔ تھک ہار کے سب کو ہتھیار پھینکنے پڑے اور یوں صفیہ، صفیہ سمیر بن گئی۔

✡ ✡ ✡

آج اس کی شادی کا ساتواں دن تھا۔ حمیرا اس کی جٹھانی مچھلی سامنے رکھے کھڑی بڑے بڑے منہ بنا رہی تھی۔ صفیہ کچن میں چائے کا کپ رکھنے آئی تو چونک کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا بھابھی پریشان لگ رہی ہیں۔" حمیرا نے

ایک نظر اس پہ ڈالی اور ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔
"کیا بتاؤں صفیہ۔ تم تو ابھی نئی آئی ہو آہستہ' آہستہ ماحول کو سمجھنے لگو گی۔ پتا نہیں امی کو مجھ سے کیا بیر ہے۔ ہزار مرتبہ کہا ہے مجھ سے مچھلی صاف نہیں ہوتی' الٹی آنے لگتی ہے اس کی بو سونگھ کے۔ لیکن نہیں ان کو تو مجھے نیچا دکھانے کا شوق ہے۔ ہر دوسرے تیسرے دن مچھلی منگوالیتی ہیں۔ کب سے ایسے کھڑی ہوں ہمت ہی نہیں ہو رہی ہاتھ ڈالنے کی۔" حمیرا بے چارگی سے بولیں۔
"ارے اتنی سی بات کو لے کر اتنا پریشان کھڑی ہیں۔ لائیں میں صاف کر دیتی ہوں۔" صفیہ آستین چڑھا کے آگے آئی۔
"ارے نہیں' نہیں سمیر بھائی نے دیکھ لیا تو خیر نہیں بہت سنائیں گے پھر۔ اور اچھا بھی نہیں لگتا ابھی تمہاری شادی کو ٹائم ہی کتنا ہوا ہے۔" حمیرا رسماً منع کرنا نہیں بھولی تھی مبادا کسی نے دیکھ لیا تو یہ تو کہہ سکے گی کہ میرے منع کرنے کے بعد بھی نہیں مانی۔
"کچھ فرق نہیں پڑتا شادی نئی پرانی ہونے سے اور سمیر کو پتا بھی نہیں لگے گا اس بات کا۔" صفیہ دھو دھو کر پیس دوسرے برتن میں رکھنے لگی۔
"پتا تو خوب لگے گا دلہن رانی جب اسے تم سے کچی مچھلی کی بو آئے گی ہائے بے چارا۔" تھی تھی تھی۔ حمیرا دل ہی دل میں ہنسنے لگی۔

☆ ☆ ☆

صفیہ بیٹی آج شازیہ کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں تم ایسا کرنا دوپہر کے کھانے میں کوفتے' بریانی' کباب اور نہاری بنا لینا۔ نان باہر سے منگوالیں گے ہاں سلاد' رائتہ ضرور ہونا چاہیے' ورنہ دعوت ادھوری سی لگتی ہے۔ حمیرا کو بھی میں نے کہہ دیا ہے۔ کام آپس میں بانٹ لو۔ دو چیزیں تم بناؤ دو حمیرا بنادے گی۔" ساس کی بات پہ سرہلاتی وہ حمیرا بھابھی کے کمرے میں آگئی۔ حمیرا سر تک کمبل لیے لیٹی تھی۔ صفیہ کو دیکھتے ہی بولی۔
"ہائے کب سے دعائیں کر رہی تھی کوئی کمرے میں آئے لیکن کسی نے جھانک کر بھی نہیں دیکھا کہ مر گئی ہوں یا زندہ ہوں۔ شکر ہے پھر بھی تمہیں تو خیال آیا۔" صفیہ جو ہاتھ بٹانے کا کہنے آئی تھی ہکا بکا ہو گئی۔
"ارے آپ کو کیا ہوا بھابھی طبیعت تو ٹھیک ہے نا ایسے کیوں لیٹی ہیں۔" صفیہ فکر مندی سے بولی۔
"صبح سے بی پی لو ہو رہا ہے چکر سے آرہے ہیں۔ شہباز کو کہا بھی کہ آفس مت جاؤ' کہنے لگے گھر میں اماں اور صفیہ بھابھی ہیں نا تمہارا خیال رکھنے کے لیے۔ میں آفس سے چھٹی نہیں کر سکتا۔"
"ہاں تو ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے میں ہوں نا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔ اب بھی اگر میں خود سے نا آتی تو کبھی پتا نہ چلتا۔" صفیہ کی زبان پے اپنائیت بھرا شکوہ آگیا۔
"اس حالت میں مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا سیڑھیاں اتر کر نیچے تک کیسے آتی۔ تم پلیز مجھے نمکول بنا کے دے دو عجیب گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" صفیہ سرہلا کر واپس آگئی جو کام کہنے گئی تھی وہ کہنے کی ہمت ہی نا ہوئی بھلا ایسی حالت میں وہ کیسے ہاتھ بٹاتیں۔ حمیرا کو نمکول دے کر وہ کچن میں واپس آئی اور کمر کس کے دعوت کے کھانے بنانے میں جت گئی۔ سمیر دوبار بلانے آیا تھا لیکن اسے اس بری طرح کام میں الجھا دیکھ کر واپس پلٹ جاتا۔ تیسری بار وہ کافی غصے میں لگ رہا تھا۔
"کب سے تمہیں بلا رہا ہوں تم آکیوں نہیں رہیں۔"
"سمیر آپ دیکھ تو رہے ہیں کتنا کام ہے۔ مہمان پہنچنے والے ہوں گے اور میں نے ابھی آدھا کام بھی نہیں نمٹایا' نا ہی تیار ہوئی ہوں۔" وہ بے چارگی سے بولی۔
"اتنا کچھ بنانے کی ضرورت کیا تھی دو چیزیں پکا لیتیں۔"
"اچھا نہیں لگتا سمیر! شازیہ کے سسرال والے ہیں کل کو خدانا خواستہ۔" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سمیر نے بیچ میں اچک لی۔
"تو شازیہ کو دھیان کرنا چاہیے تھا وہ خود پکاتی۔ تم

کیا باورچن لگی ہو اس کی۔ ہر کام پہ کمر کس لیتی ہو۔ اور حمیرا بھابھی کہاں ہیں۔" سمیر کسی سے ڈرنے والا نہیں تھا الٹا سب اس سے کتراتے تھے۔

"آہستہ بولیں کوئی سن لے گا۔ حمیرا بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی میں نے ان سے کہنا مناسب نا سمجھا۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"حمیرا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ شازیہ کی سسرال والے آ رہے ہیں' وہ کیسے کام کرے۔ اماں بوڑھی ہیں ان کو نہیں کہہ سکتی۔ سچ تو یہ ہے صفیہ تمہیں سب کا خیال ہے سوائے اپنے' یہاں سب عقل مند ہیں ماسوائے تمہارے ایسے ہی تو امی تمہیں ڈھونڈ کے نہیں لائیں۔ خود کو سنبھالو صفیہ۔ ورنہ دنیا والے تمہیں روند کے چلے جائیں گے۔ ابھی دیکھنا تھوڑی دیر تک حمیرا بھابھی تیار ہو کر آ جائیں گی۔ بیماری کا بہانہ بنا رہی ہیں وہ۔ میں پچھلے کئی سال سے جانتا ہوں انہیں' تم بھی دیکھ لینا۔" سمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کیسے اس کم عقل لڑکی کو سمجھائے۔

"اچھا اب بس کریں۔" وہ عاجز آ گئی۔ سمیر پیر پٹختا واپس چلا گیا صفیہ سر جھٹک کر کام میں لگ گئی۔ اس وقت اس کے پاس سوچنے کا وقت نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

مہمانوں کے آنے کے بعد حمیرا تیار ہو کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی اسے دیکھ کر کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ بیمار ہے البتہ صفیہ کے چہرے پہ تھکن واضح تھی جسے وہ مسکراہٹ کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ صفیہ کو حیرت تو بہت ہوئی' لیکن چپ رہی سمیر کی کہی گئی باتیں اس کے دماغ میں چکرانے لگیں۔ مہمانوں کے جانے کے بعد وہ اپنے لیے اور سمیر کے لیے چائے بنانے لگی جب حمیرا وہاں پہنچی۔

"اچھا تو نہیں لگ رہا تمہیں کہتے ہوئے تم بہت تھکی ہوئی ہو گی لیکن کیا کروں طبیعت ابھی تک سیٹ نہیں ہے۔ اگر ایک کپ چائے مل جائے تو۔" وہ صفیہ ہی کیا جو انکار کر دے۔

"اچھا۔" مختصر سا جواب دے کر وہ اپنے کام میں لگی رہی۔ حمیرا نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا تو خود ہی بول پڑی۔

"میرا تو کمرے سے نکلنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر سوچا' شازیہ کی سسرال کا معاملہ ہے لوگ باتیں گھڑتے ہیں' اسی لیے منہ پہ دو چار چھینٹے مار کے کپڑے بدل لیے' ایسے تو اٹھ کے نہیں آ سکتی تھی نا۔" حمیرا کے صفائی دینے پہ صفیہ شرمندہ ہو گئی۔ حقیقت کیا تھی اور وہ خوامخواہ غلط فہمی پالے بیٹھی تھی۔

"آپ چل کر بیٹھیں میں لے آتی ہوں چائے۔" صفیہ خود کو لعن طعن کرتی چائے کپوں میں انڈیلنے لگی۔

☼ ☼ ☼

کل سے اسے تیز بخار تھا تکلیف کی وجہ سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ سمیر نے سختی سے اسے اٹھنے سے منع کیا تھا۔ دوپہر کے تین بج چکے تھے کسی نے کھانا بنانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ دوپہر کا کھانا صفیہ ہی بناتی تھی۔ وہ بیمار تھی تو سب کو ڈر تھا کہیں انہیں ہی نا بنانا پڑے۔ شازیہ تو کمرے سے باہر ہی نہیں آئی تھی۔ امی

نے چائے میں ڈبل روٹی بھگو کے کھالی حمیرا کو بچوں کی وجہ سے آنا پڑا۔ چار انڈے فرائی کیے' ڈبل روٹی لی اور کمرے میں گھس گئی۔ اسے تو جیسے سب بھول ہی گئے تھے۔ بخار کچھ کم ہوا تو شدید بھوک کا احساس ہوا۔ نقاہت سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ اس نے شازیہ کو فون کیا وہ دوسری لائن پے مصروف تھی' پھر حمیرا کا نمبر ڈائل کیا' بیل ہوتی رہی کسی نے اٹینڈ نہیں کیا۔ مجبوراً "اسے اٹھنا پڑا۔

"ارے صفیہ بھابھی آؤ۔ آؤ اب کیسی طبیعت ہے۔" حمیرا کا لہجہ شہد گھلا ہوا تھا۔

"اب بہتر ہوں بخار اتر گیا ہے۔ نقاہت باقی ہے۔" حمیرا نے سہلا دیا۔

"کل سے کچھ کھانے کو دل نہیں کر رہا تھا اب زور کی بھوک لگی ہے۔ آپ کو اس لیے فون کر رہی تھی کچھ کھانے کو ہے تو دے دیں۔" وہ نڈھال ہونے لگی۔

"آں۔ ہاں۔ فون تو شاید سائلنٹ پے لگا ہو گا۔ اسی لیے آواز نہیں آئی۔" حمیرا گڑبڑا گئی۔

"تم بسکٹ اور دودھ کھاؤ گی۔ ابھی دیتی ہوں۔ ویسے بھی بخار میں ہلکی غذا لینی چاہیے۔" وہ اٹھ کر فریج سے دودھ نکالنے لگی۔ صفیہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ اسے بھوک لگی تھی۔ لیکن حمیرا نے تب نا۔ صفیہ نے بمشکل دو بسکٹ کھائے۔

"آج میرا امی کی طرف پروگرام تھا سامان بند کر دیا ہے بس شہباز کے آنے کا انتظار ہے۔ کھانا بھی وہیں ہے۔" حمیرا ادھر ادھر الماریوں میں جھانکتی خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔ کھانے کا نام سن کر اسے پھر بھوک نے آگھیرا۔

"آج دوپہر میں کیا بنا تھا۔ اسی سے کچھ لا دیں میرے منہ کا ذائقہ خراب ہو رہا ہے۔" صفیہ کو اپنی بے بسی پے رونا آ رہا تھا۔

"پتا نہیں' بھابھی میں تو گئی نہیں کچن میں صبح سے یہیں مصروف ہوں۔" حمیرا صاف مکر گئی حالانکہ صبح سے دو تین بار کچن سے ہو کر آئی تھی۔ صفیہ مایوس ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شازیہ کا کمرہ اندر سے لاک دیکھ کر وہ واپس جاتے ہوئے حمیرا کے کمرے کے پاس سے گزری تھی۔ اس کا فون بج رہا تھا۔ صفیہ کے چہرے پے پھیکی ہنسی پھیل گئی۔

"ہیلو۔ ہاں شکر ہے گئی مصیبت ایک تو صبح سے اس کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں اوپر سے آئی فرمائشی پروگرام کرنے۔ میں نے تو ہری جھنڈی دکھا دی۔ نا بھئی مجھ سے نہیں ہوتیں یہ خوشامدیں' وہ ہی کرتی پھرے سب کی۔ گھر کو سنبھالوں' بچوں کو سنبھالوں۔" صفیہ میں مزید سننے کی تاب نہیں تھی۔ سمیر کی باتیں اب سمجھ میں آ رہی تھیں۔

"اپنی آنکھوں سے سب اچھا کا پردہ ہٹا کے دیکھو صفیہ' بظاہر جھوٹی تعریف سے لوگ تمہیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ سب اچھے دکھتے ہیں کیوں کہ تم ان کی ضرورت بنی ہوئی ہو۔ جب وہ تمہاری ضرورت بنیں گے تب تم دیکھو گی کون کتنا اچھا ہے۔" صفیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سمیر سیڑھیاں چڑھتا ابھی اوپر آیا تھا۔ صفیہ نے جلدی سے آنکھیں خشک کیں۔

"تم رو رہی ہو۔" سمیر نے پریشان ہو کر اس کی پیشانی کو چھوا۔

"طبیعت تو......"

"بھوک لگی ہے' بہت۔" وہ بچوں کی طرح بے بسی سے رو پڑی۔ سمیر کو ہنسی آ گئی۔

"اتنی سی بات شکر ہے۔ جناب کو دو دن بعد بھوک تو لگی۔ یہ لو تمہاری پسند کا رول کباب۔" اس نے شاپر صفیہ کو تھمایا۔

"آپ کو کیسے پتا۔" وہ حیرت سے بولی۔

"کیوں کہ میں آپ سے زیادہ دنیا کو جانتا ہوں۔ آج یقیناً حمیرا بھابھی میکے جا رہی ہوں گی۔" سمیر نے یقین سے کہا۔ تو صفیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

☆ ☆

امت العزیز شہزاد

تعویذ

غزالہ بڑی عقیدت سے وہ موم جامہ کیا ہوا سفید خوشبو میں بسا، چوکور تہہ کیا کاغذ تھامے بغور اپنے سامنے بیٹھی اکلوتی نند صائمہ کو دیکھ رہی تھی۔ نہ صرف دیکھ رہی تھی بلکہ بہت توجہ سے اس کی جانب متوجہ بھی تھی۔ یوں تو نند، بھاوج کی آج سے قبل کوئی ایسی خاص دوستی نہ تھی، مگر کہتے ہیں نا کہ وقت پڑنے پر اگر گدھے کو.... بس فی الوقت غزالہ کے پیش نظر یہی معاملہ تھا۔ سو وہ بڑی توجہ اور فکر کے ساتھ صائمہ کی جانب متوجہ تھی.... جو کہہ رہی تھی کہ....

"تم لاکھ مجھے اپنا دشمن سمجھو.... مگر میں نے ہمیشہ تمہیں بھابھی نہیں بلکہ اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے.... اسی وقت کے آنے سے ڈراتی تھی تمہیں، مگر تم نے میری باتوں پر ذرا کان نہ دھرے.... خیر...." وہ بولتے بولتے جیسے خود پر قابو پاکر پھر بولنا شروع ہوئی۔ اس دوران غزالہ بڑی مسمی سی صورت بنا کر بیٹھی رہی۔

"یہ تعویذ میں نے بڑے جتن کرکے صرف تمہارے اصرار پر ایک اللہ والے بزرگ سے حاصل کیا ہے۔ مگر انہوں نے تعویذ کے ساتھ ساتھ دو تین عمل بھی کرنے کو سختی سے کہا ہے، ورنہ یہ تعویذ بالکل بے اثر ثابت ہوگا۔" اس نے ڈروا دیا۔

"اف اللہ.... کیا چلہ کاٹنا ہوگا.... یا پھر مخصوص اوقات میں کہیں جاکر کوئی دیا یا موم بتی وغیرہ جلانی پڑے گی.... سکو نے تو ایسا ہی کچھ بتایا تھا۔" اس نے بڑی پریشانی سے اپنی کام والی کا ذکر کیا۔

"ایک تو تم نے بے عقل عورتوں کی طرح اپنے گھر اور خاوند کی باتیں سکو سے کرنا چھوڑ دو، کیا تمہیں

تعویذات کے نام پر اس سے بے وقوف بن کر بھی عقل نہیں آئی۔" صائمہ سخت برا فروختہ ہو گئی تو غزالہ بوکھلا کر بولی۔

"ارے نہیں باجی۔۔۔ اسے تو میں نے اس کا فراڈ سامنے آتے ہی فارغ کر دیا تھا۔ اب تو میرے ہاں فی الحال کوئی کام کرنے والی نہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ فی الحال گھر کا سارا کام تم اپنے ہاتھوں سے انجام دو۔۔۔ کیونکہ ان بزرگ کا کہنا ہے کہ گھر کو بے انتہا صاف ستھرا رکھنا ہے۔۔۔ ذاتی صفائی ستھرائی کا بھی ازحد خیال کرنا۔۔۔ پنج وقتہ نماز کا اہتمام تو لازم ہے اور ان کی خاص تاکید ہے کہ ہرگز ہرگز بھی اپنے میاں کے آگے زبان نہیں چلانی' بلکہ اگر وہ کچھ برا بھلا بھی سنائے تب بھی منہ بند کر کے دل ہی دل میں لاحول پڑھنی ہے اور اس کی خدمت میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھنی۔۔۔ اب بھئی تم دیکھ لو۔۔۔ میں جانتی ہوں یہ سارے کام تمہارے جیسی عورت کے لیے کرنا' جوئے شیر لانے کے مترادف ہے' مگر بات یہ ہے کہ اگر تمہیں اپنی گھر گرہستی عزیز ہے تب اتنی قربانی تو تمہیں دینی ہی پڑے گی۔" آخر میں صائمہ بے اعتنائی سے بولی۔ پہلے کا وقت ہوتا تو غزالہ اس "تمہارے جیسی عورت" کی اچھی طرح وضاحت مانگتی' مگر اب بات ذرا دوسری ہو گئی تھی' اسی لیے روکھے لہجے میں جلدی سے بولی۔

"نہیں باجی۔۔۔ میں آپ کی باتوں پر پورا عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔ بس آپ ناصر کو یہ بات ہرگز نہ پتا لگنے دیں کہ میں نے آپ سے تعویذ منگوایا ہے۔ وہ پہلے ہی سکو سے تعویذات منگوانے پر مجھ سے بہت ناراض ہیں۔" آخر میں آواز گلوگیر سی ہو گئی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں کیوں بتانے لگی میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ میرے بھائی کا گھر بس جائے اور اس کی گرہستی' خاندان میں تماشا نہ بنے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں' تمہارے توقیر بھائی کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔ پھر بچے بھی کوچنگ سے لوٹنے والے ہوں گے۔

میں گھر واپسی پر انہیں نہ ملوں تو انہیں اچھا نہیں لگتا۔" وہ ایک مطمئن سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ غزالہ نے بطور خاص اس کے وجود سے جھلکتی آسودگی کو محسوس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

غزالہ اور ناصر کی شادی خالصتاً" ناصر اور صائمہ کی والدہ' ناہیدؒ کے فیصلے کا نتیجہ تھی۔ غزالہ ان کی چھوٹی بہن شاہدہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ شاہدہ ایک چھوٹے سے قصبے میں بیاہ کر گئی تھیں۔ اس چھوٹے سے قصبے اور وہیں کے رنگ ڈھنگ کے مطابق غزالہ کی پرورش کی گئی تھی۔ ہاں شکل صورت کی وہ بہت اچھی تھی۔ اسی لیے جب شاہدہ نے مرض الموت میں مبتلا ہو کر' بڑی دل سوزی سے غزالہ کے لیے فکر مندی کا اظہار کیا تب کچھ بہن کی بگڑتی حالت اور غزالہ کی موہنی صورت کی وجہ سے ناہیدہ نے جھٹ اپنے اکلوتے' نیک' پڑھے لکھے' برسر روزگار بیٹے کا رشتہ نہ صرف پیش کر دیا بلکہ کراچی آ کر اسے حسب روایت جذباتی واروں سے نڈھال کر کے فون پر نکاح بھی کروا دیا۔ گو کہ صائمہ بھی ان کے اس فیصلے پر کچھ نالاں سی تھی' مگر وہ بھی ماں کے آگے مجبور ہو گئی۔

یوں شاہدہ کی وفات کے بعد وہ اسے رخصت کروا کر گھر لے آئیں اور یہاں دھوم دھام سے ولیمہ کیا۔۔۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ناصر بھی اس من موہنی صورت دیکھ کر رام ہو ہی گیا تھا۔ بس اس کی کچھ عادتیں تھیں' جس پر وہ معترض تھا۔ شادی کو سال بھر ہوا تھا' جب ناہیدہ بھی دوسرے جہاں چل بسیں۔ غزالہ کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ رہا۔ اسے کھلا میدان مل گیا اور اس کی ناپسندیدہ عادتیں پختہ ہو کر ناصر کے لیے وبال بن گئیں۔

یوں تو وہ فطرتاً" بری نہیں تھی' مگر اس میں ایک بڑی واضح بری عادت تھی اور وہ یہ کہ اگر اسے کوئی (اور یہ کوئی صائمہ یا ناصر کے علاوہ کون ہوتا بھلا؟) اچھی

بات سمجھانے کی کوشش کرتا' اول تو وہ منہ پھلا کر اس کے خلاف دل میں بغض پال لیتی۔۔۔ پھر دوبدو بحث مباحثہ پر اتر آتی۔۔۔ کچھ کچھ عادتاً" سست اور کاہل بھی تھی۔ آسودگی اور فراغت نے مزید کام چور بنا ڈالا۔۔۔ کام والی آکر سارے کام کر جاتی تو ٹھیک' ورنہ ایسے ہی پڑا رہتا۔۔۔ کئی بار ناصر نے ٹوکا کہ وہ سکو کے سر پر سوار ہو کر اپنی نگرانی میں تمام کام کروایا کرے۔۔۔ وگرنہ تو وہ ویسے ہی الٹے سیدھے ہاتھ مار کر' جھاڑو سے کچرا یہاں وہاں کونے کھدروں میں دھکیل کر گیلا میلا پوچھا فرش پر پھیر کر' فرش مزید گندا کر کے صفائی سے فارغ ہو جاتی۔ یہ ہی حال کچن کا تھا۔ ابتری اور گندگی نے اس "امریکن کچن" کو تیسری دنیا کا کوئی پسماندہ ملک بنا رکھا تھا۔ مگر غزالہ نے تو کیا سکو کے سر پر سوار ہونا تھا۔ الٹا وہ اپنی عیاری اور مکاری سے اس کے حواسوں پر سوار ہو کر اسے نت نئی الٹی سیدھی پٹیاں ہمدردی کے لبادے میں لپیٹ کر پڑھانے لگی۔

"باجی جی۔۔۔ مجھے تو آپ سے سخت ہمدردی ہوتی ہے' جب آپ کی وہ گھنی میسنی بن بن کر بولنے والی نند آکر آپ کو کھری کھری سنا رہی ہوتی ہے تب۔۔۔ تب سچی باجی میرا بڑا کلیجہ سڑتا ہے۔" وہ آنکھیں گول گول گھما کر کہتی۔

"کھری کھری کب سنائیں مجھے باجی نے۔" غزالہ چونک اٹھی۔

"اے لے۔۔۔" اس نے ٹھٹا لگایا۔۔۔ "آپ تو جی سچی میں بڑی معصوم سی ہو۔ وہ آپ ہی کو تو سنا رہی تھی کہ چھوٹے قصبوں سے بڑے شہر میں آکر بسنے والیوں کو کیا پتا کہ شہری گھر کیسے سنوارا جاتا ہے اور پھر بریانی کے چاول ذرا سے نرم ہو جانے پر وہ کیسے جتا رہی تھی کہ چاول میں پانی ہمیشہ حساب سے ڈالنا چاہیے۔"

"ارے ہاں۔۔۔ ان باتوں پر تو میں نے غور نہیں کیا۔" اس نے غصے سے کہا اور پھر چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں کو اس نے اس زاویے سے دیکھنا شروع کیا کہ صائمہ جیسی سلجھی ہوئی عورت نے بہت جلد ہی اسے نصیحت کرنے سے توبہ کر لی۔ اس کے گھر آنے سے حتی المقدور اجتناب بھی برتنے لگی۔

ناصر الگ اس کی عادتوں سے سخت کبیدہ خاطر تھا۔۔۔ پہلے اسے پیار سے سمجھانا چاہا جو کہ ظاہر ہے اس نے سمجھ کر نہ دیا۔۔۔ پھر ناراضی دکھانی چاہی۔۔۔ جو کہ غزالہ نے دیکھنے سے صاف انکار کر دیا' اس کے بعد جو ہو سکتا تھا وہ ہی ہوا۔ یعنی بالآخر اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو کر اس روز چھلک ہی پڑا کہ جس روز وہ گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانے پر اہتمام کرنے کی بطور خاص تاکید کر کے گیا تھا۔ دراصل اس روز اس نے اپنے ایک دیرینہ دوست' جس کی فیملی اب لاہور میں سکونت پذیر تھی اور خود وہ سعودیہ میں بغرض روزگار مقیم تھا اور آفس کے کسی کام سے صرف دو دن کے لیے کراچی آیا تھا' کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر آنا تھا۔ حالانکہ نوید تو ہوٹل میں اپنی بکنگ بھی کروا چکا تھا۔ مگر ناصر اسے زبردستی اپنے ہاں ٹھہرانے پر بضد رہا۔۔۔ وہ صبح اس کے ساتھ ہی آفس کے لیے نکلتا اور شام میں واپسی بھی ساتھ ہی ہونی تھی۔ لہٰذا پردے وغیرہ کا بھی ایسا کوئی مسئلہ نہ تھا۔

ناصر۔۔۔ اسے لے کر گھر پہنچا تو یہاں کا نقشہ ہی الٹا تھا۔۔۔ بے ترتیب لاؤنج میں صوفے پر آڑی ترچھی لیٹی غزالہ اور سکو بڑے اطمینان اور فراغت سے نمکو اور کولڈ ڈرنک سے انصاف کرتے ہوئے کسی انڈین فلم سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ آن واحد میں ناصر کے دماغ کا میٹر گھوم گیا۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے گھر کا؟" وہ اس کے سر پر پہنچ کر چلایا۔۔۔ دونوں بری طرح اچھل پڑیں۔۔۔ سکو تو ناصر کے تیور بھانپ کر فوراً" ہی کچن میں جا گھسی' جبکہ غزالہ اس کے غصے یا ناراضی کی پروا نہ کرتے ہوئے خم ٹھوک کر دوبدو مقابلے کو تیار ہو گئی۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا گھر کے حال کو؟ کیا طوفان آگیا ہے؟" وہ جہالت سے بولی۔

"میں تم سے صبح کہہ کر بھی گیا تھا کہ آج تو گھر کو صاف ستھرا رکھنا۔۔۔ مگر تم نے میری بات پر کان نہ دھرے۔"

"میں تنگ آگئی ہوں تمہاری اور تمہاری بہن کی ہر وقت کی نکتہ چینیوں سے، جتنی بھی اپنی جان مار لو۔۔۔ تم لوگ کسی طرح خوش ہی نہیں ہوتے۔" وہ ہاتھ نچا کر دھاڑی۔

"صائمہ باجی کا نام بھی مت لینا۔۔۔ ارے ذرا جا کر ان کا گھر دیکھو کیا آئینے کی طرح جگمگاتا ہے۔۔۔ شوہر اور بچے ان کے گن گاتے نہیں تھکتے۔" وہ سختی سے بولا۔

"بڑے تگڑے تعویذ کروا رکھے ہیں انہوں نے توقیر بھائی پر۔۔۔ وہ گن نہ گائیں گے تو اور کیا کریں گے۔" وہ تمسخرانہ بولی، تب وہ بہت تاسف سے اسے کہنے لگا۔۔۔

"بہت افسوس ہوا تمہاری ذہنیت جان کر۔۔۔ بجائے ان کی اچھائی اور سلیقہ شعاری تسلیم کر کے ان سے سبق لینے کے، الٹا تم ان پر الزام لگا رہی ہو۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ تمہارے جیسی پست ذہنیت کی عورت سے اور توقع بھی کیا کر سکتا ہوں میں، تمہیں سمجھانے سے اچھا ہے کہ میں ہی اپنا کوئی بندوبست کر لوں۔" وہ بڑے عجیب سے لہجے میں کہہ کر پلٹ گیا۔۔۔ وہ جو ماش کے آٹے کی طرح اکڑی کھڑی، جوابی حملے کے لیے تیار تھی، اس کے بیگانگی بھرے نافہم سے انداز پر الجھ کر ڈھیلی پڑ گئی۔ ناصر، نوید کو لے کر ہوٹل ہی چلا آیا۔۔۔ وہ خاصا اپ سیٹ سا تھا۔ پھر نوید اپنے کانوں سے سارا معرکہ سن چکا تھا۔۔۔ مرحومہ آنٹی کے نامناسب فیصلے پر سر ہلا ہلا کر افسوس بھی کر چکا تھا اور ناصر سے ہمدردی بھی۔۔۔ مگر یہ بات اتنی معمولی نہ تھی۔ ناصر کی زندگی بھر کا سوال تھا جو محض ڈیڑھ سال ہی میں جہنم کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ اسی لیے کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"میری مانو تو صائمہ باجی سے مشورہ لو۔۔۔ وہ بہت زیرک اور معاملہ فہم سمجھ دار عورت ہیں۔ شاید کسی تدبیر سے بھابھی کو ان کی غلط روش کا احساس دلا سکیں۔"

"نہیں نوید۔۔۔ غزالہ کو تو باجی سے للہی بیر ہے۔۔۔ وہ تو انہیں کسی خاطر ہی میں نہیں لاتی۔۔۔ اب مجھے ہی اپنے لیے کچھ کرنا ہوگا۔" اس کے لہجے میں سنجیدگی اور انداز فیصلہ کن تھا اور نوید جانتا تھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہ کر گزرے گا۔ اسے لیے وہ آسودگی سے مسکرا کر لنچ آرڈر کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

پھر تو جیسے اس کے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے۔۔۔ اب نہ وہ گندے گھر کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتا، نہ بدمزا کھانا پکانے پر غزالہ کو ٹوکتا۔۔۔ ایک عجیب سی بے نیازی اور سرشاری بھرا رویہ تھا۔۔۔ بے نیازی تو سمجھ میں آتی تھی۔ مگر یہ اس کے وجود سے پھوٹی سرشاری، ہونٹوں پر کھیلتی مسکراہٹ آنکھوں سے جھلکتی مستی۔ اپنے لباس پر وہ پہلے سے زیادہ دھیان دینے لگا تھا، پرفیوم بھی ڈھیروں چھڑکتا، لبوں پر محبت بھرے نغمے مچلتے رہتے۔ آدھی آدھی رات کو غزالہ نے اسے سیل فون کان سے لگائے ٹیرس پر ٹہلتے بھی دیکھا۔

"باجی جی۔۔۔" سکو نے ایک روز بڑی رازداری سے اسے مخاطب کیا۔ "مجھے تو کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔ آپ کو پتا ہے وہ سیدھے ہاتھ والے بنگلے کا صاب شروع میں ایسی ہی حرکتیں کرتا تھا پھر کچھ ہی دن گزرے ہوں گے کہ وہ بیگم صاحبہ پر سوتن لے آیا۔ حالانکہ میں نے تو انہیں بھی خطرے کی بو سونگھ کر پہلے ہی خبردار کر دیا تھا، مگر باجی۔۔۔ مجھ غریب کی سنتا ہی کون ہے۔ بعد میں لگ گیا نا پتا۔۔۔ آٹھ آٹھ آنسو روتی رہی پھر اپنے میکے جا بیٹھی۔ آپ کے کو تو جی کوئی اگنہ پچھا (آگا نہ پیچھا) اگر کچھ ہو، ہوا گیا تو آپ کدر (کدھر) جاؤ گی جی۔" وہ بڑے ہمدردانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"خدا کے لیے سکو۔ اچھی اچھی باتیں منہ سے پھوٹو۔" وہ تڑپ کر بے چینی سے بولی۔

"میرے بولنے سے کیا ہوتا ہے جی۔۔۔ آثار تو یہی بتا

رہے ہیں۔" اس نے مدبرانہ بے نیازی خود پر طاری کرنے کی کوشش کی اور مزید مکار دکھائی دی۔ غزالہ سوچ میں پڑ گئی پھر ناصر کی مزید کھوج میں لگ کر اس پر مزید انکشافات ہوئے۔ وہ واقعی کسی لڑکی سے باتیں کر رہا تھا اس نے اپنے گناہ گار کانوں سے سنا اور پھٹ پڑی۔

"ہاں تو پھر۔ کر رہا ہوں میں سونو سے بات۔۔۔ تم کیا کرلوگی میرا۔" ناصر نے نہ انکار کیا نہ بہانے بنائے جھٹ اقرار کرکے غزالہ کو ششدر کر دیا۔ وہ تو سوچ بیٹھی تھی کہ وہ گھبرا جائے گا گڑبڑا کر وضاحتیں دے گا تب وہ اس کی اچھی طرح چھینٹی لگائے گی، مگر اس غیر متوقع صورت حال نے اس کے اوسان خطا کر دیے۔

"کون ہے وہ ڈائن۔" اتنا تو وہ کہہ ہی سکتی تھی۔

"جو بھی ہے۔۔۔ تم سے بہت اچھی، خوب صورت، پڑھی لکھی اور سمجھ دار ہے۔" ناصر درشتی سے بولا۔

"تو لے آؤ نا اسے یہاں بیوی بنا کر، میں بھی دیکھتی ہوں کتنے دن رہ لے گی وہ تمہارے ساتھ۔" وہ آگ بگولہ ہو کر بولی۔

"جلد ہی لے آؤں گا۔۔۔ مگر اس سے پہلے تمہارا بندوبست ضروری ہے۔" وہ ٹھنڈے برف سے لہجے میں اطمینان سے کہہ کر گھر سے باہر چل دیا۔ وہ چلا چلا کر بین ڈالنے لگی۔ سکو ایمر جنسی سروس کی طرح حاضر تھی۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔" اس نے رٹ لگا رکھی تھی اس کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں متوقع "آمدنی" جو پیش نظر تھی۔

"ہائے میں لٹ گئی سکو۔۔۔ برباد ہو گئی نجانے کون چڑیل ہے جو میرے معصوم سے میاں کو پھانس بیٹھی۔" وہ زمین پر بیٹھ کر دائیں بائیں ڈول رہی تھی۔

"فکر مت کریں باجی جی۔۔۔ میں پیر سائیں سے ایسے تویذ (تعویذ) لا کر دوں گی کہ وہ چڑیل خود ہی جل کر بھسم ہو جائے گی۔ الٹا صاحب جی آپ کے پیروں میں گرے پڑے ہوں گے دیکھنا۔ ایسے ہی جلالی دھاگے دیتے ہیں وہ۔"

"تم سچ کہہ رہی ہو۔" وہ رک کر پوچھنے لگی۔

"ولیں۔۔۔ مجھے جھوٹ بول کر جہنم میں جانا ہے کیا۔" اس نے دھڑلے سے کہا تب جا کر غزالہ کے دل کو کچھ قرار ملا۔

☆ ☆ ☆

پھر اپنے جیب خرچ سے بچا کر جمع کیے گئے بیس ہزار روپے صرف کرکے سکو سے اس نے تعویذات منگوائے تھے۔ ناصر کی چائے میں چینی گھول، دھاگا اپنے پیر میں باندھ اور تعویذ ناصر کے تکیہ میں دبا کر، وہ اپنی ساری فکر اور پریشانی فراموش کرکے مزید شیریں بنی گھوم رہی تھی اسے اس انقلابی دن کا انتظار تھا کہ جب ناصر اس کے پیروں میں گر کر اپنے کردہ ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتا دکھائی دیتا۔

وہ دن تو فی الحال اس کی زندگی میں نہ آیا البتہ ایک دن ایک طرح دار ماڈرن سی حسینہ ناصر کے ساتھ گھر آکر گھر کا معائنہ کرنے لگی۔ وہ دونوں آپس میں گھر کے پینٹ، انٹیریئر وغیرہ پر مسکرا مسکرا کر تبادلہ خیال کر رہے تھے اور غزالہ جو تعویذات پر تکیہ کیے بیٹھی تھی اس صورت حال پر بھونچکی رہ گئی۔ اور اس بھونچکے پن میں اس سے اتنی عقل مندی ضرور سرزد ہوئی کہ وہ اس حسینہ کے سامنے ناصر سے الجھنے سے باز رہی (ذہن میں یہ بات بھی مخفی تھی کہ اگر ناصر نے "ہونے والی سوتن" کے سامنے ہی عزت افزائی شروع کر دی تب اس کی کتنی سبکی ہوگی) بس خلاف فطرت اتنا ضبط ہی بہت تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ ناصر کا گریبان پکڑ کر پوچھنے لگی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی، میرے گھر میں کسی غیر عورت کو لے کر آنے کی۔" ناصر نے تحمل سے اپنا گریبان چھڑوایا اور سکون سے بولا۔

"یہ گھر اب اس کا ہونے والا ہے۔ تم کسی زعم میں مت رہنا۔ بہت جلد میں اسے یہاں لا بساؤں گا۔"

"میں صائمہ باجی سے شکایت کروں گی۔ سارا

خاندان اکٹھا کرلوں گی۔" اس نے دھمکایا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"تم نے کبھی کسی سے بنا کر رکھی یا کسی کو خوش دلی سے گھر میں خوش آمدید کہا ہے جو ایسے دعوے کر رہی ہو۔ جاؤ غزالہ بی بی۔ یہ بچکانہ دھمکیاں کسی اور کو دینا" وہ کہہ کر چلتا بنا۔ اس نے سکو کو گھور کر دیکھا۔

"یہ ہے تیرے لائے تعویذات کا اثر۔" دوسرے دن سکو نے بتایا۔

"پیر سائیں نے کہا ہے کہ مخالف پارٹی نے بھی صاحب پر بڑے تگڑے تعویذ کروا رکھے ہیں۔ اس کے توڑ کے لیے چلہ کاٹنا پڑے گا آپ کو۔ گھر کے ایک کونے میں روز مغرب کے وقت دھونی دے کر چراغ جلانا ہو گا تل کے تیل کا' پھر دیکھنا اس چڑیلن کا تیل کیسے نکلتا ہے۔"

"اچھا۔ چراغ تو جلالوں گی' مگر چلہ۔" یہ کام مشکل تھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں' آپ صرف سات ہزار سات سو ستر روپے مزید دے دیں پیر سائیں آپ کے بدلے چلہ کاٹ لیں گے' آپ کا کام ہو جائے گا۔" اس نے جھٹ اس کی پریشانی کا حل پیش کیا۔ سات ہزار سات سو ستر اور چلے کا کیا تال میل تھا یہ سوچنے کا غزالہ کے پاس وقت نہ تھا۔ اب حقیقتاً" اسے اپنا گھر بچانے کی فکر لاحق ہو چکی تھی۔ اب تک وہ ناصر کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی آئی تھی' مگر اب اسے صحیح معنوں میں ناصر نے اپنے اختیارات کا مزا چکھا دیا تھا۔ چلہ بھی کاٹ لیا (پیر سائیں نے)۔ تل کے تیلوں کے چراغ بھی روز جلنے لگے (غزالہ کے ہاتھوں) مگر کچھ نہ ہوا۔ سوائے اس کے کہ ناصر کو پتا چل گیا کہ وہ سکو کے لائے تعویذات کے چکر میں پڑ گئی ہے۔ وہ خوب گرجا برسا' اسے چراغ' تعویذ دھاگے سمیت سکو کو بھی گھر سے نکالنا پڑا۔ غزالہ تنہا رہ گئی۔ ایسے میں سوائے اللہ۔ اور مرحومہ ماں کے بعد اسے صائمہ کے علاوہ بھلا کون یاد آتا۔ ان کے ہاں گئی۔ خوب روئی دھوئی۔ ماجرا کہہ سنایا۔ صائمہ دنگ رہ گئی۔

"باجی۔ بس اب آپ ہی میرا آخری سہارا ہو۔ ناصر نے مجھے طلاق دے دی تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔" وہ روتے ہوئے گڑگڑائی۔

"اللہ سے اچھی امید رکھو۔ مایوس مت ہو میں ناصر کو سمجھانے کی کوشش کروں گی۔" اس نے حوصلہ' تسلی سب کچھ دیا' مگر غزالہ کو کچھ اور درکار تھا۔

"نہیں باجی۔ آپ کو اللہ کا واسطہ مجھے بس آپ وہیں سے تعویذ لادیں جہاں آپ ہر جمعہ کو جاتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ناصر بھی میرا ویسا ہی گرویدہ ہو کر رہے جیسے توقیر بھائی آپ کے ہیں۔" اس نے لجاجت سے کہا۔ صائمہ ہکا بکا رہ گئی۔ ہر جمعے کو وہ بعد مغرب قریبی مسجد میں درس وغیرہ سننے بڑی پابندی سے توقیر ہی کے ساتھ جاتی تھی' مگر وہاں تعویذات وغیرہ کا تو کوئی سلسلہ نہ تھا یہ بات اس نے غزالہ کو بھی سمجھانے کی بہت کوشش کی' مگر اس کی چھوٹی سی عقل میں یہ بات سمائی ہی نہیں کہ دنیا کی ساری کرامات صرف تعویذات ہی کے مرہون منت نہیں ہیں۔ تب صائمہ نے ٹھنڈی سانس لے کر بس اتنا کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں صرف تمہارے خاطر وہ تعویذ حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔"

☼ ☼ ☼

اور اب غزالہ وہ تعویذ حاصل کرنے کے بعد بڑی پابندی سے بزرگ کے فرمودات پر عمل پیرا تھی اور جلد ہی کسی نتیجے پر پہنچنے کی منتظر بھی۔ یونہی چھ ماہ گزر گئے نہ ناصر کے رویے میں فرق آیا نہ غزالہ کے پائے استقامت میں' مگر وہ گھبرا ضرور جاتی۔ تب صائمہ کی "صبر۔ صبر" کی تلقین اسے حوصلہ دیتی۔ سکو کے بعد ناصر نے اسے کوئی نوکرانی رکھ کر نہ دی۔ اسے سارا کام گھر کا انتظام و انصرام خود کرنا پڑتا۔ تب بھی ناصر کے ماتھے کے بل درست نہ ہوتے۔ وہ اسے بے وجہ سخت سست ہی سناتا وہ سر جھکا کر دل میں لاحول پڑھتی

رہتی۔ بلکہ اب تو ناصر کے پہلے کے رویے اور اپنی پچھلی روش پر اسے شرمندگی' ملال پشیمانی سب کچھ محسوس ہونے لگا تھا۔ اور وہ منتظر تھی اس دن کی آمد کی' جب سب کچھ پہلے جیسا ہو جانا تھا۔ مگر وہ نادان نا واقف تھی کہ گزرے ہوئے پل کبھی واپس نہیں آتے۔

☼ ☼ ☼

"میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں باجی آپ نے میری بدتمیزیوں کو نظر انداز کر کے اس مشکل وقت میں میری مدد کی۔" غزالہ فون پر خوشی سے چہک رہی تھی۔

"مدد گار تو وہ ہی رب ہے سب کا۔ ہم تو صرف وسیلہ بنتے ہیں۔" صائمہ انکساری سے بولی۔

"پھر بھی باجی اگر آپ مجھے وہ تعویذ نہ لا کر دیتیں تو میرا کیا بنتا۔"

"(اف اللہ۔ پھر وہی تعویذ۔)" صائمہ نے سخت بدمزگی سے سوچا۔ مگر بولی۔

"دیکھو غزالہ۔ ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو ہر امر حکم ربی ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو کوئی تعویذ کچھ نہیں کر سکے گا۔ اور دوسری بات جیسا کہ تم نے ابھی بتایا کہ ناصر کا رویہ اب تم سے بہتر ہونے لگا ہے۔ تمہارے پکائے کھانے کی تعریف بھی کی۔ تمہیں شاپنگ پر بھی لے کر گیا۔ مگر ایک بات یاد رکھنا۔ مرد اگر اپنی کرنے پر اتر آئے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ ناصر تو یوں بھی گھر سے باہر کا راستہ دیکھ چکا ہے۔ اب یہ تم پر ہے کہ تم اسے کس طرح اپنا بنا کر رکھ سکتی ہو' باقی میری ہمدردی اور دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"جی باجی۔ میں نے بھی اپنی غلطیوں سے سبق سیکھا ہے۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گی کہ آئندہ وہ غلطیاں نہ دہراؤں۔ اس نے نادم لہجے میں کہا' پھر پوچھنے لگی۔

"اچھا اب اس تعویذ کا کیا کروں؟ کیا ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھنا ہو گا؟"

"ارے نہیں۔" صائمہ بے ساختگی سے بولی' ویسے بھی تمہارا مقصد تو پورا ہو ہی چکا ہے۔ میں کچھ دن میں چکر لگاؤں گی تب وہ تعویذ تم مجھے واپس کر دینا میں اسے سمندر میں ڈلوا دوں گی۔ اچھا اب رکھتی ہوں دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔" اس نے فون کان سے ہٹایا۔ سامنے صوفے پر بیٹھا ناصر بھرپور انداز سے مسکرا کر بولا۔

"آپ کے لائے تعویذ نے تو کمال کر دیا۔"

"بکو مت۔" صائمہ مسکراہٹ دبا کر مصنوعی خفگی سے بولی۔

"سب تمہارا کیا دھرا ہے اگر تم سونو والا ڈرامہ رچانے سے قبل مجھے اعتماد میں لے لیتے تو غزالہ کو کسی اور طریقے سے بھی سمجھایا جا سکتا تھا۔"

"میں ہر طریقے پر غور کر چکا تھا۔ بہت ٹیڑھی کھیر ہے وہ۔ اول تو وہ کسی کی نصیحت خاطر ہی میں نہیں لاتی کیونکہ وہ اپنے طرز عمل کو غلط سمجھتی نہیں تھی۔ اسی لیے اسے خوفزدہ کر کے جذباتی دھچکا دینا اشد ضروری تھا۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"مگر وہ تعویذ والا کھڑاک کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یقین کرو مجھے عجیب سی شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"مریض کو دیکھتے ہوئے اس کے مطابق طریقہ علاج اختیار کرنا چاہیے مائی ڈیئر باجی' اگر آپ اسے یونہی اپنے طور پر سب سمجھانے کی کوشش کرتیں تو میں دعوے سے کہتا ہوں وہ کبھی تندہی سے ان باتوں پر عمل نہ کرتی۔ ویسے آپ نے اس تعویذ میں لکھا کیا تھا؟" وہ شرارت سے پوچھنے لگا۔

"محبت فاتح عالم کے سوا کیا لکھ سکتی تھی میں۔" وہ سر جھٹک کر مسکرائی۔

"ہاہاہا۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"اس سے پہلے کہ ہماری پول کھل جائے' بہتر ہے کہ آپ جلد ہی اس سے وہ تعویذ واپس لے لیں۔"

"ہاں جاؤں گی کل۔ ابھی تو چلو لنچ کا وقت ہو رہا ہے۔" وہ اندر بڑھ گئی۔ اور ناصر سوچنے لگا کہ اگر انسان ذرا سی عقل استعمال میں لا کر تدبیر کرلے تو زندگی کے بہت سے مسائل کو ذرا سی کوشش سے سلجھایا جا سکتا ہے۔

☼ ☼

فرحین اظفر

سوہا اور ماہا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید' انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ' انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس' سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کردیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے' مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کرلیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہوکر انس کے گھر آجاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید' عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ' شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخر کار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے' جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہوجاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کرلیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور ماہا سے بھی کردیتی ہیں۔

حدید' انس کی خاطر نائلہ سے شادی کرنے کے لیے رضامند ہوجاتا ہے اور شادی کے بعد پوری سچائی سے نائلہ کو بیوی کا درجہ دینا چاہتا ہے' مگر نائلہ نے حدید کو مجبوری کے تحت اپنی زندگی میں قبول کیا اور اس کو وہ مقام نہ دیا جو اس کا حق تھا۔ حدید

خاموش ہو گیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ نائلہ اس کو قبول کرلے گی، مگر حدید کی شرافت اور خاموشی کو دیکھتے ہوئے نائلہ کے دماغ میں کچھ اور ہی منصوبے بالا ہی بالا تشکیل پانے لگے، جس پر نائلہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑی کامیابی سے عمل پیرا تھی کہ وہ انس کی نہ ہو سکی تو سوہا اور انس کو بھی جدا کردے گی۔

ماہا کی شادی حسیب سے بخیر و خوبی ہو جاتی ہے۔ ماہا حسیب کے ساتھ دبئی چلی جاتی ہے، ماہا حسیب سے شادی کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھنے لگتی ہے، مگر اس کو پتا چلتا ہے کہ حسیب ایک بیٹے کا باپ ہے اور وہ فوراً" پاکستان جانے کا فیصلہ کرلیتی ہے۔

سوہا امید سے ہوتی ہے، مگر نائلہ بڑی عمدگی اور کامیابی سے سوہا کو اس خوشی سے محروم کردیتی ہے اور اس حادثے کے بعد انس کو اپنی زیادتی کا احساس ہوتا ہے اور وہ سوچ لیتا ہے کہ اب سوہا کو کوئی غم نہیں دے گا۔ نائلہ اسپتال میں شبیر حسین کو دیکھ کر چکرا جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ شبیر حسین نے اس کو نہیں دیکھا، مگر شبیر حسین نائلہ کا پیچھا کرتے کرتے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے اور نائلہ نہ چاہتے ہوئے بھی شبیر حسین کے جال میں گھر جاتی ہے۔

حسیب ماہا کو منالیتا ہے اور پاکستان آجاتا ہے، مگر ماہا پھر غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہے اور حسیب کے ساتھ جانے سے منع کردیتی ہے۔ حسیب اکیلا ہی دبئی جانے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

عفت کا نکاح معراج کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ جس کا حدید کو پتا چلتا ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

گیارہویں قسط

حیدر آباد کی دھوپ سے تڑختی زمین پر چاند کی نرم کرنوں کی ٹھنڈک اتر آئی تھی۔ یہ کرائے کا مکان ایک کمرے اور چھوٹے سے دالان پر مشتمل تھا۔ صد شکر تھا کہ مالک مکانوں نے کونے سے اوپر کی طرف جاتی لکڑی کی سیڑھیاں، کرائے داروں کے لیے کھول رکھی تھیں۔

شدید گرمی اور حبس میں جب لوڈشیڈنگ مہربان ہو جاتی تو تقریباً" ہر روز وہ پسینے میں بھیگا جسم اپنی چادر اور تکیہ اٹھا کر اوپر چلا آتا۔ ایسے میں اسے اپنے گھر کی چھت اور اس کا نازک اندام وجود بہت شدت سے یاد آتا۔ جسے اللہ نے اس کے دل کی مرضی جانتے ہوئے اس کی زندگی میں شامل کردیا تھا، لیکن آج معاملہ مختلف تھا۔

آج سوہا کی یاد کے ساتھ دو اور فکریں اس کے ذہن پر سوار تھیں۔ ایک تو اس کے کمرے اور الماری کے کھلے دروازے اور دوسرے نائلہ کا اچانک بے ہوش ہو جانا۔

سرہانے لگے موبائل کی لائٹ جلی، وائبریشن ہونے لگی۔

"سوہا کالنگ" لمحہ بھر میں سارے خیالات اس کے ذہن سے یوں اڑن چھو ہوئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ وہ سب بھول گیا سوائے اس آواز کے، جو ابھی ابھی اس کی سماعتوں میں اتر کر اس کی روح کو اطمینان دینے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود کو اضطراب بخشنے والی تھی۔ اس کی تشنگی بڑھانے والی تھی۔

"کیا حال ہیں جان من!" اس کا مسکراتا لہجہ سن کر سوہا کے لبوں پر بھی چمک پھوٹنے لگی۔

"حال وہی ہے، جو آپ چھوڑ کر گئے تھے۔" وہ رکی پھر بولی۔

"سوہا!" چند لمحوں بعد اس نے بڑی سنجیدگی اور گمبھیرتا سے پکارا۔

"جی۔" وہ بھی ذرا کی ذرا سنجیدہ ہوئی۔

"بہت یاد آرہی ہے تمہاری یار..." بے بسی سی بے بسی تھی۔

"مجھے بھی۔" دونوں خاموش ہو گئے اور یہ خاموشی ایسی ہی تھی کہ کہنے کو دونوں کے پاس کچھ نہ کچھ تھا، لیکن وہ اپنے علاوہ کسی اور کی بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔ خاموشی طویل ہونے لگی اور یہ دوری انس پر جھنجلاہٹ اور سوہا پر

اداسی طاری کرنے ہی لگی تھی کہ انس کو کچھ یاد آگیا۔

"اچھا سنو! ایک بات بتا رہا ہوں تمہیں دھیان سے سننا۔ آج جب میں تمہیں چھوڑ کر گھر گیا تو۔" اس نے کمرے کے کھلے دروازے سے لے کر نائلہ کی مشکوک حالت تک سب کہہ ڈالا۔ سوہا اچنبھے میں گھری سنتی گئی۔

"میرا نہیں خیال کہ یہ نائلہ کی حرکت ہے۔"

"لیکن میرا یہی خیال ہے۔ نائلہ کے سوا اور کون جا سکتا ہے کمرے میں۔ جبکہ وہ اکیلی بھی تھی۔"

"پتا نہیں وہ کن چکروں میں ہے۔ آپ اس کے بارے میں کوئی گمان مت رکھیں۔ وہ کچھ بھی سوچ سکتی ہے اور کچھ بھی کر سکتی ہے۔ یاد نہیں میں نے بتایا تھا نا! کہ اس کا رویہ میرے ساتھ کتنا برا ہے۔" سوہا کو ایک بار پھر نائلہ کی برائی کرنے کا موقع مل گیا۔

"رویہ جو بھی ہو' لیکن وہ کمرے میں کیا کرنے گئی ہو گی میں تو یہ سوچ رہا ہوں۔"

"اچھی طرح تلاشی لیتے کوئی چیز گم تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں میں نے دیکھ لیا ہے اور تم بھی کیا بات کر رہی ہوں انڈین ڈراموں والی' وہ گیا کمرے میں چوری کرنے تھی ہو گی۔" اس نے کان پر سے مکھی اڑائی۔

"اگر وہ کسی بری نیت سے نہیں گئی تب بھی گئی وہی ہے۔ مجھے یقین ہے۔ تب ہی تو آپ دونوں کے سوالات سے بچنے کی خاطر بے ہوش ہو گئی۔"

"اے یار کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ وہ کوئی ناٹک نہیں کر رہی تھی۔"

"آپ کو اندازہ نہیں وہ کتنی بڑی نوٹنکی ہے۔" سوہا ٹھونک بجا کر بولی۔

"اندازہ تو مجھے بھی نہیں تھا کہ تم اتنی بی جمالو ہو۔"

"اوہ۔۔۔ میں بی جمالو ہوں۔۔۔" حسب توقع وہ فوراً" ہی برا مان گئی۔

"اچھا اچھا بس زیادہ منہ پھلانے کی ضرورت نہیں۔ میں اتنی خوب صورت کال کو ناراضی پر اینڈ نہیں کرنا چاہتا۔ کل ایک نئی جگہ اپلائی کیا تھا وہاں انٹرویو کے لیے جانا ہے۔ اس لیے تم بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔"

"ہوں۔۔۔ ں۔۔۔ ں۔" سوہا خاموش رہی۔۔۔ پھر بولی۔

"نیند کس کم بخت کو آنی ہے یہاں۔۔۔ آپ کو آجائے گی نیند۔" اس کے لہجے میں ایک وفا شعار بیوی کی محبت بول رہی تھی۔

"آہی جائے گی۔۔۔ لیکن میں کمبخت نہیں ہوں۔"

"انس۔۔۔" سوہا کی ہنسی نکل گئی۔

"ہاں میں بہت بخت آور ہوں۔۔۔ کیوں کہ میرے نصیب میں تم لکھی گئیں۔" اس کا لہجہ مہک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنکھیں بند کر لینے سے ضروری نہیں کہ نیند آبھی جائے۔ بہت برا تجربہ تھا۔ وہ شدید بے زار ہوا۔

"کیوں رک گیا میں خوامخواہ۔۔۔ اس نے تو کوئی بات نہیں کی۔ نہ کوئی بات کرنے کا موقع دیا بس۔۔۔ اطمینان ہو گیا تو چلی گئی اور اب۔۔۔ کیا کرتی ہو گی۔ اطمینان سے گہری نیند سوتی ہو گی اور ایک میں پاگل ہوں۔" وہ پہلی بار ان کیفیات سے نہیں گزرا تھا۔ اس کی ایک خانہ آبادی پہلے ہو چکی تھی۔ وہ ایک بچے کا باپ بھی تھا۔ سو ان کیفیات پر اس کی جھنجلاہٹ بے حد فطری تھی۔ حیرت اسے عفت کے اطمینان پر تھی۔

اور عفت۔۔۔ وہ محبت کا ذائقہ چکھ چکی تھی۔ استحقاق کا حسن پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اگر دل کے بہت

مجبور کرنے پر وہ اسے دیکھنے باہر آ بھی گئی تو کیا؟ کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا' لیکن اصل حیرانگی اسے اپنے دل کے پلٹا کھانے پر تھی۔ بھلا کوئی یوں بھی رنگ بدلتا ہے کیا؟

"شاید اسی کو نکاح کے بولوں کی طاقت کہتے ہیں۔" بے حد جھجکتے ہوئے اس نے دل میں اعتراف کیا اور کاریڈور میں آگے کی طرف قدم بڑھائے۔ دل ہی دل میں خود سے الجھتا جھنجلاتا معراج گلابی آنچل کا سایہ دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ سنسان راہداری میں کوئی آہٹ تھی نہ کوئی ذی روح۔۔۔ صرف ایک وہ تھی۔ گلابی پیراہن میں کٹتی ایک نازک سی لڑکی۔ جو اس کے دل میں یوں دھڑلے سے گھس آنے والی دوسری صفت نازک تھی۔

ابھی عفت کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ وہ بہت دھیرے رک رک کر قدم بڑھا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے گیا اور جب یقین ہو گیا کہ اب وہ یہاں تک آئے بغیر واپس نہیں پلٹے گی تو جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ عفت وہاں آئی۔ اس نے ذرا کی ذرا جھانک کر دیکھا۔ وہ سامنے ہی لیٹا تھا۔ عفت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ اس کا لمبا چوڑا سراپا اس وقت محو خواب تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

نماز پڑھنے کی جگہ اور کوئی دوسرا مرد نہیں تھا ایک سولہ سترہ سال کی عمر کا نو عمر لڑکا دیوار کی طرف کروٹ لیے سو رہا تھا۔ اس نے نظر بھر کے معراج کے وجود کو دیکھا۔ معراج آنکھوں میں جھری بنائے اس کی کسی پیش قدمی کا منتظر رہا' لیکن وہ بس چند لمحے وہاں ٹھہری پھر واپس پلٹ گئی۔ اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ گلابی آنچل دھیرے دھیرے دور جا رہا تھا۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ اپنی بے موقع ایکٹنگ پر خود سے خفا بھی ہوا۔ پھر تیزی سے اٹھ گیا۔

"جب تم بھی جاگ رہی ہو اور نیند ہمیں بھی نہیں آتی۔ تو کیا ضروری ہے کہ جھوٹے ڈرامے کر کے ایک دوسرے کو جانے کیا سمجھانے کی کوشش کی جائے۔" وہ تیز قدموں سے رضوانہ کے کمرے کی طرف گیا۔ ڈیوٹی پر موجود نرسیں اور ٹیلی فون آپریٹر کاؤنٹر پر سر گرائے اونگھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی کی توجہ اس لکاچھپی کے کھیل کی طرف نہیں تھی۔ اس نے چند لمحے سوچا پھر ہلکی سی دستک دے کر دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ رضوانہ گہری نیند سو رہی تھیں۔ وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوا۔

"کیا ضرورت تھی نو عمر لڑکوں کی طرح یہ فضول حرکت کرنے کی۔" اب باہر جانے یا یہیں ٹھہر کر انتظار کرے۔۔۔ واش روم کا دروازہ مکمل بند نہیں تھا جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ عفت کمرے میں نہیں آئی۔

تھوڑی دیر یہاں وہاں اس کی موجودگی کے آثار اور اس کے وجود کی خوشبو کو محسوس کرنے کی ناکام کوشش کی۔ وہ کسی کا بیڈ روم نہیں اسپتال کا کمرا تھا۔ وہاں صرف دواؤں اور اسپرٹ کی بو تھی اور بالکل خاموشی۔ گہری سانس لے کر اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور واپسی کے لیے پلٹا۔ تب ہی عفت کھلے دروازے سے اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے۔ معراج نے محسوس کیا وہ زندگی میں اس سے زیادہ کھسیانہ کبھی نہیں ہوا۔

"آنکھ کھلی تو خیال آیا۔ آپ کو بھی دیکھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" اپنی آواز میں شامل کھسیاہٹ کے عنصر کو وہ خود بھی چھپانے سے قاصر تھا۔

"میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں۔ نیند نہیں آ رہی۔ تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہی ہوں۔" عفت نے گرم چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"جی جی۔۔۔ آپ جائیں۔ میں بیٹھا ہوں یہاں۔"

"آپ۔۔۔" وہ رک سی گئی۔

"آپ کو یہاں رکنے پر کوئی زحمت تو نہیں ہو گی۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ آپ شوق سے چلی جائیں۔ میں بیٹھتا ہوں۔۔۔ آپ جائیں۔" دل کچھ اور چاہتا تھا۔ زباں کچھ

اور کہتی تھی۔ عفت باہر نکلی تو لبوں پہ بلھرتی ہنسی کو بمشکل قابو کیا۔ ابھی چند قدم ہی چلی تھی اور راہداری کے موڑ تک بھی نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نام کی پکار سنی۔ وہ مڑی تو معراج تیز تیز قدم اٹھاتا اس تک پہنچا۔

''میں نے سوچا میں بھی چلا چلوں باہر۔ آنٹی تو بہت ریلیکسڈ ہیں۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ تو...'' عفت نے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر نظریں جھکائیں۔ لب کا کونا دانتوں میں دبالیا اور چل پڑی۔ احاطے کے اندر موجود گھاس کا قطعہ سنسان پڑا تھا۔ دور کہیں کسی اکادکا سنگی بنچوں پر کوئی سویا ہوا تھا۔

''میں چائے بنانے جارہی تھی۔ تو سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں کہ آپ...'' اس نے بہت محتاط انداز میں بات کی' لیکن مکمل نہیں کرسکی۔

''جی میں نے دیکھ لیا تھا آپ کو۔ جب ہی تو اٹھ کر آیا تھا کہ کہیں آپ...'' اس کے لبوں سے روانی میں جو سچ نکلا تھا اور جتنی تیزی سے عفت کے چہرے پر اک شرارتی مسکان چھوئی۔ اس نے معراج سے بات مکمل کرنا مشکل کردیا۔

''تو... کہیں کسی چیز...'' ایک پل کو ان کی نظریں ملیں۔ اگلے پل دونوں ہنس رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وقت ہمیشہ ایک سا گزرتا ہے۔ صرف لوگوں پر کیفیات الگ وارد ہوتی ہیں تو اسی وقت کو پہیے لگ جاتے ہیں۔ کہیں ادھ مرے جانور کی طرح گھسیٹتا ہے۔ وہ رات بھی ایک ایسی ہی رات تھی۔ الگ الگ انسانوں کے لیے الگ طرح کی ایک ہی رات... سوہا کے لیے وہ رات ہجر کی اضطراب میں گھلی تھی۔ نائلہ کے لیے وہ رات سخت سزا سے مشابہہ تھی۔ ماما کے لیے وہ رات صرف خدشوں اور وہموں والی رات تھی اور عفت کے لیے وہ رات بے حد حسین... ایک نئی' مکمل اور خوب صورت زندگی کی طرف پہلے قدم کی رات تھی۔

فجر کے بعد ہی جب سورج کی روشنی نے ذرا کی ذرا جھپ دکھائی تھی۔ اس نے جلتی آنکھوں کو مسلا اور کروٹ لینے کی کوشش کی۔ پورے جسم میں شدید تھکن کے آثار جاگے۔ شاید یہ شب بے داری کا نتیجہ ہے۔ اس نے خود ہی اندازہ لگایا اور بستر سے اٹھ کر واش روم کی سمت بڑھ گیا۔ پانی ٹھنڈا تھا۔ اس نے کتنی دیر نرم اور نم پھواروں کو جسم پر بہنے دیا۔ بند دروازے کے باہر بیڈ روم میں زندگی جاگنے کی نشانیاں نمودار ہونے لگی تھیں۔ شاید خود اس کی طرح نائلہ بھی پوری رات ڈھنگ سے سو نہیں پائی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور تھا۔

''یہ بے چین جاگتی راتیں اس نے خود اپنا نصیب بنائی ہیں۔'' پتا نہیں اس کے اندر اتنا غم اور غصہ کیوں بھر گیا تھا۔ یہ ایک مرد کی انا پر چوٹ پڑنے کا نتیجہ تھا جو عورت کے ہاتھوں پڑی تھی یا پھر یہ ایک مبہم خواب ایک خیالی تصوراتی خوشبوں بھری دنیا کے لٹ جانے کا ماتم تھا۔

عفت کے نکاح کی خبر کوئی انہونی تو نہیں تھی' لیکن اس کے اعصاب اور حواس پر پتا نہیں کیوں کسی بم کی طرح پھٹ پڑی تھی۔ اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور شاور سے نکلتے پانی کو جلتے پپوٹوں پر تڑا تڑ برسنے دیا۔ نائلہ اور عفت... اس کے لیے دو عورتیں' نہیں دو سمتیں بن گئی تھیں۔ وہ ایک سمت کی طرف بڑھنا چاہتا تھا اور کوئی اسے دوسری سمت دھکیلتا تھا۔ وہ ان دونوں سمتوں کے درمیان دھکم پیل میں تھکا جارہا تھا۔ اسے بجھائی نہیں دیتا کہ آگے کا راستہ کیا ہوگا۔ حالانکہ آگے راستہ صاف ہی تھا۔ دفعتاً'' اس کا کھویا کھویا ذہن بے دار ہوا۔ شاور سے پانی بہنے کی رفتار دھیمی پڑرہی تھی اور واش روم کے دروازے پر دستک ہورہی تھی۔

''ناشتا تیار ہے۔'' نائلہ کی آواز لیٹی بیٹھی سی تھی۔ گلے میں پھنسی ہوئی۔ اس نے شاور بند کردیا۔ ناشتا ہمیشہ

کی طرح اس کی پسند کا تھا، مگر وہ بنا کوئی رسپانس دیے نوالے نگلتا رہا۔

"آپ آفس جائیں گے یا۔۔۔"

"یا۔۔۔؟" اس نے بے حد ناگواری سے نائلہ کو یوں دیکھا جیسے کوئی گھن آتی ہوئی چیز کو دیکھتا ہے۔ نائلہ بھی اس انداز کو سمجھتی ہی تھی۔ اس کے دل میں کوئی تیر سا گڑ گیا۔

"یا اسپتال۔۔۔ وہاں عفت رات سے اکیلی ہے اور۔۔۔" نائلہ نے بات مکمل نہیں کی۔ حدید نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ بے چینی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر کی طرف لپکا تھا۔ نائلہ نے بے تاثر چہرے سے اس کی بے چینی دیکھی اور ٹرے اٹھا کر کچن میں لے گئی۔ فل اسپیڈ سے بائیک اسپتال کی طرف اڑاتے ہوئے ایک ہی سوال بار بار ذہن میں اٹھ رہا تھا۔

"میں بھول گیا۔۔۔؟ میں کیسے بھول گیا کہ عفت اکیلی ہے۔ اس نے میرا کتنا انتظار کیا ہوگا۔" وہ ایک بات اور بھول رہا تھا کہ عفت اب اتنی بھی اکیلی نہیں۔۔۔

"اس نے میرا کتنا انتظار کیا ہوگا۔ میں نے ایک فون تک نہیں کیا۔ نائلہ نے اپنے چکروں میں اتنا الجھا کر رکھا کہ۔۔۔ اف۔۔۔! وہ بے چاری اب تک میرا انتظار۔۔۔"

☼ ☼ ☼

صبح ساڑھے چھ کا وقت تھا۔ گرمیوں کے موسم میں سورج جلدی چڑھ آتا ہے۔ ابھی دھوپ میں چبھن کے اثرات اتنے زور آور نہیں ہوئے تھے پھر بھی اسے لگا کہ اس نے ہاتھ میں موجود شاپر عفت کی جانب بڑھایا جس میں ناشتے کا سامان صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"آپ سینڈوچ کھالیں چچی جان!" عفت اب رضوانہ کی طرف متوجہ تھی۔

"میں اب چلتا ہوں عفت۔۔۔ یہ سامان رکھ لیں۔" عفت نے اس کے ہاتھ سے شاپر پکڑا اور پھر سے رضوانہ کی جانب متوجہ ہوگئی۔

"آؤ حدید کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھ جاؤ بیٹا! یہ عفت کو دیکھو مجھے بالکل ہی مریض بنا ڈالا ہے، میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" رضوانہ کی محبت بھری آواز پر تینوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ تینوں کی کوشش ناکام رہی۔

"اور تم اتنی جلدی کیوں جارہے ہو۔ تھوڑی دیر رک جاؤ بیٹا۔" غالباً" رضوانہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ صبح صبح ناشتا دینے کے بہانے عفت کو دیکھنے دوبارہ آیا ہے۔

"نہیں جانے دیں چچی۔ یہ رات میں یہیں رک گئے تھے۔ بہت تھک گئے ہیں۔ اب جا کر آرام کریں تو بہتر ہے۔" اسپتال کے نیم تاریک دالان میں بنے اس ٹھنڈے کمرے میں تیز دھوپ نکلی اور سیدھی اس کی آنکھوں میں کھب گئی۔ اس کی سوچیں ادھوری رہ گئیں اور اسے لگا اس کا وجود بھی ادھورا رہ گیا۔ عفت اکیلی نہیں تھا۔ وہاں کوئی اور بھی تھا۔ وہ وہی شخص تھا جو عفت کے تمام حقوق اپنے نام کروا چکا تھا اور فرائض کی بجا آوری کے لیے دل سے تیار تھا۔

"اتنی صبح صبح آپ یہاں۔۔۔ خیریت۔۔۔" حدید سے مسکرایا بھی نہیں جارہا تھا اور اس نے کوشش بھی نہیں کی۔

"جی بس۔۔۔" اس سے مصافحہ کرتا معراج اس عجیب و غریب لہجے و انداز پر گڑبڑا گیا۔

"یہ حدید ہیں۔ میری بہن نائلہ کے شوہر اور میرے خالہ زاد بھائی بھی۔" عفت بھی حدید کو دیکھ کر اور اس کی بات سن کر حیران ضرور ہوئی تھی، لیکن حدید کی کیفیت کو اگر وہ نہ سمجھتی تو کون سمجھتا۔ اس نے بروقت خود کو سنبھال

کر پرسکون کرلیا۔ معراج پھیکے پن سے مسکرایا۔ عفت کی آواز بالکل اسی طرح نرم تھی مگر اس کی پشت پر بیٹھا ہوا حدید ساکت ہوچکا تھا۔

معراج سلام کرکے چلا گیا۔ عفت رضوانہ کو سینڈوچ کھلانے لگی 'لیکن وہ اپنی پشت پر حدید کے پتھر ہوئے وجود کو محسوس کرسکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

معراج نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی ماں کے ٹٹولتے انداز کو محسوس کرلیا تھا۔

"کہاں تھے تم رات بھر۔" وہ سلام کے جواب میں سوال کرنے لگیں۔

"بتایا تو تھا ایک دوست کی طرف گیا تھا۔" وہ تھکے تھکے انداز میں سلام کرکے نزدیکی صوفے پر گر سا گیا۔

"ایسا کون سا دوست نکل آیا تمہارا۔ جس کے لیے تم یوں اپنی راتیں کالی کرو اور آفس سے چھٹیاں کرتے پھرو۔" اماں کی آواز میں شک نہیں بس ایک واضح الجھن سی تھی۔

"اوفوہ اماں آپ بھی بس... بتایا تو تھا عفت کی چچی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا ان کی عیادت کے لیے گیا تھا۔"

"ہاں تو..." وہ اب بھی نہیں سمجھی تھیں۔

"تو بس... وہیں رک گیا تھا۔"

"ہیں؟" وہ یوں اچھلیں جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"رک گیا تھا مطلب... پوری رات سے تم وہاں تھے۔" انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"جی وہیں تھا..."

"لیکن کیوں 'کیا ضرورت تھی تمہیں وہاں رکنے کی۔ ان کے یہاں کوئی مرد نہیں ہے۔" حسب توقع اماں برا مان چکی تھیں۔ معراج نے ایک گہری سانس لی۔ رات والا ٹرانس گزر چکا تھا۔ عفت عنقریب اس گھر میں آنے والی ضرور تھی 'لیکن ابھی آئی تو نہیں تھا۔ یہی سوچ کر اس کی پلکیں نیند سے جڑی جارہی تھیں۔

"مرد ہیں 'لیکن اس وقت نہیں تھے۔ بہنوئی ہیں عفت کے... ایک کو حیدر آباد جانا تھا۔ دوسرا اس کی بہن کے پاس تھا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"اور وہ ان کی چچی محترمہ ان کے پاس کوئی نہیں تھا جو تمہیں کرنا پڑا۔" ان کا لب و لہجہ تیکھا ہوگیا۔ بیٹے کی زبان پر چڑھی ایک دن پرانے سسرال کی مصروفیات انہیں ایک آنکھ نہیں بھائی تھیں۔

"تھی نا! عفت وہاں تھی اکیلی۔ اسی کا خیال کرکے رک گیا تھا میں۔" اس نے اپنی منکوحہ نہیں بلکہ سالوں پرانی بیوی کی طرح عفت کا ذکر کیا تھا 'لیکن عفت کے نام پر اس کے چہرے کا جو رنگ بدلا تھا۔ وہ ان جیسی جہاندیدہ خاتون سے کیسے چھپ سکتا تھا۔ اوپر سے معراج کی بات۔ اس نے گویا ان کے پیروں میں پٹاخا پھوڑا۔

"ہیں... ہیں۔" وہ بدک کر آگے پیچھے سرکیں... جز بز ہوئیں۔

"تو تم اس کے ساتھ تھے... رات بھر۔"

"جی رات بھر اسپتال میں۔" معراج بھی ان کے انداز پر ذرا کسمسایا۔ پھر اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔

"سو رہا ہے ابھی جاگا نہیں۔ اٹھا دوں کیا۔" دل میں ہوتی پکڑ دھکڑ کی وجہ سے ایک بے تکی بات ان کے لبوں سے نکلی۔

"نہیں اماں پلیز اور اگر اٹھ بھی جائے تو میرے پاس مت بھیجیے گا۔ رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ ذرا دیر تک سوؤں گا۔" اس نے فی الفور انہیں منع کیا۔ پھر اٹھ کر ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتا کمرے سے نکلا۔

"ناشتا نہیں کرو گے۔" انہوں نے صدمے سے باہر نکل کر اسے پکارا وہ دہلیز پر لحہ بھر کر رکا پھر منفی میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

"اے ہے۔ یہ کیا ہوگیا پاگل کو۔ ابھی تو دوسرا دن نہیں گزرا نکاح کیے کہ ایسے لٹو ہو گئے۔ مانو اپنی نیندیں قربان کرنے کو تیار۔ اے لڑکی ہے کہ جادو گرنی۔" بات ہی ایسی تھی۔ پیٹ میں درد تو ہونا ہی تھا۔ جھٹ سے بیٹی کو بلوا بھیجا۔

"اور اماں دیدہ دلیری دیکھیں خود بھی اکیلی تھی وہاں اور اسے بھی روک لیا۔ آئے ہائے کیسی بے شرمی کی بات ہے یہ۔"

"اور نہیں تو کیا۔" اماں نے پان کی گلوری کلے میں دبائی۔ اور بیٹی کے سامنے مزید پھپھولے کے لیے پوزیشن سنبھالی۔

"تو پورے خاندان میں کسی کو خبر نہیں ہوئی اور یہ دونوں وہاں رات بھر اکیلے پڑے رہے۔"

"یہ تو ہمارے بھائی کی شرافت ہے کہ ہمیں بتادیا۔ پتا نہیں اب اس نے بھی کسی کے کان میں یہ بات ڈالی کہ نہیں۔"

"اے لو۔ وہ کیوں بتائے گی۔ ایسی ملاقاتوں کی کسی کو بھنک دی جاتی ہے کیا۔"

"مگر میں تو اماں چپ نہیں رہوں گی۔ باتوں باتوں میں عفت کی ماں سے کہوں گی ضرور۔ ان کی ناک کے نیچے یہ کھیل تماشے ہمارے خاندان میں نہیں ہوتا ایسا۔" بیٹی ان کے جلتے پھپھولوں پر ہمدردی کے پھاہے رکھنے لگی۔ آخر اسے بلایا کس لیے تھا۔

"چل چھوڑ۔ رہن دے۔ پتا نہیں راجو کو کیسی لگے یہ بات۔" اے بیٹی جذباتی ہونے لگی تو ماں کو خیال آگیا۔

"کیسی لگے کیا مطلب۔ جیسی بھی لگے۔ بات ہے ہی غلط۔ ایک تو ہمارے علم میں لائے بغیر رات بھر وہاں رکا رہا۔ اور وہ بھی عفت کے ساتھ "بہت غلط بات ہے۔" صحیح بات کو غلط کہتے سے وہ بالکل بھول گئیں کہ عفت کوئی اور نہیں 'شرعاً' اور قانوناً' ان کے بیٹے کی عزت اور اس گھر کی بہو تھی۔ گو کہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کی حیثیت کو دنیا کی کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اماں نے بیٹی کو گرم ہوتے دیکھا تو بنا کچھ کہے گلے میں دبا پان چبانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

صبح اپنا ٹھنڈا روپ لے کر جانے کو تیار تھی۔ جب ماہا اور سوہا ناشتا لے کر اسپتال پہنچیں۔ رضوانہ نے جو دونوں بیٹیوں کو ساتھ آتے دیکھا تو سکھ کا سانس لیا۔

"سوری عفت ہمیں آنے میں تھوڑی دیر ہوگئی اصل میں رات میں اس قدر دیر سے آنکھ لگی کہ......" سوہا نرمی سے عفت سے بات کرنے لگی۔ حدید خاموش سا تھا۔ مگران تینوں نے ایک دوسرے میں لگ کر اس کی خاموشی کو محسوس نہیں کیا۔ ان دونوں کے آنے سے پہلے عفت اور حدید کے درمیان ایک تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ تھوڑی بہت بات چیت رضوانہ نے ہی کی حدید سے۔ اس کے بعد وہ باہر چلا گیا تو واپس نہیں پلٹا۔ یہاں تک کہ سوہا نے اس سے بہت دل چاہنے کے باوجود نائلہ کی خیریت تک نہیں پوچھی۔

وہ جانتی تھی۔ حدید کے دل و دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ وہ سوچیں نہیں تھیں۔ ایک لاوا تھا۔ جو اس کے چھیڑنے پر پھٹ پڑتا۔ اور کچھ خبر نہیں تھی اس کے عزت اور بھرم کے ساتھ ساتھ کردار کو بھی جھلسا کر رکھ دیتا۔ اس نے خاموشی اور لاتعلقی میں ہی عافیت جانی۔ یہی بہتر تھا۔

ماہا اور سوہا کے آنے کے بعد ماحول بدل گیا۔ تینوں ہنسی مذاق کرنے کے ساتھ ساتھ ناشتا نکالنے لگیں۔ ماہا کا دل مستقل حسیب میں ہی انکا ہوا تھا۔

وہ جلد از جلد حدید اور مزنہ آپی کی مشاورت سے حسیب کی گمشدگی کی رپورٹ پولیس میں کروانے والی تھی۔ اس کے علاوہ اب اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

"رات میں معراج آئے تھے۔ چچی جان کو دیکھنے۔" ناشتے کے بعد جب تینوں چائے پینے کے لیے باہر کاریڈور میں نکلیں تو عفت نے جھکی پلکوں سے انہیں بتادینا مناسب خیال کیا۔ بعد میں اگر بات کھلتی تو شاید اس کا رنگ وہ نہیں رہتا۔ جو خود سے بتادینے میں تھا۔

"اوہو۔ وہ۔ وہ۔ اچھا۔ پھر۔" سوہا نے شوخی سے عفت کو کہنی ماری۔ وہ ہنس دی۔ ماہا بھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ ہو رہا ہے۔ ڈیٹس لگ رہی ہیں بھئی۔ اور وہ بھی اسپتالوں میں۔" سوہا کی بات پر وہ سرخ پڑ گئی۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ تو عیادت کو آئے تھے پھر..." وہ رک گئی۔

"پھر کیا۔" سوہا نے لاپروائی سے مگ منہ سے لگایا۔ ان دونوں کے ہی گمان میں نہیں تھا کہ وہ اگلی بات کیا بتانے والی ہے۔

"پھر مجھے اکیلا دیکھ کر یہیں رک گئے۔" سوہا نے جلدی سے مگ یوں منہ سے ہٹایا کہ اسے اچھو لگتے لگتے بچا۔ ماہا کا بھی منہ کھل گیا۔ اور اتنی دیر تک کھلی آنکھوں اور منہ سے اسے دیکھتی رہی کہ سوہا کو صفائیاں پیش کرتی عفت نے اس کے گال پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

"کیا ہو گیا۔ کیا دیکھ رہی ہو پاگلوں کی طرح۔" بری طرح جھینپ رہی تھی۔

"سوہا۔ دیکھو اس کو۔ کتنے مزے سے کہہ رہی ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے نا! اس میں حرج ہی کیا ہے۔" سوہا نے کھلے دل سے اس بات کو قبول کر لیا۔

آتے جاتے لوگ' نرسز اور ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ دور کھڑے حدید نے بھی پلٹ کر انہیں دیکھا۔ پھر ان کی طرف چلا آیا۔

"تم لوگ باہر کیوں آگئیں۔"

"ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں راؤنڈ پر تو ہمیں باہر آنا پڑا۔"

"میں پوچھ کر آتا ہوں۔ چھٹی کب تک مل جائے گی۔" وہ ڈاکٹرز کو دیکھتا آگے بڑھ گیا۔ ماہا کو اسے دیکھ کر ایک بار پھر حسیب کا خیال آیا۔ وہ اس سے بات کرنے کے لیے سوہا اور عفت کو وہیں چھوڑ کر اس کے پیچھے چلی آئی۔ آٹھ دس قدم آگے آکر بھی وہ حدید کو آواز نہیں دے پائی تھی کہ اس نے مغیث حسن کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

"یا اللہ خیر! سر آج پھر یہاں۔ یقیناً" ان کا کوئی قریبی شخص داخل ہے۔ جب ہی روز چکر لگا رہے ہیں۔"

مغیث حسن بالکل اس کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ وہ اس وقت آگے بڑھ کر ریسپشن کاؤنٹر تک آگئی تھی۔ جیسے ہی مغیث حسن وہاں تک پہنچے اس نے فوراً" آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" ان کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ماہا نے جلدی سے اپنا تعارف کروایا۔

"سر میں آپ کے اسکول میں جاب کرتی تھی۔ کیمپس فور میں۔"

"او اچھا اچھا۔" وہ شفقت سے مسکرائے۔

"اور جس سال میں اپائنٹ ہوئی تھی۔ اسی سال مجھے بیسٹ پرفارمنس کا ایوارڈ بھی ملا تھا۔"

"اوہ ویری گڈ۔ اب کہاں ہیں آپ۔"

"اب تو سر میری شادی ہو چکی ہے۔" وہ ذرا جھینپ گئی۔

"یعنی ہم نے ایک قابل استانی کو کھو دیا۔" وہ خوش گوار لہجے میں بولے ماہا دھیرے سے ہنس دی۔

"سر آپ کے پاس تو میرے جیسے بے شمار ٹیچرز ہیں۔" اس نے کسر نفسی سے کام لیا۔ وہ کچھ کہنے ہی لگے تھے کہ کسی کے پکارنے پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”سرپیشنٹ کو دیکھ لیں۔“ وہ شاید ان کا کوئی قریبی ملازم یا سیکریٹری وغیرہ تھا۔ ماہا مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ مغیث حسن سامنے بنے کمروں کی قطار میں سے ایک کی طرف بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

یہ وہی آنگن تھا جہاں اس نے زندگی کا پہلا قدم اٹھایا تھا۔ پہلا لفظ لبوں سے ادا کیا تھا۔ پہلی ہنسی، پہلی مسکراہٹ دکھائی تھی۔ پہلا آنسو بہایا تھا۔ اسے پہلی پہلی محبت کا لطف اور درد کا ملا جلا احساس اسی آنگن میں ہوا تھا۔

رخصتی کے سمے ملن اور جدائی کے انوکھے سمے کے حزن و خوشی میں لپٹے رنگ کا ذائقہ بھی اس نے پہلی بار یہیں چکھا۔ یہیں پہلی بار زندگی میں آنے والے پہلے مرد کی محبت تھی۔ پہلا اعتبار جو خون کے علاوہ کسی رشتے پر اس نے کیا۔ اور وہ پہلا پہلا اعتبار اسی شخص نے توڑا جو اپنی، پہلی محبت کا دھوکا لے کر اسے اپنے سنگ لے کر گیا تھا۔

وہ کسی کی زندگی میں آنے والی پہلی عورت نہیں تھی۔ وہ خود کسی کی پہلی محبت نہیں تھی۔ ہاں اس کی محبت جو پہلی تھی۔ اس سے ملنے والا غم ضرور اول اول کا تھا۔ اور جب یہ غم اس کے دل کا مکین بنا تو لگتا تھا۔ اس کا دل بند کر کے ہی چھوڑے گا۔ لیکن وہ بھول گئی تھی۔

ہر بات، ہر واقعہ، ہر خوشی، ہر غم، پہلا تو ہو سکتا ہے مگر ضروری نہیں کہ وہ آخری بھی ہو۔ خالی سونے گھر میں ایک اکیلی اس کی جان تھی۔ اور وہ تھی کہ اب کسی صورت آنسو نہیں بہانا چاہتی تھی۔

”رونے سے نہ مسئلے حل ہوتے ہیں نہ مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔“ ایک بار حبیب نے ہی اسے سمجھایا تھا۔

جن دنوں وہ نئی نئی پاکستان سے دبئی گئی تھی۔ تو جتنی خوش تھی اتنی ہی خوف زدہ بھی۔ ذرا سی بات پر بری طرح گھبرا جاتی تھی۔ ظاہری بات تھی۔ جس نے کبھی کراچی سے باہر قدم نہ نکالا ہو یا گئی بھی ہو تو بڑوں کے ساتھ چھوٹی عمر میں صرف سیر و تفریح کے لیے۔ اس کے لیے اتنی ترقی یافتہ ریاست میں تن تنہا چلے جانا۔ پھر وہیں اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنا وہ بھی اپنے کسی گھر والے کے بغیر۔ کوئی مشکل سی مشکل تھی۔

اور اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے حبیب نے اپنی ساری طاقتیں اور توانائیاں محبتوں سمیت اس کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ایسے ہی ایک دن جب ایک مال میں حبیب کے ساتھ شاپنگ کرنے کے لیے نکلی تھی تو حبیب سے ذرا سی دیر کے لیے بچھڑ گئی تھی۔ اس نے ہونقوں کی طرح آس پاس مڑ کر گھوم پھر کر دیکھا تھا۔ اور پھر بے حد چمکتی دمکتی۔ شیشے کی دیواروں سے بھری اس مہکتی ہوئی دکان سے باہر نکلی تو اس کا چہرہ اس قدر سفید پڑ چکا تھا۔ کہ کوئی بھی اس کی شکل دیکھ کر پہچان سکتا تھا کہ وہ کس مشکل میں پڑ گئی ہے۔

اس نے سامنے لگی گرل سے نیچے جھانکا۔ وہ لوگ اس وقت ایک شاپنگ مال کے فرسٹ فلور پر ہی تھے۔ لیکن اسے یوں لگا تھا جیسے وہ ساتویں آسمان سے بھی اوپر کہیں کھڑی ہے۔ ہر جگہ اجنبی چہرے ادھر ادھر آجا رہے تھے۔ ہر چند کہ وہاں اردو بولنے والوں کی کثیر تعداد تھی۔ لیکن اسے نہ کوئی آواز آ رہی تھی نہ کوئی زبان سمجھ آتی تھی۔ بس کچھ ہی دیر گزری کہ اس کے آنسو ابلنا شروع ہو گئے۔

حالانکہ حبیب دس منٹ سے بھی کم وقت میں اسے ڈھونڈتا واپس پہنچ گیا تھا۔ ماہا اس وقت دھواں دھار آنسو بہاتی دو تین خواتین کے جھرمٹ میں کھڑی تھی اور اس قدر خوف زدہ تھی کہ اپنی جگہ سے ایک انچ سرکنے کو تیار نہیں تھی۔

حبیب کی آواز نے اسے آوازوں کے ہجوم میں سے ڈھونڈا وہ بے قراری سے اٹھی تھی۔ اور حبیب سے چمٹ

کر اسی وقت وہیں اتنا روئی تھی کہ اچھا خاصا تماشا ہی لگ گیا تھا۔ حسیب ہنس بھی رہا تھا اور پریشان بھی تھا۔ ابھی بھی اس کے لبوں پر ان لمحات کو سوچ کر ایک بھولی بسری مسکراہٹ آن رکی۔ وہ چند لمحے مسکراتی رہی۔ پھر جانے کیا بات یاد آئی کہ بے اختیار ہنس پڑی اپنی ہی ہنسی کی آواز اس کے لیے اجنبی سی تھی۔ وہ چونکی اپنے اردگرد دیکھا۔ اور اس کے لب سکڑ گئے۔

"کہاں چلے گئے حسیب کہاں ڈھونڈوں میں آپ کو۔" صحن میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر گھٹنے موڑے اس نے بازو لپیٹے اور ران پر سر رکھ دیا۔ کوئی اداسی سی اداسی تھی۔ کوئی مایوسی سی مایوسی تھی۔

کیا ہے سفروفا کی منزل کا
نہ کوئی حل دلوں کی مشکل کا
دھڑکن دھڑکن بکھری رنجشیں
سانسیں سانسیں ٹوٹتی بندشیں
کہیں تو ہر لحہ ہونٹوں پر فریاد ہے
کسی کی دنیا چاہت میں برباد ہے
یارب وے دے کوئی جان بھی اگر
دلبر پہ ہو نہ دلبر پہ ہو نہ کوئی اثر

لفظ کسی دکھ کی صورت گنگناتے ہوئے اس کے دل سے سماعتوں تک کا سفر کر رہے تھے تو تب ہی نیچے سے کچھ چہل پہل کی سی آوازیں آئیں۔ پھر تائی اماں کی آواز' وہ اسے نیچے بلا رہی تھیں۔ وہ ڈھیلے ڈھالے قدموں سے سیڑھیاں اتری اور سامنے والے کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی کرسیوں پر مزنہ آپی براجمان تھیں۔

"آپی۔! آپ۔" اس کے گمان کی حدوں سے بھی کوسوں دور تھا۔ کہ وہ اس طرح بالکل اچانک اور وہ بھی بغیر اطلاع کے چلی آئیں۔

"ہاں میں۔ کیوں کیا ہوا۔"

"نہیں کچھ نہیں۔"

"کیا ہوا بہت سست لگ رہی ہو۔ لگتا ہے گہری نیند سے جگادیا میں نے آکر۔" ان کا لہجہ بہت تیکھا تھا۔

"نہیں میں جاگ ہی رہی تھی۔" وہ ان کا چہرہ نہیں دیکھ رہی تھی۔ بوکھلا کر اس نے بالوں میں الٹے سیدھے ہاتھ مارے۔

"اچھا... لگتا تو نہیں۔" وہ طنز پر طنز کیے گئیں۔ ماہا نے اپنی مدد کے لیے تائی اماں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ تایا ابا بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

"کیا لیں گی آپی آپ! چائے تو نہیں پئیں گی۔ آج گرمی بہت ہے میں۔ کولڈ ڈرنک منگواتی ہوں۔" اسے آداب میزبانی کے بہانے سے ان کے سامنے سے اٹھنے کا موقع مل گیا۔

"نہیں یہاں اپنی خاطریں کروانے نہیں آئی۔ اکلوتا بھائی لاپتا ہے میرا۔ میری تو بھوک پیاس نیندیں سب اڑ گئی ہیں۔ تمہیں ٹھنڈا گرم سوجھ رہا ہے۔" ان کے تیوروں کی طرح آواز بھی بگڑی ہوئی اور ریلنڈ تھی۔

"میرا بھی آرام چین سکون سب ختم ہو گیا ہے آپی! میں خود بہت پریشان ہوں۔ مگر آپ پلیز کچھ خیال کریں۔ میرے تایا ابو بیمار آدمی ہیں۔ انہیں حسیب کے بارے میں کچھ نہیں پتا۔" وہ حتی الامکان آواز نیچی رکھ کر منمنائی تھی۔

"کیا بات ہے۔ بہن! کیا ہو گیا۔ کس بات پر ناراضی ہے۔" تائی اماں یقیناً" معاملہ بھانپ گئی تھیں۔ اس لیے کمرے میں آکر رسانیت سے پوچھنے لگیں۔
"یہ تو آپ اپنی بیٹی سے پوچھیں۔ کس بات کی ناراضی تھی اس کی میرے بھائی سے' جو اسے اس قدر تنگ کیا۔ اس قدر عاجز کیا۔"
"میرا حسیب سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔" ماہا نے دبی دبی آواز میں جانے کس کو صفائی پیش کی تھی۔
"جھوٹ بولتی ہو تم۔ میں نے خود سنی تھیں آوازیں تمہاری' جس دن تم میرے گھر سے واپس آئی ہو۔ حسیب تمہیں لے کر جانا چاہتا تھا۔ اس نے سب بتا دیا تھا۔ مجھے۔"
"بہن آپ بیٹھ کر آرام سے بات کریں۔" تائی اماں نے ایک اور کوشش کی۔
"نہ مجھے بیٹھنا ہے۔ نہ آرام سے بات کرنی ہے۔"
ماہا بے بسی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔ شدید بے بسی کا وہی احساس اسے لپیٹنے لگا جو اس شاپنگ مال میں اسے گھیرے میں لے رہا تھا۔ اسے لگا وہ آج ابھی ابھی حسیب سے بچھڑی ہے۔ اور دنیا کے بے رحم لوگوں کے درمیان کھو گئی ہے۔ حسیب کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ نہ حالات کی سفاکی سے۔ نہ بے رحم الفاظ کے لپکتے چابک سے' وہ حسیب کو کبھی ڈھونڈ نہیں سکے گی۔" ایسی بھی کیا ضد سوار ہو گئی تھی اسے۔ کونسی اڑچن آگئی تھی جو یہ اتھری گھوڑی کی طرح قابو میں ہی نہ آئی۔"
"بہت شوق ہے آپ کو سننے کا۔ کیا ضد تھی مجھے۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں سر اٹھایا۔
"تو سن لیں کان کھول کر۔ ہاں میں نے جھگڑا کیا تھا۔ آپ کے بھائی سے۔ ہاں ہاں۔ میں نے بد زبانی کی تھی۔ میں نے انہیں دھتکار دیا تھا۔" تائی اماں۔ عفت اور مزنہ آپی رک کر اسے دیکھنے لگیں۔
"کیونکہ آپ کا بھائی کنوارا نہیں ایک بچے کا باپ تھا۔ اور اس نے یہ بات مجھ سے چھپائی تھی۔ جو اتفاق سے مجھے پتا چلی۔ لیکن میں مان گئی تھی۔ خدا گواہ ہے۔ میں ان کے ساتھ جانے کو رضامند ہو گئی تھی۔ لیکن میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس عورت سے آپ کے بھائی کے تعلقات برداشت کرتی۔ جو آپ کے بھائی کے ناجائز بچے کی ماں ہے۔"
عفت کا منہ کھل گیا۔ تائی اماں کی آنکھیں ابل آئیں۔ عفت کے ہاتھ ڈھیلے ہو کر پہلوؤں میں لٹک گئے۔ اور مزنہ کے چہرے پر مرگ کی سی سفیدی چھا گئی۔
"کیا بکواس کر رہی ہے لڑکی۔ جو منہ میں آرہا ہے بولے جا رہی ہے۔" اب کے وہ بولیں تو ان کی آواز ایسی کھوکھلی تھی۔ جیسے کوئی خالی تنے میں منہ ڈال کر بھونپو بجانے کی کوشش کرے۔ پھٹا ہوا اور بیٹھا ہوا بھونپو۔۔۔۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔" اس نے بے دردی سے اپنے گالوں پر بہتے آنسو رگڑ ڈالے۔
"یقین نہیں آتا' تو اس عورت کو فون کریں اور پوچھیں کہ وہ حسیب کے فلیٹ میں کیا کر رہی ہے اتنے دن سے۔" عفت اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلی تھی۔ اس نے صرف گردن گھما کر بولتی ہوئی ماہا اور پھر پھٹی ہوئی آنکھیں لیے مزنہ کو دیکھا۔
"ہاں یہ سچ ہے۔" وہ چلائی اور زور سے بلک پڑی۔
"آپ اس اذیت سے نہیں گزریں جس سے میں گزر رہی ہوں۔ آپ تو کچھ بھی نہیں جانتیں۔" وہ سینے میں منہ چھپائے بری طرح سسک رہی تھی۔ عفت بھی قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی اسے پچکارنے لگی۔ مزنہ سر جھکا کر باہر نکل گئیں۔

کچھ دیر پہلے وہ اپنی نیند' بھوک اور پیاس اڑنے کا ذکر زور و شور سے کر رہی تھیں۔ نیند اڑنا' بھوک پیاس مر جانا اور شرم و اذیت کے گڑھے میں اترنا کیسے کہتے ہیں۔ یہ انہیں اب معلوم ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

حدید کے علاوہ اس وقت اور کوئی مرد اسپتال کے چکر لگانے کے لیے دستیاب نہیں تھا۔ ماہا کی فون پر روئی روئی آواز سن کر وہ چونک گیا۔

"کیا بات ہے۔ تم رو رہی ہو۔" ماہا کے گلے میں پھندے سے لگنے لگے۔

"نہیں بس آپ مجھے لے چلیں امی کے پاس۔"

"اوکے! آفس سے آؤں گا تو لے چلوں گا۔" انداز بتا رہے تھے کہ کوئی بات ہے ضرور لیکن اگر وہ نہیں بتانا چاہتی تھی تو' پھر حدید نے بھی اصرار نہیں کیا۔

مغرب کے بعد اس نے نماز ادا کر کے دیر تک امی کی صحت یابی اور اپنی قسمت کی بگڑی لکیروں کی درستی کی دعا مانگی۔ بندے اور دعا کا رشتہ دنیا کا سب سے خاص رشتہ ہے۔ یہ رشتہ انوکھا بھی ہے۔ سب سے مضبوط بھی اور سب سے سچا بھی۔ بندہ جب بھی دعا مانگے' دل سے مانگے یا نہ مانگے لیکن جھوٹے منہ کبھی نہیں مانگتا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا دل نہ چاہے اور وہ پھر بھی دعا کرے یا اللہ فلاں بندے کا بھلا کر۔

یہی رشتہ ہے۔ جو ازل سے ابد تک قائم ہے۔ یہی رشتہ ہے۔ جو ربط ہے خالق اور مخلوق کے درمیان' بندے اور بندہ نواز کے مابین' یہ وہ رشتہ ہے۔ جس کا رنگ کائنات کی کسی اور شے سے نہیں ملتا۔ جس کی خوشبو دنیا کے کسی پھول سے لیے گئے رس سے نہیں بن سکتی۔ اور اس کا ذائقہ وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے اس رشتے کو کبھی آزمانے کی کوشش نہ کی ہو۔ کیونکہ یہ دنیا کا بلکہ ماورائے دنیا بھی' وہ واحد اور اکیلا رشتہ بھی ہے۔ جو انسان سے اس کی پیدائش کے ساتھ جڑتا ہے اور پھر کبھی ٹوٹتا نہیں۔

اللہ اور اس کے بندے کے درمیان دعا کا رشتہ وہ واحد رشتہ ہے۔ جو انسان کبھی نہیں توڑتا۔ موت کے بعد بھی نہیں توڑنا چاہتا۔ کوئی لاکھ اللہ سے ناراض ہو لیکن پھر بھی' کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اس کے لبوں سے اللہ کی یاد اور اس کی بات ضرور نکلتی ہے۔

بندہ لاشعوری طور پر ہی خدا سے فریاد کرتا رہتا ہے۔ اور شکوہ کناں بھی ہوتا ہے۔

اس نے بھی جائے نماز رکھ کر اپنے چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ ازلی سکون دل میں اترتا محسوس کیا۔ جو خدا کے رازو نیاز کے بعد انسان کی رگ و پے میں اتر کر اسے شانت کر دیتا ہے۔

"حدید بھائی آئے ہیں باہر بائیک پر تمہیں بلا رہے ہیں اسپتال جانے کے لیے۔" تھوڑی دیر بعد جب وہ منہ ہاتھ دھو کر تقریباً" تیار ہی تھی۔ تب عفت نے اندر آ کر اسے بتایا۔

"تم چچی کو بتاؤ گی مزنہ آپی کے بارے میں۔" اپنا بیگ اٹھا کر اس میں چیزیں رکھتی ماہا کا ہاتھ رک گیا۔ پھر اس نے عفت کو دیکھا۔

"تم کیا کہتی ہو۔"

"میرا نہیں خیال کہ تمہارا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ اور اگر ہے۔ تو بہت غلط" ماہا نے سہلایا اور بیگ کندھے پر ڈال لیا۔ پھر اپنی بھرتی موقوف کر کے قدم قدم چلتی عفت تک آئی۔ عفت جو کسی اور دھیان میں گم تھی۔ اسے یوں اپنے پاس رکتے دیکھ کر چونکی۔ ماہا نے اس کے کندھے تھام کر آنکھوں میں جھانکا۔

"زندگی کے سفر میں ہم جس پڑاؤ کو منزل سمجھ لیتے ہیں۔ جب ہم پر منکشف ہو جائے کہ یہ ہماری منزل نہیں۔ تو سفر جاری رکھتے ہوئے پڑاؤ کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جانا چاہیے۔

کیونکہ وقتی پڑاؤ چاہے کتنا ہی سرسبز شجر کیوں نہ ہو۔ بہرحال وہ وقتی ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے آگے سفر جاری رکھنے کو ترجیح دی۔

وہ مسکرائی۔ دونوں ہاتھوں سے عفت کے گال سہلائے اور اور پھر تیزی سے اللہ حافظ کہتی باہر نکلی۔ جاتے جاتے تائی اماں کو سلام کیا۔ جو اس کی شام والی باتوں پر ابھی تک دکھ اور گہرے غم کے حصار میں تھیں۔ قریب جاکر جلدی سے مگر نرمی سے ان کے شانے دبائے۔

انہوں نے گہری سانس بھر کر اس کے ہاتھوں کو اپنے بوڑھے ہاتھوں سے تھپکی دی۔ وہ باہر نکل کر حدید کے پیچھے بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

سوہا کے سامنے اس نے خود پر ضبط کے کڑے پہرے بیٹھائے لیکن ماں کے سینے سے لگتے ہی کتنے بہت سے آنسو ان کے کمزور سینے میں جذب ہوتے چلے گئے۔ رضوانہ بھی دیر تک اسے خود سے چمٹاتے اپنی ممتا کی پیاس بجھاتی رہیں۔ انہیں اولاد نرینہ کی بہت آرزو رہی تھی۔

اپنے شوہر کی زندگی میں۔ وہ ہمیشہ اپنی مجازی خدا کے سامنے اس خواہش کا اظہار کرتی تھیں کہ ان کا ایک بیٹا بھی ہونا چاہیے لیکن ان کے انتقال کے بعد جب خواہش نے حسرت کا روپ دھارا تو اس حسرت کو دل کے کسی بے حد پوشیدہ نہاں کونے میں دفن کر کے اپنی ساری ممتا ان ننھی نازک پریوں پر نچھاور کر دی۔

ان کی زندگی کا محور و مرکز یہی بیٹیاں بن گئیں پھر ان کے دل سے کبھی اپنے لیے دعا نہیں نکلی۔ سوائے ان بیٹیوں کے نصیب کے انہوں نے باری تعالیٰ سے کچھ نہیں مانگا۔

"کیا بات ہے۔ آج میری بیٹی۔ بہت اداس ہے۔ کیا حسیب کی یاد آرہی ہے۔ جسے ماں کی آڑ میں چھپایا جارہا ہے۔" وہ بنا جواب دیے سینے میں منہ چھپائے پڑی رہی۔

اب ان سے کیا کہتی۔ اسے لگا کہنے سننے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا۔ یا پھر اتنا کچھ ہے کہ لفظوں میں سمیٹا جانہیں سکتا۔

سوہا البتہ بہت غور سے سنجیدہ چہرہ لیے اسے دیکھتی رہی۔ ماہا کا اس طرح چلے آنا جبکہ ڈاکٹر آج رات ہی ڈس چارج کرنے کو کہہ رہے تھے۔ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی جا کر بات کی تھی۔ پھر امی سے یوں لپٹنا اور آنسو بہانا۔ وہ حدید کو امی کے ساتھ مصروف پاتے ہی ماہا کو لے کر باہر نکلی۔

"کیا ہوا۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔"

"مرزنہ آپی آئی تھیں۔" اس نے بتانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اسے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ سوہا کو کوئی بات بتانے یا چھپانے کا فیصلہ کر رہی ہے۔ اسے جلد یا بدیر بات اسے بتانا ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ یاں کے بعد وہی اس کی سب سے قریبی رازدار تھی۔ وہ اس سے اپنے دل کی ہر بات شیئر کرتی تھی۔

سوہا نہ صرف تسلی سے سن لیتی تھی بلکہ کبھی اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق مشورہ بھی دے دیتی تھی۔

بہنوں کا رشتہ تو اللہ نے بنایا ہے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ہے۔ بہنوں کو کوئی بات بری لگے تو وہ ناراضی کا اظہار بھی کر دیتی ہیں۔ عمر کا فرق زیادہ ہو تو چھوٹیوں کو ڈانٹ بھی پلا دیتی ہیں۔ بڑوں کے بیچ بولنے پر جھڑکتی بھی ہیں۔

اور پھر اپنے آگے رکھی پلیٹ کا کھانا ان کو دے دیتی ہیں۔ ماں جائی کو اگر ماں کا دوسرا روپ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ اس نے بھی سب سے پہلے بہن کے سامنے اپنا دل کھولا۔

"تو پھر کیا ہوا۔ کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"جو باتیں فون پر کرتی تھیں وہی کر رہی تھیں کہ مجھے اپنے شوہر کی گمشدگی کی کوئی فکر نہیں اور میں پتا نہیں کیا نیندیں پوری کر رہی ہوں اور۔ پتا نہیں کیا کیا۔"

"تم نے کیا جواب دیا۔" ماہا کی نظریں پہلی بار اٹھ کر سوہا سے ملیں۔

"میں نے انہیں جو بھی جواب دیا ہے۔ اب انہیں مجھ سے سوال کرنے سے پہلے سوچنا پڑے گا۔" دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔ سوہا نے اس سے دوبارہ نہیں پوچھا بلکہ نظریں ہٹا کر داہنی طرف دور بنے کاؤنٹر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"بہت اچھا کیا۔ کچھ لوگوں کو شرافت کی زبان سمجھ نہیں آتی۔"

"وہ جو صاحب کھڑے ہیں نا!" رسیپشن پر۔" اس نے سوہا کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"میرے اسکول کے اونر تھے نا! مغیث حسن۔ ان کا ہی اے ہے۔"

"اچھا!" سوہا نے سرسری سا غور کرنے کے بعد اس کی طرف رخ موڑا۔

"مغیث سر بہت ہمدرد انسان ہیں۔ بہت دریا دل۔ جتنا ان کے پاس پیسہ ہے نا! اسی حساب سے خرچ کرتے ہیں خدا کی راہ میں۔ کبھی کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے۔" وہ چند لمحے مزید ان کی تعریف کرتی رہی۔ پھر سوہا سے بولی۔

"کل میں اور حدید بھائی جائیں گے تھانے۔" وہ ناخن کھرچ رہی تھی۔ سوہا نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر سرسراتی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔ اور اسی پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"تم فکر مند مت ہو ماہا۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اسے اپنی بہن کی پریشانی کا احساس تھا۔ لیکن وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سوائے زبانی کلامی تسلی دینے کے۔ اب یہ جو پولیس تھانے کے چکر کل سے شروع ہونے والا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ بظاہر اس سے اتنے حوصلے سے بات کرنے والی ماہا۔ حقیقت میں اندر سے اس سے بھی زیادہ گھبرا رہی ہوگی۔

وہ بھلا کب گئی تھی زندگی میں تھانے وانے۔ وہ تو اسپتال میں بھی شاید اپنی پوری زندگی میں دوسری بار ہی رک رہی تھی۔ ماہا نے گہری سانس لی۔ اور تھکے تھکے انداز میں بینچ سے اٹھی۔

اس کا ہر عمل اس کی ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ اور بوجھل اعصاب کا غماز تھا۔ وہ چاہے اظہار بے شک نہ کرتی۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ بے حد تھک چکی تھی۔ جب سے حسیب کے شادی شدہ ہونے کا انکشاف ہوا تھا تب سے اب تک اس کی ازدواجی زندگی بے حد لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔

وہ ایک ایسی کشتی میں سوار تھی۔ جس میں کوئی ساتول نہ تھا۔ وہ حادثات کے منجدھار میں اپنی ناؤ کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے تن تنہا ہی لڑ رہی تھی۔ اور اتنی ہی اناڑی بھی تھی۔ اور اتنی ہی گہرائی میں بھی۔ نہ اپنی ناؤ واپس موڑ سکتی تھی۔ نہ مہارت سے کھیلنا جانتی تھی۔ بس وقت کی کروٹوں میں دب جانے والے لمحات کھینچتی اور کبھی پشت پر رہ جانے والے وقت کی یادیں بچاتی، جی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت دیر سے اپنی بیگم کی بے چینی اور مضطرب کیفیات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ وہ کبھی پاس آکر بیٹھ جاتیں۔ چند لمحے پہلو بدلتیں پھر بنا کچھ بولے اٹھ کر چلی جاتیں۔ کبھی بے مقصد آگے پیچھے ٹہلتیں۔ آس پاس کی چیزیں درست کرتیں۔ پھر بگاڑتیں۔ پھر درست کرتیں۔

وہ بہت صبر اور تحمل سے ان کی حرکات و سکنات پر غور کرتے ہوئے اس بات کے انتظار میں تھے کہ اپنی اندر کی سوچوں کے گھمسان سے تنگ آکر وہ خود ہی بول پڑیں گی۔ یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ پچھلے چند دنوں میں ان کے اکلوتے سالے حبیب کی اچانک گمشدگی نے نہ صرف بیگم بلکہ گھر پر بھی اثر ڈالا تھا۔ نہ صرف گہرا بلکہ بہت برا بھی۔

وہ خود ایک بے حد زمانہ اور موقع شناس آدمی تھے۔ ان کی اور مزنہ کی سالہا سال کی بھرپور خوشیوں بھری رفاقت میں جہاں مزنہ کی وفا اور سلیقہ شعاری کی اپنی جگہ تھی۔ وہیں ان کی مزاج کی نرمی اور صلح جو طبیعت کا بھی بہت ہاتھ تھا۔

مزنہ نے اپنی ذات اور زندگی سے جڑی ہر خوشی اگر ان کے ساتھ بانٹی تھی۔ تو زندگی کی طرف سے ملنے والے ہر غم پر آنسو بھی صرف ان کے سامنے بہائے تھے۔ ان کی زندگی لاجواب تھی۔ ان کی جوڑی مثالی تھی۔ ان کی ذہنی ہم آہنگی مکمل تھی۔ ان کی رفاقت بھرپور تھی۔ اسی کا اعتماد اور سہارا لے کر وہ مزنہ کی طرف سے بات شروع کرنے کے منتظر تھے۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

رات کے کھانے اور نماز کے فارغ ہو کر بہت دیر تک اللہ کے حضور گڑگڑانے اور آنسو بہانے کے بعد اپنا چہرہ صاف کر کے وہ دودھ کا گلاس لے کر ان کے پاس آئیں تو نہ صرف خاصی حد تک کمپوزڈ تھیں۔ بلکہ ایک طرح سے کچھ پرسکون بھی لگ رہی تھیں۔

''آج میں گئی تھی ماہا کے گھر۔'' انہوں نے دودھ کا گلاس ان کی طرف بڑھایا۔ اور خود گھوم کر دوسری طرف بیڈ پر آبیٹھیں۔

''یہ تو آپ نے صبح بھی بتایا تھا مجھے کہ آپ کا ارادہ وہاں جانے کا ہے۔ لیکن اس کی وجہ آپ نے صبح بھی نہیں بتائی تھی۔''

''میں اس کے پاس صرف اور صرف حبیب کی وجہ سے ہی جاسکتی ہوں۔'' حسب توقع اپنی سوچ سے باہر آکر انہیں چڑنے میں دیر نہیں لگی۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کو وہاں جانے کی ضرورت کیوں پڑی۔ جبکہ وہ بارہا آپ کو بتا چکی تھی کہ اسے حبیب کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ اور اس کا کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوا۔''

''وہ تو.....'' وہ تیزی سے بولنے لگیں۔ پھر بے ساختہ لب بھینچ لیے۔

''میں.... میں.... آپ کو بتانا چاہتی ہوں لیکن ہمت نہیں پڑتی۔''

''کیا بات کی ہے۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔ کچھ تو بتاؤ۔''

''میں اصل میں اسے دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ میں نے اس سے دو چار نامناسب باتیں کہہ دی تھیں۔''

بدلے میں اس نے ایسی بات بولی کہ میں میرا صبر و قرار سب کٹ گیا۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔ گلا رندھ گیا۔

''اس نے کہا کہ حبیب کنوارہ نہیں بلکہ ایک بچے کا باپ ہے اور بچہ۔ بھی۔ ناجائز۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ صادق صاحب کے گلے میں پھندا لگ گیا۔ انہیں زور کی کھانسی آئی اور دودھ چھلک گیا۔

مزنہ اب باقاعدہ رونے لگی تھیں۔
بھرائی ہوئی آواز اور رک رک کے الفاظ میں وہ مستقل ماہا کو ہی برا بھلا کہے جا رہی تھیں۔ جس نے ان کے معصوم بھائی پر اتنا گھناؤنا الزام لگایا تھا۔ صادق صاحب اپنی بیگم کو زندگی میں پہلی بار ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوتا دیکھ رہے تھے۔
گو کہ وہ مستقل "میرا بھائی ایسا نہیں ہے اور وہ ایسا نہیں کر سکتا" کے الفاظ دہرا رہی تھیں۔ لیکن شاید وہ خود ہی کہیں اس یقین میں پڑنے والی دراڑیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں ماہا کی بات کا ذرہ برابر یقین نہیں تھا۔ وہ اسے جھٹلا رہی تھیں، لیکن کھوکھلے پن سے۔
مزنہ کے برخلاف صادق صاحب کو ماہا کی کہی گئی بات پر فوراً" ہی یقین آگیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کا سالا اور اکلوتا سالا کوئی کردار کا کچا شخص تھا۔ بلکہ ایک حد تک اگر دیکھا جاتا تو اس نے زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے جو جدوجہد کی تھی۔ اس پر انہیں فخر ہی محسوس ہوتا تھا، لیکن جس زمانے کی اور جس ماحول کی یہ بات کی گئی تھی اس میں اس کا بہک جانا، مستقل کام، اپنوں سے دوری اور جانوروں کی طرح بے فیض تھکن سے نڈھال ہو کر کچھ دیر کے لیے کسی چھاؤں میں ستا لینے کا عمل اتنا بھی انوکھا یا نرالا نہیں تھا۔
وہ یقیناً" بعد میں سنبھل گیا ہوگا۔ لیکن لمحوں کی لغزش یوں اسی کی زندگی پر محیط ہو کر اسے اپنوں اور غیروں کے سامنے رولے گی، یہ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ صرف چند منٹوں کے دورانیے میں وہ حقیقت اور گمان کا کوسوں لمبا سفر کر کے واپس لوٹے تھے۔ باہر مزنہ ان کی منتظر تھیں اور انہیں ان سے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

سوہا اٹھ کر اندر امی کے پاس چلی گئی اور حدید بھی ڈاکٹرز کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تب ہی کتنی ہی دیر خالی پن سے وہیں بیٹھی اپنے ہاتھوں کی لکیریں کھوجتی رہی۔ ان آڑی ترچھی لکیروں میں شاید کہیں اس کی زندگی کی وہ خوشیاں چھپی تھیں جو اس سے روٹھ گئی تھیں یا شاید ابھی ان میں مزید آزمائشیں چھپی بیٹھی تھیں۔ حبیب کی گمشدگی کی مشکل جیسی کچھ اور... دل کو مردہ کر دینے والی... لایعنی سوچوں میں گھرے ایک سے دوسرے سمت تک کا سفر کرتے وہ جانے کتنی دور نکل گئی تھی۔ اپنے آس پاس کے ماحول سے بالکل دور اور بے خبر۔
اس وقت کوریڈور میں اچانک ہی ایک ہنگامہ جاگ اٹھا۔ نرسز، وارڈ بوائز اور ان کے ساتھ مغیث حسن کی سیکرٹری کو اس نے تیز قدموں سے ایک کمرے کی جانب بڑھتے دیکھا۔
"سر ہوش میں آتے ہی سانس اکھڑنے سی لگی تھی۔"
"فوراً" آئی سی یو میں لے کر جائیے گو تیک..." ڈاکٹرز کی پیشہ ورانہ آواز اور وہاں مچی ہلچل نے وقتی طور پر ماہا کو کسی گہری سوچ سے باہر نکالا تو وہ ایک دم سہم سی گئی۔
"الٰہی خیر... پتا نہیں کس کی زندگی داؤ پر لگی ہے۔" وہ گھبرا کر تیزی سے اٹھی اور امی کے پاس جانے کے لیے آگے بڑھ گئی۔ وہ مر کر بھی یہ بات نہیں سوچ سکتی تھی کہ داؤ پر لگنے والی زندگی کسی اور کی نہیں، اس کی اپنی ہے۔
اسے اندر آتے دیکھ کر سوہا جو امی کے پاس بیٹھی اٹھ کر کہنے لگی۔
"کینٹین سے چائے ہی لے آؤ... سوکھے منہ بیٹھا نہیں جا رہا۔"
"میں بھی لاتی ہوں۔ باہر ذرا کوئی ایمرجنسی ہے۔" اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ چند لمحے پیشتر کی نسبت اب ذرا سکون تھا۔ وہ باہر نکل کر سست قدموں سے چلتی کینٹین کی سمت بڑھنے لگی۔ کینٹین میں ڈسپوزایبل گلاس ختم ہو چکے تھے۔ اس نے مجبوراً" وہیں کے چینی کے کپوں میں چائے لی اور تھوڑی دیر میں واپس کرنے کا کہہ کر ہاتھوں

میں تھامے واپس آئی تو کوریڈور کے آغاز پر ہی حدید مل گیا۔
"کہاں چلے گئے تھے آپ۔۔۔ میں چائے لینے گئی تھی تو سوچا آپ کے لیے بھی لے لوں، مگر آپ نظر ہی نہیں آئے۔" حدید اس کی بات کے جواب میں پھیکے پن سے مسکرا دیا۔ ماہا نے اس کے برابر میں چلتے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔
"کیا بات ہے، بڑے چپ چپ سے ہیں۔"
"میں چپ چپ ہوں، نہیں تو۔۔۔ ہاں لیکن تم۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دوسرے سرے سے کسی مریض کو دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا۔ غالباً "انتہائی نگہداشت" میں۔۔۔ حدید جگہ کم ہونے کے باعث تیزی سے آگے نکل گیا۔ حدید چند قدم آگے جا کر رک گیا اور ہٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ نظروں کے تصادم پر وہ ذرا سا مسکرائی اور بالکل برابر سے گزرتے اسٹریچر پر نظر ڈالی۔ ایک بے حد سرسری نظر، لمحے سے بھی کم وقت کی، اچٹتی ہوئی بے معنی۔۔۔ اور کبھی کبھی ایک نظر ہماری زندگی بھر کی بصارتوں کو اندھا کر دیتی ہے۔۔۔ لمحے بھر کا منظر پوری زندگی کی فلم کو کرپٹ کر دیتا ہے اور کبھی کبھی چلتی پھرتی زندگی محض ایک پل میں فالج زدہ ہو کر وہیں ٹھہر جاتی ہے، جہاں وہ بھاری لمحہ زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ وہ بھاری لمحہ جو بیتی خوشیوں کے تمام وقتوں کو اپنے وزنی پیر تلے کچل دیتا ہے اور بڑے بڑے دکھ اس کے آگے ہیچ نظر آتے ہیں۔
اس کی زندگی میں بھی وہ لمحہ بے حد آہستگی سے داخل ہوا اور اس کی شہ رگ پر اپنا پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے ٹھہری۔۔۔ پھر ساکت ہوئی۔۔۔ پھر بت بنی اور بالآخر بے جان۔۔۔ ابھی ابھی اس نے اپنے بالکل برابر سے جس شخص کو بے حس و حرکت دوسروں کے سہارے پہیوں لگے بستر پر جاتے دیکھا تھا۔ جسے وہ اجنبی سمجھ رہی تھی۔ وہ اجنبی نہیں تھا۔ اس کی پوری زندگی کا عنوان تھا۔ اس کے بے جان ہاتھوں سے لبالب بھرے کپ چھوٹے اور ایک چھناکے کی زوردار آواز کے ساتھ ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھر گئے۔ شاید اس کے اپنے وجود کی طرح۔۔۔ اس نے فقط چند لمحے اسٹریچر کو خود سے دور جاتے دیکھا اور حدید نے اس کو ساکت ہو کر دوبارہ جنبش کرتے۔۔۔ کسی شناسا نام کی صورت ایک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور دوسرے پل وہ بھاگتی ہوئی جا کر اس بے سدھ وجود سے لپٹ گئی۔
"حسیب۔۔۔ حسیب!" وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ ایک بار کے بعد دوبارہ چیخی بھی نہیں۔
اسٹریچر دھکیلتی نرس اور دوسرے لوگ رک کر اس نیم پاگل عورت نما لڑکی کو تعجب سے دیکھنے لگے۔ جو آکسیجن ماسک میں چھپے چہرے اور نلکیوں میں جکڑے ہاتھ پیروں کو بری طرح جھنجوڑتی شاید اسے جگانے یا ہوش دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔
حدید بدحواس سا بھاگ کر آیا اور سارا معاملہ ایک نظر میں سمجھ گیا۔ ڈاکٹر زاب اسے سنبھالنے کی سعی کر رہے تھے۔ حدید نے اسے شانوں سے تھاما۔ گو کہ اس قدر اچانک اور اس قدر شدید ذہنی دھچکا جو حسیب کو وہاں اس حال میں دیکھ کر اسے پہنچا تھا۔ اس سے خود کو فوری طور پر باہر نکال پاتا۔ نہ صرف خود کو بلکہ حواس کھوتی ماہا کو سنبھالنا اتنا آسان نہ تھا۔ مگر یہی انسانی فطرت ہے اور یہی زندگی ہے۔ ماہا نے بے حد تڑپ کر اپنے شانے پر جمے حدید کے ہاتھ جھٹکے۔ اس وقت وہ بالکل جلال میں آئی کسی مست ملنگ کی مانند لگ رہی تھی۔
"پلیز۔۔۔ پلیز۔۔۔ ان کو سنبھالیں۔ پیشنٹ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" ایک نرس نے وہیں رک کر التجا آمیز انداز میں حدید سے کہا اور ماہا کو تھاما۔
"ریلیکس بی بی! ریلیکس۔۔۔" اس نے تڑپ کر اپنے بازوؤں سے نکلتی ماہا کو دیکھا۔ جواب دور جاتے حسیب کے بیڈ کو دیکھتی چیخنے لگی تھی۔

"ہٹو۔۔۔ جانے دو مجھے۔"

"پلیز انہیں سنبھالیں۔" ایک ڈاکٹر کی پکار پر اس نے ماہا کو چھوڑا۔ حدید سے کہا اور دوڑتی ہوئی دور چلی گئی۔ حدید نے فوراً" آگے لپکتی ماہا کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا۔ خود کو چھڑانے کی کوشش کرتی ماہا تھک کر ناکام ہو کر رک گئی اور پھوٹ پھوٹ کر روتی زمین پر ڈھے گئی۔ اسے بازوؤں سے تھامے اس کے ساتھ بیٹھتا ہوا حدید بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر اپنے آنسو پینے لگا۔

☆ ☆ ☆

رات زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ لیکن کمرے میں مکمل اندھیرے کی وجہ سے آدھی سے زیادہ بیت جانے کا گمان ہو رہا تھا۔ مزنہ کا ہموار تنفس گہری نیند میں جانے کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ پوری طرح تسلی کرنے کے بعد کمرے سے باہر آئے اور دھیرے سے دروازہ بند کرتے ہوئے جیب میں تھرتھراتے موبائل کو کچھ کوفت کے ساتھ باہر نکالا۔ ان کے موبائل پر مسلسل کسی کی کال آرہی تھی، لیکن مزنہ کی خراب حالت کے پیش نظر انہوں نے ان کے سامنے کوئی بھی کال اٹینڈ کرنے سے پرہیز ہی کیا تھا۔ خود مزنہ کا اپنا موبائل انہوں نے کافی دیر ہوئی آف کر دیا تھا۔ ورنہ جس قدر بکھری ہوئی دماغی کیفیت میں مزنہ چلی گئی تھیں ان سے کچھ بعید نہ تھا کہ پھر سے ماہا کو کال کریں یا اس سے منسلک کسی بھی شخص کو فون کر کے کچھ بھی کہنا شروع کر دیں۔ اسکرین پر چمکتے ان جانے نمبر سے۔۔۔ ان کا دل بھی انجانے انداز میں دھڑک اٹھا۔ دل ہی دل میں "یاکریم" کا ورد کرتے ہوئے انہوں نے فون کان سے لگایا۔

"السلام علیکم! میں حدید بات کر رہا ہوں۔۔۔ آپ نے مجھے پہچانا۔" آواز اور انداز مانوس سا تھا لیکن۔۔۔

"آپ حسیب کے۔۔۔"

"جی میں حسیب کا دوست بھی ہوں اور ماہا کے بہنوئی انس کا بھائی بھی۔" اس کی آواز ٹھہری ہوئی اور لہجہ بہت ہموار تھا۔ پھر بھی اس نے تعارف کی غیر ضروری تفصیل شاید خود کو سنبھالنے کے لیے استعمال کی تھی۔

"جی جی۔۔۔ فرمایے۔۔۔" دوسری جانب اس نے ایک گہری سانس لی اور آنکھوں کو زور سے بند کر کے کھولا۔

"حسیب کا پتا چل گیا ہے۔"

"جی۔۔۔ کیا۔۔۔ کب۔۔۔ وہ ٹھیک ہے۔" ایک پل میں ان کے دل پر کیا کیا نہیں گزر گیا۔ امید۔۔۔ خدشہ۔۔۔ قیامت۔۔۔ انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو کسی بھی قسم کی بری خبر کے لیے تیار کر لیا۔ لیکن دوسری جانب جو کچھ حدید نے بتایا۔ انہیں سمجھ نہیں آیا کہ وہ ہنسیں یا روئیں۔ خدا سے شکوہ کریں یا شکر ادا کریں۔

"فی الحال وہ کومے میں ہے۔"

"او مائی گاڈ۔۔۔" وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر گر گئے۔

"مزنہ کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ بہت ڈسٹرب ہے۔"

"جی۔" حدید نے ایک نظر سہا کے بازوؤں میں بے حال ہوتی ماہا پر ڈالی۔

"اور وہ بچی ماہا۔۔۔ وہ کیسی ہے، اسے بتا دیا۔" انہیں بالآخر ماہا کا خیال آہی گیا تھا۔

"وہ بھی۔۔۔ ڈسٹرب ہے۔"

"اسے بتا دیا تم نے۔"

(باقی آئندہ)

آسیہ مظہر چوہدری

بازی اُلٹ گئی

"ارے سنا ہے، جمال نے ثمن کو طلاق دے دی ہے۔" عمرانہ نے پاس بیٹھی فرحت کو بتایا تو وہ یہ سن کر اچھل پڑی۔

"نہیں' کیا' طلاق دے دی' لیکن کیوں؟" فرحت نے جواباً" آنکھیں پھاڑے پوچھا تھا۔

"اندر کی بات ہم کیا جانتے ہیں۔ جو سنا من وعن تمہیں سنا دیا۔"

"چلو۔ اچھا کیا اندر کی بات بھی پتا چل ہی جائے گی' لیکن یقین نہیں آتا۔" وہ ابھی بھی بے یقینی کی حالت میں تھی۔

"یقین بھی آجائے گا۔" عمرانہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ فرحت محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اچھا چائے پیو گی۔" عمرانہ نے اس سے پوچھا اور کچن کی جانب جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم نے خبر ہی ایسی ظالم سنائی ہے کہ چائے پینے کا من نہیں کر رہا۔" فرحت کے لہجے میں دکھ تھا۔ عمرانہ نے جواباً" اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔

"اری او دکھیاری بی زیادہ جذباتی نہ ہو' چائے پینی ہے تو بتا' ورنہ میں اپنے لیے بنا لاتی ہوں۔"

"اچھا بنا لا۔" عمرانہ کچن کی جانب بڑھ گئی جبکہ فرحت دکھیاری پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں کہتی ہوں' ثمن بتا دے کیوں چپ بیٹھی ہے' طلاق کیوں دی اس نے تجھے۔" ثمن جب سے آئی تھی چپ چاپ کمرے میں بند تھی' سب وجہ پوچھ چکے تھے' لیکن ثمن لب سیے بیٹھی تھی۔

"اماں جب کوئی وجہ ہے ہی نہیں تو کیا بتاؤں۔" آخر وہ جھنجلا اٹھی تھی۔

"تو ایسے ہی تجھ منحوس پر طلاق کا ٹھپا لگا دیا اس نے۔" اماں اس کی بے نیازی پر کھول ہی اٹھی تھیں' لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔

"دیکھ ثمن کچھ تو بتا' آخر اتنی بڑی بات بغیر وجہ کے تو ہو نہیں سکتی۔"

"ٹھیک ہے اماں تجھے وجہ چاہیے نا تو سن' لیکن سننے کی بھی ہمت رکھنا۔" اماں نے اسے حیران نظروں سے دیکھا تھا۔

"وہ کہتا ہے میں پیسے کی مشین بن جاؤں۔" آخر اس نے اگل ہی دیا۔

"کیا مطلب؟"

"اماں اتنی بھولی نہ بن سمجھ لے۔" وہ تلخی سے ہنسی تھی اور یہ سن کر اماں کا لگتا تھا سچ مچ ہارٹ فیل ہو گیا ہے۔

☼ ☼ ☼

"ہائے بہن بڑا ہی افسوس ہوا قسم سے سن کر۔" دوسرے دن ہی عمرانہ اور فرحت ثمن کے گھر آموجود تھیں۔

"لیکن وجہ کیا ہوئی؟" فرحت نے کرید اتھا۔

"بس فرحت بہن کیا بتاؤں نصیب مارے ہوں تو بندے کا کیا قصور۔" اماں نے اک سرد آہ بھری اور پھر بولیں۔

"کم بخت نشہ کرتا تھا۔ نہ کام کا نہ کاج کا' الٹا ثمن کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ بس یہی وجہ تھی بہن (اماں سچ چھپا گئی تھیں۔ آخر سچ بولتیں تو بدنامی اپنی ہی ہوتی نا۔)" اماں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا جبکہ پیچھے دروازے پر کھڑی ثمن اماں کی اس اداکاری پر داد دیتی رہ گئی تھی۔

"واہ اماں تو بھی کیا کمال کی اداکارہ ہے۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی اور پھر ایک عجیب سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے واپس کمرے کی جانب مڑ گئی۔

"لیکن بہن یہ تو لو میرج تھی نا۔" عمرانہ بھلا کیسے پیچھے رہتی۔

"کیری مرچ۔" اماں ناسمجھی کے عالم میں بولیں۔

"ارے میرا مطلب محبت کی شادی کی تھی نا۔"

"اچھا ہاں بس اس وقت اس لڑکی کی عقل پر پردے پڑ گئے تھے جو اس کے جھانسے میں آگئی' ہائے میری پھول سی بچی۔" اماں نے ایک دفعہ پھر رونا شروع کر دیا تھا جبکہ عمرانہ اور فرحت ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتیں رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ثمن اور جمال کی پہلی ملاقات' نازیہ (ثمن کی دوست) کے گھر ہوئی تھی۔ جمال نازیہ کے چچا کے کزن کا بیٹا تھا۔ نازیہ کا چچا سوتیلا تھا' لیکن پھر بھی ان لوگوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ جمال اور ثمن کی پہلی ملاقات نازیہ کی منگنی پر ہوئی تھی۔ پھر دوسری دفعہ ایک ہوٹل میں اور پھر ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا گیا اور آخر کار یہ ملاقاتیں ایک زوردار محبت میں ڈھل گئیں۔ جمال ایف اے پاس ایک دفتر میں کلرک کے عہدے پر فائز تھا۔ ماں باپ کسی گاؤں میں رہتے تھے' لیکن یہ نوکری کی وجہ سے شہر میں رہائش پذیر تھا۔ شکل صورت اچھی تھی۔ کما بھی اچھا خاصا لیتا تھا۔

ثمن کے ماں باپ کو اور کیا چاہیے تھا۔ بس پھر جھٹ منگنی ہوئی پٹ بیاہ اور یوں ثمن اپنے تین کمرے کے مکان سے اٹھ کر دو کمرے کے فلیٹ میں آبسی۔ ثمن اس سب میں خوش تھی آخر محبت کا نیا نیا خمار جو چڑھا تھا۔ پورے محلے کو خبر تھی کہ محبت کی شادی کی گئی تھی، لیکن اب طلاق کا ہو جانا محلے کے لیے تعجب کی بات تو تھی۔

پورا محلہ افسوس کر کے گیا تھا اور ساتھ جھٹ پٹے قصے بھی، لیکن ثمن کو کوئی پروا نہ تھی اور اماں بھی اس کی لاپرواہی دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔ انہیں اپنی معصوم اور پھول سی بچی کی بات کا یقین جو آ گیا تھا۔ وہ اس کے کمرے میں آئیں تو دیکھا ثمن بیڈ پہ بیٹھی ہزار ہزار کے نوٹ گن رہی تھی۔ اس نے اک نظر اماں پر ڈالی اور دوبارہ نوٹ گننے میں مشغول ہو گئی۔

"ارے تیرے پاس اتنے سارے نوٹ کہاں سے آئے۔" اماں نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"اتنے سارے! اونہہ اماں صرف دس ہزار ہیں یہ بھی چرا لے آئی، ورنہ وہ تو ایک پھوٹی کوڑی تک نہ دیتا۔"

"اور وہ جو دو تولے زیور اس نے ڈالا تھا وہ۔" اماں کو اب زیور کا غم کھائے گیا۔

"او ہو اماں بتایا تو ہے مجھے اتنا موقع نہیں مل سکا کہ کچھ اٹھاتی رات کو اس نے کہیں پھینک آنا تھا۔ بس میں عزت بچا کر بھاگ آئی۔" اس نے نوٹ گن کر پرس میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"ہائے کیڑے پڑیں اسے، مر جائے ٹرک کے نیچے آئے منحوس مارا۔" اماں پھر بددعائیں دینا شروع ہو گئیں جبکہ ثمن اس ڈرامے سے تنگ آ کر باہر نکل آئی تھی۔

"ارے ثمن ذرا کچن تو صاف کر دو۔" وہ باہر نکلی ہی تھی کہ آگے بڑی بھابھی نے حکم نامہ سنا دیا تھا۔

"بھابھی مجھے کام کرنے کی عادت نہیں ہے آپ کو پتا ہے۔" اس نے دو ٹوک کہا۔

"لیکن اب یہاں رہنا ہے تو کام تو کرنا پڑے گا۔" بھابھی نے دھمکی دی تھی۔

"واہ اری او سن یہ گھر میرے ماں باپ کا ہے تیرا یا تیرے شوہر کا نہیں۔ نہ تو میکے سے لائی ہے اس لیے یہ تڑی کسی اور کو دکھانا، سمجھی۔" اس نے نخوت بھرے لہجے میں کہا اور پیر پٹختی دوسری جانب بڑھ گئی۔ جبکہ بھابھی تو اس کے یہ تیور دیکھ کر جم سی گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دن پر لگا کر گزر رہے تھے۔ ثمن کو آئے دو ماہ سے اوپر ہو گئے تھے۔ گھر والے جمال کو فون کر کر کے تھک چکے تھے، لیکن (باقی گھر والوں کو اصل کہانی کا ابھی تک پتا نہیں تھا) نہ جمال فون اٹھا رہا تھا اور نہ خود ان سے رابطہ کر رہا تھا۔ ثمن کا بڑا بھائی تین دفعہ اس کے آفس بھی ہو آیا تھا اور آفس کی زبانی پتا چلا تھا کہ جمال نوکری چھوڑ چکا ہے یہ صورت حال کافی کشیدہ ہو گئی تھی اور نہ اس معاملے کا کوئی سرا ہاتھ لگ رہا تھا، لیکن سارے معاملے میں صرف ایک شخص مطمئن تھا اور وہ تھی ثمن.....

جو عورتیں گھر بسانا نہیں چاہتیں وہ کوئی بھی معمولی سا بہانا بنا کر گھر کو اور خاص کر کے میاں بیوی کے رشتے کو توڑنے میں پل بھر نہیں لگاتیں، پھر چاہے انہیں طلاق ہو یا کچھ اور انہیں رتی بھر فرق نہیں پڑتا کیوں کہ انہیں گھر جو نہیں بسانا ہوتا، پھر کا ہے کی پروا..... اور شاید ثمن کی سی، ایسی عورتیں ہوتی ہیں جنہیں نہ رشتوں کا تقدس پتا ہوتا ہے اور نہ لحاظ کا پاس۔ انہیں صرف اپنا آپ عزیز ہوتا ہے، عورت تو قربانی دے دے کر جیتی ہے اور زیادہ تر قربانیاں عورت کے حصے میں ہی آتی ہیں، لیکن کچھ عورتیں ثمن جیسی بھی ہوتی ہیں جنہیں صرف پیسہ، عیش و عشرت اور اپنا آپ ہی اچھا لگتا ہے، رشتوں کو نبھانا ان کی طرف سے جائے بھاڑ میں۔ انہیں صرف اپنے آپ سے ہی غرض ہوتی ہے بس.....

☆ ☆ ☆

"جمال تم کہاں چلے گئے تھے، بنا بتائے۔" جمال

سب سے پہلے اپنے گاؤں آیا تھا۔
"اماں یہ بڑی لمبی کہانی ہے اور شاید یہ کہانی میری قسمت کی گرہ بھی کھول گئی ہے۔"
"کیا مطلب؟" اماں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔
"اماں جس آفس میں میں کام کرتا تھا نا وہ میرے بچپن کے دوست اکبر کے ابو کا ہے۔"
"کیا' رشیدہ کے بیٹے کا۔" اماں نے حیرانی سے پوچھا۔
"جی اماں۔ بس یہ سب مجھے اتفاقاً" پتا چلا اب اکبر چاہتا ہے' میں اس کے دبئی کے آفس میں بطور منیجر کام کروں' اسی سلسلے میں کراچی چلا گیا تھا اب سب کام نمٹ گیا ہے ایک دو ہفتے تک چلا جاؤں گا۔" اماں نے یہ سب سن کر اس کا ماتھا چوم لیا۔
"شکر ہے تیرا اللہ' تو نے ہم غریبوں کی سن لی۔" اماں نے فوراً" دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس پاک ذات کا شکر ادا کرنے لگیں۔ جمال نے محض اماں کو مسکرا کر دیکھا۔
"اماں ثمن کا کوئی فون وغیرہ آیا یا نہیں۔" اس کے چہرے پر اب پریشانی کے آثار تھے۔
"نہیں کیوں؟" اماں نے غور سے اسے دیکھا تھا۔
"اماں وہ مجھ سے لڑ کے گئی ہے' آپ کو پتا تو ہے تھوڑی جذباتی ہے' میں منالوں گا۔" اس کے لہجے میں یقین تھا اور اس کے جواب میں اماں نے صرف ایک بات ہی کہی "یہ جو جذباتی پن ہوتا ہے نا یہ عورت کو تباہ کردیتا ہے۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔
جمال کئی مرتبہ ثمن کے موبائل پر ٹرائی کرچکا تھا' لیکن اس کا فون پاور آف مل رہا تھا اس کا پرانا موبائل کہیں کھو گیا تھا جس میں ثمن کے گھر والوں کے نمبرز تھے۔ اب ان سے رابطہ کرتا تو کیسے کرتا' اسے پتا تھا۔ ثمن نے جان بوجھ کر موبائل آف کیا ہوا ہے اسے پتا تھا کہ ثمن کافی ضدی طبیعت کی مالک تھی۔
"میں اسے منالوں گا۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے مسکرایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ثمن تیاری کرلو کل سب ہم تمہارے ابا کے گاؤں جارہے ہیں۔"
"نہیں وہ کیوں؟" اس نے جواباً" پوچھا تھا۔
"تمہارے بڑے تایا کے بیٹے کی شادی ہے' انہوں نے دعوت نامہ بھیجا ہے۔" اماں نے کہا۔
"تو پھر؟"
"کیوں تم نے نہیں جانا کیا۔" اماں نے پوچھا۔
"نہیں۔" وہ ترنت بولی تھی۔ اماں نے اک نظر اسے دیکھا اور بولیں۔
"چل جیسے تیری مرضی۔" اماں نے بھی زیادہ اصرار نہ کیا تھا۔
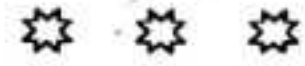
☼ ☼ ☼

"عمران کل دوپہر کو میرے گھر آجانا۔" ثمن نے رات کو اسے پیغام بھیجا تھا۔
"مگر تمہارے گھر والے۔"
"وہ شادی پہ گاؤں جارہے ہیں' اگر ملنا ہے تو آجانا اور ہاں کوئی اچھا سا گفٹ بھی لے کر آنا۔"
اس نے ساتھ ہی فرمائش کرڈالی تھی۔
"ٹھیک ہے' پھر کل ملاقات ہوتی ہے۔"
"اوکے بائے۔" اس نے یہ کہہ کر فون کاٹ دیا تھا۔
اس نے سب کے جاتے ہی داخلی دروازے پر تالا لگادیا تھا تاکہ یہ ظاہر ہو گھر میں کوئی نہیں ہے' عمران کو اس نے دو بجے کا ٹائم دیا تھا اور دو بج چکے تھے۔ اس نے گھر کی پچھلی سائیڈ والا دروازہ کھولا تھا۔ گھر کے پچھلی سائیڈ والی گلی ویران پلاٹ پر مشتمل تھی اس لیے عمران کو وہاں سے آتے جاتے کوئی نہ دیکھتا۔ وہ پوری تیاری کرکے بیٹھی تھی۔
سوا دو بجے پچھلے دروازے پر کسی نے ہلکی سی دستک دی تھی۔ اس نے فوراً" دروازہ کھولا۔ آگے عمران تھا۔ وہ اسے پچھلے کمرے کی جانب لے آئی تھی۔
"پورے پندرہ منٹ لیٹ آئے ہو۔" وہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔
"یار تمہارے لیے گفٹ لینے چلا گیا تھا وہاں دیر

ہوگئی تھی۔"
"اچھا کیالائے ہو۔" اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔
"اپنا دل۔" وہ لوفرانہ انداز سے بولا۔
"بدتمیز' بتاؤ نا"
"یہ لو خود دیکھ لو۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا شاپر اسے تھمایا تھا۔
"واہ' میک اپ کٹ۔" اس نے ڈبا کھول کر دیکھا اور خوشی سے چلائی۔
"پسند آئی۔"
"ہاں' بہت اچھا ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔
"اچھا چائے پیو گے یا ٹھنڈا۔" اس نے میک اپ کٹ ڈبے میں ڈالا اور کچن میں جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کچھ نہیں' بس' تم میرے پاس بیٹھو۔" جواباً عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
"پہلے کچھ تمہاری خاطر مدارت کرلوں پھر۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور بڑے اسٹائل سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔
"تمہاری خاطر مدارت یہی ہے کہ تم میرے پاس بیٹھو۔" یہ کہتے ہی عمران نے اسے زور کا جھٹکا دیا تھا اور وہ اس کے اوپر آگری تھی اور اچانک ہی کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا ثمن کی نظر نووارد پر پڑی اور پھر اٹھنا بھول گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے ٹیپو جاکر دیکھ دروازے پر کون ہے۔" کوئی بڑی دیر سے دروازہ کھٹکا رہا تھا۔
"دروازہ تڑوائے گا کیا۔"
"سن لیا اماں' تو تو کان کھا جاتی ہے۔" وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔
"اماں کوئی جمال نامی مرد آیا ہے' ثمن باجی کا پوچھ رہا تھا۔" عمرانہ کے سر پر پہاڑ گرا۔
"جمال' ارے اندر بلا اسے' کم بخت۔" عمرانہ زور سے بولی تھی اور پھر ایک جھٹکے میں اٹھ کر پلنگ پر سیدھی بیٹھ گئی' کمر کا درد کہیں دور جاسویا تھا۔
"السلام علیکم! مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ ثمن کے گھر والے کہاں گئے ہیں' میں جمال ہوں' ثمن کا شوہر۔" وہ اس وقت عمرانہ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا پوچھ رہا تھا۔ عمرانہ کو یہ سب سن کر اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
"شش... شوہر' مگر ثمن۔" وہ منہ میں بڑبڑائی۔
"آپ نے کچھ کہا۔" جمال نے شائستہ لہجے میں پوچھا تھا۔
"نن... نہیں کچھ نہیں' آپ چائے پئیں گے یا ٹھنڈا۔"
"نہیں' کچھ نہیں' پلیز آپ کے پاس اگر ثمن یا اس کے گھر والوں کا نمبر ہے تو دے دیں۔" اس نے جواباً کہا تھا۔
"یہ شکل سے تو اچھا خاصا مہذب اور شریف دکھتا ہے اور پڑھا لکھا بھی لگتا ہے' مگر ثمن..." اس نقطے پر آکر پھر اس کی سوچ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔
"پلیز مجھے ذرا جلدی ہے۔" وہ دوبارہ بولا تو وہ چونکی۔
"میرے پاس صرف گھر کا نمبر ہے' موبائل نمبر نہیں ہے آپ تھوڑا انتظار کرلیں' ابھی آتے ہی ہوں گے۔ کل کے گئے ہوئے ہیں۔" عمرانہ نے بھی شگفتہ انداز میں کہا۔
"لیکن امی' ان کا پچھلی گلی والا دروازہ تو کھلا ہوا ہے' میں سلیمان کے ساتھ گیند لینے پچھلے پلاٹ پر گیا تھا تو کسی آدمی کو پچھلے دروازے سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" ٹیپو کے بتانے پر جہاں عمرانہ چونکی تھی وہاں جمال بھی چونک گیا تھا۔
"اوکے باجی آپ کا بہت بہت شکریہ' میں جاکر دیکھ لیتا ہوں۔" اجازت لے کر وہ بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد عمرانہ نے فوراً فرحت کو فون ملایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ ثمن نے تالا کیوں لگا دیا۔ دروازے پر۔" اماں نے گیٹ پر تالا لگا دیکھ کر کہا تھا۔

"کہیں گئی ہوگی۔" بڑا بھائی بولا۔

"تو اب کیا یہاں گرمی میں ہی سڑتے رہیں گے۔" اماں کو غصہ آگیا تھا۔

"اماں، میرے پاس پچھلے دروازے کی چابی ہے چلیں آجائیں سب۔" درمیانہ بھائی بلند آواز کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا اور اس کے پیچھے وہ سب۔۔۔۔

☆ ☆ ☆

دروازے پر کوئی اور نہیں جمال کھڑا تھا وہ یک دم ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی، لیکن اب دیر ہو چکی تھی کیوں کہ اب ابا، اماں، بھائی، بھابھیاں سب اس کمرے میں آگئے تھے۔ وہ سب بھی حیرت سے جمال کو دیکھتے اور کبھی اسے۔ وہ ہمیشہ کے لیے گر چکی تھی گندگی کی طرف پستی کی طرف دھڑم دھڑم نیچے، بہت نیچے۔ اس کی بساط الٹ چکی تھی۔ سب خاموش تھے، کوئی کچھ نہ بولا تھا۔ ابا کے کندھے اور جھک گئے تھے بھائیوں کی نظریں اور نیچے ہو گئی تھیں۔ بھابھیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر معنی خیز سرگوشیاں کر رہی تھیں اور اماں وہ تو پتھرا گئی تھیں۔ جمال وہ تو ساکت کھڑا تھا، بے جان، لیکن جب سکتہ ٹوٹا تو۔۔۔۔

"میں اب تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں ثمن میں، تمہیں طلاق دیتا ہوں" کہہ کر نکا نہیں تھا۔ نکل گیا تھا۔ ہمیشہ کے لیے۔ سب راز کھل چکا تھا اس عورت کی اصلیت سامنے آچکی تھی۔ اس عورت کو عورت کہنا تذلیل نہیں ہے عورت کی؟ عورت ایسی تو نہیں ہوتی۔۔۔۔ ثمن سر جھکائے کھڑی تھی۔ کبھی نہ اٹھانے کے لیے۔

☆ ☆ ☆

"میں کہتی تھی نا یہ ثمن کے لچھن ٹھیک نہیں، توبہ توبہ مرد کو طلاق کا پتا نہیں اور بیوی نے مشہور کر دیا، طلاق دے دی۔ لڑائیاں تو ہر گھر میں ہوتی ہیں، لیکن جن عورتوں نے گھر نہ بسانے ہو وہ تو معمولی بات کو بھی رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہیں، ایسی عورتیں کسی ایک کے پاس نہیں ٹکتیں۔ شکر ہے جمال کی جان چھوٹی۔" عمرانہ محلے کے ہر گھر جا کر ثمن نامہ بیان کر رہی تھی۔ لوگوں کا اور کام ہی کیا ہے، پھیلتی بات کو اور پھیلانا۔

☆ ☆ ☆

"تو پیدا ہوتے ہی کیوں نا مر گئی ثمن مر جاتی تو اچھا ہوتا۔ ارے مجھے کیا پتا تھا میں ایسی لڑکی پیدا کرنے جا رہی ہوں جو ہمارے لیے باعث شرمندگی ہوگی تو نے تو ہمیں جیتے جی مار دیا، مر جا گندگی کی پوٹ مر جا۔" باقی گھر والوں نے تو چپ سادھ لی تھی۔ صرف اماں ہی تھیں جو اسے کوس رہی تھیں، لیکن وہ ساکت تھی خاموش۔۔۔۔

"بس، تو ایک اور احسان ہم پر کر دے تو یہاں سے چلی جا۔" اماں نے اسے حقارت کی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"میں کہاں جاؤں گی اماں۔" سکتہ ٹوٹا تو سہم گئی۔

"مت بول اماں، میں تجھ جیسی بدکردار کی ماں نہیں ہو سکتی۔" ایک اور تیر اس کے دل میں کھبا تھا۔ وہ اپنے مقام سے اور نیچے گر گئی تھی۔

"رات گزار لے، صبح ہوتے ہی چلی جانا اور شادی کر لینا اپنے اسی یار سے جس کے لیے تو نے یہ سارا کھیل کھیلا، جمال جیسا ہیرا تیرے قابل تھا ہی نہیں۔" اماں چلی گئی تھیں اور وہ اس کے پاس تو کچھ بچا ہی نہ تھا۔ عزت بھی چلی گئی اور میک اپ بھی فرش پر بکھرا اپنی بدقسمتی پر رو رہا تھا۔ ثمن کی بازی اسی پر الٹ گئی تھی عورت کے پاس اور کچھ ہو یا نہ ہو عزت ضرور ہونی چاہیے۔۔۔۔

☆ ☆

سیما بنت عاصم
خلش

صبا میری کزن تھی اور بڑی بھاوج بھی!

"اس کا کہا رد کرنا میرے لیے ہمیشہ سے مشکل رہا تھا۔ یہ بات وہ بھی جانتی تھی۔ اسی لیے' اس رات شادی کی سالگرہ کا انویٹیشن فون پر دینے کے ساتھ' مجھے ڈنر کی تیاری بھی سونپی تو مجھے اپنے ہزار کاموں کو پھٹکار کر لبیک کہنا ہی تھا۔ یہ اور بات کہ اس سے میرے فرشتوں تک کو خبر نہ تھی کہ اگلے روز بھائی جان کے گھر کا صدر دروازہ کھولنے والی ثوبیہ ہوگی۔ میری دیرینہ اور عزیز از جان دوست! جو کبھی میرے لیے بیا تھی! عرصہ ہوا' بس اک لغزش و خلش کے سبب تعلق و مراسم کی ہر ڈور ٹوٹ گئی تھی۔ شاید میں الٹے قدموں لوٹ آتی۔ مگر مجھے صبا سے کیے وعدہ کا پاس تھا۔ پھر عدنان مجھے دروازے تک چھوڑ کے جا چکے تھے۔ مجھے قدم بڑھانے ہی تھے۔ بیا مسکراتی ہوئی مجھ سے آ لگی تو مجھے بھی تھوڑی بہت گرم جوشی دکھانی پڑی! گھر میں سناٹے گونج رہے تھے۔ پتا چلا بھائی جان' صبا سمیت غائب ہیں! ان کے ٹھنڈے ٹھار بیڈ روم میں بیٹھ کر چند لمحے اے سی کی خنکی خود میں اتار کے سانسیں بحال ہوئیں حواس ٹھکانے آئے۔

مہینہ تو گلابی جاڑوں کی آمد کا تھا۔ مگر گرمی کہتی کہ پڑ کر اب نہ پڑوں گی! بیا جوس کے گلاس سمیت وارد ہوئی تو میں نے بہ غور اسے دیکھا تھا۔ پل بھر کو ماضی کا اک نقش لہرایا تھا۔ طویل قامت' بھاری بھرکم گول چہرے اور بڑی بڑی آنکھوں والی سانولی سلونی سی بیا.....! اب قدرے فٹو ہو گئی تھی۔ لمبے گھنیرے بال جدید اسٹائل میں ترشے کاندھوں پر پڑے تھے۔

"لگتا ہے جیسے وقت گزرا ہی نہیں۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی ہے۔" میں بے ساختہ کہہ گئی۔

"ساہی! کیا رشتے اتنے ہی نازک ہوتے ہیں کہ اک ذرا سی لغزش پر سارے دروازے بند کر دیے جائیں؟" یہ پہلا اور شاید آخری شکوہ تھا۔ اگلے ہی پل اس کا موبائل بج اٹھا۔ وہ کان سے لگا کر بات کرتی ہوئی بیڈ روم سے نکل گئی' میں گڑ کر رہ گئی تھی۔ اس کی بات دل میں کھب گئی تھی۔

لوگ یونہی تو نہیں اپنوں کی لغزشوں کو درگزر کر دیا کرتے ہیں۔ رشتے' محبت سے منسلک ہوتے ہیں۔ محبت! جو روح میں اتر جاتی ہے۔ پھر اسے اکھاڑ پھینکنا اتنا سہل کہاں ہوتا ہے۔ انسان ٹوٹ جاتا ہے۔ ہار جاتا ہے۔ جھک جاتا ہے۔ یہ ہار' رشتے کو مضبوط کرتی ہے۔ محبت کی بقا ہے۔

ہم اکثر یہ سمجھتے ہیں
جسے ہم پیار کرتے ہیں
اسے ہم چھوڑ سکتے ہیں
مگر ایسا نہیں ہوتا!!
محبت دائمی سچ ہے
یہ اکثر ٹھہر جاتی ہے
ہماری ذات کے اندر
ہماری بات کے اندر
مگر یہ کم نہیں ہوتی
کبھی بھی کم نہیں ہوتی۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک نہ دو' سالوں پر پھیلی کہانی تھی

میری دادی' بیا کے والد کی استاد تھیں۔ انہوں نے میرے والد کے ساتھ کلام پاک پڑھا۔ ان دونوں کے درمیان بھی دوستی کا اٹوٹ رشتہ تھا۔ میرے والدین کی شادی کے کچھ عرصے بعد بیا کے والدین کو محبت نے آن گھیرا' جو شادی پر منتج ہوئی' امی بارات میں شرکت کے ارادہ سے سج دھج کر پہنچیں تو پتا چلا بارات کسی دور دراز کے گاؤں جائے گی۔ اس وقت بھائی جان ان کی گود میں تھے۔ وہ واپس لوٹ آئیں۔ کہ سفر طویل تھا۔ بعد ازاں امی کی بیا کی امی سے گاڑھی چھنی۔ میں اور بیا تقریباً" ہم عمر تھے۔ میں نے آنکھ کھلتے ہی بیا کا ساتھ پایا تھا اور گزرتے وقت کے ساتھ ہماری دوستی اٹوٹ ہوتی چلی گئی تھی۔

میرے پاس آج بھی ان یادوں کی یادگاریں موجود ہیں۔ تصویریں۔ تحریریں۔ بہت سے انمٹ لمحے' ساتھ رہنا۔ کھیلنا' ہنسنا' روٹھنا منانا' پھر چھت پر جا کر چپکے چپکے

ڈھیروں ڈھیر باتیں کرنا۔ یہ وہ دن تھے جب عدنان سے میری بچپن کی منگنی باقاعدہ ارینج ہو چکی تھی۔ میں ان سے چھپتی پھرتی۔ اور عدنان مجھ سے بات کرنے اور ملاقات کے لیے بیا کے آگے پیچھے پھرتے۔ آج میرا بیٹا او لیول میں ہے وقت جیسے گزر کر بھی نہیں گزرا ہے۔
ابو کہتے اگر ہم دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھیں تو ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کوالٹی ایسی ضرور ہوتی ہے' جو اسے انمول بناتی ہے مجھے یاد ہے' وہ دلوں میں گھر کرنے کا ہنر رکھتی تھی۔
اور یہ بیا ہی تھی۔ جس نے ایک بار ہنسی ہنسی میں ہی کہا تھا کہ کسی عورت کا گھر اجاڑنے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مگر وہ اک خوش حال زندگی کے خواب دیکھتی تھی۔
میں ان دنوں انٹر کے ایگزیمز کی تیاری کے لیے کمرا بند کیے دن رات سر کھپا رہی تھی۔ جب اڑتی اڑتی سنی۔ بیا کا کسی امیر و کبیر آدمی سے معاشقہ چل رہا ہے میرڈ ہے' بال بچے دار۔ میں نے سر جھٹک دیا۔ مگر رائی ہو تو پر بت بنتا ہے! ایگزیمز میں امی کے حکم کے موجب تمام کانٹیکٹ فریز۔ اور نہ ہی یہ موبائلز کا دور تھا کہ اک ایس ایم ایس سے ہی ادھر کی خبر ادھر۔
مجھے ہوا بھی نہ لگ سکی کہ وہ آج کل کن ہواؤں میں ہے۔
خدا کا کرنا۔ ایگزیمز بھگتا کر میں وکیشنز منانے لاہور اپنی خالہ کے گھر چلی آئی! لوٹ کر آئی پتا چلا۔ اس نے کورٹ میرج کر لی ہے۔ اس بے جوڑ شادی پر گھر والوں کے اختلاف نے سر اٹھایا۔ اور انتہائی اقدام کا ارتکاب ہوا۔ بیا گھر سے بھاگ گئی! دنیا انگشت بدنداں تھی۔ دگنی عمر والے آدمی کے لیے یہ رسوائی۔ جگ ہنسائی اور بے مہری! توبہ توبہ!
یہ صرف میں جانتی تھی۔ بیا نے زندگی تنگ دستی کا عذاب جھیلتے گزاری تھی۔ کسی نے پیسے کی چھب دکھا کر اسے زیر کیا ہو گا۔ وہ خوش حال زندگی چاہتی تھی۔

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی
یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا

مگر میرے دل کو ٹھیس لگی تھی۔ خوب ہی دھول اڑی تھی۔ مانو اس نے مجھے رد کیا تھا! اور اس روز تو میں گڑ کر ہی رہ گئی' جب ہماری اک مشترکہ دوست نے مجھ سے پوچھا۔
"سنا ہے' ثوبیہ نے گھر سے بھاگ کر شادی کر لی۔ کس سے؟ تمہیں تو پتا ہو گا؟" یوں جیسے میں اس کام میں اس کی دست راست یا ہم قدم ہی تو رہی ہوں۔ ہمارا ساتھ ہی ایسا تھا۔ مانو اسی پل برسوں کے ساتھ پر مٹی پڑ گئی۔
ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے!
اور بس اک خلش کا خار دل میں کھب کر رہ گیا!
پھر اس کے متعلق خبریں ہی سننے میں آتی رہیں۔ میں سن کر سر جھٹک دیتی۔ مگر یہ اتنا آسان نہ تھا بس اک احساس کسک دیتا رہتا۔ پھر سنا' وہ اسلام آباد شفٹ ہو گئی ہے۔ میری بلا سے!

☆ ☆ ☆

بیا کے لوٹنے تک صرف چند لمحوں میں سالوں کا سفر طے ہوا تھا۔
میری نظر وال کلاک پر پڑی اور اگلے ہی پل ہم کچن میں تھے۔ مینو صبا نے رات ہی رٹوا دیا تھا۔ چکن کڑاہی' مٹن پلاؤ' کباب' دم کا قیمہ' میٹھے میں جو چاہوں۔ اور ہاں کیک بھی مجھے ہی بیک کرنا تھا۔ وقت کم' مقابلہ سخت تھا۔ فریج میں جھانکا۔ گوشت نکال کر بھگونے کے لیے رکھا۔ کچن باسکٹ میں سارا سامان موجود تھا۔ ہم نے کھٹا کھٹ کام بھگتانا شروع کیا اور مانو گزرا وقت لوٹ آیا۔
"بیا تم نے ابھی تک یہ کسٹرڈ کی ڈشز ڈائننگ ٹیبل پر نہیں رکھی ہیں؟"
"کیوں میں تمہاری نوکر لگی ہوں' دیکھتی نہیں ہو میں دھنیا توڑ رہی ہوں۔ خود رکھ کر آؤ۔"
"بیا تم سے خدا سمجھے ابھی کتنا کام باقی ہے۔ تم ابھی تک دھنیا چھانٹ رہی ہو۔ اس طرح تو رات ہو جائے گی۔"

"شکل اچھی نہیں تو بات ہی اچھی کرلو۔ تم نے مجھے اپنی طرح دھکا اسٹارٹ سمجھ رکھا ہے؟" ہماری زبانیں تیزی سے چلتے ہاتھوں کو مات دے رہی تھیں۔ مانو بریکیں فیل ہوگئی تھیں۔

"اوہ گاڈ! یہ تم نے کبابوں کا آمیزہ چوپ کیا ہے؟ کسی کے سر پر مارو تو سر ہی پھٹ جائے۔ ستیا ناس کردیا! یہ کبابوں کا آمیزہ ہے کہ اکڑا ہوا آٹا۔"

"اچھا! ٹیسٹ کرواؤ پھر پتا چلے گا۔" وہ ندیدے بچوں کی طرح میرے قریب آکر بولی۔

"دور ہوجاؤ' سب سمجھتی ہوں میں یہ بہانے بازیاں۔ ایک ذرہ نہیں ملے گا۔"

"ارے نظر کا صدقہ سمجھ کر ہی دے دو۔ خدا کے واسطے۔"

"اف! ہائے ری قسمت۔۔۔ یخنی میں اتنا لمبا بال' ان بیل برابر دیدوں سے تمہیں کچھ نظر آتا ہے کہ نہیں۔؟"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ تم تو بڑی افلاطون ہو۔ جیسے مجھے پتا ہی نہیں پاسنگ مارکس لے کر اگلی سیڑھی چڑھتی تھیں۔"

"اور تم۔ تمہیں تو دو سو کے مارکس پر آگے داخلہ ہی نہیں ملا تھا۔ منہ چھپا کر گھر میں پڑ گئی تھیں۔ بھول گئیں۔"

"تم نے بی اے کرکے کون سا تیر مار لیا۔ ڈگریاں چولھے میں جھونک کے بچہ پال رہی ہو۔"

"خود کو مٹا دینے ہی میں عورت کی عظمت ہے۔"

"ہاہ' مکالمے بازی!! فضولیات!"

"مکالمے نہیں سچائی۔ اور اسے فضولیات نہیں حقیقت اور خود شناسی کہتے ہیں۔"

"اللہ۔ اللہ۔ جاؤ جاکے منہ دھو کے آؤ پھر آئینے میں اپنی شکل دیکھو۔ دنیا کا بدنصیب ترین انسان ہے' جس کا مقدر تم سے پھوٹا۔"

"اور خوش نصیب ترین وہ ہے' جو تم سے بچ نکلا۔"

"اف باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔ ارے تم سے ابھی تک ایک انڈا نہیں ابالا گیا۔ ڈوب مرو۔"

"سدھر جاؤ۔ ورنہ یہی انڈا' ڈنڈے کی جگہ تمہارے سر پر پڑے گا۔"

"اف خدایا! میں کدھر جاؤں۔ یا اللہ مجھے موت دے دے۔"

"آمین۔ آمین۔ آمین۔" اس نے کہتے کہتے زبان دانتوں تلے داب لی۔ مگر میں ہنس دی۔ مانو چاروں طرف اجالا ہی اجالا بکھیر گیا۔ اسی نوک جھونک میں کام تمام ہوا۔ اور میں نے جانا۔ رنجش کی فصیل گزرتے وقت کے ساتھ بھربھری ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہمارے درمیان جیسے گزرا وقت آیا ہی نہ تھا۔ بہت کم وقت میں شام کی ساری تیاری ہوچکی تھی ہم ذرا سی دیر سانس لینے کو بیٹھے تو سالوں کا نچوڑ لحموں میں اگل گئی۔

"شوہر کی بزدلی۔ سوتیلے رشتوں کا عذاب۔ ساری کھینچ تان جاگیر کے سبب تھی مجھے اندازہ تھا۔ اس طرح کبھی ہوتا ہے۔ اس طرح کے کاموں میں۔"

بھیا بھابھی لوٹ آئے تھے۔ مجھے معلوم تھا' وہ اپنی ہر خوشی کا صدقہ غریبوں میں جاکر نکالتے تھے۔ مگر آج دیر ہوگئی تھی۔

"رنجشوں کی آبیاری سے انسان صرف اچھا وقت گنواتا ہے۔ حاصل کچھ نہیں ہوتا۔" بھائی جان نے ہم دونوں کو خود سے لگالیا۔ اور میں لمحے کے ہزارویں حصے میں جانچ گئی۔ یہی رنجش مٹانے کو انہوں نے ہمیں یہ وقت بخشا تھا۔ میں بیا کے فیصلے پر نہیں' اس کے غلط طریقے کار پر شاکی تھی۔ یہ آج تک کوئی سمجھ ہی نہ سکا تھا۔ مگر جو وقت گزر گیا' لوٹ نہیں سکتا تھا۔ بھیا کا فرمان درست تھا۔ زخم تو کب کا بھر چکا تھا۔ بس اک داغ تھا جو گزرے وقت کی یاد دلاتا۔ میں نے ایک نظر بیا کو دیکھا' وہ ہنوز بھائی جان کے کندھے سے لگی مسکرا رہی تھی۔ میں بھی مسکرادی۔

☆ ☆

کچھ موتی چننے ہیں

ادارہ

شیطان کی سواری

خدا گواہ ہے کہ آپ کی طرح ہم نے بھی آج تک شیطان نہیں دیکھا' البتہ کئی بار شیطان کے معاون کی حیثیت سے اس کی سواری پر سفر کا شرف ہمیں حاصل ہو چکا ہے' نہ جانے یہ بڑے بوڑھے موٹر سائیکل کو شیطان کی سواری کیوں کہتے ہیں۔

منچلے نوجوانوں کی طرح ہمیں بھی موٹر سائیکل سے والہانہ محبت ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم نے خود کئی مرتبہ شیطان بننے کی اپنی سی کوشش کی لیکن ہر بار گھر والوں نے تعاون زر کا دامن سکیڑ کر ہمیں بال بال بچا لیا۔ اس تمام واقعے میں قابل رحم شیطانی سواری یعنی غریب موٹر سائیکل ہے۔ آخر اسے ہی شیطان کی سواری کا خطاب کیوں ملا۔ یہ اعزاز منی بسوں اور رکشا جیسی عظیم الحرکت سواریوں کو کیوں نہ حاصل ہو سکا۔

بات جہاں تک ہماری۔ معاف کیجئے گا شیطان کی ہے تو یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ سواری کے لیے منی بس پسند کرے' رکشا یا موٹر سائیکل۔

اگر آپ چاہیں تو موٹر سائیکل کے ذریعے خدمت خلق بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو اتنا کرنا ہو گا کہ اپنی موٹر سائیکل کا سائلنسر نکالنا پڑے گا۔ صبح ہی صبح اپنے صحن میں بغیر سائلنسر کی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے آپ بیک وقت پورے محلے کو خواب غفلت سے بیدار کر سکتے ہیں۔ اس طرح بچے صحیح وقت پر اسکول اور بڑے اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر پہنچ کر آپ کو دعائیں دیں گے۔

(محمد یعقوب غزنوی۔۔۔ گستاخیاں)
گڑیا شاہ۔۔۔ کھڈوڑپکا

عزت نفس

جب عورت کو عزت نہ ملے تو وہ اپنی ذات کے خول میں بند ہو جاتی ہے۔ مرد سمجھتا ہے۔ اس نے عورت کو تسخیر کر لیا ہے۔ بے وقوف مرد۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ خاموشی مردذات کی نفی کے لیے اختیار کی گئی ہے اور اس چپ کے پردے میں فقط بے زاری' نفرت اور مصلحت کے جذبے پوشیدہ ہیں۔

(شازیہ چوہدری۔۔۔ تو پھر یہ طے ہے کہ)
شازیہ اعجاز۔۔۔ لاہور

خالص

ایک جگہ سے ہم خالص پنجاب کا گھی لایا کرتے تھے۔ ہمیں تو کچھ ایسا ناپسند نہ تھا لیکن ایک روز اس میں سے ایک چھلا ہوا آلو ثابت نکل آیا اور ایک چربی کا ٹکڑا بھی تو شکایت کرنی پڑی۔ تب اس بزرگ نے وضاحت کی کہ جناب "گھی تو یہ بناوٹی ہے ہم نے اس کے اصلی ہونے کا دعویٰ کہاں کیا ہے۔ میں تو صرف اس کا ذمے دار ہوں کہ یہ میں ٹوبہ ٹیک سنگھ سے منگاتا ہوں' جو خالص پنجاب میں ہے' سندھ وندھ میں نہیں ہے۔

(ابن انشا۔۔۔ آپ سے کیا پردہ)
صدف بیج۔۔۔ کراچی

عورت

میں نے عورت کو ہمیشہ بہت کمزور سمجھا تھا۔ موم کی گڑیا کی طرح' لیکن ایک عمر برتنے کے بعد میں نے یہ جانا ہے کہ عورت موم ہے یا پتھر؟ اس کا فیصلہ وہ خود کرتی ہے۔ کسی دوسرے شخص کو اسے موم یا پتھر کا خطاب دینے کا حق نہیں ہوتا' وہ خود چاہے تو محبوب کے اشاروں کی سمت مڑتی رہتی ہے اور پتھر بننے کا فیصلہ کر لے تو کوئی شخص بھکاری بن کر بھی اس کی نگاہ التفات نہیں پا سکتا۔

(بانو قدسیہ۔۔۔ راجا گدھ)
شاہدہ ناصر۔۔۔ کراچی

محبت

یہ محبت ہے میری جان! اسبیل کا پانی نہیں کہ پیاس لگی اور کہا ذرا ایک گلاس پانی دینا۔۔۔ یہاں پانی اس قیمت پر ملے گا جس قیمت پر کربلا کے پیاسوں کو ملا تھا۔

(خلیل الرحمٰن قمر)

نسرین زمان۔۔۔ دیر

سچ

سچ کتنا دکھی اور زخمی ہے آج کے زمانے میں سچ کو ثابت کرنے کے لیے کتنے ہی ہزاروں سہاروں کی ضرورت رہتی ہے، کتنے دکھ کی بات ہے لوگ اچھی نظر رکھنے کے باوجود سچائی کو پہچان نہیں سکتے۔ اسے ماتھے پر لکھا ہوا دیکھ کر پڑھنا چاہتے ہیں، آنکھیں رکھنے کے باوجود بینائی سے محروم ہیں لوگ۔

(آسیہ مرزا۔۔۔ اے، جنون دشت ہے کہ منزل ہے)

ہما سہل۔۔۔ لیہ

تجربات

زندگی کے تجربات اور لیبارٹری کے تجربات میں بہت فرق ہے۔ زندگی کے تجربات لاعلمی کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے کا نام ہے اور لیبارٹری کے تجربات، تجربات نہیں بلکہ اعادہ ہوتے ہیں۔ تجربہ تو ایک ہی دفعہ ہوتا ہے اور اسے ہوتا ہے جو اس کا نتیجہ پہلی دفعہ دیکھتا ہے، اور محسوس کرتا ہے، پھر اس کے بعد مقلد ہوتے ہیں، تجربہ کار نہیں۔

(رفعت سراج۔۔۔ سوال)

سدرہ رحمان۔۔۔ بہاول پور

بازی

عورت ہر بازی دل سے کھیلتی ہے مگر کبھی کبھار کوئی ایک بازی ایسی ہوتی ہے جسے وہ دماغ سے کھیلتی ہے اور اس وقت کم از کم اس بازی میں کوئی اس کے سامنے کھڑا رہ سکتا ہے، نہ جیت کر سکتا ہے اور وہ بازی۔۔۔ وہ بازی بقا کی بازی ہوتی ہے۔

(عمیرہ احمد۔۔۔ مات ہوتے تک)

عظمیٰ۔۔۔ ڈی جی خان

نئی نسل

ہماری نئی نسل کسی کے پیچھے چلنے کو تیار نہیں۔۔۔ وہ "میں خود" کی قائل ہے۔۔۔ اس لیے اب گرو کا فرض ہے کہ خود میں وہ اس کی سپرٹ پیدا کرے، لوگوں کے پیچھے چلے اور پیچھے چل کر ان کا رخ موڑے۔۔۔ آگے چل کر رخ موڑنا تو آسان بات ہے، پیچھے چل کر رخ موڑنا بڑی بات ہے۔

(ممتاز مفتی۔۔۔ تلاش)

فریدہ افتخار۔۔۔ اسلام آباد

ظالم

راکاپوشی بہت خوب صورت ہے اور جو خوب صورت ہوتے ہیں اس سے زیادہ ظالم بھی کوئی نہیں ہوتا۔

(نمرہ احمد۔۔۔ قراقرم کا تاج محل)

سعدیہ بختیار۔۔۔ کراچی

روح کا اطمینان

ہم کسی بھی معاملے کی کوئی سی بھی توجیہہ دے کر سامنے والے کا منہ بند کر سکتے ہیں۔ سچی وجہ، جھوٹی وجہ۔۔۔ ہم جواب دینے سے انکار بھی کر سکتے ہیں مگر اصل جواز وہ ہے جو ہم اپنے آپ کو دیتے ہیں۔ جب ہم خود سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ جب ہمیں خود کو بتانا ہوتا ہے، خود کو سمجھانا ہوتا ہے، دوسروں کو مطمئن کرنا آسان ہوتا ہے مگر اپنی روح کی طمانیت۔۔۔ ہم اسے قائل کریں تو بات ہے۔

(سائرہ رضا۔۔۔ تیری محبت)

شمع مسکان۔۔۔ جام پور

✲ ✲

شعلہ عزیر

غصے پر قابو

ارشاد ربانی ہے۔ "جو لوگ فراخی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

(سورہ آل عمران' 134)

دنیاوی زندگی

ارشاد ربانی ہے۔ "جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا (اور وہ سمجھتے تھے کہ انہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے۔) تو جس طرح یہ لوگ اس دن (آخرت) کے آنے کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری آیتوں سے منکر ہو رہے تھے اسی طرح آج (روز قیامت) ہم بھی انہیں بھلا دیں گے۔"

(سورۃ الاعراف۔ 51)

امینہ ملک۔۔۔ کراچی

بخار کو برا نہ کہو

بارگاہ رسالت میں بخار کا ذکر کیا گیا تو ایک شخص نے بخار کو برا کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بخار کو برا نہ کہو' کیونکہ وہ مومن کو گناہوں سے ایسے پاک کر دیتا ہے' جیسے آگ' لوہے کا میل صاف کر دیتی ہے۔"

(سنن ابن ماجہ)

رشیدہ فیض۔۔۔ جام پور

گوہر نایاب

☆ کچھ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں' پھر وہ کام کرتے ہیں' جس کا حکم خدا نے دیا ہے مگر اپنی زبان سے کہے الفاظ پر غور نہیں کرتے۔ جس سے جانے کتنے خدا کے گھر ٹوٹتے ہیں' یعنی دل۔۔۔

☆ آگہی آپ کو اپنے اندر کے پاتال کی خبر دیتی ہے۔ محبت حق نہیں ہوتی' مقدر ہوتی ہے۔

☆ اپنے گناہوں کا شمار نہ کرنے بیٹھو کیونکہ جتنی دیر میں تم اپنے گناہوں کا شمار کرو گے اتنی دیر میں تم کئی نیکیاں کر سکتے ہو۔

☆ خوشی میں آنسو چھلکتے ہیں' بہتے نہیں۔

☆ عادت تو بدل سکتے ہیں۔ مگر فطرت نہیں۔ اس لیے شروع سے فطرت کو اچھائی کی طرف راغب کرنا چاہیے۔

☆ خوشیوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دو اور دوسروں کو خوشیاں دینے کی کوشش کرو کیونکہ اس طرح خوشیاں تمہارے پیچھے بھاگیں گی۔

☆ جب بھی سائل کو کچھ دو تو اس سے دعا کے لیے کہو۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

ایمان افروز واقعہ

ایک بوڑھی خاتون نے ریڈیو اسٹیشن فون کیا کہ وہ کئی دنوں سے بھوکی ہے اور کئی دنوں سے صرف سوکھی روٹی اور پانی پر گزارا کر رہی ہے اور کہا کہ اللہ کی راہ میں اسے کچھ کھانے کے لیے دیا جائے۔ ایک منکر خدا بھی

اس کی گفتگو سن رہا تھا اور اس کو ایک مذاق سوجھا۔ اس نے کھانے پینے کی اشیا خریدیں اور اس بوڑھی عورت کا ایڈریس معلوم کرنے کے بعد اپنے نوکر سے بولا کہ جاکر "اس بوڑھی عورت کو دے آؤ اور جب وہ پوچھے کہ کس نے بھیجا ہے تو بتانا یہ شیطان کی طرف سے تحفہ ہے۔" وہ بوڑھی عورت اتنے زیادہ کھانے کا سامان دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور جلدی اپنے گھر کے کونے میں وہ رکھنے لگی۔ ایسے میں نوکر نے پوچھا کیا آپ معلوم نہیں کرنا چاہیں گی کہ یہ سامان کس نے بھیجا ہے۔" یہ سن کر وہ بولی۔

"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کس نے بھیجا ہے، مگر اتنا معلوم ہے کہ جب میرے رب کا حکم آتا ہے تو شیطان بھی حکم کی تعمیل کرتا ہے۔"

حمدا واجد... کراچی

وجہ

حضرت امام شافعی نے فرمایا۔ "عورت میں تیری تعریف اس وجہ سے نہیں کرتا کہ تو کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہے اور میں اس سبب سے تجھ سے محبت نہیں کرتا کہ تو انسانی راحت کا سب سے موزوں سرچشمہ ہے بلکہ میں اس واسطے تیری تعظیم کرتا ہوں کہ انسانیت تیرے ہی طفیل قائم ہے۔

فوزیہ... گجرات

بات کا وزن

ایک پہلوان نما آدمی ایک بڑا سا لکڑی کا گٹھا سر پر لادے گالیاں بکتا چلا جا رہا تھا۔ ادھر سے ایک بزرگ کا گزر ہوا، انہوں نے اس سے پوچھا کہ کسے گالیاں دے رہے ہو۔

"ایک شخص مجھے گدھا کہہ کر گیا ہے۔" اس نے بتایا، بزرگ نے فرمایا۔ تو اتنا بڑا بوجھ اٹھا سکتا ہے مگر ذرا سی بات کا وزن نہیں برداشت کر سکتا۔

آمنہ میر... گجرات

اچھی باتیں

☆ جو شخص دریائے توحید میں غرق ہوتا ہے اس کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔

☆ اپنی سیرت ایسی کلی کی طرح بناؤ جسے سونگھنے سے اچھائی کی خوشبو آئے۔

☆ گناہ پر نادم ہونا گناہ کو مٹا دیتا ہے۔

☆ توبہ کرنا آسان ہے مگر گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔

☆ وہ گناہ سب سے بڑا ہے جو کرنے والے کے نزدیک چھوٹا ہے۔

مدیحہ نورین مہک... برنالی

غیبت

حضرت سعدیؒ اپنے باپ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ دوران سفر ایک دن اپنے باپ کے ساتھ تلاوت قرآن کرتے رہے۔ تہجد کے وقت آپ نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اپنے باپ سے کہا۔ "یہ لوگ کیسے بے خبر سو رہے ہیں۔ کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھ لیں۔" باپ نے کہا۔ "اے جان پدر اگر تم بھی سوتے رہتے تو اس سے بہتر تھا کہ بجائے اس کے لوگوں کی غیبت کر رہے ہو۔"

سعدیہ عابد... نارتھ کراچی

حوا کی بیٹی

عورت اور دوا کو کڑوا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ دوا اگر کڑوی ہو تو مریض کے منہ کا ذائقہ خراب رہتا ہے۔ اور عورت کڑوی ہو تو مرد کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر اس عورت کو ہرگز کڑوا نہیں ہونا چاہیے۔

جسے "بیوی" کہا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے روایتی عاشقوں کی طرح پہلے ایک لڑکی سے عشق فرمایا۔ پھر اس سے شادی کرلی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک میری بیوی، میری محبوبہ تھی۔ اس وقت تک وہ بڑی شیریں

زبان اور خوش گفتار تھی مگر شادی کے بعد خدا جانے اسے کیا ہوا کہ ایک دم کڑوی ہو گئی۔ اب یہ حالت ہے کہ اول تو اس کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلتی اور جب نکلتی ہے تو مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میں ایک عورت کی باتیں نہیں سن رہا۔ بلکہ کریلے کھا رہا ہوں۔

فوزیہ ثمروٹ..... گجرات

کولمبس کی کامیابی کا راز

کولمبس نے شادی نہیں کی' اس لیے امریکہ ڈھونڈ لیا اس سے کسی نے نہیں پوچھا۔

۱ کہاں جا رہے ہیں؟
۲ کس لیے؟
۳ کس کے ساتھ؟
۴ کب واپس آؤ گے؟
۵ میں بھی چلتی ہوں؟
۶ مجھے امی کی طرف چھوڑ دیں؟
۷ گھر رہ کے ہی ڈھونڈ لو امریکہ۔
۸ آپ چھوڑ دو کوئی اور ڈھونڈ لے گا امریکہ؟
۹ میں اکیلی گھر میں کیا کروں گی؟
۱۰ اچھا بچوں کو بھی لے جائیں؟
۱۱ میرے لیے کیا لاؤ گے؟
۱۲ کوئی اور چکر تو نہیں؟
۱۳ اچھا واپسی میں دہی لیتے آنا؟

شاہدہ عامر..... لاہور

فخر

تم کس دنیا پر فخر کرتے ہو؟
جس کا "بہترین مشروب"، "مکھی کا تھوک" (شہد) ہے۔ اور بہترین لباس "کیڑے کا تھوک" (ریشم) ہے۔ مجھے اس دنیا سے کیا لینا؟ جس کے "حلال" میں حساب اور "حرام" میں عذاب ہے۔

(شیخ سعدی)

حمدا واجد' کراچی

پانچ منٹ

بیوی نے شوہر سے کہا۔ عینی کے ابو میں ذرا مسز معین کے پاس جا رہی ہوں آپ آدھ گھنٹے کے بعد ہنڈیا چولہے پر سے اتار لیں اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہنی کو فیڈر تیار کر کے دے دیں۔ میں ابھی پانچ منٹ میں آئی۔"

فوزیہ ثمروٹ' آمنہ میر' ام ہانیہ' عمران..... گجرات

لیڈری

مل اور زمین الاٹ کراتی ہے لیڈری
اور کوٹھیوں پہ قبضہ دلاتی ہے لیڈری
لنچ اور ڈنر مزے سے اڑاتی ہے لیڈری
غم ساتھ ساتھ قوم کا کھاتی ہے لیڈری
فرصت ملے تو ٹور پر جاتی ہے لیڈری

مجید لاہوری

انیلا مبین..... پنڈی

"دوستم"
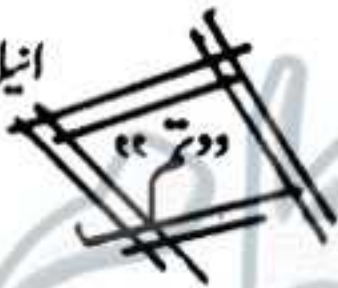
جانتے ہو
مجھے کیا پسند ہے؟
برستی بارش
سمندر کی لہریں
پھولوں کی خوشبو
چاندنی راتیں
اچھی شاعری
اور
اور سب سے زیادہ
اس تحریر کا
پہلا لفظ

رباب سرفراز' پتوکی

بُشریٰ محمود

مدیحہ نورین مہک، کی ڈائری میں تحریر

خمار بارہ بنکوی کی غزل

وہ ہم میں یوں سمائیں، ہم ان میں یوں سمائیں
وہ ہم کو بھول جائیں ہم ان کو بھول جائیں

جاتی ہیں آسمان تک فرقت کی شب دعائیں
آگے مرا مقدر وہ آئیں یا نہ آئیں

کیوں ان وفا پرستوں پر جاں نہ دیں جفائیں
کھا کھا کے دل پہ چوٹیں جو مسکرائے جائیں

واقف ہیں خوب واقف اے بدظنی محبت
میں نے تڑپ تڑپ کر دی ہیں تجھے دعائیں

انگڑائیاں نہ لے یوں او سو کے اٹھنے والے
ان مست انکھڑیوں کے ساغر چھلک نہ جائیں

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

ارشد ملک کی نظم

کہا تھا یاد ہے تم نے
کہ میں ہوں چاند
اور تم چاندنی میری
مگر جب چاند چھپ جائے
کہو پھر چاندنی کیسی
کہا تھا یاد ہے تم نے
کہ میں ہوں پھول
اور تم پھول کی خوشبو
مگر جب پھول مرجھائے
کہو خوشبو بھلا کیسی
کہا تھا یاد ہے تم نے
کہ میں ہوں دل
تم ہو دھڑکن
مگر دل ٹوٹ جائے تو
کہو پھر دھڑکنیں کیسی
کہا تھا یاد ہے تم نے
کہ میں ہوں آس
اور تم زندگی میری
مگر جب آس ٹوٹے تو
کہو پھر زندگی کیسی

زبیدہ، کی ڈائری میں تحریر

امجد اسلام امجد کی غزل

کسی ترنگ کسی سرخوشی میں رہتا تھا
یہ کل کی بات ہے، دل زندگی میں رہتا تھا

کہ جیسے چاند کے چہرے پہ آفتاب کی لو
کھلا کہ میں بھی کسی روشنی میں رہتا تھا

سرشت آدم خاکی، ذرا نہیں بدلی
فلک پہ پہنچا مگر، غار ہی میں رہتا تھا

کہا یہ کس نے کہ رہتا تھا میں زمانے میں
ہجوم درد، غم بے کسی میں رہتا تھا

کلام کرتا تھا قوس قزح کے رنگوں میں
وہ اک خیال تھا اور شاعری میں رہتا تھا

گلوں پہ ڈولتا پھرتا تھا اوس کی صورت
صدا کی لہر تھا اور نغمگی میں رہتا تھا

نہیں تھی حسنِ نظر کی بھی کچھ اسے پروا
وہ ایک ایسی عجب دلکشی میں رہتا تھا

یاسمین ملک، کی ڈائری میں تحریر

جگر مراد آبادی کی غزل

طبیعت ان دنوں بیگانۂ غم ہوتی جاتی ہے
مرے حصے کی گویا ہر خوشی کم ہوتی جاتی ہے

قیامت کیا یہ، اے حسنِ دو عالم! ہوتی جاتی ہے
کہ محفل تو وہی ہے دلکشی کم ہوتی جاتی ہے

وہی میخانہ و صہبا، وہی ساغر، وہی شیشہ
مگر آوازِ نوشا نوش مدھم ہوتی جاتی ہے

وہی ہے شاہد و ساقی مگر دل بجھتا جاتا ہے
وہ ہے شمع لیکن روشنی کم ہوتی جاتی ہے

وہ ہے زندگی لیکن جگر یہ حال ہے اپنا
کہ جیسے زندگی سے زندگی کم ہوتی جاتی ہے

کرن سرمد، کی ڈائری میں تحریر

شان الحق حقی کی غزل

تم سے الفت کے تقاضے نہ نباہے جاتے
ورنہ ہم کو بھی تمنا تھی کہ چاہے جاتے

دل کے ماروں کا نہ کر غم کہ یہ اندوہ نصیب
درد بھی دل میں نہ ہوتا تو کراہے جاتے

کاش اے ابرِ بہاری ترے بہکے سے قدم
میری امید کے صحرا میں بھی گاہے جاتے

ہم بھی کیوں دہر کی رفتار سے ہوتے پامال
ہم بھی ہر لغزشِ مستی کو سراہے جاتے

ہے ترے فتنۂ رفتار کا شہرہ کیا کیا
گرچہ دیکھا نہ کسی نے نہ سراہے جاتے

کم نگاہی کی ہمیں خود بھی کہاں تھی توفیق
کم نگاہی کے لیے عذر نہ چاہے جاتے

لذتِ درد سے آسودہ کہاں دل والے
ہیں فقط درد کی حسرت میں کراہے جاتے

دی نہ مہلت ہمیں ہستی نے وفا کی ورنہ
اور کچھ دن غمِ ہستی سے نباہے جاتے

صبا خان، کی ڈائری میں تحریر

طارق بدایونی کی غزل

اک نہ اک شمع اندھیرے میں جلائے رکھیے
صبح ہونے کو ہے، ماحول بنائے رکھیے

جن کے ہاتھوں سے ہمیں زخمِ نہاں پہنچے ہیں
وہ بھی کہتے ہیں کہ زخموں کو چھپائے رکھیے

کون جانے کہ وہ کس راہ گزر سے گزرے
ہر گزرگاہ کو پھولوں سے سجائے رکھیے

دامنِ یار کی زینت نہ بنے ہر آنسو
اپنی پلکوں کے لیے کچھ تو بچائے رکھیے

شفق راجپوت ـــــ گوجرہ

تقدیر نے، فلک نے، محبت نے، عشق نے
جس نے بھی چاہا میرا تماشا بنا دیا

فوزیہ ثمر بٹ ـــــ گجرات

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں
کبھی ہو یوں بھی کہ وہ آئے اور ہم نہ ملیں
کبھی تو اہل جفا کا بھی حوصلہ دیکھیں

گڑیا شاہ ـــــ کہروڑ پکا

ہمارا تذکرہ چھوڑو، ہم ایسے لوگ ہیں جن کو
محبت کچھ نہیں کہتی وفائیں مار دیتی ہیں

حورین زینب ـــــ کہروڑ پکا

ایک وہم ہے یہ دنیا اس میں
کچھ کھوؤ تو کیا اور پاؤ تو کیا
ہے یوں بھی زیاں اور یوں بھی زیاں
جی جاؤ تو کیا، مر جاؤ تو کیا

بریرہ اکرام ـــــ کراچی

لوگ یاد آتے ہیں بارشوں کے موسم میں
درد مسکراتے ہیں بارشوں کے موسم میں
زیر آب آگئی ہیں بستیاں دل و جاں کی
بند ٹوٹ جاتے ہیں بارشوں کے موسم میں

قرأت اکرام ـــــ کراچی

بارش کی رم جھم میں جدائیوں کا موسم ہے
منتظر نگاہوں میں پانیوں کا موسم ہے
خواب بن کر نگاہوں میں کوئی نہیں آئے گا
ان جزیروں میں اب رتجگوں کا موسم ہے

مدیحہ نورین مہک ـــــ برنالی

ابھی تو ساتھ چلنا ہے سمندر کی مسافت تک
کنارے پر ہی دیکھیں گے کنارہ کون کرتا ہے

فرمین ظفر ـــــ کراچی

کاش کوئی ایسا ہو جو گلے لگ کر کہے کہ
پاگل تیرے درد سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے

بینا ظفر ـــــ کراچی

مجھے بھی پتا تھا کہ بدل جاتے ہیں لوگ
مگر تمہیں کبھی میں ان لوگوں میں گنتا ہی نہیں

ثروت راشد ـــــ کراچی

کبھی ہونٹوں پہ انگلیاں کبھی یوں سرگوشیاں
اُف ان کا انداز حق جتانا بہت جان لیوا ہے

شاہدہ ظفر ـــــ کراچی

میرے سجدوں کے تسلسل کو تو کیا جانے میرے ہمدم
سر جھکے تیری خوشی مانگی ہاتھ اٹھے تیری زندگی مانگی

سیدہ نسبت زہرا ـــــ کہروڑ پکا

تینوں میرے ہمدم ہیں
خواہش نا تمام، رات اور اداسی
آج پھر تیرے نام کی
شام، رات اور اداسی

صائمہ جیمی ـــــ کراچی

اک دل کا کہا مانو، اک کام کر دو
اک بے نام سی محبت میرے نام کر دو
میری ذات پہ فقط اتنا احسان کر دو
کسی صبح ملو اور شام کر دو

آسیہ جاوید ـــــ علی پور چٹھہ

باہر تو ہر اک سمت تھا ہنگامہ محشر
سناٹے کا پہرہ تو فقط دل پہ لگا تھا

بیا اسامہ انجم ـــــ فیصل آباد

دو دن کی زندگی ہے کیا کرو گے الجھ کر
رہو تو پھولوں کی مانند بکھرو تو خوشبو بن کر

ثمرہ، اقرا ___ کراچی

خالی ہاتھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
کس طرح لوگ لکیروں سے نکل جاتے ہیں

اقصیٰ ناصر ___ کراچی

موسم کی مثال دوں یا تمہاری
کوئی پوچھ بیٹھا ہے بدلنا کس کو کہتے ہیں

روبی ___ کراچی

اک لفظ وفا سنا تھا
ڈھونڈا بہت، ملا ہی نہیں

عنزا ناصر ___ کراچی

کبھی حیات کی ضامن کبھی وصیلہ موت
نگاہ یار! تیرا بھی کوئی اعتبار نہیں

یاسمین ملک ___ کراچی

اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی
ہم نے قتیل اس کو مکرنے نہیں دیا

رضوانہ شکیل داؤ ___ لودھراں

تسلسل اس کی یادوں کا ہوا ہے ایسے یوں جیسے
کسی جوگی کا ستر ہو کسی روگی کی آہیں ہوں

ندا، فضہ ___ فیصل آباد

تمہارے ہی ہاتھ میں ہے نبض سکون شاید
قرار دیتے بھی ہو تو ایسے، جیسے ادھار دیتے ہو

عائشہ ___ بہاولپور

سنو تم خواب ہو میرا
سنو تم خواب نہ ہونا
کبھی میں خواب تھا تیرا
جو تم نے خواب کر ڈالا

مدیحہ فہمید ___ کراچی

ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے
بتوں نے کی ہیں جہاں میں خدائیاں کیا کیا

صائمہ جبی ___ کراچی

چلتی ہیں دل کے شہر میں، یونہی حکومتیں
جو اس نے کہہ دیا، وہی دستور ہو گیا

نمل تاج، ثمینہ تاج ___ کراچی

وہ بھی رہا بیگانہ، ہم نے بھی نہ پہچانا
ہاں، اے دل دیوانہ اپنا ہو تو ایسا ہو

حمیرہ قریشی ___ لاہور

مدتوں بعد مجھ کو پھر تیرا خیال آیا
تیرے نہ ملنے کا سمٹ مجھ میں ملال آیا
تاریک شب میں تنہا جھیلا دکھوں کو
امڈ مجھ پر تیری یادوں کا وبال آیا

سمی ظفر ___ کراچی

بارشوں کے موسم میں بارشیں تو ہوتی ہیں
دل میں بھیگ جانے کی خواہشیں تو ہوتی ہیں
وصل کے اجالوں میں اوڑھنی میں چھپ کر بھی
ہجر کے اندھیروں کی وحشتیں تو ہوتی ہیں

سعدیہ عرفان ___ کراچی

فقط باتیں اندھیروں کی، فقط قصے اجالوں کے
چراغ آرزو لے کر، نہ تم نکلے، نہ ہم نکلے

صبا، ادیبہ ___ کراچی

سکھا دی بے وفائی بھی، تمہیں ظالم زمانے نے
کہ تم جو سیکھ لیتے ہو، ہم ہی پہ آزماتے ہو

افشاں ___ کراچی

ہم بھی ہیں کیا عجیب کہ کڑی دھوپ کے تلے
صحرا خرید لاتے ہیں برسات بیچ کر

صدف عمران ___ کے ڈی اے

حق ہمسائگی یوں بھی تو ادا ہوتا ہے
دھوپ بھی روک لی دیوار کو اونچا کر کے

نادیہ ___ گجرات

جل جاؤ خوشی سے کڑی دھوپ میں لیکن
اپنوں سے کبھی سایۂ دیوار نہ مانگو

نازش ریحان ___ کراچی

مجھ سے مت پوچھ کہ احساس کی حدت کیا ہے
دھوپ ایسی تھی کہ سائے کو بھی جلتے دیکھا

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

ولایتی تکے

اشیاء :

گوشت	ایک کلو
کالی مرچیں	پسی ہوئی ایک چمچہ
ادرک	پسا ہوا ایک چمچہ
لہسن	پسا ہوا ایک چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	حسب ضرورت

ترکیب :

گوشت کو اچھی طرح سے دھولیں، پھر اس کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کرلیں، اب اس میں ادرک، لہسن، نمک اور کالی مرچیں ڈال کر اچھی طرح ملالیں اور دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

اب آگ جلائیں اور اس پر جالی رکھ کر بوٹیاں جالی پر رکھ کر سینک کر پختہ کریں۔ اس دوران میں ان پر تھوڑا تھوڑا آئل ٹپکاتے رہیں۔ اس طرح گوشت جلد گلتا ہے اور اس کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے۔

شیش کباب

اشیاء :

ران کا گوشت	آدھا کلو
لیموں	ایک عدد
سرکہ	دو چمچے
گرم مسالا	ایک چمچہ پسا ہوا
ٹماٹر	ایک عدد
آئل	150 گرام
نمک، مرچ	حسب ذائقہ
پپیتا	ایک انچ کا ٹکڑا

ترکیب :

گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ایک انچ کے کرلیں۔ سرکہ میں لیموں کا رس اور سب مسالے ملا دیں۔ اب گوشت شامل کرکے اچھی طرح مکس کریں اور ریفریجریٹر میں دو، تین گھنٹے رکھ دیں۔ پیاز اور ٹماٹر گول گول کاٹ لیں۔ اب ایک گوشت کا ٹکڑا، ایک پیاز کا، ایک ٹماٹر اور پھر ایک گوشت کا ٹکڑا سیخوں میں پرو کر کوئلوں پر اچھی طرح سینک لیں، ساس کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کڑاہی قیمہ

اشیاء :

کٹا ہوا قیمہ	1/2 کلو
ٹماٹر	ایک پاؤ
ہری مرچ	آٹھ، دس عدد
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	دو عدد سلائس کاٹ لیں
سرخ مرچ	دو چائے کے چمچے
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ

گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
آئل	3/4 کپ
ہرا دھنیا اور ہری مرچ	گارنش کے لیے

ترکیب :

پہلے آئل کو گرم کریں، پیاز کو ٹرانسپیرنٹ فرائی کرلیں۔ اب قیمہ ڈال کر نمک اور ادرک، لہسن ڈال کر تھوڑا سا بھونیں اور ایک کپ پانی ڈال دیں اور جب قیمہ نیم گل جائے پھر کٹے ہوئے ٹماٹر اور ہری مرچ ڈال دیں اور اس وقت تک بھونیں جب آئل اوپر آجائیں آخر میں گرم مسالا اور ہرا مسالا شامل کردیں۔ گرما گرم سرو کریں۔

کھجور رولز

اشیاء :

کھجور	100 گرام (گٹھلیاں نکلی ہوئیں)
سادہ کیک	150 گرام
سادہ بسکٹ	150 گرام (خوب مسلا ہوا)
تل	100 گرام
دار چینی	آدھا چائے کا چمچہ (پسی ہوئی)
کوکو پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
کشمش	حسب ضرورت
بٹر پیپر	حسب ضرورت
آئل	حسب ضرورت

ترکیب :

کھجوریں، سادہ کیک، بسکٹ، دار چینی، کوکو پاؤڈر اور تھوڑا سا آئل ملا کر گوندھ لیں۔ اب اس میں کشمش بھی ملا دیں اور گوندھتے ہوئے اس آمیزے کو رول کی شکل دے دیں۔ ایک ٹرے میں تل پھیلا کر اس رول کو گھمائیں تاکہ تل اس پر لگ جائیں۔ اب اس کھجور رول کو بٹر پیپر میں لپیٹ کر فریزر میں رکھ دیں، جب ٹھنڈا ہو کر سخت ہو جائے تو بٹر پیپر سے نکال کر اس کے ٹکڑے کاٹ لیں اور نوش جان کریں۔

سکھند

اشیاء :

دہی	چار کپ
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
خشک دودھ	آدھا کپ
شکر	ایک کپ
گھی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

دہی کو ململ کے کپڑے میں ڈال کر لٹکا دیں۔ جب دہی سے پانی نکل جائے تو تمام اجزا کو یکجا کر کے اچھی طرح پھینٹ لیں اور کیک پین کو گھی لگا کر چکنا کرنے کے بعد یہ آمیزہ اس میں پلٹ دیں۔ دو سے تین گھنٹے تک یخ ٹھنڈا کرنے کے بعد نوش کریں۔

حسن و صحت

ادارہ

بلش آن

بلشر یا بلش آن آپ کے چہرے کا تاثر ایک دم بدل ڈالتا ہے۔ آپ تھکی ہوئی ہوں اور چہرے پر تر و تازگی کا تاثر لانا چاہیں تو اس معاملے میں بلشر سے زیادہ کوئی آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب کون سا اور کیسا بلشر لگایا جائے کہ آپ کا چہرہ ایک دم کھل اٹھے۔۔۔ کیونکہ اگر آپ ان میں سے انتخاب کرنا چاہیں تو بلشرز کی لاتعداد ورائٹی موجود ہے، جو آپ کو کنفیوژ کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہاں آپ کے لیے اس بارے میں کچھ تجاویز پیش کی جا رہی ہیں کہ مختلف بلشرز اور برونزرز میں سے کون سے بطور خاص آپ کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بلشر لگانے کی کچھ آسان ٹپس بھی آپ کے لیے پیش کی جا رہی ہیں، تاکہ آپ اپنے رخساروں کو گل انار بنا سکیں اور حسن کرشمہ ساز کا راز جان سکیں۔

سرخ اور گلابی

جب بھی بلشر کے ریڈ یا پنک شیڈز لگانے کا سوال آئے تو یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ آپ کی جلد پتلی ہے یا قدرے موٹی اور اس کا ٹائپ کیسا ہے، یعنی یہ خشک ہے۔ چکنی یا پھر ملی جلی۔ تاہم ریڈ اور پنک کے سوفٹ سے لے کر ڈیپ شیڈز میں سے میٹ کلرز اچھے رہتے ہیں۔ فاؤنڈیشن لگانے سے پہلے تھوڑا سا کریمی بلشر لے کر رخساروں پر لگالیں۔ اس سے آپ کے چہرے پر تازگی اور چمک آجائے گی۔ لیکن جب آخر میں مین بلشر لگانے کا وقت آئے تو رخساروں کے ابھاروں پر پاوڈر ریڈ بلشر لگائیں۔

پیچ، اورنج اور کورل

جب بھی ان تینوں رنگوں میں سے بلشر کا انتخاب کرنا چاہیں تو انہیں لگاتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ رخساروں کے ابھار کے عین اوپر قدرے گہرے اسٹروکس میں یہ شیڈز لگائیں۔ یہ تینوں رنگ آپ کی شخصیت میں گرم جوشی کا سا تاثر پیدا کرنے کے ساتھ تازگی بھی بخشتے ہیں۔ اگر آپ ڈیپ اورنج بلشر لگانا چاہیں تو اس کے ساتھ برونزر بھی استعمال

کریں تاکہ آپ کا میک اپ پرفیکٹ دکھائی دے۔

براؤن اور ڈارک گرے

اس قسم کے گہرے بلشر استعمال کرنا چاہیں تو زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ انہیں رخساروں کے ابھار سے نیچے لگائیں۔ اس سے آپ کا چہرہ ہلکا اور پتلا دکھائی دے گا۔ ان ڈارک شیڈز کو مہارت کے ساتھ اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کی مدد سے آپ کا چہرہ پتلا اور نقوش تیکھے نظر آئیں۔

برونزرز

یہ خواتین میں بہت زیادہ مقبول ہیں کیونکہ ان کے استعمال سے چہرے پر ایک سادہ اور فطری سی چمک آجاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے رخساروں کے ابھار کے عین اوپر برونزر پھیلا کر لگائیں۔ اس کے علاوہ پیشانی، ناک کے درمیان اور ٹھوڑی پر بھی لگائیں۔ جن خواتین کی رنگت گلابی یا سرخی مائل ہوا انہیں سرخی مائل برونزر لگانا چاہیے۔ تاہم پیلے شیڈ پر مشتمل برونزر سب ہی خواتین پر سوٹ کرتا ہے۔

ہائی لائٹرز

یہ آپ کے چہرے کو ایک دم جگمگا سا دیتا ہے۔ ہائی لائٹر کا مہارت کے ساتھ کیا گیا استعمال چہرے پر تازگی لانے کے ساتھ کم سنی کا تاثر بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی کا چہرہ قدرے لمبا ہو تو ہائی لائٹر کی مدد سے اسے متوازن لک دی جاسکتی ہے۔ اپنی رنگت سے ایک یا دو شیڈز ہلکا ہائی لائٹر منتخب کریں اور اس کی مدد سے چہرے کے مطلوبہ حصوں کو ہائی لائٹ کریں۔ آپ کا چہرہ چمک اٹھے گا۔

پاؤڈر یا کریمی بلشر؟

بلشرز کا استعمال کرتے وقت یہ مسئلہ بھی غور طلب ہوتا ہے کہ پاؤڈر بلشر استعمال کریں یا کریمی؟ اور یہ کہ کون سا بلشر آپ کو سوٹ کرے گا۔ لہٰذا ان دونوں کے بارے میں ایک مختصر سا جائزہ آپ کے لیے پیش ہے تاکہ آپ اپنے لیے موزوں بلش کا انتخاب کرسکیں۔

پاؤڈر

بلشر کی یہ قسم ان خواتین کے لیے موزوں ہوتی ہے جن کی جلد چکنی ہو۔ کریمی بلشر میں موجود آئل ان کے چہرے پر دانے وغیرہ نکلنے کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے چکنی جلد کی حامل خواتین کے لیے پاؤڈر بلشر ہی مناسب رہتا ہے۔ جب بھی پاؤڈر بلشر لگائیں تو برش پر بلشر لگانے کے بعد اسے ہلکے سے جھٹک دیں تاکہ اس پر سے اضافی پاؤڈر جھڑ جائے۔ پھر اسے ہیئر لائن کی جانب سے لگاتے ہوئے رخساروں کی جانب لائیں۔ اس طریقے سے بلشر کی ایک یکساں تہ آپ کے رخساروں کو چمکا دے گی۔

کریمی

کریمی بلشر لگانا نسبتاً" آسان ہوتا ہے اور یہ آپ کی جلد میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ بلینڈ ہوجاتا ہے۔ اس سے نہ صرف آپ کی اسکن موئسچرائز ہوجاتی ہے بلکہ آپ کے چہرے پر تازگی کی جھلک بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر آپ کی جلد نارمل یا خشک ہے تو آپ کے لیے کریمی بلشر سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہ گرمیوں کے موسم میں بھی آپ کی جلد پر تادیر قائم رہتا ہے۔ کچھ بلشرز جیل کی شکل میں بھی ملتے ہیں جنہیں آئلی اسکن والی خواتین بھی استعمال کرسکتی ہیں۔ ان کے کلرز دیر تک ماند نہیں پڑتے اور یہ آپ کی جلد میں بہت اچھی طرح بلینڈ ہوجاتے ہیں۔

☆ ☆

روبینہ شریف

رحم دل

بیٹا باپ سے۔۔۔ "ابو جب امی گاتی ہیں تو اپنی آنکھیں بند کیوں کر لیتی ہیں؟"
باپ۔۔۔! "بیٹا تمہاری امی بہت رحم دل ہیں۔"
بیٹا۔۔۔! "وہ کیسے۔۔۔؟"
باپ۔۔۔! "ان کی آواز سننے سے دوسروں کو جو صدمہ ہوتا ہے وہ یہ دیکھ نہیں سکتی۔"

مومل آفتاب۔۔۔ کراچی

بے بسی

ایک صاحب اپنے دوست سے اپنے بیٹے کی شکایت کر رہے تھے۔
"برخوردار نے جب سے یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہے پڑھائی کی طرف دھیان دینے کی بجائے لڑکیوں کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔ لان میں لڑکیوں کے ساتھ' لائبریری میں لڑکیوں کے ساتھ' کینٹین میں لڑکیوں کے ساتھ' حتی کہ یونیورسٹی سے باہر بھی لڑکیوں کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ یونیورسٹیوں میں یہی کچھ ہوتا ہے تو اسے دکان پر بٹھا دیتا اور خود یونیورسٹی میں داخلہ لے لیتا۔"

ثمینہ اعجاز۔۔۔ خان پور

بے خبری

بیوی اپنے شوہر سے۔۔۔ "تم تو کہتے تھے کہ شادی کے بعد بھی مجھے بہت پیار کرو گے۔"
شوہر۔۔۔! "تو مجھے کیا پتا تھا کہ تمہاری شادی مجھ سے ہی ہو جائے گی۔"

قرۃ العین عمران۔۔۔ اسلام آباد

حفاظت

بیوی شوہر سے۔۔۔ "کیا میں کبھی تمہارے خواب میں آئی ہوں؟"
شوہر۔۔۔! "کبھی نہیں۔"
بیوی۔۔۔! "کیوں؟"
شوہر۔۔۔ "کیونکہ میں آیتہ الکرسی پڑھ کر سوتا ہوں۔"

بینش خان۔۔۔ اٹک

شامت اعمال

ڈاکٹر۔۔۔! "آپ کے تین دانت کیسے ٹوٹ گئے؟"
مریض۔۔۔! "جی وہ میری بیوی نے کڑک روٹی بنائی تھی۔"
ڈاکٹر۔۔۔! "تو کھانے سے انکار کر دیتے۔"
مریض۔۔۔! "جی وہ ہی تو کیا تھا۔۔۔"

نورین ظفر۔۔۔ راولپنڈی

سچائی

جج۔۔۔! "کیا ثبوت ہے کہ تم گاڑی اسپیڈ میں نہیں چلا رہے تھے؟"
مجرم۔۔۔! "سر میں اپنی بیوی کو لینے سسرال جا رہا تھا۔"
جج۔۔۔ "Thats all Case Dismissed"

حنا کرن۔۔۔ پتوکی

آزادی

کسی نے ایک شادی شدہ شخص سے پوچھا۔

"آپ شادی سے پہلے کیا کرتے تھے؟"
اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔۔۔ اور وہ بولا۔ "جو میرا دل کرتا تھا۔"

ثنا مراد۔۔۔ لاہور

اگر لڑکیاں نہ ہوتیں

ایک لڑکا اور لڑکی انٹرنیٹ پر چیٹنگ کر رہے تھے۔
لڑکی۔۔۔! "ایک بات پوچھوں؟"
لڑکا۔۔۔! "ہاں ضرور پوچھو۔"
لڑکی۔۔۔! "ہم لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم لڑکے کہاں جاتے؟"
لڑکا۔۔۔ "اللہ دی قسمیں ڈائریکٹ جنت وچ۔۔۔"

انیلا۔۔۔ پھول نگر

حقیقت

لڑکی اپنے نابینا عاشق سے "کاش تمہاری آنکھیں ہوتیں تو تم میرے حسن کو دیکھتے۔"
لڑکا۔۔۔! "اگر تم خوب صورت ہوتیں تو کیا آنکھوں والے تمہیں میرے لیے چھوڑتے 'اندھا ہوں' پاگل نہیں ہوں۔"

فرح اسلم۔۔۔ کراچی

حاضر دماغی

اٹلی کے ایک قصبے کا حجام نہایت مغرور اور ضدی طبیعت کا مالک تھا۔ ایک دن گاہک نے بتایا کہ وہ چھٹیوں میں روم جا رہا ہے اور وہ پوپ سے بھی ملنے کی کوشش کرے گا۔ حجام نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔
"تم اور پوپ سے ملوگے؟ مجھے تو یہ سوچ کر ہنسی آرہی ہے، پوپ تو بادشاہوں سے ملتا ہے۔ وہ تم سے کیوں کر ملے گا؟"
گاہک یہ سن کر خاموش رہا۔ ایک ماہ بعد وہی گاہک دوبارہ بال بنوانے حجام کے پاس پہنچا۔ حجام نے اس سے پوچھا کہ
"تمہیں روم کیسا لگا؟"
"بہت مزا آیا اور میں پوپ سے بھی ملا۔" جواب ملا۔
حجام نے حجت کرتے ہوئے کہا۔
"اچھا تو تم نے مرکزی چوک پر کھڑے ہوکر دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے دیکھا ہوگا؟"
"ہاں! لیکن دو گارڈ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ "پوپ تم سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ پوپ کے نجی کمرے میں لے گئے۔"
"واقعی! پوپ نے تم سے کیا کہا؟" حجام نے حیرانگی کے عالم میں دریافت کیا۔
گاہک اطمینان سے جواباً بولا۔
"پوپ نے مجھ سے سوال کیا کہ تمہارے بالوں کی اتنی گھٹیا کٹائی کس نے کی ہے؟"

فرح بشیر۔۔۔ بھائی پھیرو

جواب

ڈاکٹر نے مریض کی بیوی کو تھوڑا الگ کر کے کہا۔
"آپ کے شوہر ٹھیک ہو سکتے۔ بشرطیکہ آپ انہیں کوئی ٹینشن نہ دیں، ان کا خیال رکھیں اور ان کی دل و جان سے خدمت کریں۔"
بیوی واپس آئی تو مریض شوہر نے پوچھا۔
"ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟"
بیوی نے بے زاری سے کہا۔
"ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔"

طاہرہ ملک۔۔۔ جلالپور پیروالا

لاعلمی

ایک صاحب اپنی بیوی کے بارے میں اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔
"شادی سے پہلے مجھے معلوم تھا کہ اس کے باپ نے اسے اسکول کا منہ نہیں دیکھنے دیا۔۔۔ مگر مجھے یہ شادی کے بعد ہی پتا چلا۔۔۔ کہ اس کی ماں نے کبھی باورچی خانے کا منہ بھی دیکھنے نہیں دیا۔"

ارم۔۔۔ کراچی

✡ ✡

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

شاہین نزہت..... کراچی

س اے زلفی! یہ تو بتاؤ عاشق اور الو میں کیا فرق ہے؟

ج سچ تو یہ ہے کوئی فرق نہیں، بس فرق اتنا ہے الو درخت پر رات بھر جاگتا ہے اور عاشق کو درخت بھی میسر نہیں۔

غزالہ خان..... شور کوٹ

س آج کل کے تہذیب یافتہ دور میں ہم لوگوں کو کتنی آزادی ملنی چاہیے؟

ج جتنی ملی ہوئی ہے، وہ کیا آپ کے لیے ناکافی ہے۔

عائشہ خاتون..... کراچی

س پہلے آغا خان میڈیکل کالج پھر بلدیہ کا گرلز کالج۔ جب اتنے ڈاکٹر۔ تو ہم کہاں جائیں گے؟

ج ڈاکٹروں کے پاس۔

ذکیہ میمن..... تھرپارکر

س آج کل کے لڑکے خود کو شہزادہ گلفام کیوں سمجھتے ہیں؟

ج یہ شہزادہ گلفام کون ہے، ہماری گلی میں تو نہیں رہتا۔

گل یاسمین آرزو..... حیدر آباد

س زبان کا گھاؤ تیز ہوتا ہے یا نظر کا؟

ج یہ تو گھاؤ کھانے والے کی ہمت پر منحصر ہے۔

عدیلہ الیاس..... گوجرانوالہ

س انکل! اگر خدا گنجے کو ناخن دے دے تو؟

ج کیا سر پر بھی؟

نصرت..... مردان

س نین بھیا! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو کبھی الٹا کھڑا دیکھوں حقیقت میں؟

ج آجاؤ کسی دن۔

عظمیٰ عزیز خان..... لاہور کینٹ

س نین بھیا! چلتی کا نام گاڑی ہے، بڑھتی کا نام داڑھی اور گھٹتی کا نام کیا ہے؟

ج آج کل ساڑھی ہے۔

چودھری رومانہ بشیر، چودھری ثمرین بشیر..... نامعلوم

س حسن کو چاند، جوانی کو غزل تو بڑھاپے کو کیا کہتے ہیں؟

ج آزاد نظم۔

چاند سلطانہ عروج..... کراچی

س نین جی! اگر آنکھوں سے آنکھیں ملیں تو چار ہو جاتی ہیں لیکن اگر آنکھوں میں لینس لگے ہوں تو؟

ج پھر دو چار بلکہ لاچار ہو جاتی ہیں۔

اس ماہ کا خط

رضوانہ ملک..... جلالپور پیروالا

کرن خوب صورت ٹائٹل سے سجا 13 تاریخ کو ملا۔ کرن کے سارے سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے "عید اسپیشل" میں شیفت راحت کو کافی دلچسپی سے پڑھا لیکن انہوں نے کوئی ریسپی نہیں بتائی۔ حمزہ علی عباسی اور فارس شفیع دونوں سے ملاقات اچھی رہی "مقابل ہے آئینہ" میں سدرہ یوسف کو دیکھ کر اچھا لگا اور ان کے جوابات پسند آئے۔

"راپنزل" پہلی قسط سے ہی اچھا جا رہا ہے۔ بس شہرین جلدی سے ٹھیک ہو اور خوش رہنا شروع کردے۔ نینا کی اپنے باپ سے کیوں ناراضی چل رہی ہے وہ کیوں ان سے خفا سی رہتی ہے، سلیم تو نینا کو پسند کرنے لگا ہے لیکن نینا نے تو انکار کر دیا ہے اب دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔

فرحین اظفر کا ناول "ردائے وفا" بڑی دلچسپی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ حسیب بے چارا ہاسپٹل میں ہے اور اس کی فیملی کو ابھی تک پتا نہیں چل سکا اس کے بارے میں اور نائلہ دن بہ دن اپنے شوہر کی نظروں سے گرتی جا رہی ہے۔ معراج ابھی تو اچھا ہے عفت کے ساتھ اللہ کرے آگے بھی یونہی رہے۔

"میں گمان نہیں یقین ہوں" میں زیان کو ایبک کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور لگتا ہے ایبک کو جلد ہی پتا چل جائے گا کہ زیان کو کوئی جن نہیں چمٹا بلکہ وہ ایکٹنگ کر رہی ہے اور رزم کو تو پتا چل گیا ہے کہ اس کا باپ زندہ ہے اسے واپس چلے جانا چاہیے تھا۔

"شاید" میں سالار کو ام ہانی سے کس طرح کا پیار ہے کہ اسے اپنے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا، سالار ام ہانی کو کیوں جھکانا چاہتا ہے۔ سلمیٰ فقیر حسن کا ناول "پھر نہ کہنا" بہت ہی زبردست تھا اس ناول نے بہت ہنسایا ہے جاسوں کا ہاشم علی کو بے وقوف بنانا اور ایک جھوٹ چھپانے کی خاطر اور جھوٹ بولنا اور اینڈ میں ہاشم کا زچ ہو جانا مزا آگیا اس ناول کو پڑھ کر۔ ڈیئر سلمیٰ جی آپ اس طرح کے ناول لکھتی رہیے گا۔ نایاب جیلانی کا ناول بھی بہت اچھا تھا اس میں ان کا سات منزلہ مکان اور ساتوں بھائیوں کا آپس میں پیار اچھا لگا مجر اور فاتح کی جوڑی سیٹ تھی مبین کو مجر کے حق پہ ڈاکہ نہیں ڈالنا چاہیے تھا جبکہ اسے پتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور ان کا آپس میں رشتہ بھی ہو گیا ہے لیکن مبین کی ساری کوششوں کے باوجود بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور فاتح نے مبین کے لیے اچھی سزا تجویز کی تھی کچھ نہ جتا کر۔

"اب نیند ہوئی پرائی" بھی بیسٹ ناول تھا جمشید صاحب کی وش بھی پوری ہو گئی کہ ان کی پوری فیملی سدھر گئی اور زینا کی بھی وش پوری ہو گئی شہزادے سے شادی کرنے کی۔

نادیہ احمد کا افسانہ بھی اچھا تھا اس میں حسن کا رویہ غلط تھا کہ اس نے اپنی پہلی بیوی کا بدلہ دوسری سے لیا لیکن ماہا نے اچھا فیصلہ کیا کہ وہ اپنے شوہر کے پاس پلٹ گئی اور رامس کو ماں اور باپ دونوں کا پیار ملا۔ "بس ایک حرف" بھی اچھا افسانہ تھا اور سحرش فاطمہ کا "رواجوں کے قیدی" بھی اچھا تھا۔ "کچھ موتی چنے ہیں" میں صدف سمیع اور انیلا کرن کا اقتباس پسند آیا نمرا، اقرا اور تحریم کے شعر پسند آئے اور کرن کتاب گوشت کے پکوان میں ساری ڈشز لاجواب تھیں۔

10 اکتوبر کو میری سسٹر طاہرہ ملک کی سالگرہ ہے۔ سو ہیپی برتھ ڈے ٹو طاہرہ۔

ج: پیاری رضوانہ! کرن پسند کرنے کا شکریہ۔ آپ کا تبصرہ مختصر اور جامع ہے۔ آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے۔ تبصرے کی غیر ضروری طوالت بعض اوقات تبصرے کے حسن کو ختم کر دیتی ہے اور اصل مقصد سے دور کر دیتی ہے لہٰذا بہنوں سے گزارش ہے کہ غیر ضروری طوالت کی بجائے مختصر اور جامع تبصرے تحریر کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ قاری بہنوں کے خطوط شامل کیے جائیں۔

ستارہ آمین کومل ..... پیر محل

ستمبر کا کرن جلدی مل گیا۔ ماڈل بہت بھلی لگی۔ حمد و نعت سے دل و دماغ منور کرتے' شیف راحت سے ملاقات اچھی لگی' کمال خاتون ہیں۔ حمزہ علی عباسی سے ہائے ہیلو خوب رہی۔ سدرہ یوسف ویری نائس۔ "راپنزل" حسب معمول زبردست ہے۔ نایاب جیلانی نے "شہ مات" کے ساتھ بہت انجوائے کروایا "میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ جی شاباش "پھر نہ کہنا" سلمیٰ فقیر حسین کے ساتھ بہت مزا آیا۔ مقدس مشعل نے وہی روایتی کہانی لکھی۔ "شاید" فائزہ جی تسی گریٹ ہو۔ نادیہ اور سحرش نے بھی اچھا لکھا۔ اب جاتے جاتے اک اچھی خبر ہماری مستقل تبصرہ نگار محترمہ امبر گل اکتوبر کے پہلے ہفتے پیا دیس سدھار رہی ہیں ان کے لیے بہت بہت مبارک باد ڈھیر ساری دعا کریں آپ سب۔ اللہ پاک اسے شاد و آباد رکھیں۔

ج: کومل! کرن پسند کرنے کا شکریہ۔ ہماری طرف سے امبر گل کو بہت بہت مبارک ہو۔

ماریہ طفیل ..... تلمبہ تحصیل' میاں چنوں ضلع خانیوال

ستمبر کے شمارے میں اپنا خط شائع دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور یہ بھی بہت اچھا لگا کہ آپ کو میرا کرن میں شرکت کرنا اچھا لگا۔ اس دفعہ کرن کا ٹائٹل اچھا تھا "میں گمان نہیں یقین" میں نیناں (رنم) کا کردار بالکل بھی اچھا نہیں لگا اور زیان ناٹک کر رہی ہے یا سچ میں اس کو کچھ ہے۔ فائزہ افتخار کا ناولٹ "شاید" بہت اچھا تھا۔ ام ہانی کو سالار سے ہی ملانا کیونکہ سعد ابھی بہت چھوٹا ہے نایاب جیلانی کا مکمل ناول "شہ مات" بہت پسند آیا اور ماہ مبین پر بہت غصہ آیا کیونکہ جو لوگ کسی کی خوشگوار زندگی میں زہر گھولتے ہیں ان کا انجام یہ ہی ہونا چاہیے۔

اور ایک سب سے اہم بات یہ کہ پلیز میرے شہر کا نام ضرور لکھیں میں نے جس کو بھی بتایا کہ میں نے کرن میں شرکت کی ہے وہ مانا نہیں پلیز میرے شہر کا نام ضرور لکھیں!

ج: پیاری بہن ماریہ! اب کی دفعہ آپ کے شہر کا نام لکھ دیا ہے۔ آپ کو جو بھی تحریر بھیجنی ہو اسی پتے پر بھیجیے جس پر خط بھیجا ہے۔

تحریم بخاری ..... مظفر گڑھ

ستمبر کا شمارہ ہاتھ میں ہے سوچ رہے ہیں کہاں سے شروع کریں کرن سے بچھڑے کچھ سال گزر گئے۔ وقت کا پتا نہیں چلتا کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے لیکن آج جب کرن ہاتھوں میں آیا تو خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ اب بات ہو جائے کرن کی تحریروں کے متعلق سب سے پہلے جن تحریروں کو پڑھا ان کا ذکر ہو جائے نادیہ احمد کی تحریر "بہت دیر سے ملا ہے" بہت اچھی اور منفرد تحریر ہے۔ شہریار کا افسوس رہا کیونکہ وہ اتنا عرصہ تہی داماں رہا۔

سحرش فاطمہ کا "رواجوں کے قیدی" اچھی تحریر تھی لیکن سوچتی ہوں کہ کیا آج کے دور میں بھی ایسی فرسودہ روایات زندہ ہیں۔

"نیند ہوئی پرائی" بہت ہی زیادہ اچھی لگی۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ صدف ریحان کی تحریر "بس اک حرف" حقیقت پر لگی۔ باقی تو پڑھنا باقی ہے فی الحال تبصرہ ختم کر رہی ہوں۔ ایک تو وقت کم ہے دوسرے تاریخ گزر گئی تو "نامے میرے نام" میں شامل نہ ہو سکوں گی ان شاء اللہ آئندہ ماہ تفصیلی تبصرہ ادھار رہا۔

ج: پیاری بہن تحریم! کرن سے اس قدر محبت کا شکریہ۔ آپ چار سال کے بعد کرن میں آئی ہیں۔ امید ہے کہ آپ اب غیر حاضر نہیں ہوں گی اور کرن کے لیے وقت نکال ہی لیں گی۔

عاصمہ ابراہیم ..... تلمبہ

ستمبر کا شمارہ خلاف توقع بہت جلد مل گیا تھا۔ ٹائٹل پسند آیا "میں گمان نہیں یقین ہوں" میں لگتا ہے زیان ڈرامہ کر رہی ہے۔ آگے معلوم نہیں حقیقت کیا ہے۔ ایک کتنا خوش تھا اپنی شادی پہ مگر افسوس زیان نے تو ایک الگ ہی صورت حال پیش کر دی۔ نبیلہ صاحبہ سے گزارش ہے اختتام اچھا کریں۔ نایاب جیلانی کا مکمل ناول بھی پسند آیا۔ مبین کتنی چالاک' اور خود غرض لڑکی تھی' اپنی خوشی کے لیے۔ کسی اور کی خوشی کا بالکل احساس نہیں تھا۔ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔ "ردائے وفا" بہت بور ہے۔ باقی ناولٹ' افسانے بھی اچھے تھے۔

ج: عاصمہ! آپ کی تحریر مل گئی ہے قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع کی جائے گی۔

سارہ علی ..... سوہاوہ گجر خان

"کرن" میرا موسٹ فیورٹ رسالہ ہے دس سال کی عمر

میں پڑھنا شروع کیا حالانکہ ہمارے لکھنے پڑھنے پہ پابندی ہے مگر رسالے میں چھپا کر پڑھتی ہوں خیر اس بار ناولز میں "گمان نہیں یقین ہوں" اچھی قسط تھی پڑھ کے مزہ آیا مگر مجھے لگتا ہے زیان خود جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے اس پر کوئی جن ون نہیں۔ آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

"راپنزل" میں کبھی مجھے لگتا ہے شیرین اور سمیع، سلیم اور نینا ہی ہیں مگر اپنے ہی خیال پہ مجھے کچھ شک سا ہے۔

"ردائے وفا" میں حدید کے ساتھ شروع میں ہی میں نے عفت کو سوچا تھا نائلہ کو دیکھ دیکھ کے مجھے غصہ آتا ہے۔

اس بار "مقابل ہے آئینہ" میں سدرہ یوسف سے مل کے اچھا لگا ویسے سدرہ جی ایک سوال ہے کیا آپ وہی والی سدرہ ہے جنہوں نے چک چکورہ کے ایک جامعہ میں ٹیچنگ بھی کی عالمہ کی ٹیچر تھی اگر آپ وہی ہے تو رئیلی آئی مس یو۔ تنزیلہ کوثر میں تم سب کو بھی بہت یاد کرتی ہوں مجبوری ہے تم لوگوں سے مل نہیں سکتی۔ یہی سمجھ لو پنجرے میں قید کیا گیا ایسا پرندہ ہوں جو چاہنے کے باوجود نہیں اڑ سکتا۔ پلیز تم لوگوں سے کوئی بھی مجھے پڑھ رہا ہے مجھے ایک بار ملنے آجاؤ میں تم لوگوں کو بہت مس کرتی ہوں۔

ج : پیاری بہن سارہ! کرن کو پسند کرنے کا شکریہ۔ امید ہے سدرہ یوسف اور تنزیلہ کوثر تک آپ کا پیغام پہنچ گیا ہو گا۔ آپ اتنی پابندیوں کے باوجود کرن کا مطالعہ کرتی ہیں۔ قارئین بہنوں کی کرن کی اتنی پسندیدگی کرن کو بہتر سے بہتر کرنے کی تحریک پیدا کرتی ہے۔

طاہرہ ملک...... جلال پور پیروالا

خوب صورت رنگوں سے جگمگاتا کرن جونہی ہاتھوں میں آیا تو بے پایاں خوشی کے احساس نے ہمیں سرشار کر دیا اور یہ خوشی اس وقت مزید بڑھ گئی جب "نامے میرے نام" میں خود کو پایا مدیرہ جی آپ اتنے خوب صورت انداز میں جواب دیتی ہیں کہ دل بے اختیار آپ کی محبت سے بھر جاتا ہے۔

حمد و نعت سے دل کو منور کرتے ہوئے 'شیف راحت' حمرہ علی عباسی' فارس شفیع سے ملاقات کی "مقابل ہے آئینہ" سدرہ یوسف سے مل کر بہت اچھا لگا۔

"راپنزل" کی یہ قسط بھی ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی شیرین کی قسمت پہ رشک آتا ہے جو اسے ہیرے جیسا شوہر ملا۔ صوفیہ کے روپ میں مشرقی لڑکی کی محبت خوب دکھائی اب دیکھتے ہیں کہ کاشف کیا قدم اٹھاتا ہے اور نینا کی باپ سے نفرت کچھ سمجھ نہیں آتی سلیم کا خوش مزاج انداز اچھا لگتا ہے۔

"تو بہت دیر سے ملا ہے" حسن کی سوچ پہ بہت افسوس ہوا پتا نہیں ایسی سوچ مرد کیوں رکھتے ہیں۔ اینڈ اچھا لگا۔

"شاید" فائزہ افتخار جی کیا کمال لکھ رہی ہیں آپ۔ سعد بے چارے کی حالت پہ افسوس ہوتا ہے اور سالار میں اتنا غرور اسے تو صرف اپنے علاوہ کوئی اور نظر ہی نہیں آتا ایسی محبت کا کیا فائدہ جو دوسرے کا احساس ہی نہ کر سکے ام ہانی کو صرف سعد خوش رکھ سکتا ہے۔

"رواجوں کے قیدی" پتا نہیں کب ہمارے ملک سے یہ فرسودہ روایات ختم ہوں گی "اب نیند ہوئی پرائی" زینا کی نیند نے ہمیں حیران کر دیا کہ منٹوں سیکنڈوں میں نیند قربان ہو جاتی ہے چلیں جی بالآخر جمشید عباسی کی وش پوری ہو گئی اور ان کا خاندان بھی سدھر گیا اور زینا کا جائز مقام بھی مل گیا۔

"میں گمان نہیں یقین ہوں" زیان جی یہ کیا کر دیا آپ نے ہم تو آپ کو بہت معصوم سمجھتے تھے بے چینی سے انتظار ہے اب آخری قسط کا۔

"بس اک حرف" صدف ریحان گیلانی نے بہت اچھا سبق دیا دعا' دعا کے حوالے سے ان کی باتیں دل میں گھر کر گئیں۔ "ردائے وفا" حبیب کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے اور اس کے اپنوں کو خبر نہیں حدید کی تو زندگی خراب ہو ہی گئی اب عفت کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونا چاہیے۔

"پھر نہ کہنا" خوب ہنسایا۔ تمام مستقل سلسلے میں سب کا انتخاب اچھا تھا۔ پلیز 10 اکتوبر کو میری سالگرہ ہے آپ یقیناً" مجھے wish کر کے میری خوشیوں کو دوبالا کر دیں گی آپ سے ایک اور ریکوسٹ کہ آپ کرن میں ایسا سلسلہ شروع کریں جس سے ہم کرن کے through اپنے پیاروں کو مخاطب کر سکیں۔ اور ہاں کرن کتاب میں گوشت کے اتنے اچھے اچھے پکوان بتا کر آپ نے ہماری عید خوب کرا دی۔

ج : پیاری طاہرہ! آپ کو سالگرہ مبارک ہو۔ آپ کی خواہش نوٹ کر لی گئی ہے۔

کومل خان...... کراچی

14 تاریخ کو کرن اپنی نرم گرم گندم کی سنہری خوشوں کی مانند کرنیں بکھیرتا ملا تو چند گھنٹوں کے لیے اپنی سول اور کرمنل پروسیجر کورٹ کی کتابوں کو ایک طرف پھینک کر (آہ ' امتحانات جو اچانک سے دو ماہ قبل ہو رہے ہیں) کرن کی طرف متوجہ ہوئے فائزہ افتخار کا "شاید" میں تمام کردار اپنی اپنی جگہ فٹ ہیں۔

"راپنزل" کی چوٹی پکڑ کر چڑھنا شروع کیا تھا کہ ارے یہ کیا ' ابھی تو بہت سے الجھاؤ باقی ہیں ' بالوں (کرداروں) کے سلجھتے سلجھتے اوپر چڑھنے میں وقت تو لگے گا نا۔ نایاب جیلانی ' نام دیکھتے ہی گالوں پہ ڈمپل پڑ گئے (سچ میں پڑتے ہیں)۔ ہم م... اس بار مسنگ تھی وہ خصوصیات جو کہ نایاب کی کہانیوں کا خاصا ہوتی ہیں پر اچھا لگا۔ مقدس مشعل کی "اب نیند ہوئی پرائی" میں زیبا کی نیندوں پر عش عش کر اٹھے... صدف ریحان گیلانی کے "بس ایک حرف" میں چھپا گہرا پیغام تھا صبر ' نیت اور کلام میں احتیاط کا۔ عمدہ طرز تحریر اور سبق آموز۔ سلمیٰ فقیر حسین کا "پھر نہ کہنا" اف... ف... آخر میں اتنا الجھا گیا کہ فشار خون تیز کر دیا... مزے کی ہلکی پھلکی تحریر تھی۔

"ردائے وفا" ہم عام انسانوں کی پر خطا زندگیوں پر لکھی تحریر۔

ج: پیاری کومل! شکریہ آپ نے امتحانات قریب ہونے کے باوجود کرن پر توجہ دی۔ بہت اچھے نمبروں سے ہماری دعا ہے کہ آپ امتحان میں کامیاب ہوں۔

آسیہ ارم... ملیر

اس ماہ کا کرن 12 ستمبر کو ملا ماڈل اچھی تھی۔ میری ایک تجویز ہے۔ وہ یہ کہ آپ لوگ ٹائٹل پر ہمیشہ خواتین ماڈل کو کبھی دلہن تو کبھی پارٹی ویئر میں دکھاتے ہیں ظاہر ہے یہ تمام ڈائجسٹ خواتین کے زیر مطالعہ رہتے ہیں 99٪ تو کیوں نہ ٹائٹل پر جس ماڈل کو دکھائیں وہ ہماری آج کی محنت کش خواتین مثلاً "جیسے ڈاکٹر ' انجینئر ' پائلٹ ' نرس ' ٹیچر ' نیوی شیف ' نیوز کاسٹر ' دفاتر کی ملازمین ' گاؤں کی خواتین) اور بھی بہت سی ورکنگ وومین وغیرہ۔

میں نے جب بھی خط لکھا کرن میں ' کرن نے اسے ہمیشہ جگہ دے کر میرا حوصلہ مان بڑھایا ہے کرن کی موسٹ فیورٹ کہانی (میری) "شاید" فائزہ مزہ آگیا مگر یہ دادا جان کی انٹری اتنی کم کیوں کرتی ہیں سب سے مزے کی شخصیت ہے ان کی پڑھ کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتی ہوں۔ اس دفعہ عطا اللہ عیسیٰ خیلوی کے گانے پر دادا جی کے کمنٹس اور حرکتیں مزہ دے گئیں۔ اور ام ہانی اور سالار کا سامنا بھی کم دکھاتی ہیں مجھے سالار کی شدت پسندی پسند ہے۔ ویسے ام ہانی نام کی بچیاں ہوتی بڑی پیاری ہیں۔ بھئی مکھن نہیں لگا رہی میرے پاس بھی اک ام ہانی ہے میری سب سے چھوٹی کیوٹ سی بیٹی۔

فرحین اظفر آپ کا "ردائے وفا" اچھا ہے مگر پلیز اسے تھوڑا سمپل کیجیے آپ نے اس میں اس قدر فلسفہ گھول دیا ہے کہ آپ ایک سین کھینچ کر اتنا لمبا کر دیتی ہیں جیسے ہاسپٹل سے حدید میسج کرتا ہے نائلہ کو ' اب اس کے نیچے آپ نے نائلہ کے بارے میں ڈیڑھ پیج (میری رائٹنگ کے حساب سے) کا جو کچھ بھی لکھا ہے پلیز ہم ان دس قسطوں میں اچھی طرح سے نائلہ کو سمجھ چکے ہیں تو اب کہانی کا بہت سا حصہ (اسی طرح کا) چھوڑ کر پڑھتی ہوں پلیز ابھی اس میں میرا انٹرسٹ ختم نہیں ہوا مگر اب آپ ویسے بھی اس کہانی کو لمبا کھینچ رہی ہیں قاری بہنیں اگر میری بات سے ایگری ہوں تو ضرور بتائیں۔

تنزیلہ ریاض کی "راپنزل" اپنے نام کی طرح منفرد ہے مجھے ایسی پرت در پرت چھپی اسٹوریز بہت پسند ہیں ابھی تک مہر (جو شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے) اور اس کے پاپا کو سامنے نہیں لائی ہیں آپ ' اچھا ہے تجسس سے بھری یہ کہانی بہت اٹریکٹو ہے۔ جس کا ہر ماہ انتظار رہتا ہے۔

مکمل ناول "شہ مات" نایاب کی بہت اچھی کاوش تھی مگر صرف فجر ' ماہ مبین اور فاتح پر زیادہ توجہ دی تھوڑا اور بھائیوں کی مستیاں شرارتیں دکھاتیں اتنا اچھا پلاٹ تھا۔ نادیہ احمد کا "تو بہت دیر سے ملا ہے" تھوڑا عجیب سا تھا کافی جگہ بے ربط سا لگا۔ "میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ ابر راجہ آپ نے پلاٹ تو بہت اچھا چنا تھا مگر کہانی میں کئی جگہ جھول ہیں ہاں اس دفعہ جو نظم آپ نے اس میں شامل کی ہے۔ میری روح تک کو ہلا گئی ہے زبردست۔ صدف ریحان "بس اک حرف" اچھا موضوع لے کر آئیں۔

"رواجوں کے قیدی" سحرش نے گاؤں کی جہالت دکھائی ہے کیا اب بھی ایسا ہوتا ہے تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس رب نے ہمیں اک اچھی سوچ رکھنے والی فیملی کا حصہ بنایا ہے۔ مقدس مشعل کا "اب نیند ہوئی پرائی" بہت اچھا تھا خاص کر زیبا کی سونے کی عادت سمی

ہے بھی جہاں جگہ ملتی محترمہ سو جاتیں۔ پڑھ کر مزہ آیا اس کہانی میں لڑکیوں کے لیے بھی بہت اچھا سبق تھا۔
ہائے سلمیٰ فقیر جی یہ کیا لکھ ڈالا آپ نے ابھی تک پیٹ کی آنتیں الجھی پڑی ہیں بچ جبڑے دکھ گئے ہنستے ہنستے اس کو پڑھتے۔ ویل ڈن سلمیٰ امید ہے کہ آئندہ بھی آپ ہمارے لیے تفریح سے بھرپور ناول لائیں گی سارے دن کی بے زاری اڑن چھو ہو گئی۔
اس کے علاوہ انٹرویوز اور تمام سلسلے بے حد پسند آئے۔
اب اجازت دیں جب اکتوبر کا شمارہ آئے گا تو عید الضحیٰ گزر چکی ہو گی اس لیے میری طرف سے آپ کو، پوری ٹیم کو اور میری پیاری قارئین بہنوں کو دلی عید مبارک۔ ج : آسیہ جی! آپ نے خط لکھا ہے بے حد شکریہ۔ یقیناً" محنت کش خواتین ہمارے لیے رول ماڈل ہیں لیکن ٹائٹل پر ماڈل بننا ان کا کام نہیں ہے۔ کہانیوں پر آپ کا تبصرہ بہت شاندار اور بھرپور تھا امید ہے آئندہ بھی اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں گی۔ آسیہ جی بیٹیاں تو ہوتی ہی پیاری ہیں ان کا نام جو بھی ہو۔

فوزیہ ثمر بٹ، ثانیہ عمران، آمنہ میر۔۔۔ گجرات

ستمبر کا شمارہ بارہ کو ہی مل گیا۔ انتہا کی خوشی بھی اب انتظار کی کوفت تو نہیں سہنی پڑتی۔ سرورق ماڈل خوب صورت لگ رہی ہیں مگر بالوں میں ہیر رنگ لگانے کی تک ہماری سمجھ سے تو باہر رہی۔
شیف راحت، حمزہ علی عباسی اور فارس شفیع سے ملاقات اچھی رہی۔ "مقابل ہے آئینہ" (سچی گل دساں) ہیں اے سلسلہ کچھ سا وادی نہیں رہا۔ سب سے پہلے "راپنزل" کو پڑھا۔ اس بار بھی قسط اچھی رہی۔ یہ تنزیلہ جی کے قلم کا کمال ہی تو ہے، جو ہمیں بور نہیں ہونے دیتا ہے تحریر ابھی تو آغاز میں ہی ہے۔ پھر بھی سارے کردار اپنی اپنی جگہ سیٹ لگ رہے ہیں۔
دوسرا مکمل ناول "ردائے وفا" اس بار قسط کچھ خاص نہیں لگی۔ میرے خیال میں اسے ایسے ہی طویل کیا جا رہا ہے۔ نائلہ کو شبیر شیطان سے نجات دلائیں اور حدید اور نائلہ کے تمام گلے شکوے ختم کریں۔
"میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ جی نے تو سارے انکشافات لاسٹ قسط میں چھپا رکھے ہیں۔۔۔ ناولٹ "دشاید" ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد آیا سعد بیچارے کی

ہر تدبیر ناکام ہو گئی۔ اور شادی کا دن بھی آ گیا۔
وکھری ٹائپ کے دادا جی کی باتیں ہنساتی رہیں۔
قسط کا اینڈ دہلا دینے والا تھا۔ "شہ مات" بڑی اچھی تحریر تھی۔ نگینو کردار ماہ مبین ذرا پسند نہیں آیا۔ مبین کو

اس کی "مکروہ" سوچ کا آئینہ نہیں دکھایا۔ مکمل ناول "پھر نہ کہنا" مجھے ذرا بھی اچھا نہیں لگا۔ معذرت کے ساتھ آپ سنجیدہ تحریر لکھا کریں۔ وہ ہمیں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔

ناولٹ "نیند ہوئی پرائی" دادی اماں کا اچھا مقصد تھا۔ شکر دادی اماں کو ناکامی نہیں ہوئی۔

اب کی دفعہ مستقل سلسلوں میں، میں تو کہیں بھی نہیں تھی۔

"نامے میرے نام" میں سب کے تحریروں کے متعلق، اظہار خیال اچھے تھے۔ مگر یہ کیا جولائی کے شمارے میں میرے خط کو فسٹ پہ کردیا اور ستمبر میں محفل کے اینڈ میں میرے دل کو آپ کی یہ ادا بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔ ہاں ناں۔

ہمارے گھر میں "کرن" کی دو پرستار شیدائی ہوگئی ہے۔ ایک تو میری بہن شازیہ میرریس اور دوسری میری محترم بھابھی طیبہ صاحبہ۔ دونوں سر کھاتی ہیں جو تحریر اچھی ہوتی ہیں ان پہ نشانی لگا دیا کروں ہم نے پڑھنی ہوتی ہیں۔

اور پھر ان کے تبصرے کہ فلاں کا اینڈ ایسے کیوں ہو ویسا کیوں نہیں ہوا۔

ج: فوزیہ! خط شامل تو کردیا نہ آپ کا نمبر سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کا بے حد شکریہ جو ہر ماہ پابندی سے کرن کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں اور آئندہ بھی کرتی رہیں گی۔ آپ کی بہن اور بھابھی بھی ہماری قارئین کی فہرست میں شامل ہوگئیں بہت خوشی ہوئی۔

حرا قریشی، بلال کالونی۔۔۔ ملتان

لیجئے آپ نے یاد کیا، حرا کو اور حرا الہ دین کے چراغ کے جن کی طرح جھٹ پٹ حاضر۔۔۔ بھئی ہم تو ایسے ہی خوامخواہ ناراض ہوئے اپنے ہاکر سے، اب کے تو ٹائم سے قبل از وقت مل گیا کرن، سو ناراضی ختم بھی اور شد بھی۔۔۔!

ہماری محبوب من (کرن) سے جو نسبت ہے اس کے آگے غلطی سے بھی فل اسٹاپ مت لگائیے گا ورنہ ہم (So on) کی علامت لگا دیں گے جو جاری رہتا ہے لا محدود ہوتا ہے۔ لوگ بھاگتے ہیں اسٹیشن پر ٹرین پکڑنے کے لیے۔۔۔ جناب ہم دوڑتے ہیں تبصرے کے لیے!

"شاید" ظالماں! کہاں بیچارے معصوم غریب دل کو لٹکا دیا ہے۔۔۔ باخدا! تڑپتا ہے ام ہانی کی کیفیت پہ کوئی پوچھے فائزہ جی سے اتنا دل خواہ بھی لکھتے ہیں بھلا کہ سیدھی سادی مصروف شخصیت (اپنی بات کر رہی ہوں، جلنے والے منہ پیچھے کرلیں) بھی ایک قسط کو تین دفعہ پڑھے۔

باسبب تمہاری آمد، غنچے ڈالیوں پر چہک اٹھے!

"راپنزل" "شہرزن کا ایمن کے سنگ رویہ سوالیہ نشان؟ (گتھی کھلنے کے منتظر ہیں) کاشف اور صوفیہ دونوں کو اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ حبیبہ کی شوہر کا ایکسیڈنٹ اور پھر موت کی جاں فزا خبر (یہ ناگہانی کلائمکس چونکا دینے والا ہے) "ردائے وفا" دکھ ہی دکھ، افسوس صد افسوس! نائلہ ڈیئر پھنس گئی نا، معراج امید کی کرن اور اندھیرے میں روشن چراغ عفت کے لیے ثابت ہونے لگا ہے۔ "نیند ہوئی پرائی" جو کام جمشید صاحب اور اماں جی کرنا چاہ رہے تھے وہ عبید کے دوست نے پلک جھپکتے سہل کر ڈالا۔ مبارک زینائی بی! "رواجوں کے قیدی" نا چاہتے ہوئے بھی ابھی بھی "حوا" ان فرسودہ رواجوں کے زیر اثر ہے۔ "دیر سے ملا ہے" ماہا نے حسن کے لیے انتظار کی بڑی بھاری مشقت کی ادائیگی کی۔ رامس کا ہمراہ ہونا حوصلہ افزائی کا باعث بنا رہا۔ "بس اک حرف" عورت ذات کو اتنا تنگ و دو کی چکی میں پسنا ضروری ہے کیا جب بنیادی ضروریات سوچ کر پوری ہو رہی ہوں لبنیٰ کی بس حد ہو گئی تھی اور شارق میاں اپنے مدعا سے ہٹنے کو تیار نہ تھے (کچھ تو گڑبڑ ہونی تھی ناں پھر) "پھر نہ کہنا" ارے بھئی! کچھ نہیں کہتے بہت کچھ لکھتے ہیں اور سناتے ہیں! چاروں لڑکیوں کی نوک جھونک، ہاشم کی برداشت قابل دید "شہ مات" زبردست کمال کیتا تسی "میں گماں نہیں" دلچسپی حد درجہ بڑھ گئی ہے۔

فخر اور خوشی کا عنصر غالب آنے لگتا ہے "جب موتی چنتے ہیں" "اپنا ذاتی اقتباس بھیج سکتے ہیں؟ تمام سلسلوں کو برابر فیصد پر رکھا اب کے۔ لیجئے اختتام کرتے کرتے بھی کچھ نہ کچھ تو فرض ادا ہو ہی گیا۔ آپ کی ہمراہی ہمارے سر چشمہ رہنمائی ہے۔ رب سوہنا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آپ کی ادنیٰ خاکسار۔

ج: حرا! آپ کا کرن کو پسند کرنے کا شکریہ "نامے میرے نام" ہمارا مستقل سلسلہ ہے تو بہتر ہو گا کہ اسی ماہ کی کہانیوں پر تبصرہ کیا جائے۔ موتی چننے ہیں یعنی کہ کسی کتاب یا ناول میں آپ کو کوئی اقتباس پسند آئے۔ کیونکہ ہم کتاب یا ناول کا نام ساتھ شائع کرتے ہیں۔

✿ ✿